27·61

دِل دریا سمندروں ڈونگھے

آسیہ مرزا

Marfat.com

دل دریا سمندروں ڈونگھے

آسیہ مرزا

Marfat.com

Marfat.com

دل دریا سمندروں ڈونگھے

آسیہ مرزا

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور
فون: 042-7668958, 042-7652546
www.alqurai sh.com E.mail:info@alquraish.com

Marfat.com

98227

"معیاری اور خوبصورت کتابیں"

با اہتمام محمد علی قریشی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ایڈیشن 2010ء

مطبع .... نیئر اسد پریس لاہور

کمپوزنگ .... کلائمکس گرافکس

قیمت .... -/500 روپے

Marfat.com

انتساب

بصد ادب و احترام

اپنے والدین کے نام ......!

Marfat.com

Marfat.com

افق کے دریچے سے کرنیں جھانک کر اُس کی محرابی کھڑکی پر دستک دینے لگیں تو وہ چونک پڑی۔ وال کلاک پر نگاہ ڈالی تو چھ بج رہے تھے، گویا اسے فجر کی نماز سے فارغ ہوئے کوئی ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس نے بیڈ سے اتر کر پیروں میں سلیپر ڈالے اور شفاف بلوریں کھڑکی کے پٹ کھول دیئے۔

پرندوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ ٹھنڈی کرنوں اور نرم وشوخ ہوا کے نمناک جھونکوں نے بڑھ کر اس کا صبیح چہرہ چوم لیا۔ اسے فرحت کا احساس ہوا۔ بھینی بھینی خوشبو برساتے رنگ برنگے پھول اور شگفتہ ہریالی حویلی کے اس پائیں باغ کو بے انتہا دلکش اور روح پرور بنا رہی تھی۔ چھوٹی چھوٹی تتلیاں اپنے رنگین پروں کو پھڑپھڑاتی ایک پھول سے دوسرے پھول پر آ جا رہی تھیں۔ اپنے خیالوں میں گم شاخ در شاخ کبوتر، اپنے خوشنما پر سمیٹتے پھیلاتے ہوئے اُڑ رہے تھے۔ گویا سردیوں کی سہانی صبح نے اپنے پر پھیلا دیئے تھے اور سب کو خود فراموشی کی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

اس نے ماحول کی ساری طراوٹ کو اپنے اندر جذب کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ معاً اس کی نگاہ باغیچے کے پرلے سرے پر بنی خوشنما انیکسی پر پڑی تو چونکی۔ انیکسی کا سفید دروازہ نیم وا تھا۔ اس کا مطلب تھا وہ آ چکا تھا۔

''اتنی خامشی...... اتنی کج ادائی۔'' اسے شکوہ سا ہوا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا شکوہ خود ہی ختم کر دیا، یہ سوچ کر کہ اس نے کب اسے اتنا اہم جانا ہے کہ اپنے شب و روز کی مصروفیت کی فہرست اسے سنائے۔ کب اپنی زندگی میں اسے داخل ہونے کی اجازت دی ہے۔ وہی پاگل ہے جو اسے اپنی زندگی کا محور سمجھ کر اس کے گرد گھوم رہی ہے۔

اس نے کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے۔ ڈھلکتی سیاہ کشمیری چادر کو اپنے گرد لپیٹ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ لمبی سنگ مرمر کی راہداری میں کوئی بھی ذی روح اسے نظر نہ آیا۔ ملازمائیں سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو چکی تھیں۔

'نہ جانے زیبل کہاں ہے؟' اس نے گول کمرے میں جھانکا، وہ خالی تھا۔ اس کے

Marfat.com

برابر کے چھوٹے کمرے میں جھانکا تو وہاں نوراں صفائی میں جتی ہوئی تھی۔

''سلام بی بی!'' اس نے اشتارا کو دیکھ کر جلدی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' اس نے سر کی جنبش سے اسے جواب دیا اور وہاں سے ہٹ کر آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی شاہ خانم کے کمرے کی سمت بڑھی۔ اس لمحے اس کے دل نے یکلخت دعا کی 'خدا کرے شاہ خانم اس وقت نیند میں ہوں۔' اور یہی لمحہ قبولیت کی خوشگوار گھڑی بن گیا۔ اس نے بے حد نرمی سے بلند و بالا آبنوسی دروازے کو ہولے سے کھول کر اندر جھانکا، پھر مطمئن ہو کر مسکرا دی۔ دعا کی قبولیت نے اسے سرشار کر دیا۔

شاہ خانم اپنے وسیع و عریض بستر پر دراز گہری نیند میں غرق تھیں۔ ان کا سرخ و سپید چہرہ نیند میں بھی ویسا ہی رعب دار تھا۔ کھڑی ستواں ناک تنی ہوئی تھی، ہاں ان بھوری بھوری جلالی آنکھوں پر بھاری پپوٹوں کا پہرہ تھا۔ اس نے سرسری نگاہ ڈال کر دروازہ آہستگی کے ساتھ بند کر دیا اور پلٹ کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

شاہ خانم ہمیشہ ہی چڑیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ اٹھ جایا کرتی تھیں اور ان کے اٹھنے کے ساتھ ہی پوری حویلی میں زندگی کی لہر دوڑ جایا کرتی۔ ناشتے کی لمبی سی میز انواع و اقسام کی چیزوں سے سجنے لگتی۔ حویلی کے چپے چپے کی صفائی شروع ہو جاتی۔ ان کے اٹھنے کے بعد کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ بستر پر پڑا رہے۔ یا کسی کونے میں بیٹھا اونگھتا رہے یا کام کرتے وقت لمبی لمبی جمائیاں لیتا نظر آئے۔

بابا خان تو فجر کی نماز کے فوراً بعد ناشتہ کر کے قابل نواز اور محمد رو خان کے ساتھ زمینوں کی طرف نکل جاتے۔ اشتارا کو زیبل فجر کی نماز کے لئے اٹھا جاتی تو پھر وہ سوتی نہیں تھی۔ نماز کے بعد کمرے کے دریچے کو کھول کر پائیں باغ کی رعنائیوں کو اپنے اندر جذب کرتی رہتی یا پھر انیکسی کو تکا کرتی۔

جہاں اس کے سارے خواب بند تھے۔

تمناؤں کے ساگر تھے۔

آرزوؤں کی ساری نوخیز ندیاں اس جانب رواں تھیں۔

ناشتے کے لئے زیبل ہی اسے بلانے آتی تب وہ چونکتی۔ اس مدھ بھرے، جھلملاتے احساس سے باہر نکل آتی اور زیبل ہنس پڑتی۔

''بہت غلط وقت پر آئی ہوں خان زادی!'' وہ اسے چھیڑتی ضرور اور وہ ہنس پڑتی۔

مگر آج شاہ خانم خلاف معمول چڑیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ نہیں اٹھی تھیں۔ اس کی

Marfat.com

وجہ یہی تھی کہ وہ کل رات اشمل خان کے فون کے انتظار میں جاگتی رہی تھیں اور پھر اس کے طویل فون کے بعد بھی اس کی باتیں کرتی رہی تھیں۔ نجانے کیوں انہیں رات اشمل خان بہت یاد آیا تھا اور اس کی باتیں کر کے وہ شاید سکون محسوس کر رہی تھیں۔ یہ تو بابا خان نے انہیں وقت کا احساس دلایا تھا۔ جگ مگ کرتے ہیروں کی طرح چمکتے وال کلاک پر جب خود ان کی نگاہیں پڑی تھیں تو پھر نیند خود بخود ان کی آنکھوں میں بھی اتر آئی تھی۔

صبح بابا خان جاتے جاتے ان کی ملازمہ خاص خیزراں بی بی سے کہہ گئے تھے کہ انہیں جلدی بیدار نہ کیا جائے۔ خیزراں نے ان کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے انہیں ابھی تک بیدار نہیں کیا تھا۔

اشتارا کے لئے یہی موقع غنیمت تھا کہ وہ اس سرکش انسان کا دیدار کر لے، جس سے وہ انجانے میں ہی محبت کر بیٹھی تھی۔ نہ جانے کب اور کیسے وہ دل کے پر پیچ خمدار رستوں سے گزرتا اس میں آبیٹھا تھا، جہاں آبگینوں سے زیادہ نازک جذبے پلتے ہیں اور آنے والے مہمان کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں اور تب رنگ، خوشبو، گیت، ستارے ہم رکاب ہو جاتے ہیں۔

جذبے تو مثل مہتاب ہوتے ہیں، بھلا ابھرتے ہوئے مہتاب کا رستہ کون روک سکتا ہے اور ذولین خان غل زئی کے وجود نے اس کے دل کے گھنے جنگل کی تاریکی کو روشنیوں سے منور کر دیا تھا جبکہ وہ خود انجان تھا یا بے خبر رہنا چاہتا تھا۔

اب وہ تنہا نہیں تھی۔ بہت سے خوش رنگ خواب اس کے ہمراہ تھے۔ اس کی تنہائی کے صحیفوں پر اَب گلاب آسا ساعتوں کی رنگ برنگی تتلیاں محو رقص تھیں۔

اس سفر میں اسے کیا ملے گا۔ گلاب، رنگ، مسرتیں یا مہیب دکھ؟ اس نے نہیں سوچا تھا اور نہ سوچنا چاہتی تھی۔

وہ پورے چار دن سے اس کی راحت دید سے محروم رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے دیکھ کر وہ ہمیشہ کی طرح خفگی کا اظہار کرے گا۔ برہمی کی ساری شکنیں کشادہ پیشانی پر سجا کر اس کا استقبال کرے گا۔ مگر اس کی سمندر آنکھوں کی وہ چمک جو اسے دیکھ کر ان آبگینوں میں ایک لمحے کو ہی سہی، عود کر آئے گی، اسے ہلکا پھلکا کر دے گی۔ وہ ساری زبانی خفگی سہہ لے گی۔

''خان زادی کہیں جا رہی ہو؟'' زیبل کی آواز نے اسے بری طرح بوکھلا دیا۔ وہ بڑی

Marfat.com

سی سرخ چادر اوڑھے سنہری بالوں کو زرد رومال سے باندھے انیکسی کی سمت جانے کو تیار تھی۔ اب یوں زیبل کے آجانے پر وہ لحہ بھر کے لئے بوکھلا گئی تھی۔

''آہ، ہاں، نہیں۔'' اس نے اپنی لانبی لانبی پلکوں کی جھالریں جھکا دیں، مگر دوسرے لمحے اسے اپنی بوکھلاہٹ سراسر حماقت لگی۔ بھلا زیبل سے کیا ڈرنا، چھپانا۔ وہ تو اس کی جنم جنم کی ساتھی تھی۔ اس کی ہمراز۔ اس کے کھلے چھپے جذبوں کی رازداں۔

ایک پرخلوص اور ہمدرد رفیق پالینے سے کتنی تکلیفیں کم ہو جاتی ہیں، اسے زیبل کو پاکر احساس ہوا تھا۔

پرکشش سیاہ چمکتی آنکھوں والی زیبل کو اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر جھینپی جھینپی ہنسی ہنس دی۔

''ہوں۔ مگر شاہ خانم نہ اٹھ جائیں کہیں۔'' وہ بڑی شاطر تھی۔ اس کے نرم ہونٹوں سے پھوٹتی جھینپتی مسکراہٹ سے ہی سب کچھ جان گئی۔ مگر انتہائی خلوص کے ساتھ اس خدشے کا احساس دلایا جس سے اشتاراً بھی خوفزدہ تھی۔

''زیبے! تم جانتی ہو وہ پورے چار دن بعد شکار سے آیا ہے۔'' وہ اس کے بے حد قریب آتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولی۔

''ہاں اور تمہاری نگاہیں اس کے دیدار کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ ہے ناں؟'' زیبل یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''بدتمیز۔'' وہ شرما گئی۔ گلابی چہرے پر لہو کا رنگ چھلک آیا۔

''ضرور جاؤ اس پتھر انسان کے پاس۔ ہاں، مگر جلدی آجانا۔''

''نہیں۔ نہیں زیبل...... وہ پتھر نہیں ہے۔'' اس نے زیبل کی طرف سے دیئے گئے اس خطاب کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ ''اسے پتھر بنا دیا گیا ہے اور کبھی کبھی تو مجھے بھی محسوس ہوتا ہے جیسے ان اونچی اونچی دیواروں کے اندر رہ کر کسی دن میرا وجود بھی پتھرا جائے گا۔ جہاں آزادیٔ رائے کی ممانعت ہو۔ جہاں انسان کے حق پر پابندی ہو۔ جہاں جائز بات کہنا بھی بغاوت ہو۔ وہاں لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ جذبے مر جاتے ہیں اور زیبل جب جذبے مر جائیں تو انسان پتھرا جاتا ہے اور روح مرجھا جاتی ہے۔'' اس کی سنہری آنکھوں میں گہری اداسی سمٹ آئی۔ وہ اندر سے اتنی ہی دکھی تھی۔ یہ تو ذولین خان اس کے لئے روشنی کا نقطہ تھا اور اس نقطے پر وہ نگاہیں مرکوز کئے اب تک جی رہی تھی۔ کبھی کبھی تو یہ نقطہ بھی گم ہونے لگتا اور بے خواب آنکھیں ڈول سی جاتی تھیں۔

Marfat.com

مگر شاید یہ دل کے ساحلوں پر سر پٹختی محبت، یہ پُر زور اور جذبوں کی شوریدہ سر لہریں ہی تھیں جو اسے ناامیدی کے صحراؤں میں بھٹکنے سے بچائے ہوئے تھیں۔

یا شاید!

اپنی محبت کا اتنا اعتبار تھا۔

اعتماد کا مضبوط سہارا تھا کہ وہ ابھی تک اس کی خفگی اور لاتعلقی کی منہ زور لہروں کے آگے ڈٹی ہوئی تھی۔

''نہ نہ اشتارا بی بی! یہ ستم نہ کرنا۔ اگر تم پتھر بن جاؤ گی تو اس 'پتھر' کو موم کون کرے گا؟'' اسے اداس دیکھ کر زیبل نے جلدی سے موضوع کو خوشگوار رنگ دے دیا۔ اسے چھیڑا تو وہ شرما کر اسے گھور کر رہ گئی۔

''اب جلدی جاؤ کہیں شاہ خانم نہ اٹھ جائیں۔'' اس نے جلدی سے وقت کا احساس دلایا تو اسے بھی وقت کے بے حد قیمتی ہونے کا احساس ہوا۔ جلدی جلدی اس نے چادر سے اپنا آپ ڈھانپا اور کمرے سے باہر نکلنے لگی، مگر جاتے جاتے بھی زیبل کو شرارت سوجھی۔

''ارے سنو خان زادی!'' اس نے پکارا۔

''ہوں۔'' وہ پلٹی۔

''کاجل نہیں لگاؤ گی کیا؟'' زیبل نے اس کی سنہری خمار آلود آنکھوں میں جھانکا اور وہ جھینپ گئی۔

''بہت بدتمیز ہوگئی ہو تم۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے اسے ڈانٹا اور پلٹ کر تیزی سے کمرے سے باہر بھاگی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی شبنم آلود ہوائیں ہرے بھرے لان میں اسی طرح نغمہ ریز تھیں۔ پھولوں پر ابھی تک شبنم کے قطرے سجے پتوں کے ساتھ ہلکورے لے رہے تھے، مگر اس نے نہ آج ان مہکتے رنگ لٹاتے پھولوں کی سمت دھیان دیا جو ہمیشہ اس کے گلابی لبوں کی جنبش کے منتظر رہتے تھے، نہ نغمہ ریز ہوا کے سرور کو محسوس کیا بلکہ اپنے آپ کو ان شریر پھولوں سے بھی چھپاتی، تیزی سے لان عبور کر کے انیکسی کی جانب بھاگی۔

سفید دلکش نقش و نگار سے مزین نیم وا دروازے کے سیاہ پالش شدہ ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے دل کی دھڑکن معمول سے تیز ہوگئی۔ سفید موی انگلیاں کانپ سی گئیں۔ وہ اپنے اندر اٹھتے ہوئے ایک ہیجان خیز احساس کے حصار میں ڈوبتی چلی گئی۔

Marfat.com

مگر بدقت تمام اس نے اپنی حالت پر قابو پایا ورنہ دل کی تیز دھڑکن اسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتی۔

اس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر ہی آہستگی سے کسی بہار کے نرم جھونکے کی طرح اندر آ گئی۔

سرمئی کرتے شلوار اور سفید براق واسکٹ میں ملبوس وہ فرش پر بیٹھا اپنی رائفل صاف کر رہا تھا۔ دستک پر سر اٹھا چکا تھا۔ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔ سرخ رنگ کے پرنٹڈ پشواز اور بڑی سی سرخ چادر میں خود کو ڈھانپے ہمیشہ کی طرح سنہری بالوں کو زرد رومال میں جکڑے، وہ لائی نم کے خوشنما پھول کی طرح اپنی مہک کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔ پورے چار دن کے بعد شعوری نہ سہی لاشعوری طور پر وہ اس کا منتظر تھا۔ اس کی سبز کانچ سی آنکھوں کی چمک ایک لحظہ کو بڑھی۔

وہ اسے دیکھتا رہا، مگر محویت کا عالم صرف چند لمحے رہا۔ پھر نہ جانے کس احساس تلے، کس سوچ نے اس کشادہ پیشانی پر شکنوں کے جال بن دیئے۔

عنابی لب باہم بھنچ گئے۔ ستواں ناک کے نتھنے پھیلے اور پھر سکڑ گئے۔

''تم، کیوں آئی ہو یہاں؟'' ہمیشہ کی طرح برہم لہجے میں اس نے گھسا پٹا سوال پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

مترنم جھرنوں سی ہنسی نازک گلابی لبوں سے پھوٹی تو عارضوں کی ساری دلکشی نکھر آئی۔ اس نے چہرہ جلدی سے رائفل پر جھکا لیا۔

وہ ہمیشہ اسے اسی طرح ڈسٹرب کرنے آ جاتی تھی۔

اس کے دل کی دنیا میں ایک انتشار برپا کر جاتی تھی۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اس نے اپنی تمام دھڑکنوں کو قابو میں رکھتے ہوئے پوچھا، پھر ایک مخملیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اتنی صبح صرف یہی پوچھنے آئی ہو؟'' اس کا لہجہ بدستور ترش رہا۔

''آپ کل شکار سے واپس آئے ہیں نا، سو یہی پوچھنے آئی ہوں کہ کیسا رہا ٹور؟'' اشتارا خان نے اس کی ناراضگی، بے نیازی اور کج خلقی کو نظر انداز کرتے ہوئے آہستگی سے اپنے یہاں آنے کا مقصد اس پر واضح کیا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ وہ اتنا سادہ لوح یا کم عقل نہیں تھا کہ وہ بات نہ سمجھے جو الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی۔ مگر شاید ہر بار نظر انداز کر کے اس کی اذیت دیکھ کر، اپنی انا کی تسکین کا سامان کرتا

Marfat.com

تھا اور وہ خود بھی جانتی تھی کہ وہ یہاں کیوں چلی آتی ہے۔ محض اس کی صورت دیکھنے، اپنی تمناؤں کے اس حسین مرکز کو دیکھنے۔

مگر وہ سچ نہ کہہ سکتی تھی۔

اپنے اندر مچلتے جذبوں کو زبان دے کر انہیں بے وقعت نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ وہ اچھی طرح واقف تھی کہ یہ شخص پذیرائی کے آداب سے واقف نہیں ہے۔ بالفرض اگر اس کا دل اس کے نرم، کومل جذبوں کی حدت محسوس بھی کرے گا تب بھی وہ لبوں سے کچھ کہنے سے گریز ہی کرے گا۔

یہ گداز احمریں لب اسی طرح جامد رہیں گے۔

شاید، اس کی محبت کی آزمائش کرتے رہیں گے۔

''بتایا نہیں آپ کا ٹور کیسا رہا۔ کیا شکار کیا؟'' اس کی لاتعلقی پر وہ دکھی ہوگئی، جو مسلسل سر جھکائے اپنی رائفل کی سمت متوجہ تھا۔

''اچھا رہا۔'' چمکدار طلائی بالوں سے بھرا سر اس کے دوسری بار استفسار پر بھی یونہی جھکا رہا۔ آنکھوں کے سمندر پر پہرہ دیتی ان ساحل پلکوں کو اس نے اٹھانے کی زحمت قطعی گوارا نہ کی۔

وہ ہارنا نہیں چاہتا تھا۔

سنہری پانی میں بہنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ اس کی انانیت کی ہار ہوتی۔

اس کی مردانگی پر کاری ضرب ہوتی۔

اس کی خودداری پر زبردست دھچکا لگتا۔ اور پھر ضروری نہیں وہ یہ سب وار سہہ کر بھی سب کچھ پالیتا۔

پالینے کے اس سراب میں وہ سب کچھ داؤ پر لگا دینا نہیں چاہتا تھا۔

پھر اس کے پاس کچھ بھی نہ بچتا!

نہ چاند چہرہ

نہ ستارہ آنکھوں کی محبتیں۔

نہ اپنی غیرت کو بچانے کے لئے کوئی لفظ۔

صرف پچھتاوے رہ جاتے جو ازحد زہریلے ہوتے ہیں اور اس کے پاس ویسے بھی خوشیوں کے زمزمے نہ تھے، جن میں اپنے دکھ، پچھتاوے چھپا کر خوشی کے چند لمحے گزار لیتا۔

Marfat.com

اسے بہت سوچ کر زندگی کی طرف پاؤں بڑھانے تھے۔
جذبوں کا قیدی بن کر وہ کوئی اذیت اُٹھانے سے گریزاں تھا۔
''اشمل لالہ کا فون آیا تھا رات کو۔ وہ کہہ رہے تھے مجھے کہ جب وہ چھٹیوں پر آئیں گے تو ذولین کے ساتھ شکار کا پروگرام ضرور بنائیں گے۔''
''کب آرہا ہے اشمل؟'' اس نے پہلی بار سر اٹھا کر اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال کر پوچھا۔ شاید یہ موضوع اس کے لئے کچھ دلچسپی کا باعث تھا۔
''ابھی تو نہیں آسکیں گے۔ ان کی یونیورسٹی میں یونین کے الیکشن ہو رہے ہیں۔ وہ خود بھی صدارت کے امیدوار ہیں۔''
''اوہ۔ گڈ۔'' اسے یہ سن کر واقعی مسرت ہوئی۔
''اشمل کو جیتنا چاہئے۔''
''ہاں۔ ان کا جو منشور ہے اس کے حساب سے تو انہیں ہی جیتنا چاہئے مگر......'' وہ ایک لمحہ رکی پھر دھیرے سے بولی۔ ''لوگ سچائی کو کہاں سمجھتے ہیں، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔'' اس نے بہت سادہ سے لہجے میں اس کی ذات پر چوٹ کردی تو وہ تلملا اٹھا۔ وزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
''اُونہہ۔ سچائی۔ کہاں ہے سچائی؟'' وہ استہزائیہ ہنسا۔ ''جھوٹ، نفرت اور خودغرضی کے تیروں کی اس بارش میں لوگوں کا اعتبار ختم ہو چکا ہے، بلکہ کر دیا گیا ہے۔'' اس نے بھی حساب چکا دینا ضروری سمجھا۔
''اور اگر کوئی اعتبار قائم کرنے کے لئے صدق دل سے جدوجہد کرے تو؟ کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟'' وہ کرسی سے کھڑی ہوگئی۔
وہ بھی رائفل اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد اور ورزشی جسم نمایاں ہوگیا۔
''ذولین خان! کیا اعتبار قائم کرنے کے لئے جان کا نذرانہ دینا ہوگا؟'' اس کا لہجہ مغموم ہوگیا۔
اس کی بات پر ذولین خان کا سارا وجود ایک لمحے کے لئے لرزا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے کا تناؤ بڑھ گیا۔ سردمہری گہری ہوگئی۔ اس نے رائفل غصے سے ایک طرف پٹخ دی اور پلٹ کر اسے دیکھا۔
''اشتارا مہروز! چلی جاؤ یہاں سے اور اب آئندہ مت آنا یہاں۔'' اس کا لہجہ ایک دم ہی شعلہ ہوگیا۔

Marfat.com

آنکھیں تپ اٹھیں۔

چہرہ سرخ ہوگیا۔

خود اشتارا کا سارا وجود اس جملے سے دھواں دھواں ہوگیا۔

''ذولین خان! ہمارے درمیان ایک اور معتبر رشتہ بھی تو ہے۔ کیا اس رشتے کے توسط سے تم مجھ سے کوئی بات......؟''

''کیا تم اس رشتے کے توسط سے، اس رشتے کے احساس کے ساتھ آتی ہو یہاں؟'' اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر ایک ایسا کاری وار کیا کہ وہ تھرا اٹھی۔

اُف، اس ظالم انسان نے کیسا تیر پیوست کر دیا تھا دل میں کہ وہ بھربھری مٹی کی طرح اندر ہی اندر بکھرنے لگی۔ تذلیل کے احساس سے چہرہ سرخ ہوگیا، پلکیں جھک گئیں۔

وہ سلگتی سبز آنکھوں میں کڑواہٹ لئے اس کے دھواں دھواں چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''میری نظر میں رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور یہ خون کے رشتے؟ اُونہہ۔ ڈھکوسلا ہیں، ان پر تو میرا ایمان ہی نہیں ہے۔ میں رشتوں کو نہیں انسانیت کو مانتا ہوں۔ شکر ہے کہ کچھ لوگوں کی موجودگی نے اس بھرم کو بھی قائم رکھا ہے۔'' وہ ایک لمحے میں یکسر بدل گیا۔ آنکھوں کی رنگت گہری ہو رہی تھی۔ ان میں نفرت، غصے اور کسی سسکتے احساس کے رنگ تھے۔ وہ اپنے اندر کا سارا زہر باہر نکال رہا تھا۔

ہاں وہ حق پر ہی تو تھا۔

اس کا غصہ، اس کی نفرت بے معنی تو نہیں تھی۔

یہ سب اسے وراثت میں نہیں ملا تھا۔ ویران اور جھلستے درد کا صحرا وہ اپنے ہمراہ لے کر نہیں آیا تھا۔ یہ سب ماحول نے اسے دیا تھا!

اس مقدس رشتے نے عنایت کیا تھا اور آج......

وہ سب کچھ لوٹا رہا تھا تو کتنا ظالم، کتنا سفاک بن گیا تھا۔

اشتارا کی گردن جھک گئی۔ اس نے اپنے کانپتے تھرتھراتے لبوں کو دانتوں میں دبا لیا۔

پہلو میں دل بے قرار ہوکر پھڑکنے لگا۔

قصور تو اس کا بھی نہیں تھا۔ بس اتنا ہی جرم تھا کہ وہ ایک ایسے انسان سے محبت کی تمنا کر بیٹھی تھی جو اپنے پہلو میں کوئی گداز دل نہیں رکھتا تھا۔ نرم شیتل جذبوں کے لمس سے کوسوں دور تھا۔

وہ بے نیاز تھا اور ایسے احساسات سے کوسوں دور بھاگتا تھا جو کہیں، کسی لمحے اسے اپنی

Marfat.com

گرفت میں جکڑ کر اس کی انانیت کو ٹھیس پہنچادیں۔

وہ چند ثانیے سر جھکائے اپنے تڑپتے، مچلتے دل کے ٹوٹنے کی صدائیں سنتی رہی پھر پلٹی اور اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔

اس کا زرد رومال اس کے ریشمی بالوں سے پھسل کر فرش پر گر گیا تھا۔ ذولین خان لب بھینچے اس کو تکتا رہا۔ پھر جھک کر آہستگی سے اسے اٹھا لیا۔ اس کے بالوں کی بھینی بھینی مہک اس رومال سے اٹھتی ہوئی اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو اس کے مضبوط ہاتھ میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ دل بری طرح دھڑکا۔ اس نے گھبرا کر رومال میز پر یوں پھینکا جیسے وہ کوئی رومال نہیں لہراتا ہوا سانپ ہو۔ یونہی اس کے ہاتھ میں رہا تو اسے ڈس لے گا۔ اس کے سارے وجود کو شکنجے میں کس لے گا۔

''اوہ، خدایا۔'' اس نے اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کو قابو میں کرتے ہوئے خود کو کرسی پر گرا دیا اور سر پشت پر ٹکا کر پلکیں موند لیں۔

''اشتارا مہروز۔ میرا دل ایک گھنا، تاریک اور ہیبت ناک جنگل ہے۔ اس کی بھول بھلیوں میں اگر تم گم ہوگئیں تو بکھر جاؤ گی۔ کوئی راستہ نہیں ملے گا تمہیں۔

یہاں برسات نہیں ہوتی۔

یہاں روشنیوں کے قمقمے نہیں جلتے۔

اس کی سخت اور کھردری مٹی میں صرف سخت اور پتھریلے کانٹوں سے لدے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ چھوؤ گی بھی تو لہولہان ہو جاؤ گی۔

ایسے اندھیرے میں، ایسے ہیبت ناک کانٹوں بھرے راستے کا سفر تم کیسے طے کر سکو گی۔ نہ پیاس بجھے گی نہ تھکن کے بعد کوئی سہارا۔

لوٹ جاؤ اشتارا!

لوٹ جاؤ پلیز!

ابھی تمہارے قدم بہت آہستہ ہیں۔

تم رک سکتی ہو۔

پلٹ سکتی ہو۔

پھر کہیں ایسا نہ ہو تم لوٹنا چاہو تو واپسی کے سارے راستے مسدود ہو جائیں کوئی راہ روشن نظر نہ آئے۔

ایک خوفناک تاریکی تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے۔

Marfat.com

اشتارا انیکسی سے رہائشی حصے کی سمت آئی تو اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ دل میں دھواں بھر گیا تھا۔ اس کے اندر تیز دھوپ اتر آئی تھی۔ ایسی دھوپ جس سے اس کے سارے اعصاب جھلس رہے تھے۔

ہمیشہ ہی تو ایسا ہوتا آیا تھا۔

ہر بار وہ اس چٹان سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوئی تھی۔ اس نے کب اس کی سماعت میں امرت گھولا تھا۔

کب اسے خوش آئند لفظوں کا جام پیش کیا تھا۔ ویسے ہی کٹیلے، نوکیلے، جھلتے نشتر اس کی روح میں اتارے تھے۔

مگر آج۔

اسے لگ رہا تھا اس نے اس کی آنکھوں کے وہ سارے خوش رنگ خواب نوچ لینے کی سعی کی تھی۔ اس کی تذلیل کی تھی۔ اس کی آنکھیں اور بھی تواتر سے بہنے لگیں۔

'اب وہ کبھی اس گوشے کی طرف نہیں جائے گی۔' اس نے دل میں پکا قصد کرلیا مگر اسے لگا جیسے یہ ارادہ بھی سابقہ ارادوں کی بھربھری مٹی ثابت ہوگا۔ وہ پھر اس سفاک، ستم گر کی صورت دیکھنے، دھڑکتے دل اور مچلتے جذبوں کے ہمراہ پہنچ جائے گی کہ محبت تو خوش گماں ہے۔

وہ اندر آئی تو ناشتے کی میز پر شاہ خانم موجود تھیں۔ اس کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز اٹھا۔ اسی لمحے ان کی بڑی بڑی بھوری آنکھیں اوپر اٹھیں اور اشتارا پر پڑیں۔

''کہاں چلی گئی تھیں تم!'' ان کی رعب دار آواز ابھری۔

''و۔وہ میں ایسے ہی باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی۔'' اسے بروقت اچھا بہانہ سوجھ گیا اور خلاف عادت شاہ خانم نے اس کے معصوم چہرے کو زیادہ کھوجنے کی سعی نہ کی۔ ان کے چہرے کا تناؤ ڈھیلا پڑ گیا۔

''آؤ بیٹھو ناشتہ کرلو۔''

وہ سر جھکائے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

+++

وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی مسلسل اشک بہا رہی تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جلنے لگی تھیں اور چہرہ ان نمکین قطروں کی حدت سے سرخ انگارہ ہو رہا تھا۔ مگر اس سے کہیں زیادہ تو دل جل رہا تھا۔ ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔

Marfat.com

یہ شخص جو لاتعلق سا ڈرائیونگ کر رہا تھا، اسے شدت سے چاہنے والا، اس کے دل کی دھڑکن بن کر دھڑکنے والا، اب کیسا سفاک بن کر اس کو لحہ لحہ موت دے رہا تھا۔

''م...... مسعود شاہ۔'' اس نے سر اٹھا کر سسکاری لی۔ ''خدا کے لئے مسعود شاہ، اپنے اس جرم پر غور تو کرو۔ کیا ہے میرا قصور؟ کون سا ہے میرا گناہ؟ جس کی پاداش میں تم نے اتنی بڑی سزا سنا دی ہے مجھے۔ یہ ایک ایک سانس روح کھینچنے کی بجائے ایک ہی بار گلا گھونٹ کر مجھے مار ڈالو، خدا کے لئے۔'' وہ اسٹیرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر چہرہ جھکا کر بلک بلک کر رو دی۔ اس کی اس حرکت پر اسے جلدی سے کنارے پر گاڑی روک دینی پڑی۔

''میرا جرم کیا ہے؟ بتاؤ۔'' وہ سر اٹھا کر رندھی آواز میں بولی۔

''تو میری بہن کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟ کیا تقصیر ہے اس کی؟ تمہارے بھائی کے سامنے بھی وہ بغیر جرم اسی طرح گڑگڑائی ہوگی۔'' اس نے ترش روئی سے کہا۔ اس کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی۔ خدایا! یہ شخص اندر سے اتنا سفاک بھی ہوگا۔ وہ شادی کے سہانے چند ماہ تو تتلیوں کے رنگوں کو جیسے چنتے ہوئے گزر گئے۔ اب یہ اندوہناک غم۔ اس کا دل غم کے اس بوجھ سے پھٹنے لگا۔

''شاردا کو زمان چھوڑ گیا ہے بلا جواز، اس کا حساب کس کھاتے میں جائے گا بولو...... بولو کیا میں بے غیرت بھائی بن کر تماشا دیکھتا رہوں۔ اس کے اشکوں کا مداوا کرنے کی بجائے صرف تمہارے آنسو پونچھتا رہوں۔'' وہ غصے میں اس کے دونوں شانے تھام کر جھنجھوڑنے لگا۔

''یہ مداوا نہیں ہے۔'' وہ چیخ اٹھی۔ ''یہ ظلم ہے، جبر ہے میرے ساتھ۔ اس سے شاردا کو کیا ملے گا۔ نہیں مسعود شاہ یہ غیرت مندی نہیں ہے، بے غیرتی ہے۔ سراسر ناانصافی ہے، استبداد ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' وہ دھاڑا۔

آج پھر زمان خان روتی دھوتی شاردا کو بلاتقصیر چھوڑ گیا تھا اور یہ آج پہلی بار نہیں، کئی بار ایسا ہوا تھا اور ایسے ہی مسعود شاہ بے غیرت بن کر خاندان والوں کے طعنے نہیں سہہ سکتا تھا۔ اس کا دل بہن کے لئے تڑپ جاتا تھا۔ وہ ویسا ہی سلوک زمان خان کی بہن کے ساتھ کرسکتا تھا اور کر رہا تھا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کرنی چاہی تو وہ تڑپ کر اس کے دونوں مضبوط ہاتھ تھام کر

Marfat.com

رو دی۔

''نہیں نہیں مسعود شاہ تمہیں گڈو کا واسطہ۔ اس طرح بار بار مجھے بے عزت کر کے اپنے ہی گھر سے مت نکالو۔ مت کرو یوں بے آبرو۔'' اس کا لہجہ، اس کی آنکھیں فریاد کناں تھیں۔

وہی مسکراہٹ، وہی چہرہ جس کا مسعود شاہ دیوانہ تھا، آج اُس کے سامنے بھیک بھیک کر التجا کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر اس کے آنسو آتشِ سیال کی طرح گر رہے تھے۔

اس کا سارا وجود لرزا۔ دل پر رکھا پتھر سرکنا ہی چاہتا تھا کہ شاردا کا معصوم چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا۔

نہیں، وہ اس کے روتے بلکتے وجود کو کیسے سمیٹ لیتا۔ یہ بڑی بے غیرتی ہوتی۔ ماں، باپ کے طعنے، شاردا کے آنسو اور پھر زمان خان کو بھی تو آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اس نے لب بھینچ لیے۔ سارے جہاں کی سختی چہرے پر سجا لی۔

''تم نے اس طرح گڑگڑا کر کبھی زمان خان کو اپنے کیے پر شرمندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے بے غیرتی کا طعنہ دیا ہے؟'' اس نے کمزور لمحوں کو پس پشت ڈال کر اس کے دونوں نازک ہاتھوں کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''اُونہہ۔ وہ بھی تمہاری طرح کا ایک مرد ہے۔ تم سارے مرد اس مقام پر ایک جیسے درندے بن جاتے ہو۔ جھوٹی نام نہاد غیرت کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنا شملہ اونچا کرنے کی سعی کرتے رہتے ہو۔ یہ غیرت نہیں ہے مسعود شاہ۔ یہ غیرت نہیں ہے کہ بہن کے سر پر دکھوں کا تپتا سورج دیکھ کر بیوی کے سر سے سکھ کی چادر کھینچ لی جائے۔''

''میں تو پھر بھی تمہیں، تمہارے بھائی کے ہی گناہ کی سزا دے رہا ہوں، مگر تمہارا بھائی، شاردا کو کس جرم کی سزا لمحہ لمحہ دیتا رہتا ہے۔'' اس کا انداز استہزائیہ اور کھردرا تھا۔ ماہ گل کی سماعتوں کے ساتھ دل بھی چھلنی ہو گیا۔ اس نے سرخ سرخ آنکھیں اوپر اٹھا کر اس جلاد صفت انسان کو دیکھا جو اس کا مجازی خدا تھا۔ اس کا محبوب تھا۔

دل میں اب بھی اس بے درد کا پیار دھڑک رہا تھا۔

ساری سوچوں اور تصورات پر اس کا قبضہ رہا تھا، مگر آج۔

اسے کس بے دردی سے ٹھکرا رہا تھا کہ آبگینہ دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو رہا تھا مگر اس طرح کہ کوئی صدا تک سنائی نہ دی، صرف اشک تھے جو نوکِ مژگاں پر ستارے بن کر جھلملا رہے تھے۔

Marfat.com

''ہاں تم حق پر ہو، تم عادل ہو، تم منصف ہو۔'' وہ طنزیہ ہنسی اور پھر کھڑکی کے یخ بستہ شیشے پر چہرہ ٹکا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

رات سنسان تھی، فضا کی سانسیں بوجھل ہو رہی تھیں، مگر اس سے کہیں زیادہ گاڑی کے اندر فضا بوجھل ہو رہی تھی۔ مسعود شاہ کے پاس اس کی سسکیوں کا کوئی حل نہیں تھا۔ وہ خود الجھا ہوا تھا۔ دماغ و دل کی سخت جنگ میں گرفتار اس نرم و نازک شاخ کی مانند ہو رہا تھا جو تیز آندھی کی زد میں آگئی ہو۔

گاڑی ایک جھٹکے سے سفید بنگلے کے گیٹ پر رکی تو اس نے تیز تیز ہارن دیئے۔ اس کی اس سرد مہری اور بے اعتنائی پر اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

''مسعود شاہ! میں عورت تھی ناں! سو گڑگڑا کر اپنی انا کو قربان کر کے اپنے گھر کے در و دیوار کو سنبھالنے کی کوشش کر دیکھی، مگر اب میں اپنی غیرت اور انا کو اتنا مجروح نہیں کر سکتی۔ اب یہ زندگی یوں نہیں گزر سکتی۔'' وہ بیگ سنبھال کر نیچے اتر آئی۔ ''اس نام نہاد اور کھوکھلی غیرت کے انبار تلے، یونہی روح کو لحہ لحہ اذیت سے دوچار نہیں کر سکتی۔ اب میں واپس نہیں آؤں گی۔ یہ تذلیل بھری زندگی اب میں نہیں گزار سکتی۔'' وہ اپنے ٹوٹتے وجود کو بہ مشکل سہارتی تلخی سے بولی اور گیٹ کی طرف چل دی۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ مگر اس نے پلٹ کر اس کی اڑتی دھول کو نہ دیکھا۔

اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

دل کی دیواروں سے لہو رسنے لگا تھا۔

گیٹ چوکیدار نے کھولا اور اسے حیران ہو کر دیکھنے لگا مگر وہ کسی سمت دیکھے بغیر اندر آئی۔ من من بھر کے پیر اٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔

برگد کے درخت کی شاخ کے پیچھے چودھویں رات کے چاند کا دل کانپ رہا تھا۔ لان کے اس کنارے مدھم مدھم کرنیں بکھری ہوئی تھیں مگر اس کے اندر اداسیوں کی گھنگھور گھٹائیں گھر آئی تھیں۔

آج اسے سب کچھ کھو دینے کا احساس ہو رہا تھا، بلکہ سارا کچھ ایک بے نیاز کے نام لٹا دینے کا احساس تھا۔ بڑے دنوں بعد اس کی روح غم و اندوہ کے ایک طوفان میں دب کر رہ گئی تھی۔

''ماہی آپی! تم ــــــ؟'' سحر گرل کو تالا لگانے آئی تو اسے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ کیسی

Marfat.com

اجڑی اجڑی اور ویران آپی تھی اس کی۔

''امی۔ امی۔ آپی آئی ہیں۔'' وہ کسی انجانے خدشے سے چیخ کر امی کو بلانے لگی اور پھر خود گرل کھول کر دوڑ کر اس کے قریب آئی۔

''سحر! تیری آپی بھی شاردا کی طرح بلاتقصیر دکھ سہہ رہی ہے۔'' اس نے بیگ کندھے سے اتار دیا۔ مگر وہ بوجھ جس سے اس کے اعصاب چیخ رہے تھے یونہی موجود رہا۔

''ماہی، ماہی، تو اس وقت؟'' امی اسے دیکھ کر ہول کر رہ گئیں۔ تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

''کیا پھر مسعود شاہ؟''

''ہاں پھر۔ مسعود شاہ۔ اس لئے کہ پھر زمان بھائی نے اپنی بے حسی اور بے دردی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' وہ چیخی۔ ''میرا کیا قصور ہے امی! کیا قصور ہے؟'' وہ امی کے بازوؤں میں سما گئی اور ایسے لپٹ کر روئی کہ جیسے اب شاید عمر بھر نہ رو پائے گی۔ کبھی مسعود کو نہ دیکھ پائے گی۔

امی کا سارا وجود کپکپا گیا۔

''ہاں یہ تو ہونا ہی تھا۔'' بیٹی کے دکھ سن کر وہ تڑپ اٹھیں۔

سارے گھر کی فضا بوجھل ہوگئی۔ زمان بھائی بے حد خاموشی سے باہر نکل گئے۔ شاید بہن کی نوحہ کناں نگاہوں سے بچنے کے لئے مگر اس نے کب شکوہ کیا تھا، وہ جانتی تھی سب بے معنی ہے۔

سارے لفظ اپنی وقعت کھو چکے ہیں۔

نہ زمان بھائی محض اس کی خاطر شاردا سے نباہ کرنے کی کوشش کریں گے اور نہ مسعود شاہ بے غیرت بھائی بن کر صرف تماشا دیکھتا رہے گا۔

اس سے کسی نے پوچھنے کی کوشش نہ کی۔ سب جانتے تھے وہی کہانی ہے۔ آج صبح شاردا کو زمان جب ایک طویل جھگڑے کے بعد میکے چھوڑ آیا تھا، اسی وقت سے سب بوجھل ہوا میں جھول رہے تھے۔ ایک دھڑکا سا تھا سب کو اور وہی ہوا۔ وہ اجڑی اجڑی ویران اور بجھے بجھے چشم و عارض کے ساتھ جب گھر میں داخل ہوئی تو سحر گل گھبرا گئی۔ اس وقت تک جب شاردا واپس نہیں آجاتی اسے یہیں رہنا تھا۔

مگر آج وہ فیصلہ کر چکی تھی کبھی واپس نہ جانے کا۔

یوں رُلتی زندگی سے۔

Marfat.com

ایسی خوفزدہ زندگی سے وہ تنگ آ گئی تھی۔ لمحے لمحے کی موت نے اس کے اعصاب کو تھکا دیا تھا۔ یہ اذیت بھری زندگی اب اس کے بس سے باہر تھی۔

وہ کمرے میں بند ہو گئی۔ اس کمرے میں جہاں اس کا کھلکھلاتا بچپن گزرا تھا۔ جہاں سحر گل سے شرارتیں کرتے ہوئے نوجوانی کے رنگین دن گزرے تھے۔ اب اس کمرے میں مسعود شاہ کی بہت بڑی تصویر بھی ہوئی تھی۔ مسکراتی، خوبصورت تصویر، اس کے پہلو میں وہ کھڑی تھی، آنکھوں میں ڈھیروں شرارتیں پنہاں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان آنکھوں نے کوئی خواب کھویا ہی نہیں ہے۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بے اختیار وہ فریم شدہ تصویر اٹھالی اور شیشے سے وہ تصویر نکال کر اس کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔

'تم نے میرے وجود کے اسی طرح ریزے کیے ہیں نا مسعود شاہ!' تصویر کے ٹکڑے مٹھی میں جکڑ کر اس نے پلکیں موند لیں۔

یہ موسم سبز پتوں کا
سنہری دھوپ کرنوں کی
گلابوں کے مہکنے کا ہمیں کب راس آیا ہے
ہماری زرد آنکھوں نے تو بنجر خواب ہی دیکھے
کہ اپنی خواب بستی میں
کوئی خوشبو نہ آنچل ہے
کوئی جھونکا نہ بادل ہے

+++

یونیورسٹی میں الیکشن کی رونقیں اپنے عروج پر تھیں۔ سارے سٹوڈنٹ پُر جوش اور ایکٹو ہو گئے تھے۔ کلاسیں کبھی ہوتیں، کبھی نہیں ہوتی تھیں اور ویسے بھی کلاس اٹینڈ کرنے کو کسی کا دل نہیں چاہتا تھا۔ غیر نصابی سرگرمیاں سب کو اپنی سمت کھینچے چلی جا رہی تھیں۔ جگہ جگہ رنگ برنگے مختلف تنظیموں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ جگہ جگہ مختلف بینرز چسپاں تھے اور ان میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ لڑکیاں بھی بھرپور کردار ادا کر رہی تھیں۔ بینرز کے رنگ کی چوڑیاں، کلپ، دوپٹے۔ وہ کسی سے بھی پیچھے نہیں تھیں۔ مگر جب کہیں سنسناتی گولیوں کی آواز سنائی دیتی تو ان میں سے کئی کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ جاتے، جوش ولولہ کم ہونے لگتا۔

اب تو یہ ہنگامہ خیزی معمول کا حصہ بن گئی تھی۔ گولیاں چلتیں، ایک دو زخمی ہوتے،

78227

Marfat.com

بھگدڑ مچتی۔ پھر نامعلوم افراد کے نام ایف آئی آر درج ہوتا پھر پولیس کا آنا جانا رہتا۔ تفتیش ہوتی، پھر حالات معمول پر آجاتے۔ گو کہ الیکشن میں ابھی پورے ایک ماہ کا عرصہ تھا مگر ممکنہ صدر کی پیش گوئی ابھی سے ہو رہی تھی اور ان میں سرفہرست نام 'اشمل خان خل زئی' کا تھا جس کی متحرک شخصیت نے سب کو بیک وقت اپنی جانب متوجہ کرلیا تھا۔ وہ تھا بھی بے حد مختلف نوجوان۔ اسے دیکھ کر ماضی کی ایسی ہی متحرک، جری اور دلیر شخصیات یاد آجاتیں، جنہوں نے اپنی سرزمین کے لئے اپنا تن من لٹا دینے سے گریز نہ کیا تھا۔

اس کی آواز حق کی آواز تھی۔ اس کا پیغام محبت اور سچائی کا پیغام تھا جو وہ ہر جگہ، ہر دل، ہر گھر میں پہنچا دینا چاہتا تھا۔ اس نے بہت جلد دلوں کو تسخیر کرلیا تھا۔ اپنی ذہانت، اپنی لگن اور اپنی مسحور کن شخصیت سے۔

لڑکے کہتے تھے ایمانداری، ہمدردی، وفاداری، غیرت، احترام آدمیت کو یکجا کر دیا جائے تو جو شخصیت بنے گی وہ اشمل خان کی ہوگی۔

لڑکیوں کے دل، ان کی آنکھیں، ان کے جذبے کچھ نئے، انوکھے احساسات بھی لئے ہوئے تھے۔ صدارت کے اس حسین و خوبرو امیدوار کے ایک ایک قدم کی جنبش ان کے نازک دلوں کی دھڑکن بن جاتی۔ بڑی بڑی سحر طراز بھوری آنکھوں کی رعنائیاں، ان کی جادوگری، ان کے خرمن دل پر بجلیاں گرا دیتی۔

وہ ہدیہ دل ہر لمحہ، ہر آن پیش کرنے کو تیار تھیں۔ مگر اس خندہ رُو کی نگاہیں ان کی جانب اٹھتی ہی کب تھیں۔

اشمل خان لڑکیوں کے ان نازک احساسات سے یکسر بے خبر تھا۔ اسے یہ سب سوچنے کا وقت ہی نہ تھا اور نہ اس نے کبھی اس طرف دھیان دینے کی شعوری کوشش کی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی ایسی صورت، کوئی ایسی ہستی اسے اب تک نظر ہی نہ آئی تھی، جو اس کے طاقتور سینے میں مقید دل کو متاثر کرتی۔

یہ نہیں تھا کہ یہاں نزاکت اور حسن کا کال تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسین و جمیل لڑکیاں اس یونیورسٹی میں موجود تھیں اور موضوع سخن بھی۔

کتنے دلوں کی دھڑکن بھی۔

اور دلوں کے ساز پر گیت بھی۔

مگر اشمل خان کے دل کے نرم تاروں کو ابھی کسی نے نہ چھیڑا تھا۔

اس کے دل کی نوخیز ندیاں ابھی یونہی اپنی دھن میں رواں دواں تھیں۔ وہ زندہ رہنا

Marfat.com

چاہتا تھا، دوسروں کی مدد کر کے۔ وہ پُرسکون رہنا چاہتا تھا، ناآسودہ لوگوں کو آسودگی مہیا کر کے۔ سٹوڈنٹ کے مسائل حل کرنا، بے حد خامشی کے ساتھ ان کی مالی مدد کرنا ہی وہ اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتا تھا۔

اس کی پارٹی میں سب سے زیادہ دھوم مچی ہوئی تھی۔ مخالف پارٹیاں اس کی مشہور ہوتی ہوئی شخصیت سے چکرا کر رہ گئی تھیں۔ اس کا منشور حقیقت پسندانہ تھا۔ خوابوں کی دنیا کا نہیں بلکہ طلبہ کے حقیقی مسائل کے موثر حل کا خواہش مند تھا وہ۔

''یار اشمل خان! تم نے ابھی تک میرے مسئلے کا حل تو بتایا ہی نہیں۔'' احسن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چلتے چلتے ٹھٹک گیا اور پلٹا تو وہ خاصی مسکین صورت بنائے اسے تک رہا تھا۔

''تمہارا مسئلہ۔'' وہ ایڑیوں کے بل پورا اس کی سمت گھوم گیا۔ جہاں تک اس کی یادداشت میں تھا احسن کا ایسا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا اور نہ وہ ایسے گھر سے تعلق رکھتا تھا جہاں مسائل پیدا ہوتے ہوں۔

''میرا مسئلہ بھول گئے نا۔ کیسے دوست ہو۔ ابھی صدر بنے نہیں اور ابھی سے ان جیسی عادتیں اپنا لی ہیں۔ احسن نے برا سا منہ بنا کر اس پر چوٹ کی تو وہ مسکرا دیا۔

''بتاؤ تو۔''

''ارے یار! میری منگیتر جو مجھ سے منہ موڑے بیٹھی ہے بلکہ اب تو منگنی توڑنے کی کوشش میں سرگرداں ہے۔ یہ دیکھو انگوٹھی میں نے اتار دی ہے، مبادا مانگ نہ بیٹھے۔'' اس نے اشمل خان کے سامنے اپنا ہاتھ لہرایا تو اس کا دل چاہا وہ احسن کا یہ ہاتھ توڑ کر رکھ دے۔

''یہ مسئلہ ہے تمہارا۔'' اس نے اپنی بھوری آنکھیں پوری کھول کر اسے گھورا۔

''ہاں، کیوں؟ یہ تو عظیم ترین مسئلہ ہے۔ ایک شخص کی زندگی اور موت کا مسئلہ۔ جانتے ہو وہ میری احمق کزن منگنی توڑنے پر کیوں مصر ہے؟''

''کیوں؟''

''اس کا خیال ہے کہ میرا کردار مشکوک ہوتا جا رہا ہے۔''

''ہاں تو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا نا۔'' اشمل نے اسے سلگایا۔

''ارے واہ۔ دشمنوں نے بے پَر کی اُڑائی ہے۔ میرے بارے میں الٹی سیدھی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں۔''

Marfat.com

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اشمل کو دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔ وہ ہمیشہ اسی ٹائپ کا کوئی نہ کوئی مسئلہ لئے اس کے پاس آ موجود ہوتا تھا۔ کبھی منگیتر کی خفگی کا، کبھی کسی رقیب رُوسیاہ کا۔

''تمہیں رحم نہیں آتا مجھ پر؟'' احسن اس کے مسکراتے لبوں کو دیکھ کر جی جان سے جل گیا۔

''قطعی نہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے تمہارا کردار مشکوک ہی ہے۔ کل تم عائشہ ربانی سے کیا فضول بکواس کر رہے تھے۔''

''ایں ـــــ کیا؟'' احسن کھسیا کر انجان بننے لگا۔ اشمل رک کر اسے گھورنے لگا۔

''بھول گئے؟ مس عائشہ ربانی، آج تک میں نے ایسی لڑکی نہیں دیکھی جس نے مجھے اتنا ایمپریس کیا ہو، سوائے آپ کے۔ یہ ایسی حسین صورت کہاں سے پائی ہے آپ نے۔'' اس نے من وعن وہی لفظ دہرا دیئے جو اس نے عائشہ ربانی سے کہے تھے۔

''چھوڑو یار! وہ تو ایسے ہی۔ تمہیں تو پتہ ہے تھوڑا رنگین مزاج ہوں۔''

''ہاں بس اور یہی رنگین مزاجی تمہاری منگیتر کو ناگوار گزری ہے اور گزرنی بھی چاہئے۔''

''یہ کس کی رنگین مزاجی کا ذکر ہو رہا ہے۔'' امتیاز رضا لائبریری کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ ان دونوں کو قریب سے گزرتے دیکھ کر اس طرف آ گیا۔

''کون ہے اس بھری دنیا میں میرے سوا رنگین مزاج۔ خوامخواہ بدنام ہو گیا ہوں میں۔'' احسن سخت جھنجلا رہا تھا۔ اشمل خان نے اس کے مسئلے کو اِگنور کر دیا تھا۔ اس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ امتیاز کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''اب تم بھی شامل ہو جاؤ دل جلانے والوں میں۔'' امتیاز کی ہنسی اسے زہر لگی تھی۔

''ارے واہ۔ میں کب جلا رہا ہوں۔ تم تو پیدائشی دل جلے ہو۔''

''ہاں سب کچھ مجھے ورثے میں ملا ہے۔ پھر تو میرا کوئی قصور نہیں ہوا نا۔'' احسن نے اشمل خان کی طرف دیکھا۔ وہ پھر پٹڑی سے اترنے لگا۔ امتیاز رضا سر پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''تمہارا تو وہی برسوں پرانا قصہ غم جاناں ہے۔ میں تو چلا میرا پیریڈ ہونے والا ہے۔''

''تو جاؤ تم پڑھاکو! تمہیں روکا کس نے ہے۔'' احسن اس کے جملے پر جل کر رہ گیا۔

''ہاں بالکل تمہیں بھی پیریڈ لینا چاہئے، چلو آؤ۔'' اشمل نے اپنی ریسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی پھر احسن کا بازو تھاما۔

Marfat.com

''نہیں یار!'' وہ بدک کر پیچھے ہٹ گیا۔ ''یہاں دل سوختہ ہوا جا رہا ہے کلاس کون گھاڑ لے سکے گا۔''

''تمہارا یہ سوختہ دل تمہیں کیفے ٹیریا میں لے جائے گا اور وہاں برگر نوش فرماؤ گے۔'' اشمل خان نے اس کی عادت کے مطابق اس پر چوٹ کی تو وہ کھسیا کر بھرپور انداز میں ہنس پڑا۔

''سوختہ دل کے لئے کچھ مشغلے تو تلاش کرنا ہیں نا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔ پھر اس کی سمت جھکتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

''کسی دن تم بھی میری صف میں شامل ہو جاؤ گے اور کسی حسینہ کے ستم کا نشانہ بنے لمبی لمبی آہیں بھر رہے ہو گے اور میں تمہارے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہوں گا، صبر کرو، اشمل خان خل زئی، صبر کرو کہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔''

''بددعا دے رہے ہو مجھے؟'' اشمل خان نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

''اونہوں۔ نہیں دعا دے رہا ہوں۔''

''ایسی دعائیں تم اپنے لئے ہی مانگتے رہو۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی موٹی جلد والی کتاب پوری طاقت سے احسن کے شانے پر دے ماری اور آگے بڑھ گیا۔

کلاس کے اندر اور باہر اکا دکا ہی سٹوڈنٹ تھے۔ اس کا مطلب تھا آج بھی کلاس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے لائبریری کی طرف جانے کا سوچا مگر اس کے قدم خود بخود بغلی لان کی سمت بڑھے۔

''مخالف پارٹی کی پرجوش سیکرٹری تھی جو اس وقت سرگرم عمل تھی۔ اس نے ابھی تک صرف ذکر ہی سنا تھا۔ اس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور گرما گرم تقریروں کا سرسری تذکرہ سنا تھا مگر آج وہ ہجوم میں گھری اس کے بالکل سامنے تھی اور وہ پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔

اشمل خان کی آنکھوں میں نہ حیرت تھی نہ ناگواری۔ وہ نارمل احساسات کے ساتھ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

متناسب جسم، بے حد سفید چمکتی رنگت، گہری گہری سیاہ آنکھیں اور کمر سے اترتی چوٹی جس پر وہ بار بار ڈھلکتی سرمئی چادر ڈال دیتی۔ جوش سے اس کے رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ اس کی آواز جو بلاشبہ حسین تھی پورے لان میں گونج رہی تھی۔

''ساتھیو! باشعور طالب علمو!

Marfat.com

ہماری تنظیم تمام سٹوڈنٹ کی وہ واحد نمائندہ تنظیم ہے جو کہ حقیقی معنوں میں تمام اسٹوڈنٹ کے حقیقی مسائل حل کرنے میں سنجیدہ اور متین ہے۔ آج ہم اتنے باشعور اسٹوڈنٹ ہیں کہ گورننگ باڈی کا دباؤ قبول نہیں کر سکتے۔ ان کے بے جا تسلط سے آزاد ہونے کے خواہش مند ہیں اور ہماری تنظیم کے علاوہ کوئی تنظیم اتنی مضبوط اور باہمت نہیں کہ آپ کو اس تسلط سے نجات دلا سکے۔''

''ہیئر ......ہیئر ....'' تالیاں گونج اٹھیں۔

اسے ایک لمحہ کے لئے رکنا پڑا۔ تنظیم کے کارکنوں میں سے کسی نے زبردست نعرہ لگایا۔

''ریحان پراچہ۔''

''زندہ باد۔'' ہجوم میں زندہ باد کا شور گونج اٹھا۔ البتہ مخالف پارٹی کے ممبران وہاں سے جانے لگے۔

''ہشمینہ ابرار۔''

''زندہ باد۔''

''ساتھیو!

ہم پڑھنے سے روگرداں نہیں ہیں۔'' اس کی تر و تازہ آواز پھر گونجی۔ ''مگر ہم ایسا ماحول چاہتے ہیں جہاں ہمیں آزادی ہو اور ایسا صرف اس وقت ممکن ہے جب گورننگ باڈی میں ہمارا نمائندہ موجود ہو۔ طالب علموں کو رینجرز، پولیس اور آنسو گیس سے دبایا جا رہا ہے۔ ہم گولیاں چلانا نہیں چاہتے ہیں مگر ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم اپنے دفاع کے لئے کلاشنکوف ہاتھ میں پکڑ لیں۔''

''ظلم سے نجات دو...... ریحان پراچہ۔ ریحان پراچہ۔'' نعرہ بازی پھر شروع ہو گئی۔

اشمل خان اس کے لب و لہجے اور پرجوش انداز کلام کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر اس کا بیان، اس کے منشور سے سخت منحرف تھا۔

''چھوڑ یار! صرف چکاچوند اور خوابوں پر مشتمل ہیں سارے کے سارے چارٹر آف ڈیمانڈ۔'' افتخار منہ بناتا اشمل خان کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''غیر حقیقت پسندانہ، اُونہہ مبالغہ آمیز۔'' ہشمینہ ابرار کی تقریر اسے سلگائے دے رہی تھی۔

''بس یہ اپنے صنف نازک ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہے۔''

Marfat.com

''ٹیک اٹ ایزی افتی۔'' اشمل خان اسے اس حد تک خاکستر ہوتا دیکھ کر مسکرایا۔ ''اسٹوڈنٹ اتنے باشعور ہیں کہ وہ محض لفاظی یا سنہری کھوکھلی دلیلوں پر ایقان نہیں رکھتے۔''

''نہیں اشمل خان! جب سے یہ لڑکی ریحان پراچہ کی تنظیم کی سیکرٹری بنی ہے، ان کا گراف اونچا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے مشکل ہو سکتی ہے۔'' افتخار اس کی تقریر پر ازحد چراغ پا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ تالیاں بجانے والوں کی گردنیں دبا دے۔

پورا لان تالیوں سے گونج رہا تھا۔ مختلف نعرے اب بھی بلند ہو رہے تھے اور ہشمینہ ابرار مسکراتی، دلوں پر بجلیاں گراتی، مگر بے خبر، سرخ چہرہ اور پھولی پھولی سانسوں کو کنٹرول کرتی اپنی تقریر کا اختتام کر کے ہجوم کو چیرتی باہر نکلی تو ٹھٹک گئی۔

طنزیہ مسکراہٹ سجائے دو بھوری آنکھوں سے نگاہیں ٹکرائیں۔ وہ عین اس کے سامنے ہی تھا اور وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی کیونکہ ممکنہ صدر کی پیش گوئی میں اس کا نام سرفہرست تھا۔ اس کے گلابی لب سکڑ گئے۔

''بہت خوب۔ تقریر اچھی کرتی ہیں آپ۔'' اس نے ہشمینہ کو اپنی طرف متوجہ پا کر پہلا وار کیا۔ ''مگر ہشمینہ ابرار! آپ نے شاید اپنے منشور پر غور نہیں کیا۔ اتنا غیر حقیقت پسندانہ! محض سنہری خوابوں پر مشتمل، اس پر صدارت کا حصول کچھ ناممکن سی بات ہے۔''

''جی نہیں، مسٹر اشمل خان! یہ آج کی ضرورت ہے کہ اب نئی نسل کو ایک نڈر اور دلیر لیڈرشپ کی ضرورت ہے۔ محض امن و امان کا نعرہ لگانے والی بزدل اور کمزور قیادت کی نہیں۔'' اپنی تذلیل پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کٹیلے لہجے میں جواباً بولی تو اشمل خان کی آنکھوں میں استہزائیہ ہنسی بکھر گئی۔

''تو کیا واقعی جو خواب آپ اسٹوڈنٹس کو دکھا رہی ہیں ان کی خوش آئند تعبیر بھی دے سکیں گی؟ صدارت کے حصول کے بعد کیا یہ حقوق آپ کو حاصل ہو جائیں گے۔ قطعی نہیں۔ جس کی بنیاد ہی بہتے پانی پر رکھی جائے، بے ضابطگی پر ہو، تو یہ کہاں ممکن ہے۔'' وہ ایک زعم میں کہتا ہوا اس کے شعلہ چہرہ پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر آگے بڑھنے لگا۔

''اوہ، مائی فٹ۔'' وہ تلملا کر اس کے سامنے آرکی۔ ''اشمل خان خل زئی! ضروری نہیں کہ تم بھی جتنے پاکیزہ منشور کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو، اسے پایہ تکمیل تک بھی پہنچا سکو۔''

''یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' وہ بھرپور اعتماد سے بولا۔

''ہاں، یہ وقت ہی بتائے گا۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

یہ روبرو پہلی ملاقات اور پہلی تلخ کلامی ہوئی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے

Marfat.com

منشور کے حصول کے لئے کوشاں تھے۔ ریحان پراچہ نے اسے ہی آگے کر رکھا تھا۔ وہ تلملاتی جھنجلاتی لائبریری میں آ کر بیٹھ گئی۔

اشمل خان کے طنزیہ جملوں پر اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔ اس غیر متوقع جھڑپ نے اس کا سارا موڈ خاکستر کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ ہجوم کے جوش و خروش کو دیکھ کر بے حد فرحاں و شاداں ہو رہی تھی۔ وہ اسٹوڈنٹس کو کونیس کرنے کے لئے دن رات محنت کر رہی تھی۔ بہت مختصر عرصہ میں اس نے اپنا حلقہ احباب وسیع بنا لیا تھا۔ اس کی پرکشش اور مسحور کن شخصیت اور اس کے لب و لہجے میں مسخر کر دینے والی طاقت نے بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مبذول کر لیا تھا۔ ان میں زیادہ تعداد لڑکوں کی تھی جو محض اس کی صورت، اس کے سراپے کے شیدائی تھے، اس کی نظر کرم کے منتظر تھے۔ اس کی ایک مسکراہٹ کی کرن پر مر مٹنے کو تیار تھے۔ مگر یہاں ہشمینہ ابرار نے اپنے کردار کو بے حد مضبوط بنا رکھا تھا۔ اس نے سستی شہرت اور غلط طریقوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لئے کبھی اپنی ذات کو پستی کی طرف دھکیلنے کی سعی نہیں کی تھی۔

وہ پانچ ماہ پہلے پنجاب یونیورسٹی سے مائی گریٹ ہو کر جب اس یونیورسٹی میں آئی تو اتفاق سے ریحان پراچہ سے اس کی تفصیلی ملاقات ہوگئی۔ وہ اس وقت بھی سرگرم عمل تھا اور ہشمینہ ابرار کو اس کے چکا چوند منشور نے اپنا اسیر بنا لیا۔ سیاست تو ہمیشہ سے ہی اس کا فیورٹ سبجیکٹ رہا تھا۔ اب وہ عملی طور پر پہلی بار میدان میں آئی تھی تو اپنی تمام تر توجہ صرف کر رہی تھی۔

''اوہو، تو تم جنابہ یہاں چھپی بیٹھی ہیں۔'' وہ پورا غول کا غول اسے اچانک گھیر بیٹھا تو وہ گھبرا گئی۔

''بھئی آج کے کامیاب جلسے پر ہم سب کی طرف سے زبردست خراج تحسین پیش خدمت ہے۔'' فرحت مہدی نے سر جھکا کر سب کی طرف سے اسے مبارک باد دی تو وہ کھل کر ہنس پڑی۔

''تھینک یو۔'' اس نے سرخم کر کے اس تحفے کو قبول کیا۔

''ویسے اشمل خان کی پارٹی بھی زبردست ٹکر کی ہے، بلکہ اس کے چانس ابھی تک زیادہ ہیں۔'' اینہ جعفری نے اسے مستقبل کے خدشہ کا احساس دلایا۔ اشمل خان کا نام سن کر اس کا منہ بگڑ گیا۔

''میں جانتی ہوں تم سب بھی یہی چاہتی ہو کہ اس کی پارٹی کو فتح حاصل ہو۔'' اس نے

Marfat.com

خفگی سے کہا تو وہ سب گھبرا گئیں۔

''ارے نہیں فرینڈ! یہ تم کس بنیاد پر اتنا بڑا الزام دے رہی ہو؟ ہمارا ووٹ تو تمہاری طرف ہے، میرا مطلب ہے ریحان پراچہ کی طرف۔'' فرحت جلدی سے بولی۔

''بکومت۔ تم لوگ مجھے سبز باغ دکھا رہی ہو۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم سب بے وقوف اس شخص کی پرسنیلٹی سے سخت متاثر ہو چکی ہو۔'' وہ نہ جانے کب کا غصہ نکال رہی تھی۔ ندرت زور سے ہنس پڑی۔ ندرت کمال اچھی طرح اس کے طنز کا مطلب سمجھ رہی تھی کہ یہ سراسر اسی پر وار ہو رہے ہیں اور پھر یہ ڈھکی چھپی بات تو نہ تھی۔ ندرت کمال، اشمل خان کی سحر طراز شخصیت میں بقول اس کے پور پور ڈوب چکی ہے، اب نکلنا مشکل ہے۔

''تم نے اس کی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے۔ ایسا لگتا ہے قوس قزح کی ساری رنگینی، بہار کی ساری دلکشی ان دو آنکھوں میں سمٹ آئی ہو۔ ایسا حسین سراپا جیسے اپالو کے مجسمے میں جان پڑ گئی ہو۔'' وہ ڈھٹائی سے کہتی رہی تھی۔ اس نے کبھی چھپانے کی زحمت ہی نہیں کی تھی تو پھر بھلا ہشمینہ ابرار کیونکر اس پر چوٹ نہ کرتی۔

''ٹھیک ہے بابا، جی بھر کے طنز کرلو۔ ہم سہہ لیں گے۔'' وہ یہ کہہ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس لمحے ہشمینہ کا دل چاہا اینہ جعفری کے ہاتھ میں پکڑی موٹی جلد والی کتاب اٹھا کر ندرت کے سر پر دے مارے۔

''تمہیں شرم نہیں آتی۔'' فرحت نے ندرت کو آنکھیں دکھائیں۔

''پیار کیا، کوئی چوری نہیں کی، چھپ چھپ آہیں بھرنا کیا۔''

وہ باقاعدہ ترنم میں ٹیبل پر ڈھول بجاتے ہوئے گانے لگی تو صوبیہ جہاں نے اس کے منہ پر اپنا وزنی ہاتھ رکھ کر اسے اطراف بیٹھے اسٹوڈنٹس کی موجودگی کا احساس دلایا اور غیرت بھی۔

''آ......آ...... میرا منہ۔'' وہ چلائی اور زور سے صوبیہ جہاں کا تندرست ہاتھ ہٹا دیا۔ وہ سب ہنسنے لگیں۔

''ہائے کم بخت صوبیہ! تو کہیں ہیوی ویٹ چیمپئن تو نہیں رہی۔'' وہ اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے صوبیہ جہاں کے پھیلے ہوئے سراپے کو گھورنے لگی۔ پھر اچانک دروازے سے ریحان پراچہ کو اندر آتے دیکھ کر فرحت چلائی۔

''لو، وہ بھی آ گیا، تھا جس کا انتظار۔''

Marfat.com

''آخاہ، ہاتھ میں گلاب کا گجرا بھی ہے۔'' صوبیہ نے کنٹری کی۔

''اور آنکھوں میں کجرا بھی ہے۔'' امینہ نے بھی بولنا ضروری سمجھا۔

''ہشت۔ وہ مرد ہے اور مرد کے ساتھ کجرا سوٹ نہیں کرتا۔''

وہ سب شرارتیں کرنے لگیں۔ اسی اثناء میں وہ مسکراتا، نگاہوں میں تمام تر چاہت کے رنگ لئے ہشمینہ ابرار کے بالکل قریب آ رکا۔

''اس کامیاب جلسے پر میری طرف سے یہ ادنیٰ سا تحفہ۔'' اس نے جھک کر اس کی نازک سفید گردن میں گجرا ڈال دیا تو ہشمینہ جھینپ گئی۔

''توبہ، ریحان صاحب اس کی کیا ضرورت تھی؟'' لائبریری میں موجود دوسرے اسٹوڈنٹس کو بھی اس گینگ کی طرف متوجہ دیکھ کر وہ گلابی ہو گئی۔

''ارے دیکھا نہیں آپ نے، کتنا کامیاب جلسہ تھا۔ مخالف پارٹی کے منہ بند ہو گئے۔ بغیر فائرنگ کے بخیر و خوبی انجام پا گیا۔'' وہ پرشوق نگاہوں سے اس کے تر و تازہ گلابی چہرے کو جذب کرتے ہوئے شگفتہ لہجے میں بولا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''اشمل خان کے سپورٹر تو ویسے بھی فائرنگ نہیں کرتے۔ وہ امن و امان کے خواہش مند ہیں، بدنظمی کے نہیں۔'' ندرت نے فوراً اس کی سائیڈ لی تو ہشمینہ نے اسے گھورا۔ ریحان پراچہ کو بھی ندرت کی یہ حمایت ناگوار گزری، مگر اس نے کوئی مداخلت نہ کی۔ اس کی نگاہیں تو ہشمینہ کے گلابی گلابی چہرے اور سیاہ بھنورا سی آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ ہشمینہ ابرار کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

''اچھا اب میں چلوں گی۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''ارے کیوں۔ بیٹھو نا ابھی۔'' امینہ نے اسے روکنا چاہا۔

''نہیں، اشناس بھائی آتے ہی ہوں گے۔'' اس نے نگاہیں ریسٹ واچ پر ڈال کر معذرت کی اور جھک کر اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

''کیوں۔ اپنی گاڑی میں نہیں آئیں تم؟'' صوبیہ نے سرسری استفسار کیا۔

''نہیں، میری گاڑی ورکشاپ میں گئی ہے۔ آج تو اشناس بھائی نے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ اچھا بائی۔'' وہ سرمئی چادر کو جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ کر ان سب کو ہاتھ ہلاتی لائبریری سے باہر نکل آئی۔

+ + +

اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ گل بی بی سامنے ہی شیشے صاف کر رہی تھیں۔

Marfat.com

اسے دیکھا تو ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ لب پُر شفقت انداز میں مسکرائے۔

''آؤ آؤ ذولین بیٹے! بہت دنوں بعد یاد کیا اپنی گل بی بی کو۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا کپڑا ٹیبل پر رکھ دیا۔

کھڑکیوں پر ابھی تک برف جمی تھی۔ مسلسل دو دن کی ہلکی برف باری نے اس بستی کے ہر گھر کی کھڑکیوں اور چھتوں کو سفید گالوں سے بھر دیا تھا۔ رات کسی پہر برف باری رکی تھی۔ اب گل بی بی صبح ہی صبح اس کی صفائی میں جت گئی تھیں

وہ اندر آ گیا اور چلتا ہوا اپنی مخصوص سیاہ چمڑے کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیسی ہیں آپ۔ بہت کمزور لگ رہی ہیں۔'' اس نے نازک سراپے والی گل بی بی کو بغور دیکھا، جن کے سفید چہرے سے گلابیاں ختم ہو چکی تھیں۔ ہاں البتہ ان کی آنکھوں کی خوبصورتی اسی طرح برقرار تھی۔ ان کی بھاری پپوٹوں والی آنکھوں کو دیکھ کر اسے اشتارا یاد آجاتی اور اشتارا کو دیکھ کر اکثر گل بی بی کا خیال آجاتا۔

''ٹھیک ہوں میں تو۔ بس اس برف باری کے موسم نے ذرا بوجھل کر دیا ہے۔'' وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ''کیسے ہیں حویلی میں سب؟'' انہوں نے پوچھا۔

''ہوں ــــ ہاں، ٹھیک ہیں سب۔'' اسی نے گہری سانس لے کر سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا۔

''کیا بات ہے کچھ پریشان لگ رہے ہو۔ کیا شاہ خانم سے کچھ تلخ کلامی ہو گئی ہے۔'' گل بی بی نے اسے الجھا الجھا دیکھ کر اور آنکھوں کی جامد خاموشی پا کر استفسار کیا۔

''ارے نہیں۔ آپ تو جانتی ہیں میں حویلی کے اس حصے کی طرف بہت کم جاتا ہوں۔ بلکہ نہ جانے کے برابر جانا ہوتا ہے میرا۔''

''تو پھر اتنے چپ چپ کیوں لگ رہے ہو آج مجھے۔'' انہیں تشویش ہونے لگی۔

''ارے نہیں بالکل ٹھیک تو ہوں۔'' وہ کھل کر ہنس پڑا۔

''امی۔ بھلا ذولین لالہ بولتے ہی کب ہیں۔ ان سے تو باتیں کرنے والا خود بول بول کر تھک جائے۔'' شاندانہ کب سے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی، شرارت سے بولی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''واقعی؟''

''جی بالکل۔'' وہ سامنے آ گئی۔

''سچ ذولین لالہ! آپ اتنا کم کیوں بولتے ہیں، بلکہ مسکراتے بھی نہیں ہیں۔''

Marfat.com

''مسکرا تو رہا ہوں۔'' اس نے نچلا ہونٹ دانتوں کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

''یہ مسکرانا تو نہیں ہوا بلکہ یوں لگتا ہے باعث مجبوری مسکرانا پڑ رہا ہے۔'' شاندانہ اس کے خوبصورت چہرے پر نگاہ ڈال کر بولی۔

''ہاں بالکل، اپنے باپ پر گیا ہے۔ فیروز خان بھی ہو بہو ایسا ہی تھا۔ اسے بھی میں نے بہت کم ہنستے بولتے دیکھا تھا۔'' گل بی بی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ماضی کی یادوں نے ان کے اندر دھواں سا بھر دیا۔ جوان بھائی اور بھاوج کی اندوہناک موت نے ان کے اندر ایک گہرا داغ بو دیا تھا اور ذولین کو دیکھ کر وہ داغ کبھی کبھی لو دینے لگتا۔ ویسا ہی اونچا لمبا پہاڑی وجود، کبھی کبھی بھڑکتا شعلہ مزاج تو کبھی گہری جامد خامشی۔ وہ ہو بہو فیروز خان کی تصویر تھا۔

''ارے ذولین لالہ آپ کب آئے؟'' حور مینا، ذولین کو دیکھ کر برآمدے سے بھاگتی ہوئی آئی۔

''یہ دیکھئے لالہ میں برف کا آدمی بنا رہی تھی مگر بن ہی نہیں رہا تھا۔'' اس نے ہاتھ میں پڑا بھربھری برف کا گولہ ذولین کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

''تو پورا آدمی بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ چھوٹا بچہ بنا لیتی۔'' شاندانہ اسے اسی طرح جلاتی تھی۔

''جو بھی بناؤں آپ کو کیا؟''

''ہاں مجھے کیا۔ اپنی صورت بنا لو، شاید وہی بن جائے۔'' ان دونوں کی کبھی نہ بنی تھی۔ شاندانہ اسے اس طرح جلاتی تھی۔

''اے ہے شان! یہ کیا بچی کو ستا رہی ہو۔'' گل بی بی نے آنکھیں دکھائیں۔

''ارے میں تو بے چاری کو مشورہ دے رہی تھی۔''

''ہاں، بلی نہ بنا لوں، آپ کی صورت کی۔'' حور مینا بہت چڑچڑی تھی، سلگتے لہجے میں بولی۔

''ہاں بنا لو بشرطیکہ بن جائے۔''

ان دونوں میں باقاعدہ زبانی جنگ چھڑ گئی۔ ذولین خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ حور مینا کے سرخ سرخ چہرے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

''اری شان! تجھے شرم نہیں آتی۔ اتنی سی بچی سے لڑنے لگی ہے۔ جاؤ جا کر ذولین کے

Marfat.com

لئے قہوہ لے آؤ۔" گل بی بی خفا ہونے لگیں اور پھر حور مینا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔
"اور تمہیں ہر وقت اس کی باتوں میں جلنا سڑنا ضروری ہے، جاؤ جا کر یہ ساری برف باہر پھینک آؤ، ابھی صفائی کی ہے میں نے۔" وہ سخت لہجے میں بولیں۔
"رہنے دیں گل بی بی، انہی کے دم سے تو رونقیں ہیں۔" ذولین نے جلدی سے کہا۔
"ہاں ذولین لالہ! امی کو ذرا سمجھا دیں۔ وہ ہر روز اسی طرح غصہ کرتی رہتی ہیں، ذرا ذرا سی بات پر۔" شاندانہ ذولین کی حمایت پر خوش ہوگئی۔
"ہاں، تمہارے کارنامے تو جیسے بڑے اعلیٰ ہوتے ہیں۔" گل بی بی نے اسے گھورا۔
"جاؤ اب کھڑی کیوں ہو، قہوہ بنا لاؤ۔"
"جا تو رہی ہوں۔" وہ منہ بناتی ہوئی باورچی خانے کی طرف مڑ گئی۔ پھر اچانک پلٹ کر بولی، "داجی کے لئے بھی بنالوں، وہ بھی بس آتے ہی ہوں گے۔"
"ہاں، ہاں بنالو۔" گل بی بی نے سر ہلا دیا۔
"پھوپھا جان کیا شہر نہیں جاتے؟" ذولین حیران ہوا۔ "یہ وقت تو اکثر ان کے آنے کا نہیں ہوتا تھا۔" اس کے استفسار پر گل بی بی کی آنکھیں جھک گئیں۔
"نہیں۔ ان کا جھگڑا ہوگیا ہے اپنے بھوئی سے۔ گڑبڑ کر دی ہے فروٹ سپلائی میں کچھ۔" ان کا لہجہ احساسِ شرمندگی سے دھیما ہوگیا۔
ذولین کو سخت تاسف ہوا۔ اس کی اتنی عظیم اور فرشتہ صفت گل بی بی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں جو انہیں قدم قدم پر شرمندہ کر رہا تھا۔
"تم تو جانتے ہو ابرار بھائی کتنے اچھے اور مخلص انسان ہیں۔ انہیں بھی تو مال آگے سپلائی کرنا پڑتا ہے۔ اس شخص کی وجہ سے ان کی شہر میں بنی بنائی عزت اگر یوں مجروح ہو تو وہ بھلا کیوں خاموش رہیں گے اور اشناس کا غصہ بھی تیز ہے، مگر اس کے باوجود وہ شاندانہ کے باپ کی بے حد عزت کرتا ہے، مگر جب کوئی شخص خود ہی اپنی عزت کا پاس نہ کرے تو؟" گل بی بی کی آواز رندھنے لگی۔ "اگر میرا بھی کوئی بیٹا ہوتا تو شاید میں۔"
"میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں کیا۔" ذولین اٹھ کر ان کے قریب آبیٹھا۔
"ہاں، ہو تو۔ مگر خیر، یہ میں کہاں کی باتیں لے بیٹھی۔" انہوں نے جلدی سے چادر کے کنارے سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ "ارے شان! کہاں رہ گئی۔ اتنی دیر سے قہوہ نہیں بن سکا تجھ سے۔" وہ اس پر غصہ اتارنے لگیں۔
"آئی، آئی امی!" وہ جلدی سے ٹرے میں قہوہ سجا کر لے آئی۔ "پتہ نہیں کیوں گیس

Marfat.com

آہستہ آرہی ہے چولہے میں۔'' اس نے جلدی سے بہانہ تراشا اور پھر ذولین خان کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز لہجے میں بولی۔ ''آپ کو دیکھ کر چولہے بھی سرد پڑنے لگتے ہیں۔''

''کیوں، میری کیا ایسی ہیبت ہے؟'' اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ گل بی بی بھی ہولے سے ہنس دی۔

وہ خاصی دیر بیٹھا رہا۔ پھر جب جانے لگا تو شاندانہ بھاگ کر اس کے پیچھے لپکی اور دروازے میں رک کر دھیرے دھیرے بولی۔

''ذولین لالہ! اشتارا تو بہت اچھی ہے۔ اس کا کیا قصور ہے جو آپ اس سے اتنے کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔''

اشتارا کے نام پر اس کے عنابی لب بھنچ گئے۔

''تو گویا وہ یہاں آتی رہتی ہے اور تمہیں اپنا سفارشی بنا رہی ہے۔'' اس کا لہجہ ترش ہوگیا۔ شاندانہ گھبرا گئی۔

''ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو کچھ کہتی ہی نہیں، بلکہ وہ تو بولتی بھی کم ہے۔'' اس نے جلدی سے حمایت کی اشتارا کی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی۔ ''آپ نے شاید کبھی اشتارا کو غور سے دیکھا ہی نہیں ہے۔'' اس نے یہ جملہ دانستہ کہا اور جھپاک سے کمرے میں گھس گئی۔

وہ چند ثانیے حیرت میں ڈوبا اس کے جملے پر غور کرتا رہا۔ ''شاندانہ نے ایسی بات کیوں کہی۔ وہ کیا چاہتی تھی۔ کیا احساس دلانا چاہ رہی تھی؟''

اس کی کشادہ پیشانی پر کئی شکنیں پڑ گئیں۔ وہ دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی شاندانہ کھڑکی کا پٹ بند کر کے تیزی سے دروازے سے باہر نکلی۔

''توبہ۔ میں نے ایسی بات کیوں کہہ دی۔ یقیناً ذولین لالہ خفا ہوگئے ہوں گے۔'' وہ خود کو ملامت کرنے لگی۔

اشتارا کے جذبے اس سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ یہ سچ تھا اشتارا نے آج تک اسے کچھ بھی نہ کہا تھا۔ نہ ذولین خان کی بے اعتنائی کے قصے، نہ اپنے فگار جذبوں کی داستان۔ بس سب کچھ اس کی بے قرار آنکھیں خود ہی بول دیا کرتی تھیں۔ خاموش لب بھی تو اس کی اداسی کی تشہیر تھے۔

اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ذولین خان کی سیاہ جیپ تیزی سے برف اڑاتی

Marfat.com

دور جا رہی تھی۔

شاندانہ کے جملے نے اسے واقعی خفا کر دیا تھا۔ اسے حیرت بھی ہو رہی تھی، شدید حیرت کہ اشتارا، گل بی بی کے پاس آتی رہی ہے، تو یقیناً چھپ کر آتی رہی ہوگی۔ ورنہ شاندانہ یہ بات کیونکر کہتی۔" وہ الجھنے لگا۔ اس بے وقوف لڑکی نے اس کے سامنے آنسو بہائے ہوں گے، میری بے اعتنائی کے قصے دہرائے ہوں گے۔

اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جمے تھے۔ نگاہیں سامنے بل کھاتی سڑک پر مرکوز تھیں۔ اطراف میں حسین مناظر تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔ مگر وہ بے نیاز صرف یہی بات سوچ رہا تھا، یقین کر رہا تھا کہ اشتارا، گل بی بی کے پاس اگر شاہ خانم سے چھپ کر آتی ہے تو گویا اس کے دل میں یقیناً گل بی بی کی محبت کا کوئی جذبہ موجزن ہوگا۔ وہ شاہ خانم کی تربیت گاہ سے نکلی ہوئی وہ ڈالی ہرگز نہیں تھی جو صرف ان کے اشارے پر مڑ سکتی ہے، جھک سکتی ہے، یا وہ جب چاہیں اسے توڑ سکتی تھیں۔ حیرت ہے اشتارا خان اتنی نڈر ہے۔ یہ نازک سراپے والی بظاہر نرم و نازک نظر آنے والی، اپنے اندر اتنا اختیار بھی رکھتی ہے، اسے حیرت ہو رہی تھی۔ شدید حیرت اور یہ حیرت کی لہریں بڑھ کر نہ جانے کون سا رنگ اختیار کرنے لگتیں، اس نے سر جھٹک کر ساری توجہ راستوں کی سمت کر لی۔

+++

آفتاب پہاڑوں کے اوپر چمک رہا تھا۔ برف بے حد آہستہ آہستہ پگھل رہی تھی۔ برف سے لدی ڈالیاں بتدریج اپنا روپ نکھار رہی تھیں۔ پہاڑوں کی زندگی نیند سے پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔ پہاڑی پر اور وادی میں ہر جگہ چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ ایسے میں وہ بڑی شال سے خود کو ڈھانپے زیبل کے ساتھ حویلی سے باہر چند قدم چل کر چھوٹی پہاڑی کے پاس آ بیٹھی تھی۔ وہ دیوانی تھی ایسے موسم کی۔ جب برف پگھل رہی ہو اور زندگی میں حرارت کا احساس بیدار ہو رہا ہو۔ ہر چیز نکھری اور جواں زندگی کا رنگ پیش کر رہی ہو۔

"زیبے تم نے کبھی محسوس کیا ہے کہ باہر کے موسموں کا ہمارے اندر کی دنیا سے کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔" اس نے پہاڑی کے کناروں کے اندر چھپے بنفشے کے پھولوں کو چھوتے ہوئے خوش کن لہجے میں پوچھا۔

"اوں، ہوں۔ پتہ نہیں۔" زیبل نے نفی میں سر ہلا دیا۔

Marfat.com

''زیبل! جب میں زندگی کی ہر شے کو زندگی کی طرف رواں دواں دیکھتی ہوں تو نجانے کیوں میرے اندر ایک بے پایاں مسرت دوڑ جاتی ہے۔ میں بچوں کی طرح خوش ہو جاتی ہوں۔ کھلکھلاتی، مسکراتی ہر شے مجھے سکون دیتی ہے۔''

''ہاں اس لئے خان زادی! کہ ابھی تمہارے اندر بھی زندگی رواں دواں ہے، تمہارے جذبے زندہ ہیں اور خدا کرے ہمیشہ زندہ رہیں۔'' زیبل نے مفکرانہ انداز میں کہا تو وہ کھل کر ہنس پڑی۔

''زیبے! تم ہمیشہ مجھے اس طرح کی دعائیں دیتی رہتی ہو۔'' وہ پہاڑی کے نیچے سے اتر آئی اور محبت بھری مسکان کے ساتھ زیبل کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیوں خان زادی! کیا مجھے ایسی دعائیں نہیں دینی چاہئیں؟''

''ارے نہیں نہیں۔'' اس نے زیبل کے ہاتھ تھام لئے۔ ''بس کبھی کبھی حیرانی ہوتی ہے خود پہ کہ میں اس قابل ہوں کہ تم مجھے اتنی شدت سے چاہتی ہو۔''

''اس سے بھی زیادہ خان زادی!'' زیبل پرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

اسی لمحے سیاہ جیپ اپنی پوری رفتار کے ساتھ ان کی طرف آ رہی تھی۔ اشتارا چونک گئی۔ وہ یہ جیپ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ اس کے اندر بیٹھے اس شخص کی خوشبو میلوں کے فاصلے سے محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی ستارہ آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کے ضوفشاں چہرے پر نگاہ پڑی تو ذولین خان کا پیر خود بخود بریک پر جا لگا اور جیپ ان کے بالکل سامنے سڑک پر اچھل کر رک گئی۔

اشتارا خان کی پلکیں جگمگا اٹھیں۔ اس کی لانبی لانبی پلکیں بھی ساکن تھیں۔ وہ دونوں چند لمحے اپنی اپنی جگہ رکے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ مگر محویت کا یہ عالم صرف لمحہ بھر رہا۔ ذولین خان اس طرح چونکا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ عنابی لبوں کو اس نے بھینچ کر رخ موڑ لیا اور زور سے ایکسیلیٹر پر پیر رکھ کر جیپ ان سے آگے بڑھا لے گیا۔

بس ایک پل کے لئے سارا منظر جگمگا اٹھا تھا۔

صحیفہ دل پر انوکھے جذبے رقم ہو گئے تھے۔

اس سے امیدوں کے سارے دیئے جھلملا اٹھے اور لو دینے لگے تھے۔

نگاہوں کا یہ تصادم بس ایک لمحے کو تھا مگر دلوں میں جوت سی جگا گیا۔

بس اک پل کے لئے گلاب چہکے تھے، درخت جاگے تھے اور وادیوں کی رعنائی بڑھ گئی تھی۔

Marfat.com

وہ اس طلسم میں ابھی تک کھوئی ہوئی تھی کہ زیبل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ سارے خواب، وہ سارا طلسم بکھیر دیا۔

ہر منظر پر بے نام سا پردہ تن گیا۔

''اشتارا بی بی! تمہارے ان دیوانے جذبوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔'' زیبل کی کانپتی ہوئی آواز پر وہ چونکی اور سر اوپر اٹھایا، مگر پلکیں جھکا دیں۔

اب کوئی منظر اسے نہیں دیکھنا تھا۔

اب کوئی رعنائی جذب نہیں کرنا تھی۔ اسے لگا جیسے ساری رنگینیاں، ساری بہاریں تو بس وہ ایک ساعت میں اسے دکھا کر اپنے ہمراہ سمیٹ کر لے گیا تھا۔

''اشتارا، اشتارا!'' زیبل اسے جھنجوڑنے لگی۔ اس کے نازک بازو کو تھام کر ہلانے لگی۔ ''خان زادی! دل کو اپنی دسترس میں رکھو کہ یہ آزاد ہو کر ہمیشہ طوفان لے کر آتا ہے۔'' ایک انجانے خوف سے زیبل کی آواز لڑکھڑا گئی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ اسے کب یارا تھا کہ وہ اپنی خان زادی کو کسی دکھ میں تڑپتے دیکھ سکے۔

کسی اذیت بھرے لمحے میں سسکتا دیکھے، جس کی آہٹ لحہ بہ لحہ اسے قریب تر محسوس ہو رہی تھی۔ وہ انجام سے بے خبر تھی، مگر زیبل کی آنکھیں، وہ اندیشے محسوس کر رہی تھیں جو اس سے بہت دور مگر بے حد شفاف اور روشن تھے۔

''تم تو کہتی ہو زیبل کے میرے اندر جذبے رواں دواں ہیں، ابھی زندگی زندہ ہے، پھر کیوں ڈر گئی ہو۔'' وہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔

''ہاں یہ زندگی اس وقت تک زندہ رہ سکتی ہے خان زادی! جب تک تمہیں اس پر مکمل اختیار ہے۔ جب تک زندگی کو تم اپنی سمجھ کر خود اپنے ہاتھوں سے گزارو گی، دوسروں پر نثار کرتے ہوئے نہیں، تب تک یہ زندہ ہے۔''

''خدا کے لئے زیبل، چپ ہو جاؤ۔'' اس نے زیبل کے لبوں پر اپنا نرم ہاتھ رکھ دیا اور پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بھرپور انداز میں مسکرائی۔

''مت ڈرو اور نہ مجھے ڈراؤ، مستقبل کے اندیشوں سے۔ جانتی ہو سچے جذبے، بے غرض چاہت اپنا آپ سنوار لیتے ہیں۔ آنے والے کل کو اتنا ہیبت ناک مت سمجھو بلکہ کل کو خوش آئند تعبیر والا کوئی دمکتا خواب سمجھو جس سے ہمارا آج بھی تابندہ ہو جائے۔ زیبے آئندہ کا خوف، حال کا چہرہ بھی بگاڑ سکتا ہے۔''

اس کے اندر کمال کا حوصلہ تھا۔ شاید اپنے جذبوں پر اتنا کامل اعتماد۔ زیبل متحیر رہ

Marfat.com

گئی۔

''چلو زرسانگہ کے پاس چلتے ہیں۔'' اس نے موضوع بدل دیا۔ شاید خود بھی ذہن میں چھائے ان تصورات سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

''شاہ خانم کو اگر......'' زیبل کو دھڑکا ہوا۔ اشتارا کا دل بھی ایک لمحے کے لئے لرزا، مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ مسکرائی۔

''انہیں کیسے خبر ہوگی۔ آؤ چلو۔'' وہ زیبل کا ہاتھ تھامے دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ چادر کو اس نے اچھی طرح چہرے پر بھی ڈال لیا تھا۔ زیبل نے بھی خود کو بڑی سی چادر میں ڈھانپ لیا تھا۔

''یہ زری بھی برح طرح پھنسی ہے۔'' وہ چلتے چلتے مڑ کر بولی۔ ''اس کا بابا ظلم کر رہا ہے اس کے ساتھ۔''

''ایسا ظلم بھی نہیں کر رہا ہے۔'' زیبل جلدی سے بولی۔ ''اب دیکھو نا نواب داد، تماش سے تو لاکھ درجے بہتر ہے۔''

''تو پھر تمہاری کرا دوں اس سے؟'' زرسانگہ جانے کب سے چپکے چپکے ان دونوں کے پیچھے آ رہی تھی۔ زیبل کی بات پر نکل کر زور سے بولی تو زیبل گھبرا گئی۔ البتہ اشتارا ہنس پڑی۔

''تو کب آئی؟ ہم تمہاری طرف ہی آ رہے تھے۔''

''کب سے پیچھے آ رہی تھی۔ اس زیبل کی بچی کی بکواس سنی تو خون کھول اٹھا۔ کرادوں بول نواب داد سے تیری شادی۔'' وہ آنکھیں چمکا کر بولی تو زیبل کھسیا گئی۔

''بکومت، سچ ہی تو کہہ رہی ہوں۔ تماش میں کیا رکھا ہے۔ ڈھنگ سے کوئی کام کرتا تو ہے نہیں۔ کاہل ہے بالکل، صرف عشق کرنا جانتا ہے۔''

''خبردار جو تو نے اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو۔'' زرسانگہ چیخی۔

ان دونوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ ان دونوں کی کبھی بنی ہی نہ تھی۔ زرسانگہ کی حرکتیں زیبل کو ناپسند تھیں اور زیبل کی باتیں زرسانگہ کو کھلتی تھیں۔

''یہ کیوں نہیں کہتی کہ تو تماش سے جلتی ہے، وہ مجھے اتنا چاہتا ہے تو تجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''ارے واہ، میں کیوں جلنے لگی۔ کون سا ڈھنگ کا انسان تجھے چاہتا ہے۔'' وہ اسے خفا کر دینے کے موڈ میں تھی، خوب ہنسنے لگی۔ زرسانگہ کا چہرہ تپ اٹھا۔

Marfat.com

''میں تجھے مار ڈالوں گی زیبے۔'' وہ خونخوار ہو کر بولی۔

''اچھا بس بس۔ اب لڑائی ختم کرو۔'' اشتارا نے جلدی سے دونوں کو مزید لڑنے سے روک دیا۔

''اسے سمجھا لو اشتارے، یہ میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گی کسی دن۔''

''نہیں نہیں زری! زیبل تو بس مذاق کرتی ہے۔ یہ بتاؤ تیرے بابا نے کیا فیصلہ کیا ہے۔''

''چھوڑو اشتارا! میرے بابا کو اپنے بھتیجے میں سارے جہاں کی خوبیاں نظر آتی ہیں، مگر انہیں میری پسند، میری خواہش کی پرواہ نہیں ہے۔ زندگی تو مجھے گزارنی ہے نا۔'' وہ اپنی ہمدرد پا کر بلک اٹھی۔ اس کے اس طرح رونے پر زیبل اور اشتارا دونوں پریشان ہو گئیں۔ زیبل کو اس سے کسی قسم کی پرخاش نہ تھی، وہ تو بس ایسے ہی اسے چھیڑتی تھی، اس نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

''سچ ہی تو کہتا ہے تیرا بابا۔ تُو اس کی بات مان لے، دیکھ مجھے یقین ہے نواب داد تجھے بہت خوش رکھے گا۔''

''پھر وہی بکواس۔'' وہ جل گئی اور زور سے زیبل کو دھکا دے کر پرے کرتے ہوئے بولی۔ ''نہیں رہنا مجھے نواب داد کے ساتھ خوش۔''

''مگر زری! تماش زندگی کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیتا۔ وہ بہت لاپرواہ سا بندہ ہے۔'' اشتارا نے کہا۔

''نہیں، نہیں اشتارا! وہ بظاہر لاپرواہ لگتا ہے مگر میری خاطر وہ خود کو بدل ڈالے گا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ شادی کے بعد خوب محنت کرے گا اور جو میں کہوں گی وہی کرے گا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اشتارے!'' وہ اپنی گہری گہری آنکھیں چمکا کر بولی اور پھر ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں بھی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

''اس کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ بعد میں سب کرے گا۔''

''کرے گا۔ اس کے ہر لفظ میں سچائی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس کے باطن کی چمک فروزاں تھی۔ ہاں اشتارے! وہ مرد ہے اپنی زبان پر قائم رہنے والا مرد۔'' زرسانگہ نے اس کی بات کاٹ کر تماش خان کی بھرپور حمایت کی۔

''اماں بھی تو یہی چاہتی ہیں۔''

''ہاں اس لئے چاہتی ہیں کہ تماش ان کا بھانجا ہے۔ مگر تمہارے بابا بھی حق پر ہیں۔

Marfat.com

وہ تجھے مضبوط سہارا اور روشن مستقبل دینا چاہتے ہیں۔ خیر چھوڑو۔'' اشتارا نے اسے دل گرفتہ ہوتے دیکھ کر موضوع بدلنا چاہا۔ ''چلو میرے ساتھ، حویلی چلتے ہیں وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

''نہ، نہیں بابا۔'' زرسانگہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی اور پھر اس کے ساتھ ہی اٹھتے ہوئے بولی۔ ''شاہ خانم تو میری جان لے لیں گی، انہیں ہم بھلا کب پسند ہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تو اشتارا کا چہرہ ندامت کے رنگ سے رنگ گیا۔ اس کی پلکیں رخسار پر ہولے سے کانپ گئیں۔ یہ سچ تھا شاہ خانم کو اشتارا کا یوں غریب اور متوسط گھر کی لڑکیوں سے دوستیاں کرنا سخت ناپسند تھا۔ یہ بات ان کی شان کے خلاف تھی کہ بستی کی سب سے امیر کبیر شاہ خانم کی لاڈلی بیٹی سے کوئی غریب لڑکی اتنی بے تکلف ہو۔

''لیکن شاہ خانم کو نہ سہی، تم میری پسند ہو، میں چاہتی ہوں۔'' اس نے تمام اندیشوں کو پیچھے دھکیل کر مضبوط لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنے لگی مگر زرسانگہ نے ہاتھ چھڑا لیا۔

''تمہاری پسند شاہ خانم کی ایک تیغ صفت نگاہ سے بدل جائے گی اور میں ماری جاؤں گی۔'' زرسانگہ یہ کہہ کر عام سے انداز میں ہنس پڑی مگر اشتارا خان کے قدم زمین نے جیسے جکڑ لئے۔

''میری پسند......شاہ خانم کی ایک نگاہ تیز سے بدل سکتی ہے۔'' اس کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹنے لگا۔ زرسانگہ نے انجانے میں یہ کیسا تیر پیوست کر دیا کہ اس کی ساری ہستی ڈول کر رہ گئی۔

''نہیں میں اتنی بے اختیار بھی نہیں ہوں۔'' اس کی نگاہیں بے ساختہ اس راستے پر دوڑ گئیں جہاں کچھ دیر پہلے سیاہ جیپ گزری تھی۔ جس کے اندر موجود شخص اس کی پسند ہی نہیں، اس کی محبت تھا۔ اس کی رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہا تھا، جس کے ہاتھوں میں اس نے اپنی زندگی کی ڈور خود ہی تھما دی تھی۔ اس کے دل کی ندیاں وہیں رواں ہونا چاہتی تھیں۔

''کیا شاہ خانم کی اک تیغ صفت نگاہ اس کی پسند کو بدل سکے گی؟ اس کے اندر ٹھاٹھیں مارتے محبت کے اس سمندر کو ساکن کر سکے گی''؟ زرسانگہ کی بات پر وہ خوفزدہ ہوگئی۔

''کیا سوچنے لگی ہو خان زادی ___؟'' زیبل نے اسے ہلایا تو وہ چونک کر بے مقصد مسکرا دی۔

Marfat.com

"ہوں، نہیں بس ایسے ہی۔ اس ٹھنڈے ٹھنڈے موسم کی تراوٹ اپنے اندر جذب کر رہی تھی۔" اس نے ان دونوں کی نگاہوں کی محویت پر گھبرا کر جلدی سے بہانہ تراشا۔
"دیکھو موسم کتنا خوبصورت ہو رہا ہے۔"

+++

شاہ خانم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے کھڑی زیبل کو ٹکڑے ٹکڑے چیر کر رکھ دے۔ آگے بڑھ کر اس کا گلا دبا دے یا ابھی سولی پر چڑھا دے۔
"مم، معاف کر دیں۔ شا شاہ خانم۔" وہ تھر تھر کانپتی اپنی ناکردہ غلطی کی معافی مانگنے لگی۔ اس کا رواں رواں پسینے سے تر ہو رہا تھا۔
"میں پوچھتی ہوں تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟" ان کا چہرہ غضب ناک ہو رہا تھا۔ بڑی سی شال میں خود کو لپیٹے وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی زیبل کو اپنی موت محسوس ہو رہی تھیں۔ ان کا جلالی چہرہ اور دہشت انگیز آواز اس کا دم نکالے دے رہا تھا۔
"مم، مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ انیکسی کی طرف گئی ہیں۔ یا خدا میں سمجھی تھی وہ وہ نسس سو رہی ہیں۔"
"جھوٹ مت بولو۔ تم حویلی کی شاہ خانم کو بے وقوف بنا رہی ہو۔" ان کا ہاتھ پوری قوت سے اٹھا اور زیبل کے چہرے پر اپنا نشان چھوڑ گیا، وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی۔
"میں نہیں جانتی کیا کہ تم اس کی رازداں ہو۔ اس کی ہمدرد بنی پھرتی ہو، وہ اپنے دل کی فضول باتیں بھی تم سے کرتی ہے۔" ان کے منہ سے آگ نکل رہی تھی جو زیبل کے حواس کو جھلسائے دے رہی تھی۔
"مم۔ میں۔ سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ پھر منمنائی مگر ان کی شعلہ صفت نگاہوں سے سہم کر دیوار میں ہی سمٹے جا رہی تھی۔
شاہ خانم کی اس آگ بھری بوچھار سے پورا گھر ہی کانپ اٹھا تھا۔ خیزراں الگ کچن کے دروازے پر ہی چپک کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔
"تم سب نمک حرام ہو —— یاد رکھو اس کی تباہی کی ذمہ دار میں تمہیں ٹھہراؤں گی۔" وہ زیبل کو دیکھ کر پھنکاریں تو زیبل کی سانس اندر ہی اٹک کر رہ گئی۔
"جاؤ اسے بلاؤ، میں خود آج اس سے دوٹوک بات کروں گی اور اس شخص سے بھی جو میری بیٹی کو بے وقوف بنا رہا ہے۔" وہ چلائیں۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"
زیبل لڑکھڑاتے قدموں سے یوں بھاگی جیسے اب پلٹ کر کبھی اس طرف نہ رخ

Marfat.com

کرے گی۔

یہ سچ تھا کہ اشتارا خان ہر بات زیبل کو بتاتی تھی۔ اس کے ہر راز سے زیبل آگاہ تھی۔ وہ اپنے تمام تر احساسات زیبل پر آشکار کر دیا کرتی تھی، مگر آج نہ جانے کیوں اس نے زیبل سے بھی جھوٹ بولا تھا۔

''میں سونے جا رہی ہوں زیبے۔ مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔'' اس نے دروازے میں کھڑے کھڑے زیبل سے صاف جھوٹ بول دیا تھا اور زیبل سر ہلا کر گول کمرے کی طرف مڑ گئی تھی مگر اس کے جاتے ہی اشتارا اپنے آپ کو گرم شال میں لپیٹتی سب سے خود کو چھپاتی انیکسی کی سمت نکل گئی تھی۔

وہ محبت کی اس نہج پر آ گئی تھی جہاں سے خود اس کے لئے واپس پلٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو گیا تھا۔ اس کے قدم خود بخود انیکسی کی طرف گئے، مگر ذولین خان وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کی ستارہ آنکھیں بجھ گئیں۔

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ذولین خان! تم کیوں مجھے ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہو۔'' اس کے لب کپکپا اٹھے۔ اس کی بے اعتنائی اور کج ادائی پر اندر ہی اندر بکھرنے لگی۔

''میں ہارنا نہیں چاہتی ذولین خان خل زئی اور نہ واپس پلٹنا چاہتی ہوں۔'' وہ انیکسی سے باہر آ گئی اور اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔

اس کی آنکھیں خود بخود بھیگتی چلی گئیں اور اس کے دل کی شوریدہ سر لہریں مچل مچل کر رہ گئیں۔

نہ کوئی خاطر مدارت نہ تقریب وصال
ہم تو بس چاہتے ہیں تیری نظر میں رہنا

وہ خود کو جتنی باحوصلہ سمجھتی تھی، ذولین خان کی بے اعتنائی پر محسوس کرتی جیسے وہ اندر سے بالکل ٹنڈ منڈ شاخ ہو کر رہ گئی ہے کہ ابھی گری اور ابھی گری۔

اس نے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں مگر اسے قطعی احساس تک نہ ہوا کہ اس کے اٹھتے قدم شاہ خانم کی نگاہوں کے حصار میں آ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے کمرے کے بلور دریچے سے اسے انیکسی سے باہر نکلتا دیکھ لیا تھا۔

روئی روئی آنکھیں۔

مایوس اور شکستہ۔

Marfat.com

یہ منظر، ان کے اندر ایک طوفان برپا کر گیا تھا۔

ان کے منع کرنے کے باوجود، اتنی سخت پابندی کے باوجود، اشتارا کے قدم انیکسی کی طرف بڑھے تھے۔ یہ سراسر ان کی حکم عدولی تھی، ان کے اصول کی نفی تھی اور کھلم کھلا بغاوت۔

ان کے دماغ میں آتش فشاں پھٹنے لگا تھا۔ زیبل نے گویا ان سے جھوٹ بولا تھا کہ اشتارا سو چکی ہے۔ وہ اسی لمحے بھنائی، غصے سے بل کھاتی کمرے سے باہر نکلی تھیں اور زیبل پہ برس پڑی تھیں۔

زیبل کے سارے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔ خود اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اشتارا نے اس سے چھپایا ہے۔ اپنی ہمدرد رفیق سے جھوٹ بولا ہے اور آج اس کے جھوٹ نے اسے شاہ خانم کے تیروں سے زخمی کر دیا۔

مگر اسے شکوہ اب بھی اشتارا سے نہیں تھا بلکہ اور زیادہ ہمدردی سمٹ آئی تھی۔ وہ پراگندہ ہو گئی کہ نہ جانے شاہ خانم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گی۔ خدا کرے انہیں رحم آ جائے۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے صدق دل سے دعا مانگی تھی۔

اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اشتارا بے خبر تھی۔ وہ تو اپنی خواب گاہ کا دروازہ مقفل کئے نیم تاریکی میں اپنے بستر پر لیٹی تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ ذولین خان کی سفاکی پر۔

''تم ایسے کیوں ہو ذولین۔'' اس نے اسے تصور میں لا کر کئی بار مخاطب کیا۔ ''میرے وجود میں اتر کر مجھی سے کترا رہے ہو۔ نہ جانے یہ بے اعتنائی برت کر کون سے جذبے کی تسکین کر رہے ہو۔'' میں نے کب تم سے خوبصورت لفظوں کی بھیک مانگی ہے۔ کب یہ خواہش کی ہے کہ مسکراہٹوں کے سارے خزانے مجھ پر نچھاور کر دو۔ میں نے تو ممکن خواہش بھی تم سے نہیں کی۔ یہ تو پھر تمہارے لئے ناممکن سی باتیں ہیں۔

وہ از خود دکھی ہو رہی تھی۔ اس نے سیاہ ٹیپ سے نکلتی پرسوز آواز میں خود کو گم کرنا چاہا۔

ہر ترنم سے ملی ہے تیری آواز مجھے
ایک ہی نغمہ سناتا ہے ہر اک ساز مجھے
عشق کا بھی کوئی انجام ہوا کرتا ہے
عشق میں یاد ہے آغاز ہی آغاز مجھے

اس نے ہاتھ بڑھا کر ریورس کا بٹن دبایا، پھر آواز تیز کر دی۔

Marfat.com

وہ دیوانی ہو رہی تھی۔ عجیب بے کلی سی طاری ہو گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ہر طرف وہی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ ہر طرف ہر شے یہی چیخ کر اسے سنا رہی ہو۔

جو کسی کو بھی نہ چاہے اُسے چاہتا رہا
عمر بھر اپنی محبت پہ رہا ناز مجھے

ہاں ہاں۔ تم کسی کو چاہ ہی نہیں سکتے ذولین خان! شاید یہ لطیف احساس تمہارے اندر ہے ہی نہیں۔ تمہارا دل، تمہاری آنکھیں، تمہارا وجدان سب کچھ پتھرا گیا ہے۔ تم پتھروں میں گھر کر پتھر ہو گئے ہو۔ تم شاید ساری عمر مجھے یونہی تڑپتے، سسکتے دیکھتے رہو گے مگر میں ہار نہیں مانوں گی، نہ شکوہ کروں گی تم سے کہ محبت کے سفر میں یہی تو ہوتا ہے۔

دھڑ...... دھڑ........

''اشتارا بی بی! اشتارا بی بی!'' زیبل کی کانپتی آواز پر ٹیپ ریکارڈ کی طرف بڑھتا اس سفید ہاتھ کانپ گیا۔ یہ آج زیبل کس انداز سے اسے پکار رہی ہے۔ اس کا دل وحشت زدہ ہو گیا۔

''خان زادی! دروازہ کھولو، کھولو خان زادی۔''

وہ گھبرا کر تیزی سے بیڈ سے نیچے اتری، پیروں میں سلیپر ڈالے اور سرہانے سے دوپٹہ کھینچا اور آگے بڑھ کر لاک گھما دیا۔ سامنے ہی زیبل کھڑی تھی۔ بھیگی بھیگی آنکھوں اور متوحش چہرے کے ساتھ۔

''کک۔ کیا ہوا۔ کیا بات ہے زیبی۔ یہ دروازہ ایسے کیوں کھٹکھٹا رہی تھی؟'' اس نے حیرت سے اس کے سہمے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''اش...... تارا......'' زیبل اندر آ گئی۔ اس کا حلق ابھی تک خشک ہو رہا تھا۔ اس نے اشتارا کو دیکھتے ہوئے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''خدا کے لئے زیبی! بول نا کیا بات ہے؟''

''وہ...... وہ شاہ خانم۔''

''کیا ہوا شاہ خانم کو؟'' وہ گھبرا گئی۔ ایک انجانے خوف سے اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''وہ انہوں نے تمہیں انیکسی سے باہر نکلتے دیکھ لیا ہے۔''

''کک...... کیا؟'' اشتارا کا سارا وجود تھرا اٹھا۔ آنکھوں میں سارے جہاں کا خوف سمٹ آیا۔ اس نے بے یقینی اور خوف کے ملے جلے احساسات کے ساتھ زیبل کو دیکھا،

Marfat.com

جیسے کہہ رہی ہو۔نہیں زبے اتنا خوف ناک مذاق مت کرو میرے ساتھ۔"

"ہاں اشتارا بی بی! انہوں نے دیکھ لیا ہے۔اب تمہیں بلا رہی ہیں۔ بہت غصے میں ہیں۔" زیبل کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ تھے یا تیر، سیدھے اس کے دل کے آر پار ہوئے جا رہے تھے۔اسے لگا جیسے کمرے کی چھت اس پر گرتی جا رہی ہے اور وہ شاہ خانم تک پہنچنے سے پہلے ہی بھربھری مٹی کی طرح بیٹھتی چلی جا رہی ہے۔

"خ...... خان زادی!" زیبل وحشت زدہ سی اس کی طرف لپکی۔

"زے...... بے......" اس نے اپنے چکراتے وجود کو زیبل کا سہارا دینا چاہا، مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

"خان...... زادی!...." زیبل اس کے چکراتے وجود کو تھام کر چلا اٹھی۔

Marfat.com

شاہ خانم، اشتارا سے پہلے ذولین سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں سارا جرم اسی کا لگ رہا تھا۔ وہ سب کچھ اسی کے حساب میں ڈال کر تنتناتی اور بل کھاتی ناگن کی طرح غصے سے بھری انیکسی کی طرف بڑھیں۔ سفید دروازہ نیم وا تھا۔ انہوں نے ہاتھ کا پورا دباؤ ڈال کر دروازہ 'دھم' سے پورا کھول دیا۔

وہ جیپ کی چابی اٹھا کر باہر ہی نکلنے کی غرض سے تیار تھا، مگر شاہ خانم کو اپنے روبرو دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا۔

اس کی سبز سبز آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ ایک شدید حیرانی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

زندگی میں پہلی بار شاہ خانم اس کی آنکھوں کے دروازے پر اتنے تمام تر جاہ و جلال کے ساتھ استادہ تھیں۔ شعلے برساتی آنکھیں، تپا تپا چہرہ۔

''آ...... پ...... یہاں؟'' بہت دیر بعد اس کے لبوں میں آہستگی سے جنبش ہوئی۔ مگر اس سے پہلے کہ شاہ خانم اپنے اندر کی کڑواہٹ، نفرت اور تمام تر ناخوشگوار احساسات کو لفظوں کے ذریعے باہر نکالتیں، خیزراں دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئی۔

''شش...... شاہ...... خا...... خانم۔'' اس کی آواز ہانپنے کے ساتھ ہکلا گئی۔ ''وہ...... وہ اشتارا...... بب...... بی بی۔''

''کیا ہوا اشتارا کو؟'' شاہ خانم بری طرح چونکیں اور ایڑیوں کے بل پوری طرح خیزراں کی سمت مڑ گئیں۔ ''کیا ہوا اشتارا کو؟'' ان کی آنکھیں انجانے خوف سے پھیلیں۔

''وہ۔ جی۔ وہ۔ خان زادی بب بے ہوش ہو چکی ہیں۔''

''کیا ــــ؟'' ان کا سارا جسم لرزا۔ ان کی چہیتی، ان کی عزیز از جان اشتارا بے ہوش ہو چکی ہے۔

''مگر کیوں؟'' ان کا دماغ کھٹکا۔ وہ تیزی سے پلٹیں اور انیکسی کے باہر بنی راہداری کو

Marfat.com

عبور کرتی، رہائشی حصے کی طرف بھاگیں۔

+++

ذولین کے لئے یہ خبر از حد پریشان کن تھی کہ اشتارا بے ہوش ہوگئی ہے۔ شاہ خانم یہاں کیوں آئی تھیں۔ ان کا غصے سے بھرا چہرہ اور تپی تپی آنکھیں کیا کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔ یہ خیال یکسر اس کے ذہن سے نکل گئے تھے۔ بس ایک چہرہ تصور میں سمٹ آیا تھا۔ اشتارا خان کا۔

''خیزراں۔'' اس نے واپس جاتی خیزراں کو جلدی سے پکارا۔

''یہ اچانک اشتارا کو کیا ہوگیا ہے؟''

''ج...... جی...... پپ...... پتہ نہیں۔'' خیزراں اچانک ذولین خان کے استفسار پر گھبرا گئی۔

وہ خود اس اچانک وارد ہونے والے دھاکے سے بے خبر تھی اور باخبر ہوتی تبھی تب بھی اس کی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ وہ ذولین خان کے پاس مزید رک کر کوئی بات کرتی، یا اس کے کسی سوال کا جواب دیتی۔

شاہ خانم کی ہیبت اس کے سارے وجود پر بھوت کی طرح مسلط تھی۔ وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر الٹے قدموں حویلی کی سمت بھاگی۔

'نہ جانے کیا بات ہوگئی ہے کہ اشتارا خان بے ہوش ہوگئی ہے۔' اس کا سر چکرا کر رہ گیا۔ اس نے خیزراں کے یوں بھاگ جانے کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا۔ اس کے ذہن کی ساری سوئیاں تو بس اشتارا کی ذات پر اٹک کر رہ گئی تھیں۔

بجھی بجھی آنکھیں۔

مضمحل چہرہ۔

اس کی نگاہوں تلے گھوم گیا۔

وہ کوئی آدھے گھنٹے پہلے شکستہ قدموں سے اس کی انیکسی سے اسے موجود نہ پا کر باہر نکلی تھی۔

وہ اسے دیکھ کر جان بوجھ کر بغلی لان کی طرف نکل گیا تھا۔ وہ کیا کرتا۔ اسے اس کے شگفتہ چہرے اور روشن مسکراہٹ سے دشمنی نہ تھی، مگر وہ اس کے بڑھتے قدم وہیں روک دینا چاہتا تھا۔ ان احساسات کو ہوا دے کر شعلہ بنانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا محبت کے چند خوشگوار لمحے، عمر بھر کے لئے آزار بن جائیں گے۔ خود اس نازک موی لڑکی کے لئے

Marfat.com

جو محبت کو محض کھنکتا قہقہہ سمجھتی تھی، جس کی آوازوں میں وہ ہمیشہ گم رہے گی۔
بہار کی اولین صبح کے اجالے اور گلابوں کی آمیزش سے جنم لینے والی کوئی ایسی ہی شے سمجھتی تھی جس کو پا کر وہ تمام عمر رعنائیوں کے ہمراہ چلتی رہے گی۔
آہ۔ وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ ہم وہاں ہیں جہاں یہ محبت نہیں اذیت ہوگی، زندگی بھر کے لئے جہاں ہمارے قدم رکیں گے وہاں پھول نہیں کانٹے اگ آئیں گے۔ اس کے مضمحل چہرے اور بوجھل قدموں نے اسے افسردہ کیا تھا۔ اس کے پتھر دل میں دراڑ ڈالی تھی۔

اس کی بے اعتنائی کے غبار نے اس کا گلاب چہرہ اجاڑ دیا تھا۔
اس کی بے رخی کی ہوا نے اسے بکھیر دیا تھا اور شاید اس کا نازک وجود اتنا بڑا غم برداشت نہیں کر سکا تھا اور وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔
ذولین خان کے وجود پر ایک عجیب سی افسردگی چھا گئی۔ ایک بوجھ سا آ گرا۔
اس نے کرسی پر خود کو گرا لیا اور آنکھیں موند لیں۔
'میں اتنی گہری آزمائشوں سے تو کبھی بھی نہیں گزرا اشتارا مہروز خان، کہ سانس لینا بھی محال ہو جائے'۔ اس نے بہت اداسی کے ساتھ سوچا۔

+++

شاہ خانم کے لمس کی کرنیں اسے آہستہ آہستہ بیدار کر رہی تھیں۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ دھیرے دھیرے اس کی سرخی مائل سیاہ پلکیں اوپر اٹھنے لگیں اور ستارہ آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔ مگر فانوس کی تیز روشنیوں نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں۔ اس نے گھبرا کر پلکیں دوبارہ موند لیں۔
''آہ۔ ہاں نہیں۔ اشتارا۔ آنکھیں کھولو بیٹا۔'' بابا خان کی بھاری اور شفیق آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کتنے دنوں بعد تو اس کی سماعت پر نرمیاں سمٹ آئی تھیں۔ کتنے دنوں بعد بابا خان اس کے سامنے اس کے بے حد قریب بیٹھے تھے۔ محبت کی روشنی سے منور چہرہ اس کی آنکھوں کے بالکل قریب تھا۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر پہلے یہ مہربان چہرہ دیکھا۔ پھر زیبل کی ہمدرد نگاہوں سے نگاہیں ملیں۔
خیزراں کا متوحش چہرہ۔
شاہ خانم کا چہرہ۔
اس نے اس چہرے پر نگاہیں روک دیں۔ یہ چہرہ اسے آہستہ آہستہ سارے گزرے

Marfat.com

لمحے یاد دلانے لگا تو اس کے سارے وجود میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ پیروں میں لرزش ہونے لگی۔

''شش۔شاہ خانم۔'' اس کے لب کپکپا گئے۔

''نہیں، کچھ مت بولو۔'' شاہ خانم نے اس کی پیشانی پر اپنا گرم ہاتھ رکھ دیا۔''زیبل اسے پانی دو۔'' انہوں نے زیبل کو حکم دیا پھر اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گئیں۔

''یہ تمہیں اچانک کیا ہوگیا بیٹی؟'' بابا خان نے اسے مکمل ہوش میں پا کر پوچھا۔''تم لوگ اس کا دھیان نہیں رکھتیں کیا؟''انہوں نے زیبل اور خیزراں کو باری باری دیکھا۔

''ج۔جی۔وہ تو جی۔'' وہ دونوں گھبرا گئیں۔ زیبل کی آواز لڑکھڑا کر رہ گئی۔ وہ پہلے ہی شاہ خانم کے عتاب کا نشانہ بنی سہمی ہوئی تھی۔ بابا خان کی باز پرس پر رہی سہی کسر بھی نکل گئی۔

''چکر آ گیا تھا اسے۔'' شاہ خانم چند لمحے توقف کے بعد دھیرے سے بولیں۔''ٹھیک ہو جائے گی ذرا آرام کرلے گی تو۔'' انہوں نے بابا خان کو مطمئن کرنے کی سعی کی۔

''ہاں۔ اب مکمل آرام کرنا اور بستر سے بالکل مت اٹھنا۔ بہت کمزور ہوگئی ہو۔'' بابا خان نے پیار و محبت بھرا حکم دیا اور اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔

''دھیان رکھنا اپنا بیٹا!'' بابا خان اس پر محبت بھری نگاہ ڈال کر اٹھ کر چلے گئے تو شاہ خانم نے اشارے سے زیبل اور خیزراں کو بھی کمرے سے باہر جانے کا حکم دیا۔

''اشتارا۔'' انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنتے ہی اسے پکارا جو پہلے ہی خود کو تیار کر رہی تھی۔ اس کے باوجود 'آہو' کی طرح سہم کر رہ گئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تمہاری طرف سے یا اس حویلی میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا کچھ دھیان نہیں ہے مجھے؟'' وہ ان کی سائڈ والی کرسی سے اٹھ کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''ایسے کام جو مجھے سخت ناپسند ہوں، میں برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ کوئی کرے۔ چاہے وہ میری اکلوتی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔'' ان کی آواز گرم لاوے کی طرح اشتارا کی سماعت پر گر رہی تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔

''میں اسے معاف نہیں کیا کرتی، جو میرے اصولوں سے انحراف کرے۔ بغاوت کے زمرے میں آتی ہے یہ بات۔ جانتی ہو تم؟''

''ج...... جی......'' اس کی چشم قمر میں شاہ خانم کا خوف نمکین پانی کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

لمحے یاد دلانے لگا تو اس کے سارے وجود میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ پیروں میں لرزش ہونے لگی۔

''شش۔شاہ خانم۔'' اس کے لب کپکپا گئے۔

''نہیں، کچھ مت بولو۔'' شاہ خانم نے اس کی پیشانی پر اپنا گرم ہاتھ رکھ دیا۔''زیبل اسے پانی دو۔'' انہوں نے زیبل کو حکم دیا پھر اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ گئیں۔

''یہ تمہیں اچانک کیا ہوگیا بیٹی؟'' بابا خان نے اسے مکمل ہوش میں پا کر پوچھا۔''تم لوگ اس کا دھیان نہیں رکھتیں کیا؟'' انہوں نے زیبل اور خیزراں کو باری باری دیکھا۔

''ج۔جی۔وہ تو جی۔'' وہ دونوں گھبرا گئیں۔ زیبل کی آواز لڑکھڑا کر رہ گئی۔ وہ پہلے ہی شاہ خانم کے عتاب کا نشانہ بنی سہمی ہوئی تھی۔ بابا خان کی باز پرس پر رہی سہی کسر بھی نکل گئی۔

''چکر آ گیا تھا اسے۔'' شاہ خانم چند لمحے توقف کے بعد دھیرے سے بولیں۔''ٹھیک ہو جائے گی ذرا آرام کرلے گی تو۔'' انہوں نے بابا خان کو مطمئن کرنے کی سعی کی۔

''ہاں۔ اب مکمل آرام کرنا اور بستر سے بالکل مت اٹھنا۔ بہت کمزور ہوگئی ہو۔'' بابا خان نے پیار و محبت بھرا حکم دیا اور اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا۔

''دھیان رکھنا اپنا بیٹا!'' بابا خان اس پر محبت بھری نگاہ ڈال کر اٹھ کر چلے گئے تو شاہ خانم نے اشارے سے زیبل اور خیزراں کو بھی کمرے سے باہر جانے کا حکم دیا۔

''اشتارا۔'' انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنتے ہی اسے پکارا جو پہلے ہی خود کو تیار کر رہی تھی۔ اس کے باوجود 'آہو' کی طرح سہم کر رہ گئی۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تمہاری طرف سے یا اس حویلی میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا کچھ دھیان نہیں ہے مجھے؟'' وہ اس کی سائڈ والی کرسی سے اٹھ کر اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''ایسے کام جو مجھے سخت ناپسند ہوں، میں برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ کوئی کرے۔ چاہے وہ میری اکلوتی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔'' ان کی آواز گرم لاوے کی طرح اشتارا کی سماعت پر گر رہی تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔

''میں اسے معاف نہیں کیا کرتی، جو میرے اصولوں سے انحراف کرے۔ بغاوت کے زمرے میں آتی ہے یہ بات۔ جانتی ہو تم؟''

''ج...... جی......'' اس کی چشم قمر میں شاہ خانم کا خوف نمکین پانی کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

پھیل گیا۔

''تمہارے یہ قدم انیکسی کی جانب اب کبھی نہ اٹھیں۔'' انہوں نے شال کو سمیٹا اور دو قدم چل کر اس کے قریب آ گئیں۔ پھر اس کی جھکی ملول پلکوں کو نظر بھر کر دیکھتے ہوئی بولیں۔

''اس حویلی میں انقلاب لانے کی کوئی کوشش مت کرنا، ورنہ بہت کچھ سہنا پڑے گا۔ ماں بن کر آج سمجھا رہی ہوں تمہیں، مگر آئندہ مجھے مجبور مت کرنا کہ میں اپنی محبت پر کوئی سخت جذبہ چڑھا کر تمہارے سامنے آؤں۔''

''اب سو جاؤ۔'' انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی کو چوما اور باہر نکل گئیں۔

'یہ...... یہ کیسی محبت ہے شاہ خانم اور یہ کیسے اصول؟ میں ان دونوں کے درمیان چکرا کر رہ گئی ہوں۔' ان کے کمرے سے جاتے ہی وہ تکیہ کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھی اور بے آواز رونے لگی۔

ان کا ایک ایک لفظ، ان کی فطری اصول پسندی کا مظہر تھا۔

یہ لہجہ ایک ماں کا لہجہ تو نہیں تھا، ایک اصول پرست عورت کا لہجہ تھا۔

یہ انداز محبتوں کی گرمی نہیں اپنی انانیت کا کھردرا پن سمیٹے ہوئے تھا۔

یہ آہنی اصول۔

اسٹیٹس کا غرور۔

ذولین خان سے نفرت۔

شاہ خانم کے خون میں سب گردش کر رہا تھا اور یہ زہر ہر وقت ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

ان کے ہر فیصلے پر ان کی اولاد نے آج تک سر جھکا دیا تھا۔ جب بابا خان نے کبھی ان کے کسی اصول سے انحراف نہیں کیا تھا تو پھر اشتارا خان کی کیا مجال تھی، اس کی کیا وقعت تھی۔

وہ تو ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی سطح پر ہچکولے کھاتے ایک پتے کی طرح تھی۔ اس کی کیا ہمت کہ وہ اپنے زور بازو سے سمندر میں طغیانی لے آئے یا موجوں میں ٹھہراؤ پیدا کرے۔

اس نے ہمیشہ ہی اپنی اس بے اعتنائی اور بے اختیاری کو قبول کیا تھا، مگر آج، ان کے یہ اصول۔

یہ نفرت، اسے قبول نہیں تھی۔

Marfat.com

وہ ذولیپن خان کو چاہتی تھی، بلکہ وہ تو اس کی روح کی پہنائیوں میں اتر چکا تھا۔ وہ اپنی اس چاہت کا برملا اظہار نہیں کر سکتی تھی مگر اپنے بڑھتے قدم روک بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ اس کے بس سے باہر تھا۔

وہ بے اختیار تھی دل کے ہاتھوں۔

سب کچھ اس کی دسترس میں تھا۔ سوائے اس دل کے جو ایک ہی خواہش پر مچل رہا تھا۔ ایک ہی نغمہ گا رہا تھا۔

نہ جانے ذولیپن خان کی سمندر آنکھوں میں یہ کیسی کشش تھی کہ اس کی ذات میں گھلی محبت کا ہر چشمہ اسی کی طرف روانہ ہونا چاہتا تھا۔ جذبوں کی ساری نوخیز ندیاں اس میں غرق ہو جانے پر مچل رہی تھیں۔ وہ اب اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ جہاں سے واپس پلٹنے کا تصور بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

اس نے سامنے گولڈن رنگ کے اطالوی طرز کے قد آدم آئینے میں یونہی لیٹے لیٹے اپنا چہرہ دیکھا۔

محض چند گھنٹوں میں چہرے کے چراغ بجھ کر رہ گئے تھے۔

ستارہ آنکھوں کے گرد حلقے بہت واضح تھے۔

مسلسل برستی آنکھوں سے پپوٹے متورم ہو رہے تھے۔

اس نے آئینے میں دیکھتے ہوئے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹا اور سوچا کہ اس کی یہ حالت شاہ خانم کے خوف سے ہو گئی ہے، ذولیپن خان کی بے اعتنائی سے یا اپنے آپ سے لڑتے ہوئے، الجھتے ہوئے؟

اس نے تھک کر پلکیں موند لیں اور جب دوبارہ کھولیں تو آئینے میں زیبل کا عکس نمایاں تھا۔ وہ دودھ کا گلاس تھامے کھڑی تھی۔

+++

جوں جوں الیکشن کے دن قریب آتے جا رہے تھے، متحارب تنظیموں میں محاذ آرائی بڑھتی جا رہی تھی، مگر یہ حقیقت تھی کہ اشمل خان کی پارٹی کی طرف سے کبھی بھی کسی طرح کی بدامنی کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا رویہ ہمیشہ مصالحانہ رہتا تھا۔ اس کے منشور کا روشن پہلو ہی یہی تھا کہ تعلیم کا عمل پاکیزہ اور پرامن ماحول میں جاری رہے اور یہ اس صورت میں ممکن تھا جب تمام اسٹوڈنٹ باہم متحد ہو کر بحالی امن میں اپنا موثر کردار ادا کریں۔

وہ بہادر اور جری تھا۔ اس کی رگوں میں کوہستانی خون گردش کر رہا تھا۔ اس کے عزائم

Marfat.com

بھی پہاڑ جیسے تھے، مگر اس نے اپنی دلیری کو بجائے منفی رخ دینے کے مثبت رخ دیا تھا اور یہی اس کی ذات کی سب سے بڑی خوبصورتی تھی۔

''اگر ریحان پراچہ کی طرف سے کوئی گڑبڑ ہوئی تو؟'' افتخار نے میز کی سطح پر دونوں ہتھیلیاں ٹکا کر اشمل خان کی طرف قدرے جھکتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔ ''ریحان پراچہ کی کوئی بھی حرکت ہمارے جلسے کو ناکام بنا سکتی ہے۔''

''نہیں......انہیں ایسا کرنا تو نہیں چاہئے۔ آخر ہم نے بھی ان کے جلسے میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی۔'' اس نے میز کی سطح پر بکھرے تمام کاغذات کو سمیٹتے ہوئے مطمئن لہجے میں کہا۔

''بہت بھولے ہو اشمل خان!'' احسن جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا، استہزائیہ ہنسا۔ ''ریحان پراچہ ایسی ہی سیاست میں ملوث ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے۔''

''ہاں اشمل! احسن ٹھیک ہی کہہ رہا ہے اور پھر اس کے منشور سے ہی ظاہر ہے کہ وہ کیا شے ہے۔'' امتیاز رضا نے جو نجانے ریحان پراچہ سے کس جنم سے جلا بھنا تھا، احسن کی بات کی پہلی بار تائید کی۔

''خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ بے کار کے خدشوں سے ذہن کو منتشر مت کرو۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے کھڑا ہو گیا اور پھر افتخار کی سمت دیکھا۔

''ہاں تو تیاری کہاں تک پہنچی۔ میرے خیال سے اب صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے ہمارے پاس۔''

''ہاں تیاریاں تو جاری ہیں بلکہ اب مکمل ہوا ہی چاہتی ہیں۔'' افتخار نے اسے مطمئن کر دیا۔

''ہاں اب سارے کام مکمل ہو جانے ہی چاہئیں۔''

''ارے یار! ایک گھنٹہ بھی بہت ہے۔ تمہیں کیا خبر ایک گھنٹے میں محبت بھی ہو جاتی ہے اور نفرت بھی۔'' احسن نے کاہلی کے ساتھ ایک طویل جمائی لے کر کہا اور کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر نیم وا آنکھوں سے اشمل کو دیکھا جو اس کی غیر سنجیدہ بات پر تیوری چڑھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم صرف محبت اور نفرت پر فلسفہ بول سکتے ہو اور کوئی معقول کام نہیں کر سکتے۔''

''ارے۔ ارے یار! کیوں جھوٹ بول رہے ہو۔ مسلسل تمہارے سامنے ایک ہی زاویہ سے بیٹھا ہوں۔ یہ کام نہیں ہے کیا؟''

Marfat.com

''اچھا بکومت۔'' اشمل نے اسے جھڑکا، پھر افتخار کی سمت مڑا۔

''افتخار! یہ بینرز جو میں نے تمہیں دیئے ہیں، ابھی یہ سارے احسن کو دے دو۔ یہ لگا دے گا کچھ کام تو اسے کرنا چاہئے۔''

''اماں یار! تمہیں ووٹ دینے کو دل نہیں چاہتا۔'' احسن اس کے جلنے پر کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کرسی سے جبراً کھڑا ہو گیا۔

''کیوں بھئی؟'' افتخار نے اسے گھورا۔

''میں جانتا ہوں۔ اس کا ووٹ ہشمینہ ابرار کی سمت بھاگتا جا رہا ہے، کیوں یہی ہے نا بات؟'' امتیازِ رضا نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تو وہ حیران ہوا۔

''واہ دوست!۔۔۔ تم کب سے میری جاسوسی میں لگ گئے۔ کہیں تمہارا ووٹ بھی تو اس کی سمت۔۔۔۔۔۔؟''

''بکومت۔ میرا دل اتنا فضول نہیں ہے۔'' امتیاز رضا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''ابھی تمہاری صحبت کا اتنا اثر بھی نہیں چڑھا مجھ پر۔''

''ویسے وہ ایسی لڑکی نہیں ہے احسن۔'' افتخار نے میز کی دراز سے بینرز نکالتے ہوئے انکشاف کیا اور پھر سارے بینرز احسن کو پکڑاتے ہوئے بولا۔ ''وہ لڑکی صرف سیاست میں ملوث ہے کوئی عشق عاشقی میں نہیں۔''

''کیوں اشمل خان۔۔۔؟'' اس نے اشمل کی طرف دیکھا تو اشمل نے کندھے اچکا دیئے۔

''پتہ نہیں۔۔۔'' وہ واقعی لاعلم تھا ہشمینہ ابرار کے کردار سے، بلکہ افتخار کی بات پر حیران تھا۔

''بہت خوب۔ تم نے اس کے دل تک رسائی کیسے حاصل کر لی جو اتنے اہم انکشافات کئے جا رہے ہو۔'' احسن نے اسے گھورا تو وہ اکڑ گیا۔

''ارے شرافت تو خود اپنی پہچان کرا دیتی ہے۔ آنکھوں میں ہوتی ہے چال ڈھال میں ہوتی ہے۔''

''جس طرح احسن کی صورت پر پھٹکار ظاہر ہے۔'' امتیاز نے برملا کہا تو اشمل خان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر پھر جلد ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''میرے خیال سے بے مقصد گفتگو کافی ہو چکی ہے۔ اب کچھ کام کی باتیں کی جائیں۔''

Marfat.com

''یعنی میرے والے مسئلے کا حل۔'' احسن پر اس کی سنجیدگی کا اب بھی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔ اس کی رگ ظرافت اب بھی پھڑک رہی تھی۔ اشمل خان نے دانت پیستے اس کے منہ پر اپنا وزنی ہاتھ رکھ دیا۔

''اب تم ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالو گے اور اگر چپ نہیں رہ سکتے تو یہاں سے جا سکتے ہو۔'' اس نے وارننگ دی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سنجیدگی کے ساتھ خفگی بھی تھی۔ احسن نے جلدی سے چپ سادھ لی۔

جلسے کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ لان کے ایک گوشے میں شامیانے لگ چکے تھے۔ رنگ برنگے بینرز دور ہی سے نمایاں تھے۔ اشمل خان کی پارٹی کے کارکن بینرز لگائے یہاں وہاں، اس جلسے کو کامیاب بنانے کے لئے جانفشانی سے کام کر رہے تھے۔

سپورٹر لڑکیاں بھی خوب پیش پیش تھیں۔ بینرز رنگ کی چوڑیاں کلائیوں میں چھنچھنا رہی تھیں۔ بالوں میں اسی رنگ کے کلپ، جوتے، دوپٹے، چلتے پھرتے بینرز کا روپ دھارے وہ بھی اس جلسے کو کامیاب بنانے میں آگے آگے تھیں۔

اور ان میں ندرت سرفہرست تھی۔ وہ سب سے زیادہ چہک رہی تھی اور بالآخر ہشمینہ ابرار کی نگاہیں اس پر جا پڑیں۔ حالانکہ وہ صبح سے اس سے چھپتی پھر رہی تھیں مگر وہ بھنورا نگاہیں اسے تاڑ چکی تھیں۔

''تم جیسی دوغلی اور بے وفا لڑکی میں نے نہیں دیکھی۔'' وہ اس کے قریب آ کر قہر آلود لہجے میں بولی تو ندرت کھسیا گئی۔

ہلکے نیلے رنگ کے سوٹ اور سرمئی چادر میں وہ گھرے گلابی چہرے کے ساتھ اس کے سامنے تھی۔ غصیلی، تنبیہی اور قہر برساتی نگاہیں اسے گھور رہی تھیں۔

''بہت پیش پیش ہو اس جلسے کی تیاریوں میں، جیسے تمہیں ہی تو صدارت دے دے گا اشمل خان۔''

''بات صدارت کی نہیں ہے ہشمینہ! یہاں سب صدارت کی خواہش میں تو مصروف نہیں ہیں نا۔''

''تو پھر کون سا جذبہ تمہیں اس پارٹی کی طرف مائل کر رہا ہے۔'' اس نے طنز بھرا تیر پھینکا تو ندرت ڈھٹائی سے ہنس پڑی۔

''نہیں، فی الحال وہ جذبہ موجزن نہیں ہے۔ میں تو بس........''

''تم انتہائی بے وفا لڑکی ہو___'' اس نے اس کا جملہ کاٹ دیا اور اسے چھوڑ کر آگے

Marfat.com

بڑھ گئی۔

''ارے، ارے! سنو تو، مائی ڈیئر فرینڈ!'' ندرت اس کے پیچھے لپکی اور جلدی سے اس کے شانوں کو تھام لیا۔

''تمہیں تو پتہ ہے میں تھالی کا بینگن ہوں۔ یہاں سے دل بھر گیا تو تمہاری پارٹی میں آ گروں گی۔''

''میں جانتی ہوں، تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے دانت پیس کر ندرت کی طرف دیکھا اور اپنے شانوں سے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک دیئے۔

''جب وہاں سے دل بھر جائے یا نکال دی جاؤ تو میری طرف آنے کی کوشش مت کرنا۔'' اس نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

'نجانے خدا نے کیسے کیسے دل بنا رکھے ہیں لوگوں کے۔ ایک فیصلے پر قائم ہی نہیں رہ سکتے اور ایک میں ہوں، لفظ پر جان دے دوں۔ خدا جانے یہ ندرت کس خاک سے بنی ہے۔ دوغلی، بے غیرت۔' وہ کھولتی، جلتی بھنتی دل ہی دل میں ندرت کو ڈھیروں صلواتیں سناتی رہی، مگر پھر اچانک ٹھٹک گئی۔

سیاہ کرتے شلوار اور سفید واسکٹ میں ملبوس وہ خوبرو، انتہائی سجیلا شخص اس کے بالکل سامنے تھا۔

احسن ہی نے زبردستی اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ اس کا ایسا قطعی ارادہ نہیں تھا۔

''کیا آپ ہمارے جلسے میں شرکت فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع فراہم کر سکتی ہیں۔'' احسن نے اس کے حسن ضوفگن پر نگاہیں ٹکا کر کہا تو اس نے لب بھینچ کر اپنی خوبصورت آنکھوں میں شعلے برساتے ہوئے اسے گھورا۔

''جی نہیں۔'' اس کا لہجہ ازحد کڑوا تھا، جسے احسن کسی شہد کی طرح حلق میں اتار گیا۔

''میں ایسی فضول اور بے مقصد تقریریں نہیں سنتی۔''

''آخر ہم نے بھی تو آپ کی بے مقصد تقریر سنی تھی۔ آپ ہماری تقریر نہ سہی، ہمارے خوبصورت دوست کو ہی دیکھ لیجئے۔'' احسن بھلا کہاں پیچھے رہتا۔

''اویو شٹ اپ۔'' وہ تلملا اٹھی۔

''احسن یہ کیا بدتمیزی ہے، چلو آؤ!'' اشمل کو بھی اس کا یہ مذاق سخت ناگوار لگا۔ اس نے بے ساختہ ہشمینہ کی سمت دیکھا۔ اتفاق سے اس نے بھی اس کی سمت سرسری نگاہ ڈالی تھی اور وہ نگاہ اس کی بھوری بھوری آنکھوں کے حصار میں آ کر ایک لمحہ کا تصادم بن گئی۔

Marfat.com

''دیکھ لیں غور سے، یہی ہے میرا دوست۔ شاید پھر آپ اسے اتنا قریب سے نہ دیکھ سکیں اور حسرت رہے۔''

''احسن۔'' اشمل نے احسن کو بری طرح جھڑک دیا۔

''میں نے کوئی ایسی حسرت دل میں نہیں پال رکھی۔ سمجھ گئے آپ؟ میں ایسی بدتمیزیاں قطعی پسند نہیں کرتی۔'' وہ بھی احسن کو ڈپٹتی آگے بڑھ گئی۔

''یار! بہت تنگ مزاج ہے۔'' احسن کھسیا کر سر کھجانے لگا۔

''تم انتہائی فضول انسان ہو احسن! مجھے اندازہ نہیں تھا اتنا۔'' اشمل خان، ہشمینہ کے دور جاتے ہی احسن کو بڑی طرح لتاڑ بیٹھا۔''اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو تمہارا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیتا۔''

''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم اس کی جگہ نہیں ہو۔'' وہ برجستہ دعائیہ لہجے میں بولا، تو اس کی اس وقت کی بذلہ سنجی پر اشمل خان کا سارا موڈ غارت ہوگیا۔ اس کا چہرہ تپ اٹھا۔ وہ احسن کو چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

''یہ تمہاری عادت بری ہے، بہت جلد خفا ہو جاتے ہو۔'' وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔''غصہ تو ناک پر جما رہتا ہے۔''

''بات مت کرو مجھ سے۔'' اس نے رخ پھیر لیا اور قدم تیز کر دیئے، مگر وہ بھی سدا کا ڈھیٹ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''معاف کردو یار! اب جو ایک لفظ بھی بولوں تو زبان کاٹ دینا۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیا مگر اشمل خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ احسن کی بے وقت کی راگنی کو بند کرنے کا اس کے پاس کوئی طریقہ نہیں تھا سوائے خامشی کے۔

شامیانے میں اسٹوڈنٹ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اس جم غفیر کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ یہ جلسہ سابقہ تمام کامیاب جلسوں کا ریکارڈ توڑ دے گا۔ اسٹوڈنٹس کی دلچسپی قابل دید تھی۔

اشمل خان کی سحر انگیز شخصیت اور اس پر پرفسوں آواز نے سب پر ایک سحر طاری کر دیا تھا۔ لڑکیوں کے دل پہلو میں دھڑ دھڑ کرتے باہر لپکنے کو تیار تھے، جنہیں وہ بمشکل سنبھالے بیٹھی تھیں۔

لڑکے البتہ اس کی سحر انگیز شخصیت سے مرعوب ضرور تھے مگر ان کی توجہ اس کے منشور اور اس کے الفاظ پر تھی۔ وہ محض لفظوں سے بہلا نہیں رہا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ میں

Marfat.com

سچائی تھی۔ اس کے لہجے میں یہ سب کچھ کر لینے کا عزم اور آنکھوں میں اس کے نکھرے باطن کی چمک فروزاں تھی۔ لان کے اس گوشے تک اس کی بھاری آواز گونج رہی تھی۔

ساتھیو!

''ہمارے منشور کا پہلا اور روشن پہلو یہی ہے کہ تعلیمی ماحول پاکیزہ ہو۔ خونریزی، باہمی تصادم اور قتل و غارت گری کے عمل نے ہماری مادرِ علمی کے تشخص کو ختم کر دیا ہے۔ اس لئے میرے منشور کا دوسرا روشن پہلو یہی ہے کہ یونیورسٹی میں اسلحہ لے کر آنے کی قطعی اجازت نہیں ہونی چاہئے بلکہ ان کا سختی سے نوٹس لیا جائے۔''

اسے ایک لمحے کے لئے رکنا پڑا، کیونکہ امن پسند اسٹوڈنٹس کا ایک گروہ نعروں سے گونج اٹھا۔

جئے جئے اشمل خان۔

زندہ باد اشمل خان۔

اس نے سلسلہ کلام پھر سے جوڑا۔

''ہم طلباء برادری کے مسائل حل کرنے کے لئے عملی اقدامات کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری تنظیم، عمل اور حقیقت پسندی پر یقین رکھتی ہے جبکہ دوسری تنظیمیں، پارٹی پولیٹکس میں ملوث ہیں۔ ان کے منشور بھی زیادہ تر پولیٹکل پارٹیز کے ہیں۔ ان کے چارٹر آف ڈیمانڈ غیر حقیقت پسندانہ اور مغالطہ آمیز ہیں جو محض سنہری خوابوں پر مشتمل ہیں جسے وہ صدارت حاصل کرنے کے باوجود حاصل نہیں کر سکتے۔''

اس نے در پردہ ریحان پراچہ کی تنظیم پر چوٹ کی تھی جس سے ریحان پراچہ قطعی غافل نہیں تھا۔ ہاں وہ اس جلسے میں شریک نہیں ہوا تھا مگر اشمل خان کی گمبھیر اور پُرجوش آواز اس کی سماعت سے ٹکرا کر پگھلے ہوئے سیسے کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

پُرجوش کارکن کے گونجتے نعرے۔

لان کی فضا کو مرتعش کرتی تالیاں اسے کھولائے دے رہی تھیں۔ اس کے دل میں نفرت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں اور آنکھوں میں ایک مکروہ مسکراہٹ سمٹ آئی تھی۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھے سراج کیانی کی طرف دیکھا اور نگاہوں میں کچھ سمجھایا تو سراج کیانی نے دھیرے سے سر ہلا دیا جیسے وہ اچھی طرح سمجھ چکا ہے، اس کی نگاہوں میں کیا تحریر تھا، وہ پڑھ چکا ہے۔

''او کے۔ مگر بہت سنبھل کر۔'' اس نے دھیرے سے کہا اور کرسی سے کھڑا ہو گیا اور

Marfat.com

آفس سے باہر نکل گیا۔

''ساتھیو!

''میں انتظامیہ کے کام میں مداخلت کے سخت مخالف ہوں، کیونکہ میرا خیال ہے کہ یونیورسٹی کے نظام کو چلانا گورننگ باڈی کا کام ہے جبکہ طلبہ کا کام صرف اور صرف گوہر علم کا حصول ہے۔

''دوستو!

''آپ باشعور ہیں اور خود سمجھ سکتے ہیں کہ پیشہ ور سیاست کرنے والے کبھی بھی طلبہ کے مخلص رہبر نہیں ہوسکتے۔ محض خوابوں پر مشتمل منشور آنکھوں کو خیرہ کرسکتے ہیں مگر دلوں کو روشن اور باطن کو فروزاں نہیں کرسکتے۔'' اشمل خان ایک لمحے کو رکا، مگر پھر حاضرین کو ہمہ تن گوش دیکھ کر جلد ہی سلسلہ کلام جوڑا۔

''میں اپنی پارٹی کی ساکھ بڑھانے کے لئے کسی بھی غلط طریقہ کو اختیار کرنے کے سخت خلاف ہوں۔ میرے خیال سے یہ تعلیم کی روح کے منافی ہے کہ کلاشنکوف کے ذریعے اپنی لیڈری چمکائی جائے۔ میں تمام تنظیموں اور تمام اسٹوڈنٹس سے اپیل کرتا ہوں کہ یونیورسٹی کے تعلیمی امن کو سبوتاژ کرنے والوں کے منصوبے ناکام کریں اور بحالی امن میں اپنا موثر کردار ادا کریں۔''

اس نے بتدریج اپنی تقریر کو اختتامی رنگ میں ڈھالنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی شامیانہ نعروں کی گونج سے لرز اٹھا۔

اشمل خان، زندہ باد۔

امن کا پیغام۔

اشمل خان، اشمل خان۔

یہ اس کی تقریر کا اثر تھا، یا اشمل خان کی شخصیت میں مسخر کرنے والی قوت یا پھر شاید اسٹوڈنٹس کے مسائل حل کرنے میں اس کا پرخلوص ہونا، تمام اسٹوڈنٹس کا دل اس نے جیت لیا۔ وہ خاموش تھا مگر تالیاں پوری قوت اور ترنم سے بج رہی تھیں۔ چند سیکنڈ بعد ماحول میں پھر خاموشی چھائی تو اس نے کہنا شروع کیا۔

''ساتھیو! اس امر کی ضرورت ہے کہ طلبہ میں تشدد کی ابھرتی ہوئی سوچ کی سختی سے مزاحمت......''

اس کا جملہ ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ اچانک پشت سے فائرنگ کی آوازوں نے ایک کہرام

Marfat.com

سا برپا کر دیا۔ شامیانہ میں موجود اسٹوڈنٹس کا مجمع بکھر کے رہ گیا۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ ٹھائیں ٹھائیں کی پرزور آوازوں نے بغلی عمارت کو لرزا کے رکھ دیا۔ ایسے میں شرپسند اسٹوڈنٹس بھی جوش میں آ کر نکل کھڑے ہوئے۔ لڑکیاں گھبرا کر عمارت کے اندر پناہ کے لئے بھاگیں۔

''میں جانتا ہوں یہ ریحان پراچہ کے ایماء پر ہوا ہے۔'' افتخار کا خون کھول اٹھا۔ وہ سب تیزی سے آفس کی سمت بڑھے۔

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔'' اشمل خان کا چہرہ سرخ انگارہ ہوگیا۔ ریحان پراچہ سے اسے اس حد تک امید نہیں تھی۔ وہ آگ ببھوکا ہوگیا مگر بدقت اپنے آپ کو سنبھالتا آفس چلا آیا۔

''ہمیں بھی جوابی کارروائی کرنی چاہئے۔'' شہزاد جمال بہت جذباتی ہوگیا۔ وہ بی اے آنرز کا ایک بے حد جذباتی اور بھڑکیلا طالب علم تھا۔

''نہیں شہزاد، ہمارا منشور محض لفاظی پر مبنی نہیں ہے۔ اس پر ہمیں پہلے خود عمل پیرا ہو کر دکھانا ہے۔'' اس نے شہزاد جمال کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''مگر یہ ظلم ہے اشمل خان۔'' امتیاز رضا بھی اس طرف آ گیا۔ اس نے شہزاد جمال کی حمایت کی۔

''ہاں، ظلم کو دبانے کے لئے ظالم بننا پڑتا ہے۔'' شہزاد جمال جذبات کی رو میں بہہ نکلا اور تیزی سے آفس کے دروازے سے باہر نکل گیا۔

''ارے ارے اسے روکو امتیاز۔'' احسن کو اس سر پھرے لڑکے پر غصہ آنے لگا، مگر امتیاز رضا بجائے احسن کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شہزاد کو روکتا، خود بھی اس کے پیچھے نکل گیا۔

اساتذہ میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ وائس چانسلر اس اچانک افتاد پر بوکھلا کر رہ گئے۔

نہ جانے کس نے پولیس سٹیشن فون کر کے پولیس طلب کر لی تھی، مگر فائرنگ بدستور جاری تھی۔ یہ اتنا بڑا انبوہ پولیس کے قابو سے باہر تھا۔

''اشمل.....اشمل خان!'' نعیم جان کی آواز بہت تیز تھی۔ وہ شہزاد جمال کو سہارا دیئے لے کر آ رہا تھا۔ اس کے پیر میں گولی پیوست ہوگئی تھی اور خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔

افتخار نے جلدی سے نعیم جان کے بازوؤں میں نیم بے ہوش شہزاد کو سنبھالا اور بینچ پر لٹا دیا۔

''میں نے سراج کیانی کو خود دیکھا ہے شہزاد پر گولی چلاتے ہوئے۔'' نعیم جان کی

Marfat.com

آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

اس سچوئشن کے لئے تو کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا شہزاد کہ تم جوابی کارروائی نہیں کرو گے۔ ان میں اور ہم میں فرق ہونا چاہئے۔'' اشمل خان غصے سے مٹھیاں بھینچتا اسی پر برس پڑا۔ سب کچھ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ ذہن سخت پراگندہ ہو رہا تھا، مگر پھر جیسے اسے خود ہی شہزاد جمال کی حالت کا احساس ہوا تو وہ نعیم جان کی سمت مڑا۔

''اسے جلدی سے گاڑی میں ڈالو، فوری ہسپتال پہنچانا ضروری ہے۔ خون بہت بہہ نکلا ہے۔'' اس نے نگاہیں بینچ پر پھیلے خون پر ڈالیں۔ سرخ سیال بینچ کی سطح پر پھیل کر اب ٹپ ٹپ فرش پر گر رہا تھا۔ نعیم جان نے فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شہزاد کو سہارا دیا۔ احسن نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

شہزاد جمال کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اس کی حالت خاصی بگڑتی جا رہی تھی۔ خون شریانوں کو تیزی سے خالی کرتا باہر نکل رہا تھا۔ احسن نے اس کے زرد زرد چہرے پر ہولے سے ہاتھ پھیر کر اسے تسلی دی۔

''ہمت کرو شہزاد شاباش۔''

اشمل خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کار سٹارٹ کر دی۔

پولیس آنسو گیس کے سہارے ہجوم کو منتشر کرنے کی سعی کر رہی تھی۔

ہشمینہ ابرار کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے خود اپنی آنکھوں سے سراج کیانی اور حیدر فاروقی کو فائرنگ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اتنی کم فہم ہرگز نہیں تھی کہ یہ نہ سمجھتی کہ یہ سب کچھ ریحان پراچہ کی ایماء پر ہو رہا ہے۔ آخر وہ سب کے سب اس کے کارکن اس کے اشارے کے غلام تھے۔

'بہت برا کیا ریحان پراچہ تم نے۔' اس کے دل میں گرہ سی پڑ گئی۔ لب بھینچے وہ اپنی گاڑی میں آ بیٹھی اور اسی لمحے اس کی نگاہ سفید کرولا کی طرف اٹھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر اشمل خان بیٹھا تھا۔ اس کے برابر نعیم جان تھا اور پچھلی سیٹ پر زخمی شہزاد جمال تھا۔

اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اس نے ایک لحظے سوچا کہ اپنی گاڑی سفید کرولا کے پیچھے لگا دے۔ مگر پھر کچھ سوچ کر وہ یہ ارادہ ترک کر گئی۔ اس نے بے حد مشکل اور چند لمحے کی تگ و دو کے بعد سڑک پر بکھری گاڑیوں کے اس غول سے اپنی گاڑی باہر نکالی اور شفاف سڑک پر ڈال کر ایکسیلیٹر

Marfat.com

پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

اسے سخت تاسف ہوا تھا۔ ریحان پراچہ کے اس پست رویے پر۔ وہ خود ہمیشہ مصالحانہ رویہ اختیار کرنے پر زور دیتی رہی تھی۔ وہ خود امن کی خواہاں تھی اس لئے آج اشمل خان کے لفظوں نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ اس کے لہجے کی سچائی پر متحیر ہوتی رہی تھی مگر وہ متاثر یا اس کی طرف مائل ہونا نہیں چاہتی تھی۔

وہ غداری کا لیبل لگانا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ ریحان پراچہ سے کچھ ڈسکس کر کے تنظیم کے منشور میں کچھ ردوبدل کرلے مگر ابھی تک اس سلسلے میں اس کی ریحان پراچہ سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی اور اب یہ ہنگامہ ایسا اٹھا تھا کہ اس کا ذہن سخت ڈسٹرب ہو کر رہ گیا تھا۔ شہزاد جمال کو زخمی حالت میں دیکھ کر اس کا دماغ صرف اور صرف اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت سراج کیانی کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس کی پتلی گردن دبا ڈالے۔ اس اشارے پہ کے غلام کے پھانسی کا پھندہ لگا دے۔

''ارے خیریت۔ یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔'' بھابی نے اسے یوں ڈھیلے ڈھالے قدموں اور پژمردہ چہرے کے ساتھ آتے دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

''ہنگامہ۔'' اس نے مختصراً جواب دیا اور لان کے کنارے پر بنے بینچ پر بیگ رکھ دیا۔ جسم سے چادر کھینچ کر اتاری اور پھر کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

''بہت بڑا ہنگامہ ہو گیا۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''ہنگامہ۔ مگر کیوں؟'' بھابی حیران ہوئیں۔

''آج اشمل خان کی پارٹی کا جلسہ تھا نا۔''

''اشمل خان...... کون اشمل خان؟'' بھابی حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔ وہ ہر بار بھول جاتی تھیں۔ نہ انہیں سیاست کی الف ب سے واقفیت تھی نہ اس کے یونیورسٹی فیلوز کو جانتی تھی۔ ہشمینہ ہر بار سرے سے انہیں بتاتی۔ وہ پھر بھول جاتیں۔

''وہی مخالف پارٹی کا لیڈر۔''

''آں، اچھا اچھا۔ تم نے بتایا تو تھا۔ ہاں پھر؟'' بھابی کو یاد آ گیا تو وہ محو اشتیاق ہو گئیں۔ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز کہانی سننے کے لئے۔ انہیں بہت مزا آتا تھا ہشمینہ کی باتیں ان کے لئے ایک مزیدار اور چٹ پٹی ڈش کی طرح تھیں جنہیں وہ شوق اور کبھی حیرت سے حلق سے اتارتیں۔ اکثر خوفزدہ ہو کر پوچھتیں۔

Marfat.com

''ہشمینے! تجھے ڈر نہیں لگتا ان ہنگاموں سے۔ گولیوں کی آوازوں سے؟''
اور ہشمینہ مسکرا دیتی۔
''نہیں بھابی اب تو عادی ہو گئی ہوں۔''
اور آج بھی وہ ہمہ تن گوش ہو کر اس سے پوری روداد سننے لگیں۔
''یہ تو بہت برا ہوا ہشمینہ۔ جب انہوں نے تمہارے جلسے میں کوئی کارروائی نہیں کی تھی تو...... تم تو سیکرٹری ہو تم تو ریحان پراچہ کو ایسا منفی رویہ اختیار کرنے سے روک سکتی ہو۔'' انہیں بھی تاسف ہوا۔
''میری بے خبری میں یہ سب کچھ ہوا ہے۔''
''تم تو کہتی ہو ان کی طرف سے جوابی کارروائی بھی نہیں ہوئی تو پھر وہ لوگ حق پر ہوئے نا۔ مجھے تو اشمل خان بھی کوئی بڑے اعلیٰ ظرف کا بندہ محسوس ہوتا ہے۔'' وہ انجانے، ان دیکھے، اشمل خان کی حمایت کرنے لگیں جو ہشمینہ کو سخت ناگوار لگا۔
''خیر یہ تو وقت بتائے گا۔ ابھی تو محض صدارت حاصل کرنے کا ڈھونگ ہے، اس کے لفظوں میں کتنی سچائی ہے، یہ تو ہار جیت کے بعد ہی پتہ چلے گا۔'' وہ یک دم کھڑی ہو گئی اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

شہزاد جمال کو فوراً ایڈمٹ کر لیا گیا تھا۔ بہت زیادہ خون بہہ جانے کی صورت میں اسے ڈرپ چڑھا دی گئی تھی۔ دائیں پنڈلی سے گولی نکال کر اس پر بنڈیج کر دی گئی تھی۔ وہ اب نیم غنودگی میں تھا۔
''سراج کیانی کے خلاف رپورٹ درج کرانی چاہیے۔ میں چشم دید گواہ ہوں۔ میں دوں گا گواہی۔'' نعیم جان، شہزاد جمال کی نیند کا احساس کرتے ہوئے آہستہ آواز میں اشمل خان سے مخاطب ہوا۔
''ہمیں جذبات سے کام نہیں لینا نعیم!'' اشمل خان نے اس کی بات کو قطعیت سے رد کر دیا۔
''تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ محض خاموش تماشائی۔'' نعیم جان جھنجلا گیا۔
''فی الحال تو ہم نامعلوم افراد کے خلاف ایف آئی آر درج کرا دیں گے۔ بس یہ چند دن خیریت سے گزر جائیں اب۔'' اس نے نعیم جان کی جھنجلاہٹ واضح طور پر محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔
''آج کے ہنگامے سے تو لگتا ہے کہ یونیورسٹی بند ہو جائے گی چند دن کے لئے۔''

Marfat.com

''ہاں شاید!'' اشمل خان نے دھیرے سے سر ہلا دیا اور پھر کسی گہری سوچ میں کھو گیا۔ اس کا ذہن اس ہنگامے کی گردش میں چکراتا اب مستقبل کا سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا جیسے کسی گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔

''نعیم! تم شہزاد کے پاس رہنا۔ میں ذرا معلوم کرتا ہوں وہاں کے حالات۔'' اس نے جیب سے چابی نکالی اور نعیم جان کو تاکید کرتا ہوا ہاسپٹل کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''منتشر ہجوم پر قابو پا لیا گیا تھا اور اب یونیورسٹی فی الحال کھلنے کے آثار معدوم ہیں۔'' یہ رپورٹ احسن نے اسے دی۔

''اب کیا خیال ہے؟'' وہ تفصیل بتا کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

''فی الوقت تو کچھ نہیں۔''

''یعنی ریسٹ۔'' احسن خوش ہو گیا۔

''نہیں۔ ابھی شہزاد جمال کے گھر والوں کے پاس بھی جانا ہے انہیں اطلاع دینی ضروری ہے۔''

''ارے یہ غضب مت کرنا۔ اس بے چارے کی ایک بوڑھی ماں اور بوڑھا باپ ہی تو ہے۔ دونوں پریشان ہو جائیں گے۔ اکلوتے بیٹے کو کانٹا بھی چبھ جائے تو ان کے لئے دہشت ناک خبر ہوتی ہے۔ کجا یہ گولی کی بات، نہ بابا۔'' احسن نے اسے اس ارادے سے روک دیا۔

''بہت معلومات رکھتے ہو سب کے بارے میں۔'' اشمل خان پہلی بار ہولے سے مسکرایا۔

''دیکھ لو ـــــــ تمہارے جیسے نہیں ہیں اپنی ذات میں گم رہنے والے۔'' شاید یہ بھی احسن کا انداز ہوتا ہوگا۔ اس نے شرارت آمیز لہجے میں طنز کیا مگر پھر جلدی سے بولا۔

''دیکھو یار خفا مت ہو جانا۔''

''اچھا بکو مت۔ چلو چلتے ہیں۔''

''کہاں؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''شہزاد کے پاس۔ یہ افتخار اور امتیاز کہاں غائب ہو گئے ہیں؟'' اسے اچانک ان دونوں کا خیال آیا۔

''ہاسٹل فرار ہو چکے ہیں۔ یار ویسے سارا مزا کرکرا ہو کر رہ گیا۔ کیا زبردست پھول جھڑ رہے تھے تمہارے منہ سے۔''

Marfat.com

''ہاں اور یہ پھول شاید ریحان پراچہ کے لئے شعلے ثابت ہوئے۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے ہنسا۔

''لڑکیوں کو دیکھا، تمہاری یہ شخصیت، اوپر سے ایسی سحر انگیز تقریر، یعنی سونے پر سہاگہ، انہیں تو لوٹ ہی لیا۔ ویسے یار کم تو ہم بھی نہیں ہیں، بس ذرا تم سامنے نہ ہوتو۔''

''تمہاری تان ہمیشہ اسی موضوع پر ٹوٹتی ہے۔ اب تو سدھر جاؤ تمہاری منگیتر بھی تمہارے کرتوت کی وجہ سے خفا ہوگئی ہے۔'' اشمل خان نے گھر کا اور اس کے بیٹھتے ہی گاڑی سٹارٹ کر دی۔

کھجور کے خوبصورت درختوں کے کنارے کنارے وہ گاڑی دوڑاتا ہاسپٹل کی جانب رواں دواں تھا۔

''ویسے یار! شہزاد کے ساتھ بہت برا ہوا۔'' احسن سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔ وہ ہے بھی جذباتی لڑکا۔ مگر مجھے اس پر شدید غصہ آرہا ہے۔ جانتے ہو کیوں؟'' اس نے گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے احسن کی طرف دیکھا۔

''کیوں۔''

''اس نے اسلحہ رکھا تھا اپنے پاس۔ میری پارٹی کا رکن ہوتے ہوئے اس نے منشور کی خلاف ورزی کی ہے۔''

''مگر تم کیسے کہہ سکتے ہو اس نے اپنے پاس کوئی اسلحہ رکھا تھا؟'' احسن کو تعجب ہوا۔

''وہ بقول اس کے ظلم کو دبانے کے لئے جا رہا تھا۔ تم سوچ سکتے ہو کہ وہ ظلم کو دبانے کے لئے نہتا تو نہیں جا سکتا۔''

''ہاں۔ یہ تو ہے مگر۔'' احسن کو اب بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

''مجھے نعیم جان نے بھی بتایا تھا کہ اس کا ریوالور وہیں گر گیا تھا۔ اس نے سراج کیانی پر فائر کیا تھا مگر وہ بچ گیا، بلکہ الٹا اسے زخمی کر دیا۔ بہرکیف اس کی یہ جذباتی حرکت ہماری تنظیم پر کوئی داغ لگا سکتی تھی۔'' اشمل خان کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''یاد ہے اشمل! جب یہ شہزاد نیا نیا آیا تھا تب کتنا معصوم لگتا تھا۔ بے ضرر سا کھویا کھویا، آہو چشم۔ احسن کے ذہن میں شہزاد کا تصور ابھرا۔

''ہاں مگر تمہاری صحبت میں بھلا کس کے پاس معصومیت باقی رہتی۔'' اس نے پہلی بار پرمزاح انداز میں احسن پر برجستہ چوٹ کی تو احسن کا بے ساختہ قہقہہ گونج اٹھا۔

''چہ خوب، بد اچھا بدنام برا۔''

Marfat.com

گاڑی ہسپتال کے احاطے میں روک کر وہ دونوں نیچے اتر آئے اور شفاف راہداری پار کر کے شہزاد کے کمرے کی طرف آئے۔

گہرا براؤن دروازہ بند تھا۔ احسن نے ہاتھ بڑھا کر لاک گھمایا تو ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا، مگر اندر قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ دونوں بھونچکا رہ گئے۔ نعیم جان دیوار سے لگے صوفے پر سکون سے دراز خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا مگر یہ منظر ان دونوں کے لئے قطعی حیران کن نہیں تھا۔ ان کی نگاہیں تو شہزاد کے بیڈ کے سرہانے رکھی کرسی پر بیٹھی اس خوبصورت ہستی کو دیکھ کر پھیل گئیں جس کے ہاتھوں میں رنگ برنگے پھولوں کا تروتازہ گلدستہ تھا اور وہ شہزاد جمال سے محو گفتگو تھی۔

''ہش...... مینہ۔'' احسن نے سرگوشی میں کہا۔

+++

''خدا کے لئے امی، داجی سے مت الجھیں اس موضوع پر۔ وہ پھر برہم ہو جائیں گے۔ انہیں انکار ہی ہے تو پھر......'' شاندانہ نے کوئی تیسری بار ملتجی ہو کر گل بی بی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تو گل بی بی بھڑک اٹھیں۔

''مت جوڑو میرے سامنے ہاتھ۔ کیا ساری عمر تمہیں اسی گھر میں بٹھائے رکھوں گی۔ صبغت خان کب تک آنکھیں بند کر کے رکھے گا تمہاری طرف سے۔ اپنی جھوٹی غیرت اور فضول جھگڑوں میں گرفتار رہ کر، تمہارا مستقبل تباہ کر دے گا یہ شخص۔'' وہ سہمی سہمی شاندانہ کو بری طرح جھڑک کر اس کمرے میں چلی گئی جہاں صبغت خان موجود تھا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔'' انہوں نے ترش لہجے میں گل بی بی کو مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی خاموش کر دینا چاہا مگر گل بی بی ہمیشہ کی طرح خاموش ہونے کی بجائے چلا اٹھیں۔

''اگر سب جانتے ہیں تو پھر یہ تجاہل کیوں برت رہے ہیں۔ وہ انیس سال کی ہوگئی ہے صبغت خان! اس عمر کی لڑکیاں بچوں کی مائیں بن گئی ہیں۔ اس بستی کی ہر لڑکی......''

''ہاں...... ہاں، جانتا ہوں۔ اس بستی میں کیا کچھ ہو رہا ہے کیا ریت ہے یہاں کی۔ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔'' وہ کرسی سے کھڑے ہو کر چنگھاڑے۔

''حویلی کی شاہ خانم کی لاڈلی بیٹی بھی تو انیس سال کی ہوگئی ہے مگر......''

''ہمیں شاہ خانم سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے۔ اشتارا اس کی اولاد ہے وہ اس کا

Marfat.com

بہتر سوچ سکتی ہے۔ میں شاندانہ کی بات کر رہی ہوں۔''

''کیوں؟ ـــــ حویلی سے کیوں سروکار نہیں ہونا چاہئے؟'' آخر اس حویلی کا چشم و چراغ اشمل بھی تو ہے۔ تمہارے چہیتے بھائی کا بیٹا، تمہارا لاڈلا بھتیجا۔''

صبغت خان کی بات سن کر چند لمحے گل بی بی چکرا کر رہ گئیں۔ پھر سنبھل کر بولیں۔

''میں جانتی تھی آپ کی تان یہیں ٹوٹے گی، مگر میں اپنی بیٹی کو بہو بنا کر حویلی میں نہیں بھیجنا چاہتی اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں میرے اور شاہ خانم کے تعلقات کیسے ہیں۔''

''تو پھر اپنے بھائی مہروز خان اور اشمل کے واری صدقے جانے کی کیا ضرورت ہے کیوں جاتی ہو حویلی، جب شاندانہ بہو بن کر حویلی نہیں جاسکتی۔'' صبغت خان کا غصہ نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔ وہ طنز کے تیر پیوست کرنے میں ماہر تھے اور اب تو گل بی بی بھی ان تیروں کو کلیجے میں اتارنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس چنگھاڑتے شیر کو چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل جاتیں ـــــ مگر یہاں معاملہ اپنی جوان بیٹی کا تھا جو تیزی سے عمر کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ ان کی راتوں کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ ہر آئے رشتے کو صبغت خان یہ کہہ کر رد کر دیتا کہ وہ بیٹی کو خاندان میں ہی بیاہے گا اور وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ خاندان میں سوائے اشمل اور ذولین کے اب کوئی لڑکا کنوارا نہیں رہا۔

''ذولین خان بھی تو بہت چہیتا ہے تمہارا۔ روز آجاتا ہے پرسان حال کے لئے۔'' چند لمحے توقف کے بعد پھر طنز کا زہر صبغت خان کے منہ سے نکلا۔

''وہ میری خیریت پوچھنے آتا ہے۔ اس کا آنا بھی کھٹکتا ہے آپ کی آنکھوں میں۔'' گل بی بی کا دل زخمی ہو گیا وہ کرسی پر ڈھے گئیں۔

''ہاں بہت محبت ہے اسے تم سے تو پھر شاندانہ کے......''

''خدا کے لئے صبغت خان۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آئے رشتے میں کیا خرابی ہے۔ شہباز خان ہمارے جاننے والے کا بیٹا ہے ہر لحاظ سے اچھا، پھر آخر......''

''میری بات کان کھول کر سن لو۔ میں اپنی بیٹی کو خاندان سے باہر نہیں دوں گا۔'' وہ جھنجلا کر چلا اٹھے۔

''خاندان، خاندان۔ اگر خاندان میں ہی بیاہنا تھا تو آپ کی بہن کا بیٹا اشناس بھی تو تھا۔ جب اس کی شادی کی بات چلی تھی تو شاندانہ سترہ سال کی تو تھی۔ کیوں بہن کے آگے جھولی نہیں پھیلا لی۔ کیوں بے غیرت بن کر بیٹی کو ان کے آگے نہیں ڈال دیا۔ اس وقت کون سی غیرت نے آپ کے قدم جکڑ لئے تھے۔'' وہ اندر کے ٹوٹنے کے عمل سے

Marfat.com

تھک کر بپھر اٹھیں۔

اس شخص کو رام کرنا جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔ وہ تھک چکی تھیں۔ پلنگ کے کنارے بیٹھ کر بری طرح سسک اٹھیں۔ آج اپنے آنسوؤں پر کوئی بند باندھنے کی کوشش نہ کی۔

''صبغت خان! اگر تمہاری فضول غیرت اور بے کار جھگڑوں نے میری بیٹی کا مستقبل تاریک کیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں خود بھی مر جاؤں گی اور ساتھ میں اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی مار ڈالوں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولیں۔

''شاندانہ میری بھی بیٹی ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو میں اس کی طرف سے بے خبر ہوں۔ میں تم سے بہتر اس کے لئے سوچ سکتا ہوں۔'' صبغت کا لہجہ ترشی لئے ہوئے تھا۔ مگر قدرے مدھم ہو گیا تھا۔ گل بی بی کے جملوں۔ ان کے آنسوؤں نے شاید انہیں اندر سے تھوڑا کمزور کر دیا تھا۔ آج پہلی بار وہ ڈٹ کر ان کے سامنے آئی تھیں محض اولاد کے لئے۔

''تو سوچیں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ آپ سوچیں اس کے بارے میں اور شہباز خان کے رشتے کے بارے میں سوچئے۔'' انہیں کچھ راہ راست پر آتے ہوئے دیکھ کر گل بی بی جلدی سے بولیں۔ ''ذولین خان ہیرا ہے۔ وہ مجھے ماں سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ مجھے اس پر بہت مان ہے۔ میرے منہ سے نکلے لفظ کو وہ پورا کرنے کو ہر حالت میں تیار ہو جائے گا، مگر صبغت خان! میں اسے کسی آزمائش میں نہیں گھسیٹنا چاہتی۔ اس کی محبت کا کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھانا چاہتی۔ وہ شاندانہ کو بہن سمجھتا ہے۔'' وہ دھیرے مگر سخت لہجے میں بولیں۔ صبغت خان کے اندر جاگی کسی امید کی کرن کو بھی ختم کر دینے کی کوشش کی۔

صبغت خان نے خاموشی سے انہیں دیکھا اور پھر رخ پھیر لیا۔

''آئے ہوئے اچھے رشتے کو ٹھکرانا خدا کی ناشکری ہے صبغت خان! کہیں اس ناشکری کی سزا ہماری بیٹی کو نہ ملے۔'' وہ رندھی آواز میں بولیں۔

صبغت خان پھر بھی خاموش رہا۔ وہ دل میں اس آئے رشتے کے حق میں قطعی نہیں تھے۔ کئی بار وہ گل بی بی سے جھگڑ چکے تھے۔ وہ پہلے دن سے انکاری تھے۔ مگر اتنا اچھا لڑکا گل بی بی کسی طرح بھی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھیں۔ وہ خاندان کے جھنجھٹ میں پڑ کر اپنی بیٹی کی زندگی داؤ پر نہیں لگانا چاہتی تھیں۔ صبغت خان کی خاموشی انہیں رُلائے دے رہی تھی۔

وہ پلٹے اور کندھے پر پڑی چادر کھینچ کر پلنگ کے سرہانے پھینک کر کمرے سے باہر

Marfat.com

نکل گئے۔

گل بی بی نے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور کرب سے لب دانتوں میں دبائے۔

'کاش اس پتھر دل میں کوئی دراڑ ڈال سکتا۔'

'اس جھوٹی انا اور کھوکھلی غیرت کو پامال کرسکتا۔'

صبغت خان تم نے مجھے تھکا ڈالا ہے۔ تمہاری ہم قدمی میں یہ زندگی اتنی طویل اور پرخار ہے کہ میرے قدم لہولہان ہو کر اب اٹھنے کی سکت نہیں رکھتے۔'

''یہ ایک جنگ میں تم سے جیت لوں،

ایک یہ بازی میرے ہاتھ آجائے،

میری بیٹی کا مستقبل سنور جائے پھر،

پھر چاہے میں باقی عمر بھی تم سے ہارتی جاؤں صرف یہ ایک فتح مجھے نصیب ہو جائے۔'

''اے خدایا تو رحم کر۔ تو کمزور کا مددگار ہے۔ میری بیٹی کے مقدر میں روشنیاں بھر دے۔ میرے حصے کی اگر کوئی خوشی تو نے سنبھال رکھی ہو تو وہ بھی میری بیٹی کی جھولی میں ڈال دے۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''امی۔ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' شاندانہ جو صبغت خان کے باہر نکلتے ہی اندر آگئی تھی، گل بی بی کے رونے پر آبدیدہ ہوگئی۔

''میرے حصے کی خوشیاں بھی خدا کرے آپ کو مل جائیں۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''نہیں نہیں شاندانے۔ ایسا نہیں کہتے۔ میں نے تو اپنی عمر گزار لی ہے۔ تیری تو پہاڑ جیسی زندگی ابھی باقی ہے۔'' گل بی بی نے اس کے دونوں نرم ہاتھوں کو تھام کر لبوں سے لگالیا۔

''مجھے یقین ہے تیرے داجی ضرور مان جائیں گے، یہاں ضرور جھکیں گے، بس خاندان کے گرداب سے باہر نکل آئیں۔''

''چھوڑیں امی! آپ اتنا مت سوچیں۔ مقدر کے لکھے کو نہ آپ اور نہ داجی کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ جو کچھ ہوگا وہ ہمارے سامنے آجائے گا۔ ہماری ساری ریاضتیں یا تو بے سود ہو جائیں گی یا پھر ہماری خاموشی بھی رنگ لے آئے گی۔ یہ سب نصیب کی باتیں ہیں امی!'' شاندانہ ان کے سامنے بیٹھ کر بہت سلجھے ہوئے لہجے میں بولی تو گل بی بی حیران رہ گئیں۔ وہ کتنی سمجھدار اور ذہین ہوگئی ہے۔ کتنا ٹھہراؤ ہے لہجے میں۔ دل کو قائل کر دینے والا انداز۔ وہ محبت سے اسے دیکھے گئیں اور پھر بے ساختہ ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر

Marfat.com

پیشانی چوم لی۔

''خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔'' وہ اب بھی اداس تھیں۔

''امی! آپ کو پتہ ہے۔ اشتارا، ذولین لالہ کو پسند کرتی ہے۔'' وہ کچھ سوچ کر ہلکے سے مسکرا کر بولی۔

گل بی بی کی اداسی کو کم کرنے کی بھی کوشش کی۔ وہ بری طرح چونکیں۔

''ہیں۔ کیا، تجھے کس نے کہا؟'' وہ حیرت سے شاندانہ کو دیکھنے لگیں جو شرارت سے ہنس رہی تھی۔

''بس میں نے اندازہ لگایا ہے۔''

''بری بات۔ ایسی باتوں کے اپنی طرف سے اندازے نہیں لگایا کرتے۔'' گل بی بی کھڑی ہوگئیں اور پلنگ کی چادر اتار کر جھٹکتے ہوئے بولیں۔

''اشتارا نے تجھے کچھ کہا ہے۔''

''ہوں۔ کہا بھی ہے اور نہیں بھی کہا۔'' وہ زیادہ شریر ہوگئی۔ گل بی بی کی اداسی کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

''کیا مطلب؟''

''چھوڑیں امی! یہ بتایئے اشتارا اور ذولین لالہ کی جوڑی اچھی لگے گی نا۔'' اس کے اس استفسار پر گل بی بی بے ساختہ ہنس پڑیں۔ انہیں ذولین جتنا عزیز تھا اتنی ہی اشتارا۔ اس کا معصوم چہرہ اور چمکیلی آنکھیں انہیں بہت اچھی لگتی تھیں۔

''شان!——'' وہ اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولیں۔ ''اگر اندازہ درست ہے تو پھر کہیں شاہ خانم کو تو......'' مگر ان کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ ڈیوڑھی میں سے حورینا انہیں پکار رہی تھی۔

''امی! امی جان!''

''کیا ہے؟'' وہ چادر پلنگ پر ڈال کر دروازے سے باہر نکلیں۔ ''کیا بات ہے حورا، کیوں چلا رہی ہو؟''

''وہ داجی کے ساتھ کچھ مہمان آئے ہیں، وہی والے مہمان۔'' حورینا انہیں بتانے لگی۔

''مہمان، کون سے مہمان؟'' وہ کمرے سے باہر نکلیں۔ مگر پھر ٹھٹک گئیں۔ برآمدے میں بچھی کرسیوں پر صبغت خان کے ساتھ شہباز خان کے والد نیاز احمد خان اور اس کا

Marfat.com

بہنوئی طورسم خان بیٹھا تھا۔ وہ لوگ ابھی صبغت خان کے ہمراہ اندر آئے تھے اور صبغت سے ہم کلام تھے۔

''بس صبغت خاناں۔ اب بہت انتظار کروا لیا ہے۔ آج تو ہم کوئی اچھا سا فیصلہ سن کر ہی جائیں گے۔''

''نیاز احمد! فیصلہ کیا ہے۔ بس بیٹی تمہاری ہی ہے۔ ہم تو بیٹیوں والے ہیں خود ہم بھی انتظار کی سولی پر نہیں لٹک سکتے۔'' صبغت خان کے منہ سے نکلے یہ لفظ نہیں، خوشبوؤں کے وہ جھونکے تھے جو گل بی بی کی ساعتوں کو معطر کر گئے۔

وہ اچانک اس خوشی پر ششدر رہ گئیں۔

'اتنا رلانے کے بعد آج یہ کیسی نوید سنا دی تم نے صبغت خان کہ برسوں کے گلے شکوے دور ہو گئے'۔

خوشی سے ان کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ وہ پلٹ کر تیزی سے اپنے کمرے میں آئیں۔ اتنی جلدی دعاؤں کی قبولیت پر ان کا دل سرشار ہو گیا۔ وہ مارے خوشی کے رب العزت کے سامنے سربسجود ہو گئیں۔

+++

نور جان بی بی حویلی کے بڑے سے لان کے ایک خوبصورت رنگ برنگے پھولوں سے آراستہ گوشے میں سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ اس کے برابر اجڑی اجڑی زرسانگہ بیٹھی تھی جسے وہ جبراً لائی تھی، کیونکہ وہ خود بھی تنہا شاہ خانم کے سامنے آنے سے ڈرتی تھی۔ زرسانگہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ماں کے پہلو سے اٹھ کر بھاگ جائے۔ اس حویلی سے باہر نکل جائے۔ کتنی اذیت سہہ رہی تھی وہ، مگر رونے کا اختیار بھی نہیں تھا۔ اندر آنسوؤں کا ایک طوفان تھا کہ بند توڑنے کو بے تاب تھا مگر وائے مجبوری نازک پلکوں کی باڑ اس طوفان کو روکنے میں لرز رہی تھی۔

''ہوں۔'' شاہ خانم نے مخملیں کرسی کی گداز پشت پر سر ٹکا کر ہنکارا بھرا۔ پھر اپنی بھوری بھوری آنکھیں کھول کر زرسانگہ کی ماں، نور جان بی بی کو دیکھا اور پھر بے زاری سے پلکیں جھکا دیں۔

''تو نواب داد سے تم نے اس کا رشتہ طے کر ہی دیا...... اچھا کیا۔''

''ناں جی۔ میں نے نہیں اس کے باپ نے کیا ہے۔ میں تو جی تماش سے چاہتی تھی۔ پر خیر، جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔'' نور جان دھیرے سے بولی تو زرسانگہ کے پہلو

Marfat.com

میں دل جیسے کسی آہنی شکنجے کی زد میں آ گیا ہو۔اس کے لب پھڑ پھڑا گئے تو کون سا تم نے تماش کے حق میں آواز اٹھائی تھی۔کب اپنی خواہش کو زبان دی تھی۔شوہر کے فیصلے کے آگے ایک لفظ بھی نہ ادا ہو سکا۔

احتجاج کی کتنی ہی سرد لہریں وہ اپنے اندر اتار چکی تھی۔اس کے اختیار میں صرف آنسو بہانا تھا،مگر وہ بھی اس وقت بہانا ممنوع تھا کہ یہ شاہ خانم کی حویلی تھی اور وہ اس کے بالکل سامنے بیٹھی تھیں۔

''ہاں اچھا کیا اس کے باپ نے۔لڑکیوں کے فرض سے تو جلد ہی سبکدوش ہو جانا چاہئے۔کتنے سال کی ہو گئی ہے زرسانگہ۔'' انہوں نے ایک سرسری نظر زرسانگہ پر ڈالی۔

''پورے اٹھارہ سال ختم کر چکی ہے اس ماہ۔اب انیسویں میں لگی ہے۔'' نورجان جلدی سے بولی۔

''آ۔اچھا۔'' شاہ خانم کی آنکھیں زرسانگہ پر جم گئیں۔مگر ان کے ذہن کی سطح پر اشتارا کا چہرہ چمکنے لگا۔

وہ بھی تو انیس سال کی ہو چکی تھی۔وہ بری طرح چونکیں۔وہ اب تک اس معاملے میں غافل تھیں۔خاموش بیٹھی تھیں۔

''شاہ خانم! جی وہ کچھ روپے کی ...... میں نے آپ کو بتایا تھا۔'' نورجان کی منمناتی آواز نے شاہ خانم کو اپنی سوچ سے باہر نکال ڈالا۔

''آں،ہاں۔ہاں زرسانگہ کی شادی کے لئے نا۔''

''ہاں جی۔اس کا باپ کہتا ہے کہ میری ایک ہی تو بیٹی ہے دھوم دھام سے بیاہنا ہے اسے میرے بھتیجے کو بھی کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔'' نورجان کے لہجے میں زرسانگہ کے لئے محبت ہی محبت تھی۔اس نے زرسانگہ پر ایک دلآویز نظر ڈالی اور بولی ''نواب داد پورے بیس ہزار روپے دے گا،مگر ہم بھی کوئی خالی ہاتھ بیٹی کو رخصت نہیں کریں گے۔''

''کک،کیا۔'' شاہ خانم یوں اچھلیں جیسے انہیں کرنٹ سا لگا ہو۔

''تم لوگ ابھی تک جہالت کی رسموں میں جکڑے ہوئے ہو۔بیٹی کو بیچ رہے ہو۔'' انہیں جھٹکا سا لگا تھا،ان کے لہجے میں تلخی پیدا ہو گئی تھی،نورجان سہم کر پیچھے ہو گئی۔

''ب،بس جی،یہ رسمیں بھلا کیسے چھوڑ دیں۔ہمارے آباؤاجداد کی روحوں کو کون جواب دے گا۔''

اشتارا فوارے کے پاس دم بخود کھڑی تھی۔نورجان بی بی کا ایک ایک لفظ اس کا دل

Marfat.com

چیر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں زرسانگہ پر جمی تھیں جو آنسوؤں کو ضبط کرنے کی سعی میں پوری طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ مگر وہ جانتی تھی، محسوس کر سکتی تھی کہ یہ سارے گرم گرم آنسو دل پر گر رہے ہیں اور روح کو گھلائے دے رہے ہیں۔

''نواب داد نے تو آٹھ جماعتیں پڑھی ہیں پھر بھی وہ، خیر۔'' شاہ خانم نے شاید انہیں سمجھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ چپ ہو گئیں، انہیں اس وادی کے مکینوں سے دلچسپی نہ تھی۔ کوئی محبت یا اُنس نہ تھا۔ نہ کوئی ایسا جذبہ جو انہیں سدھارنے پر اکساتا۔

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے سر ہلایا اور قریب کھڑی خیزراں کی طرف رخ کرتے ہوئے بولیں۔ ''جاؤ خیزراں، میرا سیاہ بیگ لے آؤ۔''

''جی، بہت اچھا۔'' خیزراں ان کا حکم سنتے ہی مشینی انداز میں اندر کی جانب بھاگی۔

زرسانگہ کا دل ضبط کی انتہا کو چھو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اب یہ پھٹ جائے گا۔ وہ آہستگی سے شاہ خانم کا پاس کرتے ہوئے ادب و اخلاق کے تمام اصول ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اٹھی اور لان کے اس گوشے سے نکل کر گیٹ کی طرف بڑھی۔ اس کے قدم لرز رہے تھے۔ گول تالاب کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے قدم رک گئے۔ یہاں اس کی ہمدرد و غمگسار دوست اس کی رازداں، اس کا درد محسوس کرنے والی اشتارا موجود تھی۔

''زر...... زری..... ی.....'' اشتارا کی سنہری آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔ ''یہ، یہ کیا ہے سب۔'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور بے اختیار اس کے شانوں کو تھام کر جھنجھوڑنے لگی۔

''تم نے احتجاج نہیں کیا، کوئی احتجاج؟''

ضبط کا سارا بند ٹوٹ گیا۔ زرسانگہ بلک اٹھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں کی دبیز چادر میں چھپ گئیں۔

''نورجان بی بی تو جانتی ہے کہ تم تماش کو..... پھر تم نے کوئی احتجاج کیوں نہیں کیا؟ کوئی آواز کیوں بلند نہیں کی؟ ـــــ یہ تمہارا حق تھا ـــــ شرعی حق۔ تم آواز اٹھانے میں حق بجانب تھیں۔''

''ہا...... احتجاج.....'' زرسانگہ کے لب کپکپائے۔ ایک موہوم سی استہزائیہ ہنسی اس کے لبوں کو چھو گئی۔

''اشتارے! یہاں اس گھڑی، زندگی کے اس مقام پر ہماری ساری آوازوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ چھوٹے سے گھر میں رہنے والی لڑکی اگر آواز اٹھائے تو اسے گولی

Marfat.com

سے اڑا دیا جاتا ہے۔ یہ مردوں کی حاکمیت کا پہلا اصول ہے۔"

"مگر...... مگر زرسانگے......!" اشتارا دکھی لہجے میں بولی۔ اس کا سارا وجود زرسانگہ کے غم میں لرز رہا تھا۔ دل غم کے اس بوجھ تلے بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تم میری جگہ ہوتیں نا، تب بھی کچھ نہ کر پاتیں۔ بلکہ اب بھی عورت چاہے محل کی ہو یا جھونپڑی کی، اس کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ ہاں فرق اتنا ہوتا ہے تم میں اور مجھ جیسی لڑکی میں کہ میرا احتجاج وہ منہ زور لہر فصیل دل سے ٹکرا کر دل کی وسعتوں میں ہی گم ہو جاتی اور حویلی میں رہنے والی لڑکی کی آواز ان اونچی دیواروں سے ٹکرا کر گم ہو جاتی۔"

زرسانگہ نے ہمیشہ کی طرح انجانے میں ایک تیر پیوست کر دیا۔ وسوسوں اور اندیشوں کا در پھر کھول دیا۔ اس کا دل ڈوبا، مگر اس لمحے اس کی نگاہیں اس کا ذہن صرف اور صرف زرسانگہ کو تک رہا تھا۔ جس کے چہرے پر شکستگی کا دھواں پھیل رہا تھا۔

"چل زرسانگے۔" نورجان قریب آ گئی۔

"نورجان بی بی! یہ، یہ کیا ظلم کر رہی ہو تم زری کے ساتھ۔" وہ نورجان بی بی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بے قراری سے بولی۔ "تم تو جانتی ہو کہ یہ تماش کو پسند کرتی ہے اور اب تو تماش اچھا خاصا کمانے بھی لگ گیا ہے پھر، پھر تم نے۔" اس نے اپنی دوست اپنی رفیق کے لئے آخری کوشش کی، مگر نورجان بی بی کے چہرے پر پھیلی بے چارگی نے اسے مایوس کر دیا۔

"پاگل ہے زری تو۔" اس نے بس اتنا ہی کہا اور زرسانگہ کا ہاتھ تھامے گیٹ کی سمت بڑھ گئی۔

'نہیں، نہیں...... یہ ظلم ہے، جبر ہے استبداد ہے۔' اس کا دل چیخ اٹھا۔

دور ہوتی زرسانگہ کی سسکیاں اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح گر رہی تھیں۔ اس کے سارے وجود میں دکھ گردش کرنے لگا۔ اس کا دل سوختہ پروانے کی طرح بکھرتا چلا گیا۔

مغموم سی تالاب کے کنارے بیٹھ گئی۔

یہ سارا خوش رنگ منظر پل کے پل دھواں دھواں محسوس ہونے لگا۔

ساری نغمہ ریز ہواؤں میں نوحہ سا بکھر گیا۔

اسے لگا جیسے ہر طرف خون ہی خون ہے۔

زرسانگہ کے خوابوں کا۔

Marfat.com

اس کی تمناؤں کا۔

اس کی نوخیز آرزوؤں کا خون۔

مگر یہ خون کس کی گردن پر ہوگا؟

اس کے باپ پر۔

اس کی ماں نور جان پر۔

یا تماش خان پر؟

اس نے اس خوفناک منظر سے کانپ کر چہرہ جھکا لیا، پلکیں موند لیں۔

ذولین خان نے تالاب کی سطح پر اس لرزتے حسین عکس کو دیکھا۔ یکلخت اسے لگا جیسے کوئی سرخ گلاب ٹہنی سے ٹوٹ کر افسردہ اس شفاف پانی میں تنہا تیر رہا ہو۔

یہ اس کی گہری گہری سبز آنکھوں کی تپش تھی یا اس کے وجود کی مسحور کن خوشبو، اشتارا کی ساکت پلکیں لرزیں اور آہستگی سے اوپر اٹھیں تو پھر جھپکنا بھول گئیں۔

Marfat.com

وہ اس کے سامنے......اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔
عنابی لبوں کو باہم بھینچے، فرطِ محویت سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔
'کیا یہ ساعت بھی اس کی زندگی میں آئے گی؟'
اس کے قدم انیکسی سے باہر آج خود اسے ڈھونڈتے ہوئے آئے تھے۔
ایک ساعت میں اس کے دلِ خوش فہم نے ڈھیروں امیدیں باندھ لیں۔
اس نے پلکیں جھپکیں پھر آہستگی سے اوپر کو اٹھائیں تو وہ اس محویت کے عالم سے نکل چکا تھا۔ چہرے پر ازلی سردمہری اور آنکھوں میں بیگانگی نہ جانے کہاں سے آکر ٹھہر گئی تھی۔
''شاہ خانم کی چہیتی، حویلی کی خان زادی، آن بان اور ٹھاٹ کی زندگی گزارنے کے باوجود نہ جانے کیوں اداس اور ملول رہتی ہے۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ شاید یہ بھی فارغ وقت کا مشغلہ یا شوآف کا کوئی طریقہ ہے۔''
اس کے لبوں سے لفظ نہیں آہنی تیر برسے۔ وہ تڑپ اٹھی۔
'کاش تم خاموش ہی رہتے، چند ساعت اور سہی، میرے پندارِ محبت کا بھرم تو رہ جاتا۔'
اس نے یہ چوٹ بظاہر سکون کے ساتھ سہہ لی۔
''اگر آپ حساس دل رکھتے تو شاید مجھے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ یہ ٹھاٹ، باٹ اور یہ بڑی بڑی حویلیاں، کیا ہماری خوشیوں کی ضمانت ہوتی ہیں؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے استفسار کیا تو وہ ایک لمحہ کو حیران ہوا۔
''نہیں ذولین خان!____ خوشیاں اور قہقہے، نہ تو دولت کے انبار پر رقص کرتے ہیں اور نہ ہی ہر وقت جھونپڑیوں کے گرد منڈلاتے ہیں۔ یہ سارے موسم تو ہمارے اپنے اندر ہوتے ہیں۔ ہمارے اپنے پیدا کردہ۔'' اس نے رسان سے کہا اور پھر عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔
''ہر لمحہ انسان اپنے ہی زخموں کو نہیں کھرچتا۔ اپنے ہی دکھوں کا رونا نہیں روتا، خاص کر حساس لوگ دوسروں کا غم بھی اپنے دل میں بسا لیتے ہیں جس طرح اپنا دکھ۔''

Marfat.com

اس نے اسے جتایا۔ اس کی سفاک طبیعت پر بھاری چوٹ کی مگر وہ اپنی جگہ ساکت تھا اور ایک عالم تحیر میں گم۔ اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگوں کو دیکھتا رہا۔

''آج میرا دل اس لڑکی کے لئے رو رہا ہے جو ایک حاکم مرد کے جبری فیصلے کی بھینٹ چڑھ رہی ہے۔ ان کی جھوٹی اور کھوکھلی غیرت کے انبار تلے اپنے سارے خواب، ساری آرزوؤں کو دفن کر رہی ہے۔ بظاہر عورت اور بیٹی کو اپنی غیرت سمجھنے والے، یہ مرد غیرت نہیں درحقیقت بوجھ سمجھتے ہیں۔ نہ جانے اور کتنی لڑکیاں اس وادی کے مردوں کی مطلق العنانی کی بھینٹ چڑھ چکی ہوں گی اور کتنی چڑھنے کو تیار ہوں گی۔'' وہ پھٹ پڑی۔ زرسانگہ کے دُکھ نے اسے آزردہ کر دیا تھا۔

ذولین خان نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں بجی کاجل کی لکیر کو بھیگتے ہوئے دیکھا۔ یہ سربستہ راز اس پر عجیب سے انداز میں آج کھلا تھا کہ وہ اپنے پہلو میں اتنا دردمند دل رکھتی ہے۔

'یہ دوسروں کا دکھ محسوس کرسکتی ہے اور کر رہی ہے'۔ یہ ادراک حیران کن تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں بجی سردمہری کم نہ ہوئی۔ اشتارا کے کہے ہوئے لفظوں سے اختلاف تھا۔ وہ مردوں کی ذات پر یہ ضرب کیسے برداشت کرلیتا جبکہ وہ خود ایک عورت کے ہاتھوں گھائل تھا۔

''نہیں اشتارا خان! تم بھول رہی ہو کہ اس حویلی میں مردوں کی حاکیت نہیں۔ خان چچا جیسے مرد بھی رہتے ہیں، یہاں اور شاہ خانم جیسی عورتیں بھی۔'' اس نے کھلا وار کیا، ایک گہرا طنز۔

اس کی بھیگی بھیگی پلکیں رخساروں پر لرز گئیں۔ شاہ خانم کے توسط سے اس پر چوٹ کرنے پر وہ کبھی نہیں چوکتا تھا۔ اپنے اندر بھرا زہر وہ قطرہ قطرہ باہر نکالنے میں ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔

اس کے پاس جواب تھا، مگر وہ اسے بھڑکانا نہیں چاہتی تھی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ماضی کی گرم راکھ کو کرید کر اسے ایک بار پھر شرمندہ کر دے۔ شاہ خانم اگر بیٹی کے لئے ہٹلر بنی تھیں تو اس کی ماں تھیں، وہ اس کی بیٹی تھی، یہ رشتہ اپنی جگہ بہت مستحکم اور سچا تھا۔

ذولین خان کو اچانک اپنے تلخ لہجے کا احساس ہوگیا یا اس کی خاموشی نے اسے نادم کر دیا۔

Marfat.com

یا پھر وہ کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ گیا تھا۔

ایسا کمزور لمحہ جو بہت سبک روی سے وجود پر چھا جاتا ہے اور نامحسوس طریقے سے فاصلوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس نے اپنا بھاری ہاتھ آہستگی سے اشتارا خان کے شانے پر رکھا تو اشتارا کے سارے وجود میں برقی لہریں دوڑ گئیں۔ اس نے اپنی پلکیں اوپر اٹھائیں۔

''اندر جاؤ، ٹھنڈ بہت بڑھ گئی ہے۔'' وہ اس کے بے حد قریب کھڑا تھا۔ بس ایک لحظہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

اشتارا خان کے دل کے بادلوں میں بجلی سی کڑک گئی۔

''مجھے تو محسوس نہیں ہو رہی۔'' ایک بے خودی کی کیفیت اس پر طاری ہونے لگی۔ اس نے ان آنکھوں کے سبز نگینوں میں بہت کچھ تلاش کرنا چاہا، مگر بے سود۔ 'اف کتنی مشکل آنکھیں ہیں۔' اس نے پلکیں جھکا لیں۔

''آ......اچھا، تعجب ہے۔ تم تو بہت حساس ہو۔ اتنی واضح تبدیلی کو بھی محسوس نہیں کر پائیں۔'' دوسرے ہی لمحے اس کے لہجے میں مزاج کی انتہا پسندی سمٹ آئی۔

''بہرکیف۔ اگر تمہیں محسوس نہیں ہو رہی تو ٹھیک ہے۔'' وہ شاید اپنی اس لاشعوری حرکت پر بوکھلا گیا تھا۔ پلٹ کر بڑے بڑے قدم اٹھاتا انیکسی کی سمت بڑھ گیا جیسے اسے اس سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔

بس اک لمحہ، سفر میں جیسے کسی اجنبی سے یونہی بات کر لی۔

اس کے رویے نے اشتارا کو بوجھل کر دیا۔

ایک خلاء ہنوز اس کی ذات میں موجود رہا۔

ایک ناآسودگی کا جال پھر پھیل گیا جس میں وہ ہمیشہ سے قید تھی۔

وہ اندر آئی تو گول کمرے میں رکھے فون پر شاہ خانم کسی سے بات کر رہی تھیں۔ وہ ٹھٹکی۔ اتنی شائستگی سے اتنی گرم جوشی سے وہ کس سے ہمکلام تھیں؟ وہ دانستہ رک گئی۔

شاہ خانم نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر مسکرا کر اس کی طرف ریسیور بڑھا دیا۔

''لو بات کرو ــــــــ تمہاری ممانی ہیں۔''

''اس نے بغیر حیل و حجت کے ان کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ دوسری طرف ممانی اس کی آواز کی منتظر ہی تھیں۔ بے حد پیار بھرے لہجے میں بولیں۔

''کہو کیسی ہو سوئٹی؟ ــــــــ ہمیں تو لگتا ہے جیسے تم نے ہمارے یہاں نہ آنے کی قسم کھا

Marfat.com

رکھی ہے۔ اب یہ اشمل کو ہی دیکھ لو، شہر میں ہماری موجودگی کے باوجود ہاسٹل میں رہتا ہے۔'' ممانی جان کی شکایتوں نے اچانک ہی اس پر حملہ کر دیا، مگر وہ بجائے گھبرانے کے مسکرا دی۔

''نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ اشمل لالہ کی غیرت ہی گوارا نہیں کرتی۔ وہ خود کو کسی پر بوجھ نہیں بنانا چاہتے۔'' اس نے فطری شائستگی سے اشمل خان کی پوزیشن صاف کی۔

''اے لو ـــــ یہ بوجھ کی بات کہاں سے آگئی۔ وہ تو میرا بیٹا ہے۔ سر آنکھوں پر بٹھاؤں اسے تو میں۔'' ممانی نے برا مانا۔ ''اور نہیں آنے میں کیا قباحت ہے۔ سحر گل اور ماہ گل تو روز تمہیں یاد کرتی ہیں، مگر لگتا ہے شاہ خانم کی بیٹی کو ہمارے گھر مزا نہیں آتا۔'' ممانی نے چوٹ کی تو وہ ہنس دی۔ وہ ہمیشہ ہی ایسی گرما گرم چوٹ کرتیں اسے جذباتی کرنے کے لئے۔

''آپ تو بہت زیادہ خفا ہیں ممانی جان! میں اب ضرور آؤں گی کسی دن۔''

''تم کہو تو میں زمان کو بھیج دوں، وہ آجائے گا تمہیں لینے۔'' ممانی نے اس کی بات پر جلدی سے پیش کش کی تو وہ گھبرا گئی۔

''ارے ارے..... نہیں نہیں، ابھی نہیں، میں آجاؤں گی، کسی دن۔ اچھا یہ بتایئے سحر گل اور ماہی آپی کیسی ہیں؟'' اس نے موضوع بدل دیا۔

''ہاں ٹھیک ہیں، لو ماہی یہیں پر کھڑی ہے، لو بات کرلو۔'' ممانی نے ریسیور قریب کھڑی ماہ گل کو دے دیا۔

''ہیلو اشتارا، کیسی ہو؟'' ماہی آپا کی آواز ابھری، ویسی ہی معصوم دھیمی آواز۔

''میں تو ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں اور آپ کا وہ ماڈل گیلو کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے وہ بھی اور میں بھی۔'' ان کی آواز دھیمی ہوگئی جسے اشتارا نے واضح محسوس کیا۔

''کیا بات ہے آپی! آپ.....؟''

''کیا دعا کرنی چھوڑ دی ہے اشتارے تم نے، میرے حق میں؟'' ان کی آواز پر آنسوؤں کا غلبہ چھا گیا۔

''آ..... پی۔'' اشتارا بے چین ہوگئی۔ ''کیا پھر، آپ کو سعود بھائی چھ..... چھوڑ گئے؟'' اس کا دل اس خدشے سے لرزا۔

''ہاں، وہ شخص اپنی بہن کے دکھ کا مداوا شاید اسی طرح کرتا ہے۔''

Marfat.com

''کک...... کیا مطلب آپی! مجھے کھل کر بتائیں۔''

''زمان لالہ اور شاردا بھابی میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ زمان لالہ بھابی کو میکے چھوڑ گئے یہ کہہ کر کہ وہ اسے کبھی لینے نہیں آئیں گے۔'' وہ رندھی آواز میں اسے بتانے لگیں۔

''کیا، کیوں کیوں جھگڑا ہوا؟'' وہ گھبرا کر بولی۔ اچھی خاصی زندگی گزارتے گزارتے وہ لوگ پھر پٹڑی سے اتر گئے۔

''ان کی بنی ہی کب ہے۔ جھگڑے کے لئے کسی جواز کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔''

''مگر یہ تو ظلم ہے ظلم آپی! آپ کا اس میں کیا قصور؟''

''پتہ نہیں اشتارے، قصور شاردا کا ہے یا میرا یا امی، ابو کا ہے جن کے غلط فیصلے کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں ہم لوگ۔ پانچ سال گزرنے کے باوجود اس کا خمیازہ بھگت رہی ہوں میں۔ شاید شاردا بھی۔'' وہ ہولے ہولے رو رہی تھیں۔ وہ تو پانچ سال سے روتی آئی تھیں۔

اس نے کبھی شاردا بھابی کو ڈھنگ سے مسکراتے نہ دیکھا تھا اور نہ ماہ گل آپا کو کھل کر ہنستے ہوئے...... رنج سے اس کا دل شق ہو گیا۔

''مگر آپی! سعود بھائی تو ایک سلجھے ہوئے باشعور انسان ہیں، پھر، پھر یہ اتنی بچگانہ حرکت کیوں کرتے ہیں؟''

''ہاں بظاہر تو باشعور ہی ہیں۔'' وہ تلخی سے ہنسیں۔ ''وہ خود کو بہت زیادہ غیرت مند سمجھتا ہے۔ اشتارے! بہن کا دکھ اپنی جگہ، مگر...... مگر بیوی اور بچے کو اس طرح دربدر کرنا کون سا انصاف ہے۔ کیسی غیرت مندی ہے یہ؟'' وہ پھٹ پڑی۔

''یہ کوئی مسئلے کا حل تو نہیں ہے، شاردا کے دکھ کا تریاق تو نہیں ہے۔''

اشتارا سے وہ کچھ نہیں چھپاتی تھی۔ یہ وہ واحد ہستی تھی جس سے وہ دل کی ہر بات کہہ دیا کرتی تھی۔ آج اشتارا سے بات کر کے اس کے سارے زخم کھل کر پھر سے تکلیف دینے لگے تھے۔ دل کی تھکن بڑھ گئی تھی____ مگر پھر بھی، اسے اس کی غمگساری کی ضرورت تھی۔

کوئی تسلی، جو دوا کی صورت رگ جاں میں اترے۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں، اشتارہ خود آبدیدہ ہو گئی۔

''زمان لالہ کو آپ کا خیال تو کرنا چاہئے۔ ان کا بھی تو سراسر قصور ہے۔ آپ کی خاطر ہی سہی سمجھوتہ کر لیں۔ زندگی صرف اپنے لئے جینے کا نام تو نہیں۔'' اسے زمان لالہ پر غصہ

Marfat.com

آنے لگا۔

''آں......تم بہت معصوم ہو اشتارا۔ ان مردوں کی فطرت کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' ماہ گل کے لبوں پر ایک آہ بکھر گئی۔ یہ سارے مرد صرف اپنے لئے جیتے ہیں۔ سمجھوتہ صرف عورت کے حصے میں آیا ہے۔''

ماہ گل آپا کا ایک ایک آنسو اشتارا خان کے دل پر گر رہا تھا اور روح کو پگھلائے دے رہا تھا۔

''میں فون بند کر رہی ہوں اشتارا۔'' ان کی آواز آئی تو وہ چونک گئی۔

''ارے ارے...... یہ کیا غضب کر رہی ہیں آپی صاحبہ! اشتارا کا فون ہے اور آپ بند کرنے دے رہی ہیں۔'' اسے ماؤتھ پیس سے اچانک فروان کی آواز سنائی دی______ اس نے ماہ گل کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا تھا اور اس سے پہلے کہ خود فون بند کر دیتی وہ چیخ اٹھا۔

''ہیلو.....ہیلو.......تارا......'' وہ واحد شخص تھا اسے اشتارا کی بجائے صرف تارا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

اٹھارہ سالہ اونچا لمبا لڑکا اس سے ایک سال چھوٹا تھا مگر بھرپور جوان لگتا تھا اور ایسی باتیں کرتا، ایسے ایسے فقرے چست کرتا کہ وہ حیران رہ جاتی۔ اس کی سیاہ مسکراتی آنکھوں کی مسکراہٹوں پر وہ کبھی کبھی خفیف سی ہو جاتی۔

''میں نے کیا گناہ کیا ہے۔ سب سے باتیں کر ڈالیں۔ یہ زبان بندی میرے ہی لئے کیوں؟'' وہ اس کی لگاتار خاموشی پر خفا ہو رہا تھا۔''پلیز تارو تم کم از کم خیریت ہی پوچھ ڈالو، دیکھو دیکھو فون مت بند کرنا۔'' وہ چیختا رہا مگر اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

زرسانگہ کا دکھ
ماہی آپی کی سسکیاں
شاردا بھابی کی اذیت بھری زندگی
میرا اپنا دکھ
ہر طرف دکھ ہی دکھ گردش کر رہا ہے
سب ہی مظلوم ہیں تو پھر ظالم کون ہے؟

وہ افسردہ ہو گئی تھی۔ وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ شاہ خانم کب کی اپنی خواب گاہ

Marfat.com

میں جا چکی تھیں۔

زیبل نے اشتارا کو افسردہ سا جاتے ہوئے دیکھا مگر اس کے پیچھے نہیں آئی۔ وہ اس کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی...... اب وہ تنہائی کی خواہش مند تھی کہ اس کی خان زادی اپنے پہلو میں بے حد نرم اور دردمند دل رکھتی تھیں۔

ڈھلتی شام کو گل بی بی آ گئیں۔ شاندانہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ زیبل نے اسے اطلاع دے دی تھی۔ اسے بے تحاشا خوشی ہوئی۔ پورے چھ ماہ بعد گل بی بی نے حویلی میں قدم رکھا تھا۔

بابا خان بھی زمینوں سے واپس آ گئے تھے۔ گل بی بی کی آمد پر وہ بھی بہت مسرور ہوئے۔ وہیں سٹنگ روم میں ہی آ بیٹھے۔ بس ایک شاہ خانم ہی تھیں جن کی کشادہ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ستواں ناک کے نتھنے سکڑے اور پھیلے۔ وہ سٹنگ رُوم سے اُٹھیں اور دھم دھم کرتیں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ بابا خان کے رشتے داروں کو حویلی میں قدم نہ رکھنے دیتیں، مگر بس یہیں پر وہ بے اختیار تھیں۔ حویلی، بابا خان کی تھی ــــــ ان کے جہیز اور ورثے میں تلے لاکھوں روپے یا تو تجوریوں میں بند تھے یا ایکڑوں میں پھیلی زمینوں پر مشتمل تھے ــــــ اُنہیں بس یہی قلق تھا کہ وہ حویلی کے دروازے پر اپنی اجارہ داری کیوں قائم نہیں رکھ سکتیں۔

مگر ایک طرف وہ شاطر بھی تھیں۔ سوئے ہوئے شیر کو بیدار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ بابا خان کی فطری نرمی اور کم گوئی کا وہ خوب فائدہ اٹھاتی رہی تھیں مگر ہر قدم پر احتیاط ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ مبادہ مہروز خان کی مردانگی نہ جاگ اٹھے اور ان کے سامنے آ کھڑے ہوں۔ اس لئے انہوں نے ان کے سامنے ان کے رشتے داروں کو کبھی ایک لفظ نہیں کہا تھا مگر...... اپنے رویوں سے ناگواری کا اظہار برملا کرتی آئی تھیں جسے بابا خان نظر انداز کر دیتے تھے۔

گل بی بی کو ان کے رویے نے کبیدہ کر دیا۔

انہیں شاہ خانم ہمیشہ سے پیاری تھیں۔ وہ ان سے محبت کرتی تھیں۔ ایک زمانہ تھا جب شاہ خانم کو بھی گل بی بی سے کوئی شکوہ نہ تھا، کوئی نفرت نہ تھی۔ مگر پھر وقت کی گردش نے دلوں کو یکلخت ہی پھیر دیا۔ نہ جانے کس قاتل لمحے نے ان کے دل میں گل بی بی کے لئے غصہ اور نفرت کے جذبے بیدار کر دیئے۔

وہ آج جس انداز سے ان کے آنے پر سٹنگ روم سے اٹھ کر گئی تھیں، بابا خان کو از حد

Marfat.com

محسوس ہوا۔ ان کی آنکھوں میں غصہ سمٹ آیا تھا۔

''تم بیٹھو میں ذرا آتا ہوں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔ ان کے تیور گل بی بی نے بھانپ لئے تو گھبرا گئیں۔

''نہیں مہروز لالہ! نفرتوں اور محبتوں پر سب کا اپنا اختیار ہے۔'' انہوں نے بابا خان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے ماحول میں کھنچاؤ پیدا ہو۔'' ان کا لہجہ ملتجی ہو گیا جو بابا خان کو نرم کر گیا۔ وہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے مگر ان کے چہرے کا تناؤ بدستور قائم رہا۔

دل میں غصہ ہنوز ہلکورے لیتا رہا۔

شاہ خانم کا یہ انداز گو کہ نیا نہیں تھا مگر آج نہ جانے کیوں انہیں بہت چبھن محسوس ہوئی تھی۔

زیبل اسے گل بی بی کی آمد کی اطلاع دے کر جا چکی تھی۔ وہ جلدی جلدی بیڈ پر بکھرے کیسٹ سمیٹنے لگی کہ شاندانہ اس طرف آ گئی۔

''میں اندر آجاؤں؟'' اس نے اخلاق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اجازت مانگی تو وہ مسکرا دی۔

''آؤ......آؤ۔ میں خود باہر آرہی تھی ابھی۔''

شاندانہ اندر آ گئی اور اشتارا سے بغلگیر ہو گئی۔

''بہت بے مروت ہو۔ آتی نہیں ہو ہماری طرف۔'' اس نے شکوہ کیا۔

''اوں ہوں، تم بھی تو پورے چھ ماہ بعد آئی ہو۔ میں تو پھر بھی آجاتی ہوں چوری چھپے، آؤ بیٹھو۔'' وہ اسے لئے صوفے پر آ بیٹھی۔

''یہ تمہارے منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں، حالانکہ آج تو موسم بھی بڑا خوشگوار ہے دیکھو؟'' شاندانہ نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی پھر قریب بنی بڑی سی کھڑکی کے پٹ کھول دیئے۔ ''یہ دیکھو، کتنا حسین موسم ہو رہا ہے اور تم اندر گھسی بیٹھی ہو۔'' وہ ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے کو ایک گہری سانس کے ساتھ اندر اتارتی ہوئی بولی تو اشتارے بے ساختہ ہنسنے لگی۔

''گڈ، اسی طرح مسکراتی رہو، اچھی لگتی ہو۔'' شاندانہ نے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا۔

''ہاں اب تو مسکرانا ہی پڑے گا، تم جو آ گئی ہو۔'' اشتارا اس کی بات سے محظوظ ہوتے

Marfat.com

ہوئے بولی۔

وہ شاندانہ کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ ہنسنے، کھلکھلانے والی، فقرے چست کرنے والی۔ اپنے ساتھ سب کو ہمہ وقت مسکراتے دیکھنا چاہتی تھی اور اشتارا میں تو اس کی جان تھی، وہ اکثر یہی کہتی۔

''کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو سچ میں تجھے اپنی بھابی بنالیتی اور ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رکھتی، یعنی بھائی کی رقیب بن جاتی۔''

''آ......اچھا'' وہ پوری آنکھیں کھولے اسے دیکھتی، اس کی اتنی ڈھیر ساری محبت اس کے اندر طراوت بھر دیتی۔

''ویسے کوئی بات نہیں ذولین لالہ بھی تو میرے بھائی ہیں۔'' اسے نہ جانے کیسے اس کے ڈھکے چھپے جذبوں سے آگاہی حاصل ہوگئی تھی۔ شاید وہ نگاہوں سے دل میں جھانک لینے کا فن جانتی تھی، اس کے چہرے کو بغور دیکھ کر کہتی تو اشتارا خان سرخ پڑ جاتی اور خوب محظوظ ہوتی۔

آج بھی وہ اس کی خوبصورت آنکھوں کی روشنیوں میں جھانک رہی تھی۔ جہاں زرد ملال ہلکورے لے رہے تھے۔

''ہوں۔'' قدرے توقف کے بعد اس نے گہری سانس لی۔

''کک......کیا ہوا؟ ——— یہ تم مجھے یوں کیوں گھور رہی ہو؟'' وہ اس کی گہری 'ہوں' سے سٹپٹا گئی۔

''جھانک رہی ہوں تمہارے دل میں ——— اور بہت کچھ پڑھ رہی ہوں۔'' وہ کسی ماہر چہرہ شناس کی طرح دھیرے سے بولی۔

''اچھا، بکومت ——— تمہیں نجومیوں کی جگہ سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ سخت گڑبڑائی تھی اور جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

''چلو، باہر چلتے ہیں ——— گل بی بی سے مل لوں۔'' اس نے کمال خوبصورتی سے موضوع بدل دیا۔ شاندانہ بھی بادل نخواستہ کھڑی ہوگئی، حالانکہ اس کا موڈ خاصا کھوجتا ہوا ہو چکا تھا۔

وہ دونوں سٹنگ روم میں آئیں تو گل بی بی سامنے ہی بیٹھی رو رہی تھیں۔

بابا خان اپنی جگہ خاصے افسردہ بیٹھے تھے۔

''میری قسمت میں بیٹا نہیں لکھا تو اس میں میرا کیا دوش۔ خیر یہ طعنہ تو اب بہت پرانا

Marfat.com

ہو چکا ہے۔ اب تو میں نے اس بات کو دل پر لینا بھی چھوڑ دیا ہے۔'' وہ رندھی آواز میں کہہ رہی تھیں۔ آج پہلی بار وہ بابا خان کے سامنے اپنا دکھ کھول بیٹھی تھیں۔

''یہ تو ارمغان ہے، خدا اسے بڑی زندگی دے، بہت عزت کرتا ہے اپنے ماموں کی بھی۔ اس کی ساری حرکتوں کو معاف کر دیا ہے۔''

''مگر صبغت خان زمینیں کیوں نہیں سنبھال لیتا، اتنی زرخیز زمینیں موجود ہیں؟'' بابا خان نے اچنبھے سے پوچھا۔

''اونہہ...... صبغت خان کے پاس نہ جانے اس معاملے میں غیرت کہاں سے آجاتی ہے۔ میرے ورثے کی زمینیں ہیں ناں مہروز لالہ، وہ کبھی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ وہ دوسرے بے غیرتی کے کام کرلے گا مگر یہاں اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی۔'' گل بی بی کا لہجہ دکھ اور ترشی لئے ہوئے تھا، مگر پھر وہ اچانک خاموش ہوگئیں اور اشتارا کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

''آؤ، آؤ...... جیتی رہو'' انہوں نے اس کے قریب آنے پر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ بہت طویل عرصے بعد آئیں گل بی بی! اب رک جایئے گا چند دن کے لئے ہی سہی۔'' اس نے محبت سے اصرار کیا۔

''ارے نہیں بیٹا، رکنا کیا ہے۔ بس تم لوگوں کے منہ دیکھ لئے ہیں، اتنے دنوں سے تم بہت یاد آرہی تھیں، جی گھبرانے لگا تھا، سو چلی آئی۔ ذولین تو اکثر آتا رہتا ہے میری خیر خیریت پوچھنے۔''

''آ...... اچھا'' بابا خان ذرا چونکے۔ پھر سر ہلاتے ہوئے بولے۔ ''ہاں ہاں ذولین بہت پیارا بچہ ہے، مجھے بہت عزیز ہے۔''

''ہاں بہت حساس بھی ہے، محبت سے بھرا دل رکھتا ہے۔'' گل بی بی کے لہجے میں ذولین کے لئے ڈھیر ساری محبت تھی۔

اشتارا کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ 'یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، وہ کب اپنے پہلو میں محبت بھرا دل رکھتا ہے'۔ اسے بابا خان اور گل بی بی کی بات سے اختلاف تھا مگر خاموش رہی۔ پہلو میں دل تڑپ کر رہ گیا۔ اس شخص کی بے اعتنائیوں اور سفاک دل کی داستانوں کی لمبی فہرست تھی اس کے پاس۔ وہ تو بے حس اور سنگدل انسان تھا۔

اسے ہنسی آگئی۔ یقیناً یہ لوگ اس کی محبت میں مبالغہ سے کام لے رہے ہیں۔

Marfat.com

''اے کیا سوچنے لگی ہو تم؟'' شاندانہ نے اسے ٹہوکا مارا۔

''آں.....نہیں، میں کیا سوچ سکتی ہوں؟'' اس نے پلکیں جھپکیں جیسے ساری سوچوں کو جھٹک دینا چاہا۔

''میں تو سمجھی شاید موضوع تمہارا پسندیدہ ہوگیا ہے اس لئے کہیں تم......''

''تم تو فضول ہی بکو گی۔'' اس نے شاندانہ کو گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ارے ہاں، لو بھول ہی گئی نیں تو۔'' اچانک گل بی بی نے اپنی پیشانی پر اپنی ہتھیلی ماری تو وہ دونوں چونک گئیں۔ بابا خان بھی مسکرائے۔

''کیا بھول گئیں؟''

''میں تو ایک بہت بڑی خبر سنانے آئی تھی۔ ارے شان، مٹھائی بھی یاد نہیں دلائی تو نے۔''

''ارے ایسی کیا خبر ہے؟'' اشتارا متجسس ہوگئی جبکہ شاندانہ، گل بی بی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سمجھ گئی اور بے تحاشہ سرخ ہوگئی۔

''میں نے آپ کو بتایا تھا نا مہروز لالہ! کہ نیاز احمد کے بیٹے کا رشتہ آیا تھا شاندانہ کے لئے۔''

''ہاں، ہاں......'' بابا خان نے سر ہلا دیا۔ ''مگر صبغت خان راضی نہیں تھا۔''

''مگر نصیب کے لکھے کو کون بدل سکتا ہے مہروز لالہ! کل شام ہی اس کی بات طے کر دی ہے۔ قدرت کو منظور ہے تو لاکھ صبغت انکار کریں، دل خود بخود مان گیا۔'' گل بی بی کا چہرہ اندر کی خوشیوں سے چمک رہا تھا۔

یہ خبر بہت سہانی اور خوبصورت تھی۔ بابا خان کا دل شانت ہوگیا۔ اشتارا تو چند لمحے اس خوش آئند خبر سے ساکت بیٹھی رہی پھر ایک شریر کھنکار کے ساتھ شاندانہ کی طرف پلٹی۔

''ہوں......تو جنابہ! تبھی کہوں یہ لبوں پر مسکراہٹوں کے گیت........''

''ہشت....... چپ کر۔'' شاندانہ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بابا خان اور گل بی بی کی موجودگی کا احساس دلایا۔

اس کی گھبراہٹ پر اشتارا کو خوب ہنسی آئی، وہ اسے پکڑ کر دروازے کی طرف لے آئی۔

''اتنی بڑی، اتنی پیاری خبر تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں سنائی؟''

''اب میں کیا اپنے منہ سے سناتی اچھی لگوں گی اور ویسے بھی یہ کون سا اتنا بڑا کارنامہ ہے۔ یہ تو ہوتا ہی ہے ہر لڑکی کے ساتھ۔'' شاندانہ، اشتارا کی مسکراتی شریر نگاہوں سے خجل

Marfat.com

ہو رہی تھی۔ اسے بے تحاشا شرم آ رہی تھی۔ سفید چہرہ سرخی میں ڈھل گیا۔
''بس بس رہنے دو۔ ویسے تو بڑی بنتی ہو۔ یہاں نخرے دکھا رہی ہو۔ ایسی بھی کیا شرم، چہرے پر دیکھو روشنیاں سمٹ آئی ہیں۔ ویسے شہباز خان کو دیکھا ہے تم نے؟'' اشتارا نے شرارت سے پوچھا۔
''جی نہیں۔ میں بھلا کیسے دیکھ سکتی ہوں؟''
''دیکھنے کا شوق ہے؟'' اشتارا اس کی سمت جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولی تو شاندانہ نے اسے گھورا اور پھر اسے دھکا دے کر دروازے سے باہر نکل گئی۔
''ویسے سچ شاندانہ، میرا دل بہت خوش ہو رہا ہے۔ دل چاہتا ہے جشن مناؤں۔'' وہ اس کے پیچھے پیچھے آ گئی۔
''تو مناؤ میری بلا سے۔'' شاندانہ کی پلکیں اس کی شرارت پر لرز رہی تھیں۔
وہ دونوں بغلی لان کی طرف آ گئیں اور تالاب کے کنارے کنارے چلنے لگیں۔
''ہاں مناؤں گی تمہاری شادی پر۔ ڈھیر سارے ارمان نکالوں گی۔''
''کیوں، اپنی شادی کے لئے کچھ بھی بچا کر نہیں رکھو گی؟'' شاندانہ جل کر بولی تو اشتارا زور سے ہنس دی۔
''اس دن ذولین لالہ آئے تھے ہماری طرف۔'' شاندانہ نے اچانک موضوع کا رخ موڑ دیا۔ ''میں نے ان سے ایک بات کہی تھی اور وہ شاید خفا ہو گئے تھے۔'' اس نے گھوم کر انیکسی کی طرف دیکھا جس کا دروازہ بند تھا۔
''کیا ذولین لالہ انیکسی میں ہیں؟''
''مجھے کیا پتہ؟'' اشتارا نے کندھے اچکا دیئے۔ ذولین خان کے ذکر نے اسے یک بیک سنجیدہ کر دیا۔
''کیا......کیا کہا؟'' شاندانہ نے اسے بے یقینی سے گھورا۔ ''تمہیں نہیں پتہ تو پھر کسے پتہ ہوگا؟''
''کیوں، میں کوئی رپورٹر ہوں؟'' اسے خواہ مخواہ غصہ آ گیا۔
اس بے حس اور لاپرواہ شخص کے ذکر نے اسے اندر سے دکھی کر دیا۔
''ارے واہ، میں نہیں جانتی کیا......تمہارے کمرے کی کھڑکی سے یہ انیکسی صاف نظر آتی ہے اور تمہاری یہ ستارہ آنکھیں سارا دن اس کوچۂ جاناں کے گرد طواف کرتی رہتی ہیں۔ کہو جھوٹ ہے یہ۔'' اس نے اپنی گہری گہری آنکھیں اشتارا کے چہرے پر گاڑ دیں تو

Marfat.com

وہ جھینپ گئی۔ شہابی رخساروں پر لہو رنگ چھلک آیا۔ وہ ابھی اسے ستا کر لطف لے رہی تھی۔ اب خود اس کے جال میں پھنس گئی۔

''بابا میں ہاری تمہارے سامنے۔'' اس نے جل کر رخ موڑ لیا۔

''ہاں میں جانتی ہوں جلدی ہار مان لینا تمہاری سرشت میں ہی ہے اور یہی عادت مجھے تمہاری بری لگتی ہے، بزدلوں والی...... اتنی جلدی ذولین خان سے بھی ہار گئی۔'' وہ برجستہ بولی۔

اس کا دل شاندانہ کی بات پر دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ وہ کتنا سچ کہہ رہی تھی۔ کیا ضرورت تھی مجھے اتنی جلدی ہارنے کی۔ ہاں شان تم نے ٹھیک کہا، جلدی ہار مان لینا میری سرشت میں ہے۔

''شان! کیا ایک بار ہار جانے والا انسان ہر بار ہارتا رہتا ہے۔ کیا کوئی جیت اس کا نصیب نہیں بن سکتی۔'' اس کی پلکیں نم ہوگئیں، لہجے میں ڈھیروں اداسی گھل گئی۔

''نہیں اشنارے۔ تم جیتو گی۔ ایک بازی جو ہزاروں ہار اور ہزار جیت پر بھاری ہوگی۔'' شاندانہ نے محبت سے اس کے گلابی رخساروں کو تھپتھپایا۔

''مگر کب؟''

''نہ، نہ یہ میں تمہیں نہیں بتاؤں گی۔'' وہ اترانے لگی جیسے واقعی وہ علم نجوم سے واقفیت رکھتی ہو، اس کی قسمت سے آگاہ ہو۔

اچانک دونوں کی نگاہیں بیک وقت سامنے کھلے گیٹ پر جا پڑیں جہاں سے نظر آتی چھوٹی سڑک پر ذولین خان اپنے سفید گھوڑے پر بیٹھا حویلی کی طرف آ رہا تھا۔ براؤن رنگ کے کرتے شلوار اور گہری خاکی جیکٹ میں اس کا ورزشی جسم سفید گھوڑے پر بے حد جچ رہا تھا۔

چوکیدار نے جلدی سے پورا گیٹ کھول دیا۔ اس خیال سے کہ وہ گھوڑے کے ہمراہ ہی اندر آئے گا۔ مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پورا گیٹ کھولنے سے منع کر دیا اور خود نیچے اتر آیا۔

اس وقت وہ خاصا فریش لگ رہا تھا۔ زمینوں کے حساب سے تھک کر وہ بجائے انیکسی واپس آنے کے قابل نواز سے اپنا گھوڑا منگوا کر رائیڈنگ پر نکل گیا تھا۔ یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ جب بھی تھکاوٹ محسوس کرتا، یا دل میں کوئی بے چینی در آتی، وہ اپنے سفید گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر خود کو بہت شاداں و فرحاں محسوس کرتا۔ وادی کا

Marfat.com

خوبصورت چپہ چپہ اسے خوش آمدید کہنے کو تیار رہتا۔ کائنات کے حُسن سے آنکھوں کو خیرہ کرتا اور پھر واپس آتا۔

اس وقت بھی اس کے چہرے سے بشاشت ظاہر ہو رہی تھی۔

گھوڑا اس نے چوکیدار کے سپرد کیا اور خود اندر آیا۔ اس کی نگاہیں تالاب کے کنارے پر کھڑی ان دونوں لڑکیوں پر پڑ چکی تھیں۔ ہوا کے جھونکوں سے بکھرتے اپنے بالوں کو سمیٹتی، لب دانتوں تلے دبائے وہ اپنی آنکھوں میں محویت لئے اسے دیکھ رہی تھیں۔

ذولین خان نے نگاہیں کترا لی تھیں۔

''ذولین لالہ! ابھی آپ ہی کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔'' شاندانہ مسکرا کر اس کی طرف آ گئی۔

''میرا ذکر کیوں ــــــ خیریت؟'' اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔ اس کی سبز آنکھیں اس کی طرف سے یکسر غافل ہو چکی تھیں مگر دل اس کی موجودگی محسوس کر رہا تھا۔

''گھبرائیے مت، آپ کی برائیاں ہرگز نہیں کر رہے تھے۔'' شاندانہ ہنسی۔

''اچھا...... حالانکہ میری ذات سے تو لوگوں کو شکوے ہی شکوے ہیں۔ میرا خیال تھا مجھے اچھے لفظوں میں کوئی یاد ہی نہیں کر سکتا۔''

اس نے دانستہ تیز لہجے میں کہا۔

اشتارا نے اسے بے حد عجیب اور کچھ شاکی نگاہوں سے دیکھا، پھر پلٹ کر لان کے دوسرے گوشے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ اس لمحے یہاں ایک پل ٹھہرنا اپنی ہتک محسوس کر رہی تھی۔

+++

''آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟'' شہزاد جمال اس کے ہاتھ سے پھولوں کا گلدستہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کا لہجہ تشکر آمیز قطعی نہیں تھا۔

''اس میں زحمت کی کیا بات ہے۔ میں تو آپ کی کولیگ ہونے کے ناطے یہ اخلاقی فرض نبھانے آئی ہوں۔'' اس نے اپنی خوبصورت آواز میں رسان سے کہا تو پیچھے کھڑے احسن کو اس لمحے شہزاد جمال پر رشک آ گیا۔

اسے قلق ہونے لگا کہ وہ شہزاد کی جگہ کیوں نہیں ہے۔ یونیورسٹی کی حسین ترین لڑکی سے عیادت کا شرف حاصل کرتا، وہ اس کے قریب بیٹھی اپنے مرمریں ہاتھوں سے اسے گلدستہ پیش کر رہی تھی۔

شہزاد جمال نے اس کے ہاتھ سے گلدستہ لے کر سرہانے رکھ لیا۔ پھر نہایت برا منہ

Marfat.com

بناتے ہوئے بولا۔

''سراج کیانی سے تو میں خوب نمٹوں گا۔ آپ بھی تو ان کی ہی پارٹی کی بلکہ سیکرٹری ہیں۔ چاہوں تو آپ کو بھی خوب کھری کھری سناؤں......مگر......''

''نہیں، یہ حرکت ہماری تنظیم کے کسی رکن کی طرف سے نہیں کی گئی۔'' اس نے جلدی سے اس الزام کی نفی کی۔ حالانکہ شہزاد جمال سچ کہہ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی مگر وہ اپنی تنظیم کی عزت کے یوں بخئے نہیں ادھڑوا سکتی تھی۔ وہ خاموش رہ کر بھی اپنے آپ کو غدار محسوس کرتی تھی۔

''چہ......خوب......آپ کے کہنے یا نہ کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں، سارے ہی......''

''باشعور اسٹوڈنٹس ــــــــ!'' اشمل خان اندر آ گیا۔ اتنا سفید جھوٹ، وہ ہشمینہ ابرار کے منہ سے سن کر بھڑک ہی اٹھا تھا۔

اس مانوس آواز پر وہ پلٹی تو ان دونوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سٹپٹا گئی۔

''یہی تھا نا آپ کا منشور، کہ مقابل کے جلسے کو ناکام بنانے کی کوشش، ماحول میں کھنچاؤ پیدا کرنا، اپنے آپ کو آگے بڑھانے کے لئے غلط طریقہ اختیار کرنا، بدامنی پھیلا کر امن کے نعرے بلند کر کے خود کو ایکسپوز کرنا۔'' وہ جیسے بھرا بیٹھا تھا۔ سارا غصہ، ساری جھنجلاہٹ اس پر انڈیل دی۔

''شٹ یور ماؤتھ مسٹر اشمل خان! میں غلط بات برداشت نہیں کر سکتی۔'' ہشمینہ کا چہرہ اس تذلیل پر سرخ ہو گیا۔

''سچ برداشت نہیں کر سکتیں، مگر جھوٹ تو دھڑلے سے بولتی ہیں۔ یہی ہے نا آپ کے دلیر لیڈر کی دلیری۔ ایسے ہی جری لیڈر کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے نا۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھیں ناخوش آئند تاثرات لئے اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

اس ہتک نے اسے آتشیں کر دیا۔

اس کی تذلیل کرنے والا، اسے آنکھیں دکھانے والا آج تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ ناز و نعم میں پلی ہشمینہ ابرار کی کٹورہ آنکھیں سلگ اٹھیں۔

''آپ اپنی پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے آپ کو مثال پیش کر کے کیا پاتے ہیں اور کیا دیتے ہیں؟ یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' اس نے تلخی سے اشمل خان کو دیکھتے ہوئے کہا اور پیر پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔

Marfat.com

اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔ اس ہتک آمیز رویے پر وہ برافروختہ سی اپنی گاڑی میں آبیٹھی۔

احسن نے دریچے سے جھانک کر اس کی گاڑی کو پورچ سے نکلتے دیکھا۔ پھر اشمل خان کی طرف متاسف نگاہوں سے دیکھا۔

''بہت برا کیا اشمل! کہیں راستے میں ہی گڑبڑ نہ ہو جائے۔'' اس نے جس تیزی سے گاڑی ہسپتال کے پورچ سے نکالی تھی، احسن کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

''تمہیں اس سے بے حد ہمدردی ہے تو جاؤ، دوڑو اس کے پیچھے۔'' اس نے احسن کو نہایت تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دبنگ لہجے میں ڈانٹا تو احسن کھسیا کر ہنس پڑا۔

''دوڑ تو لگا دوں، بشرطیکہ وہ مجھے درخورِ اعتنا سمجھے۔'' وہ اول نمبر کا ڈھیٹ تھا۔ شہزاد جمال کو ہنسی آ گئی۔

''تمہاری منگیتر ہی اس قابل تمہیں سمجھ لے تو بہت ہے تمہارے لئے۔'' اس نے اس کی دکھتی رگ چھیڑ دی۔

''آہ...... یہ کیا زخم تازہ کر دیا یار تم نے۔'' اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر چہرے پر نہایت حزن طاری کرتے ہوئے ایک سرد آہ بھری تو اشمل نے اسے گھور کر دیکھا پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کڑے لہجے میں بولا۔

''بے موقع اور بے وقت بھی اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو ـــــــ شاباش ہے تم پر۔''

''ارے یہ تو میرے خون میں گردش کرتی ہے۔ یہ فنکاری تو میرے بائیں ہاتھ کا کمال ہے۔''

احسن اس کی ناخوشگواری کو واضح محسوس کرنے کے باوجود اسے چھیڑنے سے باز نہ رہا۔

''یاد ہے تمہیں، پچھلے سال فنکشن میں، میں نے اداکاری کے جوہر دکھائے تھے۔''

''ہاں، اس کے باوجود تم پرائز سے محروم رہے تھے۔'' شہزاد جمال نے برجستہ کہا تو اشمل اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔ احسن جل گیا۔ اس نے شہزاد کو تیوری چڑھا کر دیکھا۔

''تمہیں یہ بے موقع میری ناکامیاں ہی یاد آتی ہیں۔ اب تم نے بکواس کی نا تو میں تمہاری دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گا۔'' اس نے مکا بنا کر دکھاتے ہوئے کہا تو شہزاد سہم گیا۔

+++

Marfat.com

وہ گاڑی کو غصے میں اڑائے جا رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر سراج کیانی پر غصہ آ رہا تھا۔ جس کی غلط حرکت کی وجہ سے آج اسے اشمل خان کا اتنا تضحیک آمیز رویہ سہنا پڑا تھا اور اس پر وہ ایک لفظ بھی نہ بول پائی تھی۔ اپنا غبار بھی نہ نکال سکی تھی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"اف...... اتنی سبکی۔ کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور شخص ہوتا تو وہ اس کا چہرہ بگاڑ کر رکھ دیتی۔ مگر یہ اشمل خان......" اس نے دانتوں تلے لب دبا لئے۔ اس کا دراز وجود تصور میں لا کر اس نے اسے ڈھیروں صلواتیں دے ڈالیں۔

گھر میں داخل ہوئی تو بھابی ملازمہ کے ساتھ لنچ کی میز سجا رہی تھیں۔ اشناس بھائی سائڈ صوفے پر بیٹھے فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھے۔ امی ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ سب کو نظرانداز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

بھابی اس کے اس نئے انداز پر چونکیں۔ ملازمہ صفیہ بھی مسکرائی۔

"لگتا ہے چھوٹی بی بی خفا ہیں کسی سے۔"

"ہاں لگتا تو ایسا ہی ہے۔" بھابی نے سر ہلا دیا۔ "اب تو کھانا بھی نہیں کھائے گی امی کی لاڈلی صاحبہ۔"

بھابی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس نے کھانے سے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے تکیہ بغل میں بھینچ کر بیڈ پر ترچھی لیٹ کر دوٹوک انداز میں انکار کر دیا۔

"کوئی تو وجہ ہوگی؟" بھابی اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں ہے۔ بہت بڑی وجہ اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں بغیر جواز کے ناراض نہیں ہوتی۔" اس نے تکیے میں منہ دیئے دیئے جواب دیا تو بھابی کو ہنسی آ گئی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی نازک سی کمر پر دھپ مارا اور اس کے شانے کو تقریباً کھینچ کر اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئی بولیں۔

"اس ناراضگی کا کیا جواز ہے یہ بھی بتا دو۔"

"ضروری ہے اسی وقت بتانا۔" اس نے بھنویں اچکائیں۔

"بالکل...... ویسے ابی چونک سے گئے ہیں۔ انہیں بھنک ملی ہے کہ ان کی لاڈلی دختر نیک اختر سیاست میں کچھ کچھ دلچسپی لینے لگی ہے۔"

"کیا کہا؟" وہ سٹپٹا گئی۔ "آپ سے انہوں نے پوچھا ہے؟"

Marfat.com

''ہوں، ہاں۔''

''کیا کیا پوچھا؟'' وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ بھابی اسے متجسس دیکھ کر اکڑنے لگیں۔

''نا نا بتاؤں گی نہیں، پہلے کھانا کھالو۔''

''کھانا تو میں ضرور کھاؤں گی مگر ابھی نہیں۔ بتائیں نا کیا پوچھا ابی نے آپ سے؟''

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے منہ پر بارہ کس غم میں بج رہے ہیں؟'' بھابی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ وہ خود بے چین ہو رہی تھیں۔ اس کی اچانک خفگی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے۔

''آپ تو جانتی ہیں میں بلاوجہ کسی کی کاٹ دار باتیں برداشت نہیں کرسکتی، مگر آج اشمل خان نے میری بے عزتی کی ہے۔'' اسے پھر وہ منظر یاد آگیا تو تن من جل اٹھا۔

''ایں.....کون اشمل خان؟'' بھابی پھر بھول گئیں۔

''اوہو۔ ایک تو آپ کو یاد نہیں رہتا کچھ۔ ابھی صبح ہی تو بتایا تھا تفصیلاً۔'' وہ سلگ اٹھی۔ ''وہ اشمل خان۔ مخالف پارٹی کا لیڈر۔''

''آں ہاں، ہاں یاد آگیا۔'' بھابی جلدی سے بولیں۔ ''ا.....چھا تو پھر......''

''تو پھر کیا، میں اپنے کولیگ کی عیادت کو گئی تھی۔ وہ بھی وہاں آگیا تھا اس نے پارٹی کے حوالے سے مجھے بے حد سخت باتیں سنائیں، میرا تو دل چاہا اسے شوٹ کردوں۔''

''ٹیک اٹ ایزی ڈیئر!'' بھابی اسے مشتعل دیکھ کر مسکرائیں۔ ''سیاست میں آئی ہو تو پھر یہ سب تو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ اور پھر اس کا حق بھی تھا اس نے کچھ غلط نہیں کہا ہوگا۔ ان کے جلسے کو ناکام بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔'' بھابی اَن دیکھے اشمل خان کی پھر حمایت کر بیٹھیں تو اس نے برا سا منہ بنا کر بھابی کو دیکھا۔

''آپ ہر وقت اس کی حمایت کرتی رہتی ہیں۔ نہ اسے دیکھا ہے نہ پرکھا ہے۔''

''بھئی تمہاری باتوں سے ہی اندازہ لگایا ہے کہ وہ شخص اتنا غلط نہیں۔ اچھا اٹھو چلو۔ ورنہ امی، ابی سب کے سامنے تمہیں سو جھوٹ بولنے پڑیں گے۔'' بھابی نے اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے گھسیٹ کر بیڈ کے نیچے اتار دیا۔

''اف توبہ ہے بھابی۔ لگتا ہے پچھلے جنم میں آپ جلاد رہی ہوں گی۔ میرا پٹھا ہی اتار دیا ہے۔'' اس نے ان کے شکنجے سے اپنا بازو چھڑا کر سہلاتے ہوئے بھابی کو گھورا۔ ''کہیں اشناس بھائی کو تو یوں نہیں گھسیٹتیں؟''

''ہشت بدتمیز۔'' بھابی گلنار ہوگئیں۔ ''میری نازک سی جان اور تمہارا بھائی پورا چھ

Marfat.com

فٹ۔ اب تم خود ہی فیصلہ کر سکتی ہو۔" انہوں نے اسے باتھ روم کی طرف دھکیل دیا تو ہشمینہ باتھ روم کا دروازہ تھام کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تو پھر معاملہ الٹ ہوگا، یعنی میرا چھ فٹ کا بھائی آپ کو......"

"میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔" بھابی مصنوعی غصے سے اس کی طرف بڑھیں تو اس نے فوراً باتھ روم کا دروازہ بند کر دیا، بلکہ حفظ ماتقدم کے تحت لاک بھی دبا دیا۔

بذلہ سنج بھابی نے اس کا سارا غصہ رفع دفع کر دیا تھا بلکہ اس کا موڈ فریش کر دیا تھا۔

یونیورسٹی بند ہوگئی تھی۔ اس نے بھابی کے ساتھ مل کر خوب ہنگامہ مچایا اور بھابی کو بھی خوب کمپنی ملی تو مزا آ گیا۔ ان کے یونیورسٹی چلے جانے سے وہ اکیلی ہو جاتی تھیں۔ ایک امی ہوتیں جو زیادہ تر قرآن پڑھتی رہتیں۔ ویسے بھی وہ کم گو تھیں اور ہشمینہ اور بھابی کو بھی اکثر ان کے اونچی آواز سے بولنے پر ڈانٹتیں۔

اشناس بھائی جتنے کم گو تھے بھابی اتنی ہی باتونی تھیں۔ شادی کے شروع کے دنوں میں ہی اشناس بھائی نے کان پکڑ لیے تھے۔ "امی! یہ کیسی لڑکی کو ڈھونڈ کر اٹھا لائی ہیں آپ۔ لفظ خاموشی تو اس کی ڈکشنری میں ہی نہیں ہے۔" ان کا لہجہ اتنا بے چارگی سے پر ہوتا کہ امی مسکرا کر رہ جاتیں۔

"فکر نہ کریں اشناس بھائی! کچھ عرصے بعد آپ کو یہ شکوہ نہیں رہے گا یعنی آپ بھی "باتونے" ہو جائیں گے۔" ہشمینہ ہنس کر کہتی۔

ان کی شادی کو تقریباً دو سال ہونے کو آئے تھے، مگر اشناس بھائی باتونے تو نہ ہوئے ہاں البتہ انہوں نے کم از کم کھل کر مسکرانا سیکھ لیا تھا۔ بھابی کی پرزور محنت کا بس اتنا ہی اثر ہوا تھا۔ بقول بھابی کے "دو سال" میں اتنی بڑی تبدیلی گویا مستقبل میں مزید خوش آئند تبدیلیوں کے امکانات روشن ہیں۔"

آج ابی نے اسے بھابی کے ساتھ کیرم کھیلتے دیکھ کر پکڑ لیا۔

"کیوں بیٹی۔ میں نے سنا ہے تمہاری غیر نصابی سرگرمیاں بڑھ گئی ہیں؟" اس نے صوفے پر بیٹھے ہوئے بغور اسے دیکھا تو وہ اس اچانک حملے پر گڑبڑا گئی۔ اسٹرائیکر بھابی کی طرف بڑھاتے ہوئے ابی کو دیکھا۔

"تم کس تنظیم میں شامل ہو؟"

"ارے نن...... نہیں ابی! یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟" وہ گھبرا کر کھڑی ہوگئی اور ابی کی طرف آ گئی۔ پھر ان کی گردن میں بازو حمائل کرتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

Marfat.com

''ابی! تھوڑی بہت تو سیاست سے دلچسپی رکھنی چاہئے نا۔''

''ہاں، بس اتنی کہ ووٹ دو اچھے بندے کو اور تالیاں بجاؤ۔ اس سے زیادہ نہیں۔''

''اگر یہ تالیاں ہمارے لئے بجیں تو زیادہ اچھا ہے نا ابی!''

''ہشمینہ!'' ابو نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تو میں نے ٹھیک سنا ہے۔'' ان کا لہجہ پریقین ہوگیا۔ وہ گھبرا گئی اور ان کے سامنے آبیٹھی۔

''نہیں ابی۔ میں بھی صرف تماشائی ہوں۔'' اس نے سنبھل کر جھوٹ بول دیا۔ پہلی بار وہ جھوٹ کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اسے خود تاسف ہونے لگا۔ مگر اس کی مجبوری تھی ورنہ اس کے اتنے پیارے ابی اپنی اس لاڈلی بیٹی سے خفا ہو جاتے اور جب تک وہ سیاست کو خیرباد نہ کہہ دیتی وہ اس سے ہم کلام نہ ہوتے۔ وہ باپ کی خفگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ابی کی محبتوں کی تو وہ طلب گار تھی۔ ان کی ایک مشفق نظر اس کے دل میں ڈھیروں طمانیت سرایت کر جاتی تھی۔

''دیکھو بیٹا۔ تم یہ اچھی طرح جانتی ہو ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو اتنی آزادی نہیں ملی۔ تم واحد لڑکی ہو جس کی ضد پر میں جھکا ہوں۔ پورے اعتماد کے ساتھ تمہیں یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوایا ہے۔''

''میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی ابی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے...... اور وعدہ رہے گا۔'' اس نے ابی کے دونوں ہاتھ تھام کر کہا۔ ''میں جانتی ہوں ابی! آپ نے میری خاطر سب کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کی ہیں۔ بڑے اُکا کی خفگی مول لی ہے۔ امی نے صبغت ماموں کی باتیں سنی ہیں۔ میں آپ کی بہت احسان مند ہوں۔'' اس کے لہجے میں ابی کے لئے محبت اور ڈھیروں تشکر تھا۔

''یہ دنیا بہت خراب ہے بیٹی! خاندان والوں کی باتیں بھی اپنی جگہ کسی حد تک درست ہیں۔ قدم قدم پر پریشانیاں منہ کھولے کھڑی ہیں۔ تم ابھی ناسمجھ ہو۔''

''آپ تو کہتے ہیں میں بہت سمجھدار ہوں۔'' وہ شرارت سے ہنسی تو ابی مسکرا پڑے۔

''ہاں۔ وہ تو ہو تم۔''

''آپ پر جو گئی ہوں۔'' وہ لاڈ سے بولی اور ابی کے شانے پر سر ٹکا کر بھابی کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''بہت چالاک بھی ہو۔'' آنکھوں آنکھوں میں انہوں نے کہا تو وہ ابی سے نظریں بچا کر وکٹری کا نشان بنا کر انہیں دکھا کر ہنس پڑی۔

Marfat.com

+++

وہ نہا کر باتھ روم سے نکلی تو اس کے کمرے میں رکھے فون کی گھنٹی چیخ رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو ریحان اسپیکنگ۔'' دوسری سمت ریحان پراچہ کی آواز ابھری۔

''گڈ مارننگ۔''

''مارننگ۔'' اس نے بے ساختہ وال کلاک کی طرف دیکھا۔ پورے دس بج کر تیس منٹ ہوئے تھے۔ دریچے سے سورج کی گرم نرم روشنی ٹکرا رہی تھی۔ اس نے ناشتہ بھی کرلیا تھا اور اب ریحان پراچہ کی مارننگ ہوئی تھی۔ اسے ہنسی آ گئی، مگر لہجہ تیز رکھتے ہوئے بولی۔

''مارننگ نہیں رہی اب۔''

''اچھا...... مگر میرے لئے تو مارننگ ہی ہوئی ہے ابھی۔'' اس نے بیڈ پر لیٹے لیٹے جمائی لی اور پھر کروٹ بدلی۔ ''یونیورسٹی بند ہے نا سو اپنی مارننگ اسی وقت ہوتی ہے۔''

''اتنی مارننگ فون کرنے کی وجہ۔'' اسے کچھ اچھا نہیں لگا تھا ریحان پراچہ کا اس طرح فون کرنا۔ وہ پہلی بار فون پر اس سے بات کر رہی تھی۔ اسے سخت ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔

''میں فون نہ کرتا مگر باعث مجبوری۔'' وہ اس کے لہجے میں چھپی ناگواری کو شاید محسوس کر گیا تھا۔ لہجہ بدل کر دھیرے سے بولا۔

''میٹنگ کی اطلاع دینی تھی۔''

''میٹنگ؟ مگر ابھی تو یونیورسٹی بند ہے۔''

''ہاں اور فی الحال کھلنے کے کوئی چانسز بھی نہیں ہیں۔''

''اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے ـــــ میں نے خود سراج کیانی کو ـــــ'' وہ جو کب سے دل میں بھڑاس چھپائے بیٹھی تھی، اسے موقع مل گیا تھا نکالنے کا، مگر ریحان پراچہ نے اسے روک دیا۔

''ارے...... رے...... مس ہشمینہ ابرار!...... کیا غضب کر رہی ہیں آپ؟ امن کا خواہشمند اتنی گھٹیا حرکت کرسکتا ہے۔ آپ خود سوچیں ہم تو پاکیزہ ماحول اور پرامن معاشرے کے خوگر ہیں۔''

''ہاں بظاہر تو ہیں ـــــ اگر سراج کیانی نے آپ کے اشارے پر فائرنگ نہیں کی تو کس کے اشارے پر کی تھی؟''

Marfat.com

''نہیں، ہرگز نہیں۔ میں قطعی لاعلم ہوں۔ میں تو کل صبح ہی چلا گیا تھا۔ مجھے تو بعد میں سب علم ہوا۔''

''تو پھر آپ کو تحقیقات تو کرنا چاہئے۔ بہرکیف یہ ہماری تنظیم کی بدنامی کا باعث بنی ہے۔'' وہ سخت برہم ہو چلی تھی۔

''ہاں، آج اس میٹنگ میں اس معاملے کو ڈسکس کریں گے۔'' اس نے نرم تکیے پر سر رکھ کر دھیمے لہجے میں اسے تسلی دی۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں خمار اتر رہا تھا۔ یونیورسٹی کی حسین ترین لڑکی کا تیکھا تیکھا لہجہ، خفا خفا انداز۔

''ٹھیک بارہ بجے تک آپ ہوٹل پہنچ جایئے گا۔'' اس نے یونیورسٹی سے نزدیک ہوٹل کا نام بتایا تو وہ ہچکچا گئی۔

''ہو...... ہوٹل۔ مگر ہم انتظار نہ کرلیں یونیورسٹی آن ہونے تک۔''

''نہیں آج یہ میٹنگ بہت ضروری ہے۔ اچھا اوکے۔'' دوسری طرف فون رکھ دیا گیا۔

وہ سخت جز بز ہوگئی۔

آج تک ساری میٹنگز یونیورسٹی میں ہی انجام پائی تھیں۔ ہوٹل تو وہ صرف ابی کے ساتھ یا اشناس بھائی اور بھابی کے ہمراہ ہی گئی تھی۔

''ٹھیک ہے جانا تو پڑے گا ہی۔ آخر وہ سیکرٹری ہے۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد اسے ہوٹل پہنچنا تھا۔

بھابی سے وہ صوبیہ کے ہاں جانے کا بہانہ کر کے نکل آئی۔ سادہ سے آسمانی سوٹ اور سیاہ چادر میں وہ اپنی تمام تر سادگی کے ساتھ آئی تھی۔

یونیورسٹی میں وہ عموماً سادگی کو ہی ملحوظ رکھتی تھی۔ ہلکے رنگ کے کپڑوں اور بڑی سی چادر میں خود کو لپیٹ کر وہ پراعتماد چہرے کے ساتھ کہیں سے بھی گزرتی، دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتیں۔ تنی تنی گردن پر سجے اس شفاف چہرے میں بلا کی جاذبیت تھی۔ تیکھی تیکھی سی سرخ ناک اور بڑی بڑی بھنورا آنکھیں ہر ایک کی نگاہ میں کھب کر رہ جاتیں۔ کتنی ہی گرم گرم نگاہیں اس پر پڑتیں۔ مگر اس کے پختہ کردار کو نہیں ڈگمگا سکی تھیں۔ وہ اپنے حسن سے بے خبر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ذرا تیز رنگ کے کپڑوں اور ہلکے میک اپ اور نازک جیولری میں اس کا حسن آتشیں ہو جاتا ہے۔ ہنگامہ خیز اور شعلہ صفت ہو جاتا ہے مگر...... وہ اپنے اس بے تحاشہ حسن سے کوئی رنگین داستان جنم نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس کا دودھیا چہرہ اور دلکش سراپا زیادہ تر چادر میں ہی چھپا رہتا۔ اس کے باوجود وہ کتنے دلوں کو ہوا دے کر

Marfat.com

گزر جاتی، کتنے ہی دلوں پر قدم رکھتی، انہیں کچلتی مسلتی، گاڑی میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔

اور ان میں سرفہرست ریحان پراچہ کا نام تھا۔

وہ حسن کا پجاری تھا۔

عشق کا بیوپاری تھا۔

اس نے سب سے پہلے اسے سالانہ تقریب میں دیکھا تھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ پہلی بار وہ سیاہ ہلکے کام والے سوٹ میں ملبوس تھی۔ شفاف گردن اور چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ وہ اپنے گروپ کے ساتھ پچھلی رو میں بیٹھی تھی۔ اسے آئے صرف ایک ماہ ہوا تھا۔ گروپ بھی صرف تین لڑکیوں پر مشتمل تھا۔

اس کے شنگرفی لب مسکرائے اور ریحان پراچہ کے دل میں ہلچل مچ گئی۔ تقریب کے اختتام پر وہ تیر کی تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے آ رکا۔ پرکشش چہرے اور ویل ڈریسڈ شخص کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو بوکھلا گئی تھی، مگر پھر اس کا ازلی اعتماد لوٹ آیا، اس نے بہت تیکھی نگاہ سے اسے دیکھا مگر ریحان پراچہ گفتگو کا فن جانتا تھا۔

''میں ینگ جنریشن فیڈریشن کا صدر ہوں۔'' اس نے بہت خوبصورتی سے اپنا تعارف کرایا تو پہلے وہ حیران ہوئی۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں تجسس کی لہریں اٹھیں۔

اسے ہمیشہ سیاست سے دلچسپی رہی تھی اور یہی دلچسپی اسے ریحان پراچہ کی طرف کھینچ لائی۔

اور شاطر ریحان پراچہ اس کی اس دلچسپی کو بہت جلد محسوس کر گیا اور کمال خوبصورتی سے سیاست کی باتوں اور تنظیم کے منشور سے آگاہ کرتا رہا۔ پہلی نظر میں اسے بھی ریحان پراچہ بے حد سلجھا ہوا اور اچھا سیاستدان محسوس ہوا تھا اور اس کا منشور بھی اسے کسی حد تک معقول لگا تھا اور جونہی ریحان پراچہ نے اسے اپنی تنظیم کی رکنیت کی پیشکش کی تو اس نے بغیر حیل و حجت قبول کر لی تھی۔

اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ حسین ترین لڑکی ینگ جنریشن فیڈریشن کی سیکرٹری بن چکی تھی۔ کتنوں کے دلوں میں ریحان پراچہ کے لئے حسد، رشک اور غصے کا جذبہ جاگ اٹھا تھا۔

''اب تو لمبے لمبے سکینڈل بنیں گے۔'' عموماً سب کا یہی خیال تھا۔

مگر بہت جلد لوگوں کو اپنا خیال ترک کرنا پڑا۔

Marfat.com

وہ ریحان پراچہ سے منسلک ان دوسری لڑکیوں سے یکسر مختلف ثابت ہوئی۔ اس کی سادگی۔ اس کے چہرے کا تناؤ اسی طرح قائم رہا۔ وہ اس تنظیم میں شامل کسی بھی ممبر لڑکے سے بے ضرورت بات نہیں کرتی تھی۔ خود ریحان پراچہ سے وہ بہت کم اور ضرورت کے وقت بات کرتی تھی۔

وہ نہ اپنا وقار کھونا چاہتی تھی اور نہ ابی کے اعتماد کو ریزہ ریزہ کرنا چاہتی تھی۔

اس نے اپنی گاڑی ہوٹل کے سامنے روک دی اور سنبھل کر نیچے اتر آئی۔ وہ نسبتاً کونے والی میز پر اس کا منتظر تھا۔ اسے بڑے دروازے سے اندر آتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

''آیئے، آیئے، مس ہشمینہ ابرار۔ آپ تو بہت وقت کی پابند نکلیں۔'' اس نے خوشدلی سے اس کا استقبال کیا۔

ہشمینہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ آج وہ خاصے اہتمام سے سج کر آیا تھا۔ بلیک پینٹ اور سفید شرٹ پر دمکتا سرخ گلاب لگائے ہوئے تھا۔ دائیں طرف کی جیب میں سرخ رومال ہوا کے جھونکے سے جھوم رہا تھا۔ گردن تک بڑھے ہوئے بالوں کو ایک شان بے نیازی سے جھٹکتے ہوئے وہ نگاہوں میں والہانہ چمک لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آیئے بیٹھیے۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

نیلے رنگ کے سوٹ اور سیاہ چادر میں ملبوس وہ پُر اعتمادی سے دھیرے دھیرے چلتی جیسے اس کے دل کی گزرگاہ سے گزر رہی تھی۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹکی۔

''آپ نے کیا سب کو یہی ٹائم دیا تھا۔'' خالی کرسیوں نے اسے یہ سوال پوچھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بے حد سکون سے اس کے عین سامنے چیئر پر براجمان ہو گیا۔

''ارے تم بیٹھو تو سہی۔'' وہ اچانک ''آپ'' سے ''تم'' پر آ گیا۔ ہشمینہ کو سخت اچنبھا لگا۔

''دراصل یہ میٹنگ صرف ہم دونوں کے درمیان ہو گی۔''

''واٹ۔'' وہ کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے ایک بار پھر کھڑی ہو گئی۔ اس نے نظر میں تحیر بھر کر ریحان پراچہ کو دیکھا جہاں ایک عجیب لاپرواہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

''ہم دونوں کے درمیان کیوں؟''

''اس لئے کہ تم سیکرٹری ہو اور میں صدر ___ میرا مطلب ہے تنظیم کا صدر۔'' اس نے میز کی سطح پر انگلیاں پھیرتے ہوئے زیرلب مسکراہٹ بکھیر کر بے حد اطمینان سے کہا اور ہشمینہ ابرار اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی۔ اسے لگا جیسے ریحان پراچہ نے اس کے سر پر

Marfat.com

ڈھیروں پتھر لڑھکا دیے ہوں۔ اس نے ریحان پراچہ کو بہت غور سے دیکھا۔ اس پر بہت کچھ آشکار ہونے لگا۔ اس کا اتنے اہتمام سے تیار ہونا، یہ انوکھی مسکراہٹ، نگاہوں کی والہانہ چمک اسے بہت کچھ سمجھا گئی۔

''آپ جو کچھ مجھے یہاں کہنا چاہتے ہیں وہ فون پر بھی کہہ سکتے تھے، یہاں مجھے کیوں بلوایا ہے جھوٹ بول کر۔'' وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھی۔ وہ کسی کو اتنی اجازت کیسے دے دیتی کہ کوئی اس کے اعتماد سے کھیلے۔ اس کے ساتھ اتنی بھونڈی حرکت کرے۔

''ارے نہیں نہیں۔ پلیز کوئی غلط مطلب مت نکالنا۔ یوں سمجھو میں نے تمہارے ساتھ چھوٹا سا مذاق کیا ہے۔'' وہ گھبرا گیا اور جلدی ہی لہجہ بدل کر سیدھے لہجے میں بولا تو وہ تلملا اُٹھی۔

''یہ مذاق کا کون سا وقت اور کون سا طریقہ ہے؟''

''وہ...... اپریل کا مہینہ ہے ناں، سوچا اپریل فول منانا چاہیے۔'' وہ بات کو سنبھالنے کے لئے بھونڈے انداز میں ہنسا۔

''مسٹر ریحان صاحب! یہ مہینہ اپریل کا نہیں اکتوبر کا ہے۔'' وہ استہزائیہ ہنسی۔

''اوہ...... اچھا۔'' وہ کھسیا گیا اور کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''اور ویسے بھی میرا آپ سے مذاق کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں ایسی حرکتیں سخت ناپسند کرتی ہوں۔'' وہ جانے کے لئے سیدھی کھڑی ہو گئی۔

ریحان پراچہ کی اس اوچھی حرکت پہ وہ برافروختہ ہو گئی تھی اور ادھر ریحان پراچہ اس سچوایشن کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہشمینہ ابرار اسے محض مذاق سمجھ کر ضرور انجوائے کرے گی۔ اگر خفا بھی ہوئی تو وہ اسے منا لے گا۔ مگر یہاں تو ''الٹی ہو گئیں سب تدبیریں'' والا معاملہ ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

''پلیز اب آپ آ ہی گئی ہیں تو لنچ کر لیں۔ ایک دوست سمجھ کر۔'' وہ ایک دم سیدھا ہو گیا۔ چہرے پر سارے جہاں کی معصومیت سجا کر اسے ملتجی نگاہوں سے دیکھا۔

''جی نہیں شکریہ۔ میں لنچ اپنی فیملی کے ساتھ کرنا پسند کرتی ہوں۔ خدا حافظ۔ وہ پرس بغل میں دبا کر میزوں کے درمیان سے گزرتی ہوٹل کے بڑے سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اور وہ اپنی جگہ کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ اس کا خون کھول اٹھا۔

''یہ لڑکی شاید اپنے بے تحاشا حسن پر گھمنڈ کرتی ہے۔'' اس کی نگاہیں شعلہ ہو گئیں۔ مگر

Marfat.com

پھر جلد ہی اس نے کچھ سوچ کر اپنی حالت پر بہ وقت قابو پایا۔
ابھی تو اسے الیکشن تک اس لڑکی سے ہر حال میں بہتر رویہ رکھنا تھا۔ آج اپنی اس حرکت پر وہ خود کو ملامت کرنے لگا۔ اپنی اس جلد بازی پر سر پیٹ کر رہ گیا۔ وہ کسی طرح بھی اس کا اعتبار کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ہشمینہ ابرار اس کے لئے فتح کا روشن مینار تھی۔ وہ جب سے اس کے لئے سرگرم عمل ہوئی تھی، اس کا گرا ہوا گراف اونچا ہونے لگا تھا۔
کئی سٹوڈنٹس محض ہشمینہ ابرار کی سحر انگیز شخصیت کی چاہت میں اس کی پارٹی کو ووٹ دینے کو تیار تھے اور کئی اسٹوڈنٹس اس کی پارسائی پر یقین رکھتے ہوئے اپنا قیمتی ووٹ دینے کا تہیہ کر بیٹھے تھے۔ وہ اسے برافروختہ کرنا قطعی نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کا خواہش مند تھا۔
اپنی فتح کے بعد وہ اسے بھی اپنی منزل بنانا چاہتا تھا۔
اس کے لب مسکرائے ـــــ وہ غصہ سے تمتماتا ہوا چہرہ ابھی تک نگاہوں میں گردش کر رہا تھا۔

ہرگز نہ قدم روک کہ یہ دور کی منزل
نکلے گی کسی روز اسی گرد سفر سے

اس نے گنگنا کر شعر پڑھا، گویا خود کو تسلی دی۔ پھر مسکراتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

+++

شاہ خانم نے آج کئی دنوں بعد اپنی خواب گاہ کا وہ دریچہ کھولا تھا جس سے بغلی لان، پورچ اور انیکسی کا وہ شفاف براق دروازہ صاف نظر آتا تھا۔ دریچہ کھولتے ہی ان کی نگاہ سفید گرل پر جم گئی جہاں گرد کی باریک تہہ جمی ہوئی تھی۔ ان کی ستواں ناک کے نتھنے پھول گئے۔
''خیزراں!'' انہوں نے پلٹ کر پاٹ دار آواز میں خیزراں کو بلایا تو وہ ان کی پہلی ہی آواز کے ساتھ کمرے میں آموجود ہوئی۔
''ج۔۔۔۔۔۔ جی، شاہ خانم!'' وہ ادب سے کھڑی ہوگئی۔
''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے گرل پر نخوت سے انگلی پھیری اور پھر کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔ ''اگر یہ دریچہ بند کر دیا گیا تو اسے صاف کرنا کیا ممنوع ہے؟''
''نن۔۔۔۔۔۔ نہیں جی۔ وہ بھول گئی ہوگی نوراں مم۔۔۔۔۔۔ میں ابھی خود صاف کر دیتی ہوں۔'' وہ بری طرح سہم گئی اور تیزی سے پلٹی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے دریچے کو چمکا دیا تھا۔

Marfat.com

"بس اب جائیے ـــــ اور ہاں دروازہ بند کر کے جانا۔" شاہ خانم دریچے کے پاس رکھی کرسی پر براجمان ہوگئیں۔

خیزراں کے جانے کے بعد انہوں نے دریچے کے باہر نظر آتے سرسبز لان پر اپنی نگاہیں جمادیں۔

دن اپنے عروج پر تھا مگر سرمئی آسمان نے سورج کی تپش چھین لی تھی۔ گہرے سیاہ بادل یہاں وہاں اٹھکیلیاں کر رہے تھے جیسے برسنے کو مچل رہے تھے۔

خنک خنک ہوائیں ہولے ہولے سیٹیاں بجا رہی تھیں۔

معاً کھڑ پڑ کی آواز پر ان کی نگاہیں پورچ کی سمت اٹھیں، جہاں سے سیاہ جیپ داخل ہو کر رک چکی تھی۔

ذولین باہر نکلا۔ براؤن پینٹ اور آف وہائٹ شرٹ پر خاکستری جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اس کا مضبوط وجود اپنے حسین ترین سراپے کے ساتھ ان کے سامنے تھا۔ وہ پہلی بار نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکائے، اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں پوری کھلی تھیں۔ وہ انہیں بالکل فیروز خان کی شبیہ محسوس ہوا۔

یکلخت کسی احساس کے تحت ان کی آنکھیں سلگ اٹھیں۔ نفرت کی آگ ان کے اندر سے لہروں کی طرح اٹھی جو پورے وجود پر پھیل گئی۔

'تم اگر فیروز خان کے بیٹے نہ ہوتے تو میں تمہارے حسن، تمہاری قابلیت، تمہاری ذہانت کو ضرور سراہتی۔'

ان کے سینے میں ہوک سی اٹھی ـــــ دل کی دیواروں سے نفرت کے ساتھ لہو رسنے لگا۔

فیروز خان اس کا جیٹھ، جس نے اس کی معصوم بہن پر ایسا ستم توڑا تھا کہ وہ شمع کی مانند قطرہ قطرہ پگھل کر ختم ہوگئی تھی۔

وہ رات، وہ خوفناک رات انہیں آج بھی یاد تھی، جب وسیع بیڈ پر گلناز کا نازک وجود موت و زندگی کی کشمکش میں تھا۔ وہ اس کے سرہانے بیٹھی اس کے سرد ہاتھ تھامے رو رہی تھیں۔ اس کی سانسوں کی لڑی یوں ٹوٹ ٹوٹ کر جڑ رہی تھی کہ اس تک پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر ہوئی تو اس کی زندگی کا ساز ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گا۔

وہ آنکھیں بند تھیں جن میں کبھی بہت رُو پہلے خواب مچلتے تھے اور آج ایک پھیکا رنگ ان میں سمٹ آیا تھا۔ وہ پلکیں لرز رہی تھیں موت کو پیچھے دھکیل رہی تھیں مگر......

"آ......آپی۔" وہ اس کی سمت جھکی اور پھر دہشت سے پیچھے ہٹ گئی۔ وہ نحیف

Marfat.com

وجود تو اپنی سانسیں پوری کر چکا تھا۔ تڑپتی بے قرار روح اس نازک سراپے کا ساتھ ایک لمحے میں چھوڑ کر آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر گئی تھی۔

''نہیں...... نہیں۔'' وہ موت کو اتنے قریب سے دیکھ کر لرز اٹھیں۔ اپنی عزیز از جان بہن کو یوں ہمیشہ کے لئے خود سے بچھڑتا دیکھ کر دہشت زدہ ہو کر چلا اٹھیں۔

''آہ ـــــ فیروز خان۔ میں آج بھی تمہیں ہی الزام دوں گی۔'' انہوں نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ گرم گرم آنسوؤں سے ان کا چہرہ بھیگنے لگا۔ وہ ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

Marfat.com

بی بی جان کے سب سے بڑے بیٹے فیروز خان نے تین ماہ پرانی منگنی یکلخت ہی توڑ دی تھی ـــــ اس نے گلناز کو کبھی اس انداز سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ بی بی جان کے بے حد اصرار پر نہ جانے کیسے اُس نے چپ سادھ لی تھی اور سر جھکا کر اپنی رضامندی دے دی تھی۔

مرحوم آغا جی کے عزیز دوست احمد یار کی امیر ترین، شہر سے پڑھی لکھی، حسین بیٹیاں اس حویلی کے دونوں لڑکوں سے ایک ساتھ منسوب ہوئیں تو بی بی جان بے طرح خوش تھیں۔ شاہ بانو اور گلناز ہیرا تھیں جس سے ان کی حویلی یقیناً جگمگا اُٹھے گی۔

مہروز خان کو پہلے بھی انکار نہیں تھا اور نہ اب تھا۔ مگر فیروز خان کے اس اچانک انکار پر وہ سب بھونچکا رہ گئے۔ حویلی میں بھونچال سا آ گیا تھا۔ بی بی جان کا وجود تھرا اُٹھا۔

فیروز خان ساری عمر سمجھوتے کی چادر پہن کر زندگی گزارنے کے سخت خلاف تھا۔ وہ بی بی جان کے اُٹھے ہوئے سر کو جھکانے کا ارادہ قطعی نہیں رکھتا تھا۔ ان کی عزت پر کوئی چھینٹے نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر ساری عمر منافقت اور جھوٹی زندگی گزارنے سے اسے نفرت تھی۔ شدید نفرت۔

دل و روح جب کسی اور کی امانت ہو جائیں تو خالی جسم کسی کو سونپ دینا منافقت بھی ہے اور حماقت بھی۔ جب بند آنکھوں میں کسی اور کی شبیہہ لہرا رہی ہو تو آنکھوں سے کوئی اور چہرہ جس سے رغبت بھی نہ ہو اور محبت بھی نہ ہو دیکھتے رہنا سوہانِ روح ہی تو ہے۔

وادی کے اُس خوبرو اور حسین ترین شخص کا دل، اُس کی آنکھیں، اُس کے خواب تو کسی اور کی ہی امانت تھے۔

اُس کی سبز آنکھوں میں زرتاشہ کے نام کے رنگین اور خوش کن سپنے ہولے ہولے تیر رہے تھے۔

وہ ان سپنوں کو نوچ دینا نہیں چاہتا تھا۔ یہی تو اس کی زندگی تھے۔

متوسط طبقے کے شہریار سے اس کی دوستی بہت پرانی تھی۔ دولت کا اتنا گہرا فرق بھی

Marfat.com

ان کے درمیان حائل نہیں ہوا تھا۔ شہر میں ایک ساتھ پڑھے تھے، ذہنی ہم آہنگی اور پُرخلوص جذبوں نے دونوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ وہ دن میں ایک بار اُس سے ضرور ملتا تھا۔ اکثر فیروز خان ہی اُس کے گھر آتا تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا اور کچا صحن جس میں لگی چنبیلی کی باڑھ اپنی بہار دکھاتی رہتی تھی۔ اس کے سفید سفید پھول چہار سُو اپنی خوشبو پھیلائے رکھتے۔ کنارے لگی انگور کی بیلیں جن میں لگے سبز انگور وہ اکثر توڑ توڑ کر کھاتا اور شہریار سے ڈھیروں باتیں کرتا۔ کبھی شہری زندگی کی، کبھی وادی کی تو کبھی سیاست پر بھرپور اور گرما گرم بحث۔ ایسے میں اماں کے ہاتھوں کی گرما گرم مکئی کی روٹی وہ ضرور کھاتا تھا۔ اُس دن بھی وہ اماں کو پکارتا صحن میں چلا آیا۔ مگر پھر ٹھٹک گیا۔ چنبیلی کی باڑھ کے پاس اتنا حسین چہرہ، اتنا معصوم حُسن —— وہ گلاب صورت اور ستارہ آنکھوں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ مگر وہ اُسے فقط چند لمحوں کے لئے دیکھ سکا۔ وہ گھبرائی ہوئی ہرنی کی طرح اُسے دیکھتی اندر بھاگی۔ سیاہ دوپٹہ چنبیلی کی باڑھ میں ہی اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

'کون تھی یہ ——؟' اُس کے ذہن میں پہلا سوال یہی اُبھرا۔

'ہاں —— شاید زرتاشہ۔' اُس نے اماں کے منہ سے صرف اس کا نام ہی سنا تھا۔ مگر آج وہ پری چہرہ اس کی نگاہوں کو خیرہ کر گیا۔

اتنا معصوم حُسن، اتنا نمکین چہرہ اُس نے مدت سے نہیں دیکھا تھا۔ اُس پر ایک عجیب سا نشہ طاری ہو گیا۔

'کیا اب وہ اس چہرے کو دوبارہ دیکھ پائے گا؟' بے ساختہ اس کے دل میں خواہش مچل اٹھی۔ وہ خوفزدہ ہو گیا اس خواہش پر۔ اُس کی کشادہ پیشانی جلنے لگی۔ آنکھوں کے سامنے تتلیاں ناچنے لگیں۔

رات کو بی بی جان نے اس کو یہ خبر سنائی کہ وہ گلناز سے اس کی بات طے کر آئی ہیں اور شاہ بانو سے مہروز کی تو وہ بے چین ہو گیا۔ نگاہوں میں بے ساختہ وہ معصوم چہرہ گھوم گیا۔

''اتنی جلدی کیا ہے بی بی جان؟'' اس کے منہ سے بہت آہستگی سے جملہ پھسلا جسے بی بی جان قطعی نہ سن سکیں۔ وہ تو گلناز کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی تھیں۔ مگر نہ جانے کیوں اُسے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ کوئی جذبہ نہ اُبھرا۔

نہ دل دھڑکا —— نہ رنگ چھلکا۔
بس ایک عجیب سا بوجھ دل پر آن گرا۔
وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

Marfat.com

اُس نے سرسری طور پر گلناز کو دیکھا تھا۔ پردے کی اوٹ میں جھانکتے ہوئے۔ مکمل شعلہ تھی۔ مگر اُس کا دل اس حرارت سے نہ پگھلا۔

اُس کی لاڈلی بہن گل بی بی، جان بوجھ کر اُسے لائی تھی، دوستی کا بہانہ بنا کر تا کہ اس کا بھائی چپکے سے دیکھ لے۔ اُس کی یہ کوشش ناکام تو نہ ہوئی مگر کامیابی کی وہ سند بھی نہ پا سکی جس کی وہ خواہاں تھی۔

''لالہ! کیسی ہے گلناز؟'' وہ چپکے سے کمرے میں آ گئی اور داد وصول کرنی چاہی۔ کیونکہ بی بی جان کے ساتھ اس کی بھی پسند شامل تھی۔

''میں نے نہیں دیکھا۔'' اُس نے صاف جھوٹ بول دیا۔ اُس کا چہرہ اتنا سنجیدہ اور سپاٹ تھا کہ گل بی بی کوئی مذاق بھی نہ کر سکی اور نہ جرح۔ حالانکہ وہ خود دیکھ چکی تھی کہ فیروز خان کے دریچے سے اُس نے بہت غور سے دیکھا تھا اور گلناز نے بھی فیروز خان کو دیکھ کر شرما کر رُخ موڑ لیا تھا۔

وہ اُسے دوسری بار نظر آ ہی گئی۔ اپنی کے ساتھ چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی۔ گرم گرم بھاپ اس کے چہرے کو سرخ کر رہی تھی۔ بڑی بڑی آہو چشم پر تھرکتی لانبی پلکیں اُٹھاتی جھکاتی وہ اپنی سے باتیں کرتی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ اچانک اپنی اُٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ اب وہ اکیلی تھی۔

سرخ پشواز میں اس کا مدھم مدھم لَو دیتا حُسن فیروز خان کے قلب و نگاہ کو بے قرار کر گیا۔۔۔۔ شاداب حُسن اُس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔

اچانک اس کا دایاں رخسار کسی کی نگاہوں کی تپش سے دہک اُٹھا تو اس نے رُخ موڑ کر دیکھا تو پلکیں تھم گئیں۔

ایک لمحے کے لئے ساری کائنات کی گردش رک گئی۔

وقت کی نبضیں ٹھہر سی گئیں۔

وہی آنکھیں جو ساری رات اُسے بے قرار کئے رکھتی تھیں، اس کے سامنے تھیں۔

ایسے گہرے گہرے ساگر! اُس کے دل کا سفینہ ڈوب کر رہ گیا۔

محویت کا یہ عالم جانے کتنی دیر رہا۔ وہ ایک دم چونکی۔

''آ...... آپ...... شہریار لالہ تو گھر پر نہیں ہیں۔'' خوبصورت، موسیقی سے بھی زیادہ مترنم آواز میں وہ بولی تو فیروز خان کی سماعت پر جیسے ایک ساتھ ڈھیروں نرمیاں اُتر آئیں۔

Marfat.com

وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا تھا، کسی کے دیکھ لینے کا۔ اپنے من کے چور کا۔ فیروز خان کی نگاہوں کی محویت کا۔

وہ اب بھی اپنی نگاہیں اُسی پر مرکوز کئے ہوئے تھا۔ اچانک اُسے احساس ہو گیا تو بولا۔

''اوہ...... اچھا، میں سمجھا اس وقت شاید وہ گھر پر ہو گا۔'' اس نے جلدی سے نگاہیں پھیر لیں۔ ''وہ آئے تو اُسے کہہ دیجئے گا فیروز آیا تھا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی بہکی بہکی نگاہیں ایک بار پھر اُس حسین مجسمے پر جا پڑیں جو لمبی لمبی پلکوں کو اُٹھائے اپنی خوبصورت آنکھیں اس کی جانب سے ہٹا کر سامنے دیوار کو بے مقصد گھور رہی تھیں۔ دوپٹہ اُس نے کھینچ کر چہرے پر ڈال لیا تھا۔

''سنیے۔۔۔'' اُسے پلٹتے دیکھ کر اچانک وہ بول اٹھی۔ اس مترنم آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیئے۔ وہ پلٹا۔

''جی۔۔۔؟''

''کیا آپ واقعی شہریار لالہ کے لئے آئے تھے؟'' اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔ نہ شرارت آمیز، نہ تلخ۔ وہ مسکرا دیا۔ گویا چوری پکڑی گئی تھی۔

''اگر میں کہوں کہ نہیں تو؟'' وہ ایڑیوں کے بل اُس کی سمت گھوم گیا۔ اور وہ جو اس جملے کے لئے قطعی تیار نہ تھی، لانبی لانبی پلکیں جھپک کر رہ گئی۔

''کیا آپ نے جان لیا ہے کہ میں یہاں کیوں آتا ہوں؟'' اس کا لہجہ بظاہر سنجیدہ تھا مگر عام دنوں سے یکسر مختلف۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی۔

اُسے تو گمان تک نہ تھا کہ یہ نوجوان یوں اچانک براہ راست آج اس سے مخاطب ہو جائے گا۔ اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ چہرے پر شفق پھیل گئی۔ وہ بولتی آنکھیں اتنی دُور ہونے کے باوجود اُس پر سحر طاری کر رہی تھیں۔

''جج..... جی ..... پپ...... پتہ نہیں۔'' اس کی آواز بے حد دھیمی اور بے ربط سی ہو گئی۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر کوئی راہ سوجھ نہیں رہی تھی۔ سامنے کمرے میں امی ابھی گئی تھیں۔ اُس کے یوں بھاگ کر جانے پر یقیناً چونکتیں۔ جب کہ دوسرے کمرے کے دروازے پر وہ خود پھیل کر کھڑا تھا۔

وہ خود کو ملامت کرنے لگی۔ بھلا کیا ضرورت تھی اُسے جاتے جاتے روک لینے کی۔ یہ تو دل میں دبی چنگاری کو ہوا ہی دینا ہوا۔

''پھر آپ نے یہ سوال کیوں پوچھا؟'' وہ اُس سے پوچھ رہا تھا۔

Marfat.com

ٹھنڈے ٹھنڈے پسینے کی لہریں اُس کی گلابی ہتھیلیوں سے بہنے لگیں۔ وہ خاموش رہی۔ جواب دے کر کوئی اور سوال سننے سے گریزاں رہی۔

وہ چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر اُسے پریشان دیکھ کر پلٹا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنے اندر ایک تازگی سی اُترتی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر کوئی لفظ ساتھ ہی نہ دے سکا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ اُس کی آنکھیں وہ سب کچھ کہہ رہی تھیں جو وہ سننا چاہتا تھا۔

وہ اپنے دل کا لفظ لفظ اُس کے سرخ چہرے اور تھرکتی پلکوں میں پڑھ چکا تھا۔

کیا محبت اتنی جلدی راستہ بنا لیتی ہے؟

اگر محبت شعوری عمل ہوتا تو وہ یقیناً گلناز سے ہی محبت کرتا۔ مگر محبت تو ایک دفعتہً حملہ ہوتا ہے جو نہ جانے کون کر دے اور کب کر دے۔ سارے ہتھیار، سارے بچاؤ کے طریقے بے کار ثابت ہو جاتے ہیں۔

یہی کچھ فیروز خان کے ساتھ ہوا تھا۔ ایسا ہی ایک اچانک حملہ زرتاشہ کی ذات نے اُس پر کر دیا تھا کہ وہ بچاؤ کے کوئی ہتھیار استعمال نہ کر سکا۔ وہ تو بہت لاپرواہ اور خود میں مگن رہنے والا انسان تھا۔ مگر اب اُسے ہر طرف، ہر شے میں ایک ہی چہرہ نظر آنے لگا۔ اُس کا مدھم مدھم، لو دیتا حُسن جو اس کے قلب و نگاہ میں پاکیزگی جگا گیا تھا۔

زرتاشہ کے نازک دل میں بھی فیروز خان نے ایک ہلچل مچا دی تھی۔ اس پُرسکون جھیل میں ایک طوفان بپا ہو گیا تھا۔ وہ اس طوفان کی تباہی سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔ وہ اس جذبوں کے سیلاب کو یہیں روک دینا چاہتی تھی مگر اتنا منہ زور، اتنا تند و تیز ـــــ اُس کی ساری ہنسی کو ہی بہا کر لے گیا۔

آفتاب دنیا پر اپنی الوداعی نظر ڈال رہا تھا۔ وہ صحن میں رکھی کرسی پر بیٹھی اسی نظارے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سورج ڈوب گیا۔ مگر وہ یونہی بیٹھی رہی۔ چاند میں روشنی تیز ہو گئی اور وہ سوچنے لگی۔

ایک چاند اس کے اندر بھی تو اُبھر رہا تھا۔ اور کوئی طاقت بھی اس کا راستہ نہیں روک سکی تھی۔

اُس کی لانبی لانبی پلکیں اس احساس کے ساتھ بھیگتی چلی گئیں۔

وہ فیروز خان کے جذبوں سے نا آشنا نہیں تھی۔ اُس کی تو آنکھیں بولتی تھیں۔ ایک محبت کا خزانہ لٹاتی تھیں۔ اُس نے بے معنی گفتگو کا کبھی سہارا نہ لیا تھا۔ اس سبز سمندر میں

Marfat.com

محبت کے ہزاروں دیے جھلملاتے تھے جن کی ساری روشنیاں اس کے گلابی چہرے پر بکھر جایا کرتی تھیں۔

وہ آگے بڑھنے سے خوفزدہ تھی اور پیچھے ہٹنے سے گریزاں۔

''فیروز خان! کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک متوسط لڑکی حویلی میں پلنے والے ایک رئیس زادے کا خواب دیکھ سکے؟'' اس کی لمبی لمبی پلکوں سے دو موتی سے آنسو لرز کر گالوں پر آ گرے اور وہ بے حد اُداسی سے پوچھ رہی تھی ۔

فیروز خان نے اُسے دیکھا۔ وہ اُس کے اتنے قریب کھڑی تھی۔ دو سحر طراز آنکھیں جن میں حزن ہلکورے لے رہا تھا، وہ انہیں چھو سکتا تھا۔ اس کے صبیح رخساروں سے وہ قطرے اپنے پوروں میں چن سکتا تھا مگر اس نے ایسی ممنوع حرکت سے خود کو باز رکھا تھا۔

''محبت اس تمام اونچ نیچ سے ماورا ہے زرتاشہ!''

''کہیں ایسا نہ ہو کہ تمام عمر منزل ہی نہ ملے۔''

''بس ڈر گئیں ابھی سے۔'' اُس کے گداز لب مسکرا اٹھے۔ اُس نے اُسے دیکھا۔ ''تم لڑکیاں اتنی ڈرپوک کیوں ہوتی ہو ـــــ خدشوں اور اَن دیکھے واہمات میں گھری ہوئی۔'' اُس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سفید ہاتھ پر رکھ دیا۔ ''ایسے خدشوں کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے ورنہ محبت کا سفر کٹھن ہو جاتا ہے۔ چاہے منزل روشن ہو، آنکھوں کے سامنے خود بخود دُھند چھا جاتی ہے۔'' اُس کا لہجہ بے حد پُرفسوں اور گمبھیر تھا۔ ''یہ خود ساختہ اندیشے محض مسافر کو پیچھے پلٹ جانے پر اُکساتے ہیں۔ انہیں دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔''

وہ بے خودی اُسے دیکھتی رہی۔ کتنا مضبوط، بالکل پہاڑوں کی طرح تھا وہ۔ اُس کے لہجے میں مسخر کرنے والی کتنی طاقت تھی۔

اُس کے مچلتے، تڑپتے جذبوں میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔

اُسے دولت کی نہیں، کسی شان کی نہیں، صرف فیروز خان کی چاہت کی ضرورت تھی۔

فیروز خان کی چاہت نے اُس کے گلابی چہرے کو گلنار کر دیا تھا۔ اُس کے حُسن کو رعنائیاں بخش دی تھیں۔

شفق ـــــ

خوشبو ـــــ

سب یکجا ہو کر زرتاشہ کی ذات میں گھل گئے تھے۔

اُس کے لب مسکراتے تھے تو نغمے پھوٹتے تھے۔

Marfat.com

اُس کے لہجے میں محبت کی چاندنی گھل گئی تھی۔
اُس کی آنکھیں اُجالوں کے خوابوں سے جگمگا رہی تھیں۔
''بی بی جان! میں گلناز سے شادی نہیں کر سکتا۔'' اُس کا یہ جملہ پوری حویلی میں کسی بم کی طرح پھٹا۔
بی بی جان نے اپنے لاڈلے بیٹے کو استعجاب سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں جن میں اپنی بات منوا لینے کا عزم تھا۔ بے حد سپاٹ چہرہ، کسی ضبط کے تحت سرخ ہو رہا تھا۔
''تم ـــــ فیروز خان! تم یہ اب کہہ رہے ہو؟'' ان کی آواز لرزی۔ ان کا وجود کانپا۔
''تین ماہ پہلے بھی یہ صرف آپ کی خواہش تھی بی بی جان!''
''تو اب میری خواہش سے انکاری کیوں ہو؟'' اُن کا لہجہ رُندھنے لگا۔ ''گلناز اب ہماری عزت بن چکی ہے فیروز!''
''بی بی جان! کیا آپ چاہتی ہیں میں ساری زندگی گلناز کو دھوکا دیتا رہوں، اُس کی روح کو زخمی کرتا رہوں ـــــ نہیں بی بی جان! منافقت کی زندگی میں نہیں گزار سکوں گا۔''
''کون ہے وہ لڑکی؟'' بی بی جان کی آواز بہت آہستہ ہو گئی۔ وہ اُس کی آنکھوں میں، اُس کے چہرے میں اُس اَن دیکھی لڑکی کا رنگ ڈھونڈنے لگیں۔
فیروز خان کی گردن جھک گئی۔ اُس نے اپنے گہرے سرخ لبوں کو دانتوں میں دبا لیا۔
''بولو فیروز خان! کس لڑکی نے تمہیں اسیر کر لیا ہے ـــــ کیا ہے اُس میں جو گلناز میں نہیں ہے ـــــ کیا وہ بہت حسین ہے؟ بہت زیادہ دولت مند بھی؟''
''نہیں، نہیں بی بی جان!'' اُس نے جلدی سے ان کی بات کاٹ دی۔ ''وہ شہریار کی بہن ہے۔'' اُس نے دھیرے سے بتایا۔
بی بی جان نے پوری آنکھیں کھول کر حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ ایک متوسط بلکہ اس سے بھی کم طبقے کی لڑکی کو گلناز پر ترجیح دے رہا تھا وہ۔ انہیں فیروز خان کی ذہنی حالت پر شک سا گزرا۔
''دولت میں اتنی کشش تو نہیں ہوتی بی بی جان! یا شاید کبھی مجھے ہی محسوس نہیں ہوئی۔ آپ ـــــ آپ صرف ایک بار اُسے دیکھیں۔ یقیناً وہ آپ کا دل جیت لے گی۔''
بی بی جان کنارے لگی سیٹی پر بیٹھ گئیں ایسے جیسے اب ان کے پیروں میں سکت نہ رہی ہو۔ ایک بھاری بوجھ کا احساس اور گہری تھکن اُن پر حاوی ہونے لگی۔ وہ اُس کی ماں

Marfat.com

تھیں۔ اُس کی رگ رگ سے واقف۔ وہ جانتی تھیں کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اس کے دل سے اس کی یہ محبت نہیں نکال سکے گی۔ پہاڑوں میں رہنے والا یہ پہاڑی نوجوان اپنے عزائم بھی پہاڑوں اور چٹانوں جیسے ہی رکھتا تھا۔ اُس نے یقیناً اُس لڑکی کو زبان دی ہوگی اور زبان سے بدلنا نہ اُس کی سرشت میں تھا اور نہ وہ چاہتی تھیں۔

''بی بی جان! مجھے معاف کر دیں ـــــ میں واقعی خطا کار ہوں۔'' وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔''میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا۔ مگر نہ جانے میں کس کمزور لمحے کی گرفت میں آ گیا۔ یہ سب کچھ خود بخود ہوتا گیا بی بی جان!'' اُس نے لمبی لمبی سرخ پلکیں جھکا دیں۔

بی بی جان نے اُس کے سنہری بالوں پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔ وہ رو رہی تھیں۔ وہ نرم دل اور محبت کرنے والی عورت تھیں۔ بیٹے کی خواہش کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھیں۔ مگر گلناز کا دُکھ ان کے اندر اُتر گیا۔ وہ بھی لڑکی تھی۔ تین ماہ تک اپنے ساتھ ایک نام سنتے رہنے سے اب تک کچھ اُنسیت تو ہوگئی ہوگی۔ کچھ نہ سہی تو یہ اُس کی ہتک ہوتی۔ اُن کی آنکھیں احساسِ جرم سے جلنے لگیں۔

یہ کوئی معمولی خبر نہ تھی۔ اس کوٹھی کے در و دیوار ہل کے رہ گئے۔ فیروز خان، حسین ترین اور امیر کبیر گلناز کو ایک غریب لڑکی کی وجہ سے ٹھکرا رہا تھا۔ وہ تین ماہ پہلے بندھے اس رشتے کو یکلخت توڑ رہا تھا۔

جیسے یہ کوئی معمولی بات تھی۔

کسی چھوٹے سے مذاق کا آخری حصہ۔

گلناز پوری جان سے کانپ کر رہ گئی۔ اُس کے دل میں آندھیاں چلنے لگیں۔ وادی کا وہ خوبرو نوجوان، حویلی کا وہ رئیس زادہ اتنا پستی میں بھی گر سکتا ہے۔

ایک قیامت تھی جو ہر دل میں برپا ہوگئی۔

ایسی لڑکی جو ہر لحاظ سے گلناز احمد یار سے کم تر تھی، اچانک ہی اُس کے برابر آن کھڑی ہوئی تھی بلکہ فیروز خان نے اُسے اُس سے بھی اونچا درجہ دے دیا تھا۔ یہ سراسر اُس کی ہتک تھی۔

احساسِ تذلیل سے اُس کی آنکھیں سلگ اُٹھیں۔ وہ اندر ہی اندر بکھرنے لگی۔

'آہ، فیروز خان! صرف خوابوں تک تم میرے تھے ـــــ ایک فخر بخش دیا تھا۔ مگر پھر یکلخت ہی وہ سارا فخر و غرور مجھ سے چھین لیا ـــــ میں تو تمہاری پوجا کر رہی تھی۔ تمہیں دیوتا بنا کر رکھا تھا من مندر میں ـــــ یہ کیسا ستم ڈھانے نکلے ہو تم۔ اس سے بے خبر کہ

Marfat.com

میری ساری حیات بے رنگ و آب ہو کر رہ جائے گی۔ یہ اتنا پہاڑ جیسا دُکھ، یہ اندوہناک غم ـــــ نہیں، نہیں ـــــ میں نہیں سہہ سکوں گی۔ خدا کے لئے یہ فیصلہ واپس لے لو۔ میرے خواب، میری مسکراہٹیں واپس کر دو۔

فیروز خان! میں تمہارے بنا اب کسی اور کے بارے میں کبھی نہیں سوچ پاؤں گی ـــــ میرا دل صرف تمہارا خواہش مند ہے۔'

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اُسے اس ان دیکھی، ان جانی زرتاشہ سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔

فیروز خان کے اس ستم نے اُسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ سارے خواب پل کے پل بکھر کر ریزہ ریزہ ہو گئے۔

'آہ ـــــ اب یہ درماندگی کا ہولناک سفر ـــــ یہ وحشتوں کا اُداس صحرا میں کیسے پار کر سکوں گی۔'

اُس کا تکیہ بھیگ رہا تھا مگر آنکھوں میں ٹھہرا سمندر ختم ہی نہ ہو رہا تھا۔

شاہ بانو دروازے میں استادہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اُسے یوں بکھرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اُس کے اندر بھی ایک قیامت خیز طوفان برپا تھا۔ آپی کا دُکھ اس کی روح کو گھلائے دے رہا تھا۔

آج شام تک کتنی آباد تھی اُس کی آپی۔ لگتا تھا ان مسکراتی آنکھوں نے کبھی کوئی دُکھ سہا ہی نہیں۔ کبھی کوئی خواب کھویا ہی نہیں ہے۔

مگر اب ـــــ صرف ایک پل میں کتنی محرومیوں کا عکس ان آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ اس کی روح غم و اندوہ کے ایک طوفان میں دب کر رہ گئی تھی۔ اُسے فیروز خان سے شدید ترین نفرت ہونے لگی۔

'دھوکے باز ـــــ فریبی ـــــ عیار انسان! میری آپی کے ایک ایک آنسو کا حساب تمہیں دینا ہو گا۔' اُس نے شدتِ کرب سے اپنے ہونٹ کاٹ لئے۔ سسکتی بلکتی ماتم کناں گلناز کو وہ چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اتنی شدید نفرت، غصہ، بے زاری آج سے پہلے اُسے کسی سے بھی محسوس نہ ہوئی تھی جتنی آج فیروز خان سے محسوس ہو رہی تھی۔

وہ سبز آنکھیں جس کی گلناز دیوانی تھی اور وہ اُسے اکثر حسین آنکھوں کے خوبصورت شعر پڑھ کر چھیڑا کرتی تھی، آج ان آنکھوں سے نفرت ہونے لگی۔ وہ آنکھیں آپی کی آرزوؤں کی قاتل لگنے لگیں۔

Marfat.com

وہ جس پر گلاب کا دھوکا ہوا تھا وہ تو سلگتا، جلتا شرارہ تھا جو اُس کی آپی کو خاکستر کر گیا۔

اُس کی آنکھیں گرم گرم آنسوؤں سے بھر گئیں۔

'اپنی محبت پانے کا یہ کون سا طریقہ اختیار کیا ہے تم نے فیروز خان! گلناز آپی کی تمناؤں کے کھنڈر پر اب اپنی محبت کا محل تعمیر کرو گے ___ ہاں، تمہیں اس کا حق ہے۔ تم با اختیار ہو۔ سب کچھ کر سکتے ہو۔ تمہیں بھلا کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے بکھرتے وجود اور ٹوٹتی صداؤں پر دھیان دو۔'

گلناز کی سسکیاں اب بھی اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں اور اُس کا دل چھلنی کر رہی تھیں۔

+++

نجانے پھر گلناز نے صبر کر لیا یا اُس کی آنکھوں کے سوتے ہی خشک ہو گئے۔

وہ ملول سی باغیچے میں رکھی بید کی کرسی پر بیٹھی پت جھڑ کی اس اندھی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ زرد اور سوکھے پتے تیزی سے گرتے اُڑتے ایک انبار میں جمع ہو رہے تھے۔ بالکل ایسے ہی زرد ملال اُس کی آنکھوں میں بھی ہولے ہولے تیر رہے تھے ___ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بے کل اور بے نوا پتے بالکل میرے ادھورے خوابوں کی طرح ہیں ___ شاید یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ اس مختصر سفر میں انہوں نے کیا پایا۔ ہوا کی سازش نے انہیں پھول بھی نہ بننے دیا۔ اور مجھے، گلناز احمد یار کو فیروز خان کے ستم نے بکھیر کر رکھ دیا۔

''آپی! تمہاری جگہ میں ہوتی نا تو یوں خاموشی سے یہ زہر نہ پی لیتی۔ بلکہ فیروز خان کو شوٹ کر دیتی۔ اُسے بھی خوش رہنے کا حق نہیں ہے آپی!'' شاہ بانو اُس کے قدموں تلے بیٹھ کر بولی۔ گلناز نے چونک کر اُسے دیکھا مگر بے حد خاموش آنکھوں سے۔

''میں بھی مہروز خان سے شادی سے انکار کر دوں گی آپی!''

''نن ...... نہیں شاہ بانو!'' وہ تڑپ اٹھی۔ جلدی سے اُس کے لبوں پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ دیا۔ ''نہیں، ایسا نہیں کہتے۔ اس میں بھلا مہروز خان کا کیا قصور ہے؟ بلا تقصیر اُسے کیوں سزا سنا دی جائے؟''

''آپ کو بھی تو بلا تقصیر سزا مل رہی ہے آپی! ___ آپ نے کون سی خطا کی ہے؟'' اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ ''آپی! میرے اندر آگ جل رہی ہے۔ نفرت، غصے اور انتقام کی آگ۔'' اُس کا چہرہ خوف ناک حد تک سرخ ہو رہا تھا، لب کانپ رہے تھے۔ گلناز سہم

Marfat.com

گئی۔ یہ شاہ بانو کیسی خوفناک باتیں کرنے لگی ہے۔ اُسے ڈر لگنے لگا۔

''نہیں شاہے! اس آگ کو باہر مت نکلنے دینا۔ اندر ہی اندر بجھا دینا۔ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ صرف یہ آگ تمہارا اپنا ہی وجود خاکستر کر دے گی۔''

''مگر آپی ——''

''بس چپ رہو۔'' گلناز نے اُسے مزید بولنے سے روک دیا اور چہرہ کرسی کی پشت پر ٹکا دیا۔

شاہ بانو نے سر اُٹھا کر بے بسی سے اُسے دیکھا۔

نم نم آنکھوں میں دل کا لہو سرخیاں سی بکھیر رہا تھا۔

ایسی شکستگی جس کا عذاب موت سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔

بی بی جان، احمد یار سے سخت نادم تھیں۔ وہ ان کے مرحوم شوہر کے عزیز ترین دوست تھے اور فیروز خان کی وجہ سے انہیں سخت ندامت اٹھانی پڑی تھی۔

جب وہ مہروز خان کی شادی کی تاریخ طے کرنے گئیں تو فیصل بھائی نے جو شہر میں ہی بزنس کرتے تھے اور آج کل یہاں آئے ہوئے تھے، دھیرے سے احتجاج کیا۔

''مگر گلناز کی شادی سے پہلے ہم شاہ بانو کی شادی نہیں کر سکتے۔ آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔'' ان کا لہجہ ہلکا سا تلخ تھا جو فطری بات تھی۔ انہیں بھی فیروز خان کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری تھی۔ مگر وہ کچھ کہنے کے مجاز نہ تھے۔ بہن کا دُکھ انہیں بھی خون کے آنسو رُلا گیا تھا۔

''نہیں فیصل بھائی! شاہ بانو کی شادی کی تاریخ طے کر لیں۔'' گلناز دروازے سے اندر آ کر سکون بھرے لہجے میں بولی۔

بی بی جان نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ کیسی مضمحل اور پژمردہ سی ہو گئی تھی۔ صرف چند دنوں نے اُس کی ساری شادابیاں چھین لی تھیں۔

اُن کے دل میں ہوک سی اُٹھی۔

یہ، وہ گل تو نہیں لگتی تھی۔ ہنستی، مسکراتی، ترو تازہ، کچھ اکھڑ اور مغرور سی۔ یہ تو بہت مختلف گلناز کھڑی تھی آج ان کے سامنے۔

''نہیں گل! یہ کیسے ہو سکتا ہے —— تم شاہے سے دو سال بڑی ہو۔ اور پھر......''

''کچھ نہیں ہوتا فیصل بھائی! یہ سب بہت معمولی باتیں ہیں۔ بلکہ اب تو بے معنی سی لگتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں شکستگی کا کرب اُتر آیا۔ ''آپ شاہ بانو کی تاریخ طے کر

Marfat.com

دیں۔"

فیصل بھائی اور ابو بھی کچھ ہچکچائے۔ وہ بڑی بیٹی کو چھوڑ کر یوں چھوٹی بیٹی کی شادی کیسے کر دیں۔ نہ یہ ریت تھی اور نہ اُن کا دل مانتا تھا۔ مگر گلناز کے آگے اُن کی ایک نہ چلی۔ 'مجھے اب کون سا شادی کرنی ہے۔ میری وجہ سے شاہے کیوں بیٹھی رہے۔' اُس نے سوچا اور اُس کے بے حد اصرار پر آخر اس ماہ کی آخری تاریخ طے ہو گئی۔

شاہ بانو پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

"یہ کیا ظلم کیا ہے آپی! تم نے میرے ساتھ ــــ کیوں دُکھوں میں دھکیل رہی ہیں مجھے؟"

"یہ ظلم نہیں ہے شاہے! خوشی کی بات ہے۔ میں کچھ خوشیاں ڈھونڈنا چاہتی ہوں اپنے لئے۔ اس جامد خاموشی میں کچھ شور سننا چاہتی ہوں۔"

"جھوٹ ــــ نہ یہ خوشیوں کے راستے ہیں نہ مسرتوں سے بھرا ہنگامہ۔" شاہ بانو چلا اُٹھی۔ "میں فیروز خان کو کبھی معاف نہیں کروں گی ــــ کبھی نہیں۔" وہ تکیے میں منہ چھپا کر بلک اٹھی۔

اُدھر بی بی جان نے فیروز خان کا رشتہ بھی زرتاشہ سے طے کر دیا تھا۔ شہریار اور امی کو کوئی انکار نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو حیران تھے اور مسرت سے مغلوب بھی۔ زرتاشے کا نصیب اتنا بلند، اتنا خوبصورت ہو گا، اُن کے تو گمان میں بھی نہ تھا۔ وہ کب جانتے تھے کہ حویلی کے رئیس زادے کی ساری خوشیوں کا محور ایک چھوٹا سا گھر ہے۔

اُس کی زندگی کا ساز ایک متوسط حسین لڑکی ہے۔

یہ بارانِ رحمت نہیں تو کیا ہے۔

امی سے زیادہ خوش اور دیوانہ تو فیروز خان ہو رہا تھا جس کے صحیفۂ دل پر مسرتوں اور خوشیوں کی تتلیاں محو رقص تھیں۔ پا لینے کا حسین احساس اُس کے رگ و پے میں انجانی اور کیف آور طراوت بھر گیا تھا۔

اُس کی سیاہ جیپ خود بخود اس چھوٹے سے گھر کے سامنے آ رکی۔ وہ اندر آیا۔ مگر وہ پری چہرہ اُسے نظر نہ آیا۔

امی نے اُسے دیکھا تو مسکرا دیں۔ وہ ان کے سامنے چوکی پر بیٹھ گیا۔

"شہریار نہیں ہے کیا؟" سلام و دعا کے بعد اس نے پوچھا۔ حالانکہ وہ صرف اور صرف آج زرتاشہ کو دیکھنے آیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا جو اسے دیکھ کر

Marfat.com

جانے کہاں جا چھپی تھی۔ اُس کی بے تابیوں کو ہوا دے رہی تھی۔

''نہیں ـــــ شہریار تو دو دن کے لئے شہر گیا ہوا ہے۔'' اماں نے کہا اور پھر اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ اس کے لئے قہوہ بنانے لگیں۔

وہ خاصی دیر اماں کے پاس بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہا۔ اماں ہی زیادہ تر بولتی رہیں۔ وہ مناسب جواب دیتا رہا۔ جب وہ اُٹھنے لگا تو اس کا دل بجھ سا گیا تھا ـــــ یہ آنکھیں جسے دیکھنے کی تمنا لے کر آئی تھیں اب خالی اور اُداسی سمیٹ کر واپس جا رہی تھیں۔

اُس نے اماں کو خدا حافظ کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ صحن سے گزرا تو اس کے قدم رک گئے۔ اُسے لگا جیسے سارا منظر جگمگا اٹھا ہو۔

وہ باہر سے ابھی آئی تھی۔ چادر اُس نے سر سے اُتار کر شانوں پر ڈال لی تھی مگر اُسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ بالکل سامنے نگاہوں میں رنگوں کا جہاں لئے وہ کھڑا تھا۔ وہ جلدی سے چنبیلی کی باڑھ کے اندر ہو گئی مگر بے سود ـــــ وہ تو اُس کے قریب آ چکا تھا۔

''مبارک ہو ـــــ '' اس نے ہری ہری ٹہنیوں کے درمیان اُس کا بے تحاشا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا۔ ''اب باہر تو آ جاؤ۔'' اُس نے مسکرا کر کہا تو وہ جھینپی جھینپی باہر نکل آئی۔

''کک...... کس بات کی مبارک؟'' اُس کی لمبی لمبی سیاہ پلکیں سحر انگیز آنکھوں پر یوں جھک گئیں جیسے کسی چشمے پر بید مجنوں کی شاخیں۔

''سارے خوابوں کی خوش رنگ تعبیر پا لینے کی۔'' اُس نے خوبصورت لہجے میں کہا تو اس کے چہرے پر شفق کی ڈھیر ساری جگمگاہٹ سی پھیل گئی۔ اُسے بے تحاشا شرم آ رہی تھی۔ سنہری پشواز کا بڑا سا دوپٹہ کھینچ کر اُس نے سر پر ڈال لیا۔

''میں نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔'' وہ ہولے سے ہنسی تو فیروز خان اُس کی شرارت پر کھل کر مسکرا دیا۔

'میں تو ابھی تحیر کی راہ میں ہی گم تھی فیروز خان! تم مجھے منزل کے سامنے لے آئے۔' اُس نے طمانیت سے سرشار ہو کر سوچا۔

+ + +

پوری حویلی جلتی بجھتی، رنگ برنگی روشنیوں سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔

سرسراتے آنچل۔

کھنکتے قہقہے۔

دمکتی نگاہیں۔

Marfat.com

شور، ہنگامہ۔

حویلی کا کونہ کونہ زندگی کی بھرپور مہک سے معطر تھا۔

دو دن کے وقفے سے اس حویلی میں دو دُلہنیں اُترنے والی تھیں۔

آس پاس کا سارا علاقہ ہوائی فائرنگ سے گونج رہا تھا۔

گلناز کو لگ رہا تھا جیسے یہ سنسناتی گولیاں سیدھی اُس کے دل میں اُتر رہی ہیں۔۔۔۔ کاش کوئی لہراتی، سنسناتی گولی اُس کے سینے میں بھی اُتر جائے اور پھر ہمیشہ کے لئے وہ گہری خاموشی میں اُتر جائے۔

نہ کوئی دکھ۔۔۔۔ نہ آرزوؤں کی ٹوٹتی کرچیاں اُسے زخمی کریں گی۔ اس ظالم خودغرض دنیا سے وہ بہت دُور نکل جائے۔

اُس کی کوٹھی میں بھی زندگی تھرک رہی تھی۔ دُور دُور سے رشتہ دار شاہ بانو کی شادی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

وہ بہن کی خوشی میں شریک تھی۔ بظاہر اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ اُس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا اور سب کی نگاہیں بھی اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ مگر اُس کی روح بہت دُور تھی۔ وہاں تک کسی کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ہاں، مگر شاہ بانو اُس کی آنکھوں میں نہیں، اُس کی رُوح میں جھانک رہی تھیں جہاں ایک عظیم طوفان برپا تھا۔

اذیت ناک۔

کرب ناک۔

اور شدید جلتے ہوئے شعلوں کی آندھیاں محوِ رقص تھیں۔

چہرے پر بھی مصنوعی روشنیاں نظر آ رہی تھیں مگر اندر تیرگی کے فانوس چمک رہے تھے۔

وہ آگاہ تھی ان سارے احساسات سے۔ مگر محض تماشائی تھی وہ بھی۔ مگر اس کے اندر آپی کا انتقام لینے کے جذبے مچل رہے تھے۔ وہ جتنی بار آپی کی اُداس اور ملول نگاہوں کو دیکھتی، فیروز خان سے نفرت اتنی ہی تیزی سے اندر اُٹھتی۔

وہ جب حویلی میں دُلہن بن کر اُتری تو زرتاشہ جو دو دن پہلے ہی فیروز خان کی بیوی بن کر اور بی بی جان کی بہو بن کر آ چکی تھی، آج اُس کا استقبال کرنے سب سے آگے آگے تھی۔

پُرنور چہرے پر بلا کی معصومیت لئے وہ پُرخلوص مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ساتھ

Marfat.com

چل رہی تھی۔ اُس کے نرم نرم ہاتھوں کے لمس کی کرنیں شاہ بانو کے اندر مچے طوفان میں اضافہ کر رہی تھیں۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اور اسی وقت وہ اس کا گلا دبا دے، زہر دے دے یا شوٹ کر دے۔

یہی تو ہے جس نے اس کی آپی کی خوشیوں کو ڈس لیا تھا۔
اس کے خوابوں کے محل میں آگ لگا دی تھی۔
آج گلناز آنسو بہا رہی ہے اور ادھر یہ کھنکتی مسکراہٹیں۔

''آداب شاہ بانو!'' زرتاشہ نے جھک کر سلام کیا۔

''ارے سلام تو چھوٹے کرتے ہیں بڑوں کو۔'' کسی نے پیچھے سے جھک کر شرارت آمیز لہجے میں کہا تو ساری لڑکیاں ہنس پڑیں۔

''چلیں سلام نہ سہی، جواب ہی مل جائے۔'' اُس کی نرم اور مترنم آواز پھر اُبھری۔ وہ خاموشی سے سج سج کر ان کے ہمراہ چل رہی تھی۔ بے حد بھاری کامدار پشواز کے بڑے سے دوپٹے میں وہ لپٹی ہوئی تھی۔ البتہ اس کا گھونگھٹ اس کی نند گل بی بی نے تھوڑا سا اونچا کر دیا تھا۔ اتنا کہ وہ سر ذرا سا اُوپر کر کے اپنے سامنے والے چہرے کو دیکھ سکتی تھی۔ اس وقت تو اس کے اطراف کئی چہرے بکھرے ہوئے تھے جو سب کے سب اس کے لئے اجنبی تھے۔ جن کو اُس نے دیکھنے کی زحمت ہی نہ کی۔ ہاں، البتہ اس کی سماعت میں رنگ برنگے فقرے پڑ رہے تھے۔

''ارے بھابی ـــــ کم از کم جیٹھانی کو سلام کا جواب تو دے دیں۔'' گل بی بی شرارت سے ہنسی۔

''بہت شرما رہی ہے، بھابی۔'' کسی نے پیچھے سے کہا۔

پھر اچانک اُسے سجے سجائے کمرے میں بٹھا دیا گیا اور وہ سب اُس کے اطراف بیٹھ گئیں۔ وہ ایک دوسرے پر ہنس رہی تھیں، چوٹ کر رہی تھیں۔ اُسے بھی چھیڑ رہی تھیں۔

''لو بھلا ـــــ ہم سے کیا شرمانا۔'' زرتاشہ نے مسکرا کر کہا۔

''آخاہ ـــــ دیکھو تو، کتنے آرام سے کہہ رہی ہیں جیسے آپ تو شرمائی ہی نہیں تھیں۔'' ایک لڑکی نے اُسے اچانک پکڑ لیا۔ ''ابھی دو دن پہلے تو چہرہ اوپر نہیں اُٹھ رہا تھا۔ اور اب کتنا بول رہی ہیں۔''

''ارے نہیں ـــــ میرا مطلب ہے یہاں مہروز خان تو نہیں ہیں۔'' وہ جھینپ گئی۔
پھر تو جیسے سب نے اُسے گھیر لیا۔

Marfat.com

''تو پرسوں آپ بھی تو مجھی سے شرما رہی تھیں۔ فیروز لالہ تو سامنے نہیں تھے۔'' گل بی بی بھی کسی سے پیچھے نہ رہی۔

''ہاں، ہاں ـــــ اب جواب دیں۔'' وہ سب کے نرغے میں پھنس کر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

''چلیں بھئی، میں ہاری۔'' وہ تنگ ہوتے دائرے سے گھبرا کر جلدی سے ہار مان بیٹھی۔

شاہ بانو نے ہلکا سا سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس کے بالکل سامنے ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ ہلکے پرپل شلوار سوٹ اور بڑے سے بھاری دوپٹے میں اُس کا معصوم حُسن قیامت خیز لگ رہا تھا۔ گلابی گلابی چہرہ، ہلکے میک اپ میں کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ اطراف لٹکتے بڑے بڑے فانوس بھی اس کے سامنے ماند تھے۔ سرخ پتلے پتلے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے جن میں شبنم سی نرمی تھی۔ بڑی بڑی سحر طراز آنکھیں جن میں کچھ حجاب بھی تھا اور کچھ شرارت بھی۔

اُس کے حُسن میں اتنی معصومیت تھی کہ ایک لمحہ کو وہ بھی اُسے دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

شاید اسی حُسن، اسی معصومیت نے فیروز خان کو اسیر کر لیا تھا۔ اُس نے لب بھینچ کر چہرہ جھکا لیا۔

وہ گلناز سے کہیں زیادہ حسین تھی۔ مگر بہرکیف وہ اسٹیٹس کے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ کم تر تھی۔ اُس نے تفاخر سے سوچا۔

'ایک امیر کبیر لڑکی کو ٹھکرا کر وہ رئیس زادہ یقیناً کہیں، کسی لمحے پچھتاوا محسوس کرے گا۔ اور اُسے پچھتانا ہی پڑے گا۔'

''چلیں، اب ہم دیکھیں گے پہلے کون سی بہو ساس کی دلاری بنتی ہے۔'' کسی نے پتے کی بات کہی تو ساری لڑکیاں اس موضوع پر آ گئیں۔

''کیوں زرتاشہ بھابی! آپ کا کیا خیال ہے؟'' اُس کی نند گل بی بی نے پوچھا۔

''محبت بھی نصیب کی بات ہے گل! جس کی جتنی قسمت میں ہوتی ہے اتنی ہی ملتی ہے اس کو۔'' اُس نے پُر مزاح بات پر سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''میری تو ساری محبت اس گھر اور اس گھر کے مکینوں کے لئے ہے۔''

''لیکن فیروز لالہ کے لئے تو خصوصاً ہو گی نا۔'' پھر کسی نے شرارت آمیز جملہ پھینکا۔

Marfat.com

وہ سرخ ہو گئی۔

شاہ بانو نے محسوس کیا اس مختصر عرصے میں اس نے گل سے خاصے اچھے تعلقات قائم کر لئے ہیں۔

''اور آپ کا کیا خیال ہے بھابی؟'' گل بی بی اب شاہ بانو کی طرف جھک کر پوچھ رہی تھی۔ مگر وہ اپنی پوزیشن کا احساس کرتے ہوئے خاموش رہی۔ وگرنہ اُس کے پاس بہت سے جواب تھے۔ 'اونہہ ــــــ زرتاشہ جیسی لڑکیاں ہر وقت نصیب پر قانع رہتی ہیں۔ ہر بات پر قسمت کو لا گھسیٹتی ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے، کبھی کبھی خوش قسمتی ان جیسے نچلے طبقوں پر بھی مہربان ہو جاتی ہے جیسے تم پر ہو گئی زرتاشہ خان!' اُس کا ذہن مسلسل زرتاشہ کی نفرت میں سلگ رہا تھا۔

'مگر اب تم اپنے نصیب کی محبتیں ڈھونڈتی رہنا۔ اس حویلی میں آنا اب تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔' اُس نے تصور میں اُس کو مخاطب کیا اور پھر نگاہوں میں سارے جہاں کی نفرت، نخوت سمو کر کنکھیوں سے اُسے دیکھا۔

'بی بی جان کے دل میں محبت پیدا کرنا تمہارے لئے اتنا آسان نہ ہوگا۔ کیونکہ تم صرف فیروز خان کی پسند ہو۔ کسی اونچے طبقے اور اچھے خاندان کی فرد نہیں ہو۔ بی بی جان محض ایک خوبصورت اور قیمتی شے کھو جانے کے ڈر سے تمہیں لائی ہیں یہاں۔ میرے سامنے تم ہر لحاظ سے نیچ ہو۔' وہ سوچتی رہی۔

''ارے لڑکیو! یہاں کیا ڈیرہ لگائے بیٹھی ہو۔ اب اُٹھ بھی جاؤ۔'' اچانک بی بی جان کی آواز پر سب کی باتوں اور قہقہوں کو بریک لگ گیا۔ وہ بھی یکلخت سوچوں کے بھنور سے باہر نکل آئی۔

''بے چارے فیروز لالہ انتظار کرتے کرتے سوکھ رہے ہوں گے۔'' جاتے جاتے بھی شوخ فقرے اُچھل رہے تھے۔

خود اُس نے نئی زندگی میں قدم رکھا تھا۔ نئی جگہ، نئے لوگ، چاہنے والا خوبرو شوہر۔ محبت و لطافت کی افراط تھی مگر اس کے اندر جو چنگاری تھی، وہ اب بھی بھڑک رہی تھی۔ جو نفرت اور حقارت وہ زرتاشہ کے لئے اپنے ہمراہ لائی تھی اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔

فیروز خان کے مسرور چہرے کو دیکھ کر اس کے دل میں جوار بھاٹا اُٹھتا۔ ہر لمحہ زرتاشہ کے گرد طواف کرتی نگاہیں۔

Marfat.com

معنی خیز۔
تبسم آفریں۔
اور کچھ بہکی بہکی۔
زرتاشہ کا ان نگاہوں کی تپش سے سرخ ہوتا چہرہ۔
اور پھر فیروز خان کی شاداب اور پُر فسوں مسکراہٹ۔
یہ سب کچھ اُس کا تن من جلائے دے رہا تھا ــــــ ایک جوالا مکھی پک رہا تھا اُس کے اندر۔

اُسے حیرت ہوتی، تاسف ہوتا کہ فیروز خان جیسا مکمل انسان ایک کم تر لڑکی کو بھلا اتنی شدتوں سے کیسے چاہ رہا ہے۔ محض صورت پر فریفتہ ہے یقیناً۔ وگرنہ تو یہ ذہنی ہم آہنگی، ذہنی رفاقت ایک متوسط طبقے کی لڑکی سے ناممکن سی بات ہے۔

انہی دنوں اُس کے سر پر بم پھٹا کہ گلناز شدید بیمار ہے۔

شاید اُس کی جامد خاموشی کے پیچھے یہی طوفان مچل رہا تھا۔ وہ بلک اُٹھی۔ اُس کی پیاری عزیز از جاں آپی فیروز خان کی بے مروتی کا نشانہ بن کر بستر سے جا لگی ہے۔

زرتاشہ کو بھی بہت دکھ ہوا۔ اس نے گلناز کو دیکھا تھا۔

''امی! اتنی اچھی لڑکی کو بھلا ایسی کیا بیماری لگ گئی؟'' اُسے شدید صدمہ ہوا۔ فیروز خان نے اُس سے یہ بات مخفی رکھی تھی کہ وہ پہلے گلناز سے منسوب تھا۔ کیونکہ وہ چند ملاقاتوں میں ہی زرتاشہ کے سارے مزاج کے موسموں سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اُس کے اس نرم اور مہربان دل کو پہچان گیا تھا۔ اگر اُسے ذرا بھی علم ہوتا کہ وہ بزرگوں کے درمیان کئے گئے فیصلے کی ڈور کاٹ کر اُس کی طرف بڑھا ہے تو وہ یقیناً پیچھے ہٹ کر منہ موڑ لیتی اور اُسے جبراً ان راستوں پر بھیجتی جہاں اُس کی منزل نہیں تھی۔ اور زرتاشہ سے جدائی کا تصور بھی اُس کے لئے محال تھا۔ وہ تو اُس کی روح تھی۔ رُوح سے کٹ کر وہ کیسے جیتا۔

آج اُسے گلناز یاد آ گئی۔ اُس کی بیماری کا سن کر احساسِ جرم نے اُسے گھیر لیا۔

کیا قصور تھا اُس کا ـــ؟

''کیوں سزا مل رہی تھی اُسے ـــ؟

تو وہ ایک کمزور لمحے کی زد میں آ کر سب کچھ بھول گیا۔ کسی ہستی کا استحصال ہوا ہے۔

تین ماہ محبت کی آبیاری کے لئے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

''اوہ خدایا!'' اُس کی پیشانی انفعال سے ڈوب گئی۔

Marfat.com

وہ تو ایسا نہیں تھا ـــــ آج تک اُس کی ذات سے کسی کو ذرہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ کسی کے ساتھ بھی نا انصافی نہیں کی تھی۔ اُس کی ذات تو ہمیشہ بے ضرر رہی تھی۔ مگر اب استحصال جیسا اتنا بڑا جرم اُس سے سرزد ہو گیا۔

اتنا عظیم گناہ۔

اُس نے سر کرسی کی پشت پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

اپنی منزل پانے کی دُھن میں اُس کے قدموں تلے کتنی آرزوؤں کے پھول کچلے گئے۔ نادانستہ اُس نے کتنے خواب مسمار کر دیے۔ کتنے لبوں سے مسکراہٹیں چھین لیں۔

اُسے یاد آیا، مہروز کی شادی کے دن اُس نے گلناز کو دیکھا تھا۔ مگر بے حد سرسری انداز میں۔

سُتا سُتا چہرہ۔

ڈھیروں زردیاں ـــــ جن کو میک اپ میں چھپانے کی کوشش کی گئی تھی۔

اُجاڑ، ویران آنکھیں۔

اُس وقت اُس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا یا اُس کا ذہن ہی اُس کی اُداسی اور اُس کی ویرانی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

مگر آج ان آنکھوں کی ویرانیاں یاد آ رہی تھیں تو اُس کے اندر کرب کی لہریں اُٹھیں۔

مگر سوائے ہمدردی کے اور کوئی احساس نہ جاگا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' وہ اس کے قریب آ گئی۔ نرم نرم انگلیوں کے لمس نے اُسے چھوا تو اُس نے سر اُٹھا کر دیکھا۔ اُس کی زندگی اُس کے بے حد قریب کھڑی تھی۔

''نہیں ـــــ کچھ نہیں۔'' وہ ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم گلناز کی طرف ہو آنا۔'' اُس نے کہا تو زرتاشہ نے سر ہلا دیا۔

مگر پھر وہ نہ جا سکی۔ اچانک بی بی جان کی طبیعت بگڑ گئی۔ یونہی ایک رات سو کر اُٹھیں تو اُن کے سینے میں شدید درد تھا۔ وہ سب پریشان ہو گئے۔ اُسی روز گل بی بی کے سسرال والے آئے تھے، اُس کی شادی کی تاریخ مانگنے۔ مگر فیروز خان نے بی بی جان کے یوں اچانک بیمار ہو جانے پر تاریخ دینے سے انکار کر دیا۔ مگر بی بی جان راضی تھیں۔

''نہیں فیروز! گل کی شادی کر دو، میری زندگی میں ہی۔ پتہ نہیں وقت کا۔ شاید میں بھی زندہ نہ رہ سکوں۔''

Marfat.com

''بی بی جان!'' گل تڑپ کر اُن کے سینے سے لگ کر بلک اُٹھی۔
بی بی جان اصرار کرتی رہیں مگر ان میں سے کوئی بھی راضی نہیں تھا۔
''خوشیاں تو اپنے وقت پر اچھی لگتی ہیں بی بی جان! آپ ضرور صحت یاب ہو جائیں گی۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے گل کو رخصت کریں گی۔'' زرتاشہ اُن کے سرد ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے رُندھی آواز میں بولی۔
مگر بیٹی کی خوشیاں دیکھنے کی قدرت نے اُنہیں مہلت ہی نہ دی۔ اسی رات اُن کی رُوح اس دارِ فانی سے گزر کر آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر گئی۔
حویلی میں کہرام مچ گیا۔ بی بی جان کی اچانک موت پوری وادی کے لئے صدمہ تھا۔ فرشتہ صفت یہ عورت سب کے دلوں پر حکمرانی کرتی تھیں۔ سب لوگ اس غم میں بلک اُٹھے۔
شاہ بانو اپنے میکے میں تھی۔ اُس کے لئے یہ خبر بہت بھاری تھی۔ بی بی جان اتنی جلدی اُنہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ تو گلناز کی زندگی کے لئے دُعائیں مانگتی نہ تھک رہی تھیں۔ کسے خبر تھی ان کی زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں ـــــ یہ خبر گلناز کے لئے بھی گہرا شاک ثابت ہوئی۔ وہ خود بستر پر تھی اور زود رنج ہو گئی تھی۔ اُس کی حالت اور زیادہ بگڑ گئی۔
''شاہے! ـــــ بی بی جان کی بجائے میں چلی جاتی اس دنیا سے۔'' وہ کرب سے رو رہی تھی۔
''نہیں آپی! ایسا تو نہ کہو۔'' شاہ بانو تڑپ کر رہ گئی۔

+++

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بی بی جان کا غم تو بھرنے لگا مگر گلناز کے دل کے زخم جانے کیوں وقت بھی نہ بھر سکا۔ اتنی مدتیں بھی اُس کے درد کا مداوا نہ بن سکیں۔
''میں جب ان دونوں کو دیکھتی ہوں نا آپی! تو میرے سارے زخم پھر سے تازہ ہو کر رِسنے لگتے ہیں۔'' وہ گلناز کا ہاتھ تھامے اُس کی اُجاڑ آنکھوں پر نگاہیں مرکوز کیے کہہ رہی تھی۔ ''خدا کرے ان کی خوشیوں کو بھی آگ لگ جائے جس طرح انہوں نے آپ کو خاکستر کر دیا ہے۔''
''نہیں، نہیں شاہے! ایسے نہیں کہتے۔ اب وہ ایک بیٹے کا باپ ہے۔'' گلناز کے سوکھے لب کانپ گئے۔

Marfat.com

''آپ اسے جی بھر کے بددُعائیں کیوں نہیں دیتیں آپی! آپ تو مظلوم ہیں۔ ساری دُعائیں قبول ہوں گی۔'' شاہ بانو اُس کی خاموشی پر چڑ گئی۔ وہ بہت جذباتی تھی۔ بہت انتہا پسند ـــــ اُس کے اندر طاقت ور ہونے اور اثر و رسوخ کی مالک ہونے کا بھی شدید احساس تھا۔

نفرت اور حقارت کے جذبے بھی انتہا پر تھے۔

زرتاشہ ایک بیٹے ذولین خان کی ماں بن گئی تھی جب کہ وہ خود ابھی اس رُتبے سے محروم تھی۔

گلناز خوفزدہ تھی اُس کی فیروز خان اور زرتاشہ سے بڑھتی نفرت سے۔ وہ اپنی اس نفرت کے سیلاب کو کیسے روک دیتی جب کہ اُس کی پیاری آپی اندر ہی اندر گھل رہی تھی چپکے چپکے بجھ رہی تھی۔

پھر ایک دن اچانک غروب ہوگئی!

وہ چیخ اُٹھی۔

''نہیں، نہیں ـــــ''

اُس کی بہن، اُس کی آپی اُس سے کیسے مُنہ موڑ گئی ـــــ اُس کی حالت دگرگوں ہوگئی۔

صرف ایک سال ـــــ اتنی قلیل مدت میں اُس کی ہنستی مسکراتی آپی اس حال کو پہنچ گئی۔

ان کا بچپن ایک ساتھ کھلکھلاتے گزرا تھا۔

جوانی کا مہکتا دور ایک دوسرے کے ہمراہ گزرا تھا۔

''آہ فیروز خان! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی ـــــ کبھی نہیں۔'' وہ سر دیواروں پر مارتی بین کر رہی تھی۔ مہروز کو اُسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

''صبر کرو شاہے!'' وہ اُسے تھام رہا تھا مگر وہ مچل رہی تھی۔ یہ دُکھ اتنا ہلکا تو نہ تھا کہ وہ پی جاتی۔

ایسا دُکھ جس کا اب ازالہ بھی ناممکن تھا۔

''کون لاجئے گا میری آپی کو اب ـــــ بولو، ان کی زندگی کون مانگ لائے گا؟'' وہ مہروز خان کا بازو تھام کر جھنجھوڑ رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔

اُدھر فیروز خان کی گردن احساسِ جرم سے جھکتی چلی گئی۔

ہاں واقعی ـــــ اب ازالہ بھی ناممکن ہے۔ اور اُسے واپس لانا بھی۔

Marfat.com

مگر واپس لا کر میں کون سا پھر اُس کی خوشیاں لوٹا سکوں گا۔ وہ زندہ تھی تب بھی کون سا اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹ رہی تھی؟

'مجھے معاف کر دینا گلناز! میں تمہارا مجرم ہوں ــــ خطا کار ہوں ــــ تمہاری اتنی اذیت ناک موت کا میں ہی ذمہ دار ہوں۔ اس ناگہانی موت کا میں ہی سبب تھا۔'

وہ شاہ بانو کی نفرت بھری نگاہوں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے دُکھ پر تسلی کے دو لفظ بھی نہیں تھے اُس کے پاس۔

واقعی محبت بہت ادنیٰ درجے کی بھی ہو تو بہت ظالم ہوتی ہے۔ پھر گلناز کی محبت تو ایک دہکتی آگ تھی جو خود اُسے ہی جلا کر خاکستر کر گئی۔

اُس کی بڑی بڑی سبز آنکھوں میں کرب سمٹ آیا۔

اُس کا سارا جسم ٹوٹنے لگا ــــ ایک بھاری بوجھ جیسے ذہن و دل پر آن گرا۔

ضمیر کی عدالت اُسے کھینچ رہی تھی اور وہ کترا رہا تھا۔

نہیں، نہیں ــــ میں تو بے گناہ ہوں۔

میری اپنی تقصیر تو نہیں۔

بس اتنا ہی میں نے کیا نا کہ دل و ذہن کا فیصلہ قبول کیا تھا۔ میں جسم کا خالی مکان اُس کے سپرد کر کے اُسے ساری عمر فریب نہیں دینا چاہتا تھا۔ میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے بھی اُسے کچھ نہ ملتا کہ دل میری دسترس سے بہت دُور تھا۔

میری رُوح کسی اور کی پجاری ہو گئی تھی۔

اور یہ سب کچھ میرے اختیار سے باہر تھا۔

میرا گناہ اتنا بڑا نہیں ہے۔

اُس نے اپنی وحشت کو کم کرنے کی سعی کی۔

''فیروز ــــ'' زرتاشہ کی گلاب گلاب اُنگلیاں اُس کے سنہری بالوں میں اَٹک گئیں۔ وہ بھی رو رہی تھی۔ اُس کے گرم گرم آنسو اُس کے رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ ''مجھے سب کچھ بتا دو ــــ کچھ مت چھپاؤ۔ تاکہ میں جان سکوں کہ تم ــــ میرے حبیب! تم کتنے مجرم تھے۔ اور تھے بھی کہ نہیں۔''

''زرتاشہ ــــ'' اُس نے سر اُٹھا کر متورم آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

''ہاں ــــ کہہ دینے سے تمہارا دُکھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔ تمہارے اندر کا وہ خلفشار شاید کم ہو جائے۔'' وہ اُس کے بالوں سے ہاتھ نکال کر اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔ ''میرے

Marfat.com

محبوب! میں جانتی ہوں تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گے کہ آج تک تم نے میرے پندارِ محبت کا بھرم رکھا ہے۔" اُس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں التجا تھی۔

فیروز خان پگھل گیا۔ اُس نے وہ نازک مہربان ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام لئے۔

"زرتاشے! تمہارا محبوب بہت گناہگار بھی ہے۔ مگر اعتراف سے گریزاں۔" اُس کا مضبوط جسم لرز رہا تھا۔ "کوئی ڈیڑھ سال پہلے بی بی جان نے گلناز سے میری بات طے کر دی تھی۔ تب میرے دل میں کوئی جذبہ نہیں اُبھرا تھا اس کے لئے ___ کوئی اُمنگ ایسی نہیں تھی جو گلناز کے نام کی ہوتی۔ نہ میرا دل دھڑکا تھا نہ اُسے دیکھنے کی خواہش مچلی تھی۔ اس لئے کہ میرے لاشعور میں تو تم جگمگا رہی تھیں۔"

"فیر......و......ز......" زرتاشہ کے لب کپکپائے۔ اُس نے بے ساختہ سسکاری لے کر چہرہ اُس کے ہاتھوں پر جھکا دیا۔

"زرا ___ محبت کے حصول کا راستہ میرے لئے اتنا آسان ہو گیا تھا، منزل اتنی روشن تھی کہ میں نے اپنے اطرافِ دھیان ہی نہیں دیا۔" فیروز خان نے پھر سب کچھ اُسے بتا دیا۔

ایک ایک لمحے کا حال۔

اپنے ایک ایک جذبے کا ذکر۔

"زرا! میرے اندر طلب کی شمع اتنی روشن تھی کہ میں نے اس گوشے کی طرف دیکھا ہی نہیں جہاں اندھیرے سمٹ آئے تھے۔"

زرتاشہ اُس کے ہاتھوں پر جھکی روتی رہی۔

"آہ ___ اتنی محبت، اتنی چاہت کرتے ہو فیروز خان! تم مجھ سے ___ کتنی خوش نصیب ہوں میں۔ مگر کتنی بدنصیب کہ میرا وجود کسی کے لئے شدید اذیت کا باعث بنا۔ کسی کی اندوہناک موت کا سبب۔" اُس کی آنکھیں تواتر سے بہنے لگیں۔

"زرتاشے! تمہارا محبوب، تمہارا رفیق مجرم ہے نا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں فیروز خان! مجرم تو میں ہوں ___ گناہ گار تو میں ہوں۔ میں گلناز کے خوابوں کی قاتل ہوں۔ اُس کی آرزوؤں کو ریزہ ریزہ کرنے والی۔ وہ محل جو ابھی پورا تعمیر بھی نہیں ہوا، اُسے گرانے والی میں ہی تھی۔ کاش ___ کاش میں تمہارے درمیان نہ آتی۔ یہ وجود تمہیں ملنے سے پہلے کسی گہری کھائی میں جا گرتا ___ مجھے اب اپنے وجود سے نفرت

Marfat.com

ہونے لگی ہے فیروز!'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''نہیں زرا! شاید ہم سب ہی مجرم ہیں ــــ یا سب ہی بے قصور۔ یہ سارا تقدیر کا کھیل ہے۔ اور ہم تو سب بساط کے مہرے ہیں۔ جنہیں متحرک کرنے والی قدرت ہے۔ بس کسی روبوٹ کی طرح ہیں ہم۔'' اُس نے دھیرے سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کی متاعِ حیات اُس کا جرم اپنے سر لے رہی تھی۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر لیتا۔

''بس ایک ملال رہ جاتا ہے نا کہ یہ متحرک مہرے ہم کیوں تھے؟'' اُس کی آنکھوں سے اب بھی اشک گر کر رخساروں کو جلا رہے تھے۔

''مجھے معاف کر دینا زرا! تم سے میں نے یہ سب کچھ چھپایا۔ تمہیں پانے کے لئے خودغرض بن گیا تھا۔'' اُس کے لہجے میں ایک عجیب سی کسک تھی۔ ایک گہری ندامت۔

''محبت میں تو تھوڑی خودغرضی جائز ہے نا؟''

زرتاشہ اپنے محبوب، اپنے حبیب کو بھیگی بھیگی پلکوں سے تک رہی تھی۔ وہ اُس سے اتنی بے پناہ محبت کرتا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس چاہت پر نہال ہو جاتی۔ اس ادراک پر سرشار ہو جاتی۔ مگر اس وقت اُس کا دل ندامت سے چور تھا ــــ گلناز کے غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ گلناز کی موت کا سبب اُسے بے چین کئے دے رہا تھا۔

Marfat.com

گلناز کی موت سے سب کا دل شاہ بانو کے لئے نرم اور گداز ہوگیا تھا۔ مہروز خان کی عنایتوں اور محبتوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ زرتاشہ بھی اس سے قریب ہونے کی سعی کرتی۔ اس کی دل جوئی کرنا چاہتی تو وہ بپھر اٹھتی۔ اسے اب کسی کی محبتوں اور عنایتوں کی ضرورت نہیں رہی تھی اور پھر زرتاشہ سے شاہ بانو کی نفرت وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اس نفرت کے تند و تیز سیلاب کو روکنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

زرتاشہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے شرارے نکلتے جو زرتاشہ کو اندر بھی اندر ہولائے ڈالتے۔ وہ گھبرا کر خود ہی پیچھے ہٹ جاتی۔ اس کی نرم گود میں ذولین کو ہمکتا دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ بھر جاتی۔ ویسی ہی ہیروں کی طرح سبز دمکتی آنکھیں جن سے اسے نفرت تھی، بے تحاشہ سرخ ہونٹ، سنہری بال، وہ مکمل فیروز خان کی تصویر تھا اور پھر حسد کا وہ جذبہ بھی اس کے اندر موجزن تھا، وہ خود بھی اس نعمت سے محروم تھی۔

وہ اپنی اس بے زاری اور انتہا پسندی میں اتنی بڑھ گئی کہ آہستہ آہستہ سب سے کٹتی چلی گئی۔ پہلے گل بی بی سے ہی ڈھنگ سے بات کر لیتی تھی، مسکرا لیتی تھی، مگر پھر رفتہ رفتہ گل بی بی سے بھی متنفر ہونے لگی۔ اسے سب اپنی 'آپی' کے دشمن محسوس ہونے لگے۔ وہ اکثر سوچتی کہ اگر گل چاہتی تو اپنے بھائی کو اس گھناؤنے اقدام سے روک سکتی تھی، وہ گلناز سے اپنی محبت کا بھی پرچار کرتی تھی تو پھر وہ کیوں خاموش تماشائی بنی رہی۔

آں، سب خودغرض ہیں۔

اپنے اپنے مفاد کے خول میں سمٹے ہوئے۔

انہی دنوں گل بی بی کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی۔ اب صرف ایک ماہ تک وہ اس حویلی کی مہمان تھی، اس کی جدائی کا سوچ کر ہی زرتاشہ دکھی ہو جاتی۔ وہ شاہ بانو کے رویے سے سہم گئی تھی۔ اس حویلی میں فیروز خان کے بعد گل کا ہی وجود اسے غنیمت لگتا تھا، اس کے چلے جانے کے بعد وہ بالکل تنہا ہو جائے گی۔

شاہ بانو کی شرارے بھری اور نفرت انگیز نگاہوں سے اسے دم نکلتا ہوا محسوس ہوتا۔ اپنی

Marfat.com

کم مائیگی کا احساس شاہ بانو کے رویے سے شدید ہو جاتا تھا۔ اثر و رسوخ اور ڈھیروں جائیداد کی مالک شاہ بانو، فیروز خان سے بھی زیادہ دولت مند تھیں۔

احمد یار نے ورثہ تقسیم کر دیا تھا۔ دو ہی تو بچے تھے ان کے۔ سینکڑوں ایکڑ پر پھیلی سرسبز و شاداب زمینیں، زیور کی صورت میں، کیش میں اتنا کچھ وہ جہیز میں لے آئی تھیں جبکہ زرتاشہ سوائے معمولی جہیز کے کچھ ساتھ نہ لائی تھی۔ یہ تو حویلی کے لوگوں کی اور فیروز کی بے پایاں محبت تھی جس نے اسے اعتماد بخش دیا تھا اور اب ذولین کی صورت میں یہ نعمت پا کر وہ مسرور تھی۔

''گل! تو پھر یہاں آتی تو رہے گی نا، اپنے ذولین سے ملنے؟'' وہ اپنے اندر کا دکھ چھپا کر اسے کہتی تو گل بے تحاشہ سرخ ہوتے ہوئے ہنس پڑتی۔

''ابھی کون سا جا رہی ہوں بھابی۔''

''پھر بھی جانا تو ہے نا تجھے۔''

پھر ایک دن گل، سب کو روتا، مسکراتا چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی۔ وہ گھر جو اس کا اصل گھر تھا، جہاں وہ نئے ساتھی کے ساتھ نئی زندگی کی ابتدا کر رہی تھی۔

آہ۔ یہ لڑکیوں کی جدائی کا دکھ بھی کتنا جان لیوا ہوتا ہے۔ اتنی عمر ہنستی مسکراتی جس آنگن کو مہکائے رکھتی ہیں، پھر اچانک ہی اسے چھوڑ کر دوسرے آنگن میں چلی جاتی ہیں۔ اپنے پیچھے ماں، باپ، بہن، بھائی، سب پیاروں کو روتا چھوڑ کے۔

یہ لڑکیاں بوجھ ہوتی ہیں مگر ایسا بوجھ جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون بھی ہوتا ہے۔ جس کے جانے سے دل ملول ہوتا ہے آنسو بھی بہتے ہیں۔

زرتاشہ بہت اداس ہو رہی تھی۔

''میں بھی تو یونہی امی کو اداس کر کے یہاں چلی آئی تھی۔ وہ بھی رو رہی تھیں مگر ان آنسوؤں میں خوشی بھی تھی اور طمانیت بھی، کتنا عجیب ہوتا ہے یہ قدرت کا نظام بھی۔''

زندگی کے ماہ و سال گزرے تو رفتہ رفتہ شاہ بانو، شاہ خانم بن کر حویلی کی حاکم بننے لگیں۔ ان کے اندر اتنی طاقت تھی، اتنا اثر و رسوخ تھا کہ کسی نے بھی انہیں آگے بڑھنے سے نہیں روکا۔ مہروز خان ویسے بھی نرم اور کم گو تھا۔ اسے کسی کے بھی کسی طرح کے بھی فیصلے سے انحراف نہیں ہوتا تھا۔ بی بی جان کی ہر بات پر اس نے سر تسلیم خم کیا تھا اور پھر گلناز کی موت نے اسے اور بھی نرم کر دیا تھا اور اس نرم دلی کا شاہ بانو خاصا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ وہ اپنے بنائے گئے سخت اصول حویلی کے مکینوں پر مسلط کر دینا چاہتی تھی اور ایسے

Marfat.com

میں زرتاشہ پس منظر میں جاتی چلی گئی۔

وہ اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی۔ بس فیروز خان جب تک ہوتا اسے لگتا اس حویلی میں وہ با آسانی اور سکون کے ساتھ سانس لے سکتی ہے مگر جیسے ہی تنہا ہوتی اس کا دم گھٹنے لگتا۔

پھر ایک دن فیروز خان کو شہر جانا پڑ رہا تھا۔ فروٹ کی سپلائی کے کام میں کچھ گڑبڑ ہو رہی تھی۔

''میں بھی جاؤں گی آپ کے ہمراہ شہر۔'' زرتاشہ رات کو اس کے قریب بیٹھ کر رو دی۔

''ارے، مگر تم کیسے جاؤ گی ــــــ؟'' اس کو یوں بچوں کی طرح روتے دیکھ کر فیروز خان بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔

''کیوں۔ میں کیوں نہیں جاسکتی؟ نہ جانے کتنے دن رہنا پڑے آپ کو اور میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ یہ تنہائی مجھے مار ڈالے گی۔''

''ہوں، اتنا چاہتی ہو مجھے، میرے بغیر ایک ہفتہ بھی نہیں رہ سکو گی۔'' اس نے اپنی بڑی بڑی کانچ آنکھیں اس کے بھیگے بھیگے چہرے پر ڈالیں تو وہ سرخ پڑ گئی۔

''ہاں!'' اس نے شرگیں پلکیں جھکا کے سر ہلا دیا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کے جانے کے بعد یہ دن وہ کیسے گزارے گی۔ ان اونچی اونچی دیواروں کے سناٹے اسے مار ڈالیں گے۔ وہ کسی ذی روح سے بات کرنے تک کو ترس جائے گی۔

شاہ بانو کی نفرت۔

اس کی سرد مہری، اس کے اندر مچلتے خون کو منجمد کر دیتی ہے۔

فیروز خان خلاف عادت اسے اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہو گیا تھا۔

''تم میری محبت کا بہت فائدہ اٹھاتی ہو زرتاشے۔'' وہ اس کے گلنار چہرے پر پیار بھری نگاہ ڈال کر شرارت آمیز لہجے میں بولا تو وہ ہنس دی۔

''کبھی ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھایا نا۔'' اس نے بھی برجستہ کہا۔

وہ بہت خوش تھی فیروز خان کی اس رضامندی پر۔ اس حویلی کی اونچی اونچی بلند و بالا عمارت سے باہر نکل جائے گی۔ ایک ہفتے کے لئے ہی سہی۔ اس کے اندر طمانیت سی سرایت کر گئی۔

''ذولین کو یہیں چھوڑ جایئے گا بھابی۔ یہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسے لے جانا مناسب نہیں ہے۔'' مہروز خان نے اسے ذولین کو ساتھ لے جانے سے روک دیا۔

Marfat.com

''آج کل ویسے بھی برساتوں کا موسم ہے شہر میں بھی۔ آپ لوگ پریشان ہوں گے اس کی وجہ سے۔''

''ٹھیک ہے۔'' زرتاشہ نے سر ہلا دیا۔ وہ بھلا دیور کی بات کیسے ٹال دیتی اور وہ بھی اتنے خلوص اور محبت سے کہہ رہا تھا۔

شاہ بانو نے نخوت سے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ انہیں مہروز خان کی ذولین سے بڑھتی چاہت ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ وہ کب چاہیں گی کہ اس کے دشمن کی اولاد اس کے شوہر کے دل میں گھر کر لے۔

زرتاشہ اور فیروز خان ایک سالہ ذولین کو حویلی چھوڑ کر چلے گئے۔ حویلی کی ڈھیروں ملازمائیں تھیں جو ہمہ وقت ذولین کا خیال رکھتی تھیں مگر مہروز خان خود بھی اپنا فارغ وقت اس کی نذر کر دیتا تھا۔ وہ زمینوں سے آکر سیدھا ذولین کو اٹھاتا، اس کے گلابی رخساروں پر ڈھیروں بوسے دیتا۔

''دیکھو تو شاہ، کتنا پیارا ہے بالکل پھولوں کی طرح۔'' وہ اسے اٹھا کر اس کے قریب لے آتا۔ ''ہمارے آنگن میں ایسا پھول کب اترے گا شاہ؟'' وہ محبت اور شرارت سے پوچھتا تو وہ سرخ پڑ جاتی، مگر اندر کہیں دراڑ سی پڑ جاتی۔

چھن چھن۔

بہت کچھ اندر ٹوٹتا چلا جاتا۔

''خیر...... جب خدا کو منظور ہوگا۔'' وہ پھر اسے مغموم دیکھ کر جلدی سے کہہ ڈالتا اور بیڈ پر لیٹ کر ذولین کو اپنے سینے پر بٹھا کر اس سے خوب کھیلتا۔

اچانک موسم بدلا اور پوری وادی اور اطراف کے علاقوں میں برف باری شروع ہوگئی۔ ننھے منے سفید گالے، مکان، درخت، سڑکیں، تاروں کے کھمبے سب سفید ہوتے گئے۔ اتنی شدید بے موسم کی اس برف باری نے مہروز خان کو پریشان کر دیا۔ فیروز خان اور زرتاشہ کے آنے کا وقت تھا مگر سارے راستے تیزی سے بلاک ہو رہے تھے۔

''یہ بہت برا ہوا۔'' وہ اضطراب سے ہاتھ مسلتے ہوئے دریچے سے پار گرتی برف کو دیکھنے لگا۔

''آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ —— یہ تو اب اپنی مدت پوری کر کے رہے گی۔'' شاہ بانو کو اس کا پریشان ہونا ناگوار گزرا۔

''وہ لوگ دو دن شہر میں زیادہ رہ لیں گے تو کیا حرج ہے۔''

Marfat.com

''ہوں...... ہاں یہ تو ٹھیک ہے مگر، خیر۔'' انہوں نے ایک گہری سانس لے کر دریچہ پر دبیز پردہ ڈال دیا۔

دو دن مسلسل برف گرتی رہی۔ پھر کہیں جا کر رکی تو مہروز خان نے سکون کا سانس لیا۔ وادی میں بھی زندگی بیدار ہونے لگی۔ ہر شے متحرک ہونے لگی۔ لوگ موٹے موٹے کپڑوں میں خود کو لپیٹے پھر سے کام میں لگ گئے۔ چہل پہل ہونے لگی، مگر راستے ابھی خطرناک تھے۔ اس نے فیروز خان کو پیغام دے دیا تھا کہ وہ ابھی وادی کا رخ نہ کرے تو اچھا ہے۔ ابھی راستوں کی پہچان مشکل ہے اور پھر جیپ میں آنا اور بھی خطرناک ہے۔

فیروز خان نے مہروز کے اس پیغام کو زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا اور دو دن بعد واپسی کا پروگرام مرتب کر لیا۔ زرتاشہ نے اسے روکا بھی۔

''ابھی دو دن اور انتظار کر لیتے ہیں۔ مہروز بھائی نے منع بھی کیا ہے اور پھر سچ پوچھئے تو میرا دل بھی ڈرتا ہے۔''

''ارے کچھ نہیں ہوتا جانِ فیروز........!'' وہ بہت مطمئن تھا۔ ''میرے ساتھ بھی ڈر لگتا ہے؟''

''مجھے اپنی زندگی سے زیادہ تمہاری زندگی عزیز ہے فیروز خان!'' وہ گہری سنجیدگی سے بے حد سچائی کے ساتھ بولی تو فیروز خان مسکرا دیا۔ اس نے زرتاشہ کے وسوسوں کو دور دھکیل دیا اور دو دن رہ کر وادی کا رخ کیا۔

ادھر مہروز خان کو پتہ چلا کہ وہ لوگ شہر سے نکل گئے ہیں تو وہ متفکر ہو گیا۔

''پاگل ہو گئے ہیں فیروز لالہ تو۔ نہ اپنا خیال ہے اور نہ بھابی کا۔ اگر دو تین دن مزید رک جاتے تو کیا حرج تھا؟'' وہ سخت پراگندہ ہو گیا۔ ''دعا کرنا شاہ، اب خیریت سے آجائیں۔''

''آپ تسلی رکھیں، خدا بڑا نگہبان ہے۔'' شاہ بانو نے اسے تسلی دی۔

مگر وہ سب کچھ ہو گیا جس کا تصور بھی ان سب کے لئے محال تھا ـــــ وادی کی حدود میں داخل ہوتے ہی ان کی جیپ اچانک بے قابو ہو کر پر پیچ پہاڑیوں سے پھسلتی ہوئی کھائی میں جا گری ـــــ برف سے لدی اس کھائی نے دونوں کو ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنا نوالہ بنا لیا۔

جب یہ اندوہناک خبر حویلی میں پہنچی تو مہروز خان گنگ رہ گیا ـــــ اس کے حواس منجمد ہو گئے۔

Marfat.com

اتنی خوفناک۔

اتنی جان لیوا خبر سننے کا اس کا دل کب متحمل تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ بھربھری مٹی کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اس کا اونچا لمبا مضبوط وجود پورا کانپ اٹھا۔

''نہیں نہیں، کہہ دو کہ یہ خبر غلط ہے نصیب خان! کہہ دو۔'' وہ چیخ اٹھا۔ ''یہ کسی نے جان لیوا مذاق کیا ہے میرے ساتھ۔'' وہ بکھر کر رہ گیا۔

حویلی کے درودیوار ہل کر رہ گئے۔ پوری وادی کو اس خبر نے سوگوار کر دیا۔

یہ کیسا ستم ٹوٹا ہے اس حویلی پر۔

دو جوان موتیں ایک ساتھ۔

بچہ بچہ اس غم میں رو اٹھا تھا۔

ہر آنکھ اشکبار تھی۔

مہروز خان تو اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس کے دل کی دیواروں سے لہو رسنے لگا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل غم کے اس بوجھ سے پھٹ جائے گا۔

زولین خان کی صورت میں اس ننھے پھول کو وہ دونوں اس کے دامن میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے اسے دکھوں سے ہمکنار کر کے چلے گئے تھے۔

شاہ بانو اپنی جگہ ایستادہ پتھر کے بت کی طرح نصب رہی۔ وہ خالی ذہن دیوار کو گھورتی رہی۔

کیا گلناز کی موت پر اس نے ان دونوں کے اجڑنے کی جو بددعائیں دی تھیں وہ اتنی جلدی اور یوں قبول ہو گئیں۔ کیا انہیں قبول ہو جانا چاہئے تھا۔ یا ان کی زندگی کے دن ہی پورے ہو گئے تھے۔

وہ پوری آنکھیں پھاڑے، بے حس و حرکت دریچے کے پار کی دیوار دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔

جب کچھ ہوش میں آئی تب بھی آنکھوں سے ایک آنسو نہ ٹپکا۔

آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے یا دل کے ساحل پر کوئی ایسا جذبہ ہی نہ رہا تھا۔

اسے خود پر حیرت ہونے لگی کہ کیا یہ نفرت اتنی بڑھ چکی ہے کہ دل اتنا سخت اور بے حس ہو گیا ہے۔ جذبے اتنے سرد جیسے ڈھیر ساری برف تلے برسوں دبے رہے ہوں۔ اس نے اپنے دل کو ٹٹولنا چاہا کہ وہ کیوں روئی نہیں۔ اس خبر نے اسے کیوں غمزدہ نہیں کیا۔

''ہاں میں کیوں روؤں۔ میرے پاس اب کوئی قطرہ نہیں رہا۔ وہ سارے آنسو میں

Marfat.com

نے گلناز کی موت پر لٹا دیے ہیں۔ بس وہی ایک غم تھا جو مجھے ملا تھا۔ اس کے بعد سارے دکھ، سارے حادثات بے معنی اور بے وقعت ہو کر رہ گئے تھے۔

اس نے بہت سفاکی سے سوچا اور آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ان تمام منظروں سے ان تمام آوازوں سے بچنے کی سعی کی جو حویلی میں گونج رہی تھیں۔

دن ذرا آگے سرکے تو مہروز خان کو ذولین کا خیال آیا۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''شاہے! اب ہم دونوں کو مل کر اس کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ امانت ہے میرے پاس۔'' وہ ذولین کو سینے سے بھینچے بھاری آواز میں بولا تو شاہ بانو نے سر اٹھا کر دیکھا دو دمکتے سبز ہیرے عجیب سی خامشی لئے اسے دیکھ رہے تھے، مگر اس کے اندر کوئی ایسا نرم جذبہ نہ ابھرا جس کا مہروز خان خواہش مند تھا۔ اس نے چہرے کا رخ موڑ لیا۔

''تم مر کر بھی میرے سامنے ہی ہو فیروز خان۔'' اس نے نفرت سے سوچا۔

اس دن شہریار آیا۔ اداس اور ملول بہن اور بہنوئی کی اندوہناک موت نے اسے اور امی کو اجاڑ دیا تھا۔ امی تو بستر سے جا لگی تھیں۔ جوان بیٹی کی موت نے انہیں گہرا صدمہ دیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ زرتاشہ یوں انہیں داغ مفارقت دے جائے گی۔

ابھی تو اس نے کھل کر مسکرانا سیکھا تھا۔

ابھی تو اس کے بکھر جانے کے دن نہیں تھے۔

وہ صدمے سے نڈھال تھیں۔

شہریار خود بے حد پریشان تھا۔ وہ ذولین کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا مدعا مہروز خان کے سامنے رکھا تو مہروز خان کی پیشانی پر ناگواری کے بل پڑ گئے۔

''تم کیا یہ سمجھتے ہو شہریار کہ میں فیروز لالہ کے بعد اسے باپ کا پیار نہیں دے سکوں گا یہ میرے لئے بوجھ ہے۔''

''نہیں، نہیں مہروز خان! بخدا یہ مطلب نہیں تھا میرا۔ وہ تو میں امی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ وہ بہت یاد کرتی ہیں اسے۔'' اس نے جلدی سے اس کی غلط فہمی دور کی۔ ''فیروز خان اور زرتاشے کی موت نے انہیں بالکل توڑ پھوڑ دیا ہے۔''

''میں جانتا ہوں ایک ماں کے لئے یہ کتنا بڑا صدمہ ہوگا مگر تم یہ بھی جانتے ہو کہ فیروز لالہ میرا بھائی تھا اور زرتاشہ میری بھابی۔ یہ دونوں ہستیاں حویلی کی طرح میرے دل کو بھی اجاڑ کر چلی گئی ہیں۔ اب ذولین ہی ہے ان کی نشانی اور میرا خون۔ میں معذرت خواہ ہوں شہریار۔'' اس کا لہجہ اداس تھا اور شہریار مایوس اٹھ گیا۔

Marfat.com

''میں کویت جا رہا ہوں۔ میری جاب وہاں ہوگئی ہے مستقل۔ ابٹی کو بھی لے جا رہا ہوں۔'' اس نے کچھ سوچ کر مہروز خان کو اطلاع دی۔ ''ابٹی یہاں رہیں گی تو پریشان رہیں گی۔''

''ہاں، دکھ کم کرنے کی سعی بہرحال کرنی پڑتی ہے۔ اب یہ دکھ یادیں بن کر دل پر کسی داغ کی طرح نقش رہیں گی۔'' مہروز خان کی بڑی بڑی سنہری آنکھیں نم ہوگئیں۔ ''تم کویت سے جب واپس آؤ تو حویلی میں ضرور آنا۔ اس حویلی کے دروازے تم پر اور ابٹی کے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ ذولین بھی تمہارا منتظر رہے گا۔'' اس نے جاتے وقت گرم جوشی سے اس سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔ پھر ذولین کو اس کی گود میں دیتے ہوئے بولا۔

''تم اس کے ماموں ہو۔ تمہارا اور اس کا رشتہ تاابد قائم رہے گا۔''

شہریار نے ذولین کو خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ اس کی کشادہ پیشانی پر ڈھیروں بوسے دیئے پھر اسے واپس مہروز خان کی گود میں ڈال کر چلا گیا۔

مہروز خان کی ساری محبتیں صرف اور صرف ذولین کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھیں، مگر پھر ایک دن اس کی محبتوں کا شریک 'اشمل خان' کی صورت میں آ گیا۔

بڑی بڑی بھوری آنکھوں والا، بالکل شاہ بانو کی صورت تھا۔

اتنے عرصے بعد حویلی میں خوشی کی کرن چمکی تھی۔ سب کے لب سچی بے لوث مسکراہٹ سے سج گئے۔

شاہ بانو کے پیر تو زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھیں جیسے کہکشاں اس کے پیروں کی دھول ہو۔

اشمل کے آجانے پر مہروز خان کی محبت ذولین کے لئے اپنی جگہ قائم تھی۔ جو شاہ بانو کو ناگوار گزرتی تھی۔ وہ اس محبت کا رخ صرف اور صرف اشمل خان کی طرف موڑ دینا چاہتی تھی۔ اشمل کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جتنی چاہت، جتنی چمک اندتی، ذولین کو دیکھ کر اس کے اندر اتنا ہی زہر بھر جاتا۔

یہی جذبے۔

ایسے ہی سرد گرم احساسات لئے اپنی ڈگر پر چل رہے تھے۔

ذولین کو وادی کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ وہ اب اتنا سمجھ دار ہوگیا تھا کہ نرم اور گرم میں تمیز کر سکتا تھا۔ لبوں سے نکلتے ہر لفظ کو سمجھ سکتا تھا۔ محسوس کر سکتا تھا۔ وہ فطرتاً سنجیدہ، خاموش طبع اور بے حد ذہین تھا۔ وہ صورت کے ساتھ ساتھ ہر انداز بھی فیروز خان

Marfat.com

سے چرالایا تھا۔ سرخ سرخ لبوں کو بھینچے وہ شاہ بانو کو بس دیکھتا، اس کی آنکھوں سے نکلتی وہ ساری ناخوشگوار شعاعوں کی تپش محسوس کرتا تھا مگر اس نفرت کی وجہ جاننے سے قاصر تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس تپش کی شدت محسوس کرنے لگا۔

کئی موسم آئے اور گزر گئے۔

لمحے بوند بوند وقت کے پیالے میں گرتے رہے۔

ایسے میں اشتارا پیدا ہوئی تو زندگی میں دوبارہ ہلچل مچ گئی۔ مہروز خان تو بہت مسرور ہوا۔ اسے بیٹیاں بہت اچھی لگتی تھیں اور وہ بالکل مہروز خان کی صورت تھی۔ ویسی ہی چمکتی شربتی آنکھیں جن میں سارے جہاں کی نرمیاں تھیں۔

''اتنا خوبصورت اتنا بڑا تحفہ تم نے مجھے دیا ہے شاہے۔'' وہ اسے اٹھائے بے تحاشہ چوم رہا تھا۔

اس نے حویلی میں بڑی سی دعوت دے ڈالی۔ شہر سے فیصل ماموں بھی آگئے۔ انہیں یہ سنہری گڑیا اتنی اچھی لگی کہ شاہ بانو سے بولے۔

''شاہے، اسے تو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اپنی بیٹی بنا کر۔''

''ہاں شاہ بانو! اسے تم مجھے دے دو۔'' ممانی بھی ماموں کی تائید میں بولیں تو شاہ بانو ہنس پڑیں۔

''ارے فیصل! شاہے نے مجھے اتنے عرصے بعد ایک پیارا سا تحفہ دیا ہے، وہ بھی تمہیں دے دوں۔'' مہروز خان جلدی سے بولے تو شاہ بانو نے انہیں گھور کر دیکھا۔

''کیوں جی، اشمل خان کو بھول گئے آپ۔''

''آں، ہاں نہیں۔ اصلی تحفہ تو اشتارا ہے۔ بیٹا تو میں نے پہلے ہی پا لیا تھا ذولین کی صورت میں۔ اب تو ایک ننھی منی بیٹی کی ضرورت تھی۔'' مہروز خان اشتارا کو گود میں لئے اپنی ہی دُھن میں بولے اور ادھر شاہ بانو کا چہرہ رنگ بدل کر رہ گیا۔

مہروز خان کے منہ سے ذولین کا نام سن کر ان کا وجود انگاروں پر لوٹ گیا۔ مگر وہ چپ رہیں۔ اتنے سارے لوگوں میں کہتی بھی کیا۔

ذولین خان نے شعور کی زندگی میں قدم رکھا تو اس کو ماضی کی مدفون باتوں کا ادراک ہوا۔ شاہ بانو کا نفرت انگیز لہجہ اسے ہر لمحہ اپنی ہتک کا احساس دلاتا۔ وہ مہروز خان کی وجہ سے چپ بھی تھا تو ان کے اندر پکتا لاوا ذولین سے چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے شہر کے کالج میں ایڈمیشن لے لیا اور وہیں ہاسٹل میں سیٹ ہو گیا۔ مہروز خان

Marfat.com

بے حد خفا ہوئے۔ ان کا خیال تھا روز صبح جیپ اسے شہر چھوڑ آئے گی اور واپس بھی لے آئے گی۔ ہاسٹل میں خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے اتنی چھوٹی عمر میں۔ مگر وہ نہ مانا۔ نہ اس نے کوئی شکوہ کیا۔

وہ جانتا تھا ہاسٹل کی ویران زندگی اس کے لئے کسی کشش کا باعث نہ ہوگی، بلکہ خاصی دقت طلب ہوگی، مگر یہ سوچ کر وہ مطمئن تھا کہ وہاں ایسی نگاہیں نہ ہوں گی جن میں اس کے لئے بیزاری چھلکتی ہوگی۔ یہ تو مہروز خان اور اشمل کا دم غنیمت تھا جو اس نے اتنے برس گزار دیئے۔ اب اسے وحشت ہوتی تھی۔

'انتقام اور نفرت کا یہ انداز بہت غلط اپنایا ہے آپ نے چچی خانم۔' وہ سلگتے ذہن سے سوچتا۔

وہ جب چھٹیوں پر حویلی آتا تو سوائے شاہ خانم کے سب ہی خوش ہوتے۔ اشمل تو اس دن سکول کی چھٹی کر لیتا۔

''ذولین! ہاسٹل کی زندگی کیسی ہے؟ میں بھی اب عنقریب آنے والا ہوں۔'' وہ ہنس کر کہتا اور ڈھیروں سوالات کی بوچھاڑ کر دیتا۔

''اچھی ہے۔'' وہ مختصراً کہہ کر ٹال جاتا۔ اس حویلی سے بہت اچھی ہے وہ سوچتا، مگر کچھ نہیں کہتا۔ اسے چچا خان کی عزت بھی عزیز تھی اور ان کی محبت بھی۔

میٹرک کر کے اشمل بھی ضد کر کے ہاسٹل میں رہائش پذیر ہوگیا۔ اسے روز روز اتنا لمبا سفر کر کے آنا جانا پسند نہیں تھا۔

''اس طرح یکسوئی سے پڑھائی نہیں ہو پائے گی بابا خان!'' وہ سنجیدگی سے کہتا۔ اسے اپنی پڑھائی ذہنی سکون کے ساتھ از حد عزیز تھی۔

ذولین نے ایگری کلچر یونیورسٹی جوائن کر لی تھی جبکہ اشمل کا ارادہ ایم بی اے کرنے کا تھا۔

ذولین خان نے چھٹیوں پر آنا چھوڑ دیا تھا۔ 'کیا فائدہ ایسے گھٹے ماحول میں چھٹیاں گزارنے کا جہاں صرف چچی خانم کے کڑے اصول چلتے تھے، جو رفتہ رفتہ پوری حویلی پر قابض ہو چکی تھیں اور چچا خان پس منظر میں چلے گئے تھے۔ سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہو رہا تھا۔ اس کے جامد لب اور خاموش نگاہیں دیکھ بھی رہی تھیں اور محسوس بھی کر رہی تھیں۔ اس نے چچا خان کی خفگی بھی خاموشی سے سہہ لی۔ مگر چھٹیوں پر آنا مکمل چھوڑ دیا۔ کبھی اگر دل کرتا تو ایک آدھ دن کے لئے ملنے آ جاتا۔

Marfat.com

انہی گزرتے دنوں میں اس پر ایک عجیب سا انکشاف ہوا کہ دو شریر معصوم آنکھیں ہمہ وقت اس کی منتظر رہتی ہیں۔

نوخیز شرمیلی مسکراہٹ۔

متلاشی آنکھیں۔

اسے دیکھ کر خود بخود ہونٹوں کے گلاب کھل اٹھتے۔

''نہیں نہیں، اشتارا۔ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔'' اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ بڑی سی چادر میں لپٹی وہ اپنے سرو قد اور حسین چہرے کے ساتھ اس کے دل میں اترنا چاہ رہی تھی۔ اس انکشاف نے اسے گھبرا دیا۔

وہ جب جاتا تو اس کی آنکھوں کی والہانہ چمک، لبوں پر شگفتہ مسکراہٹ اسے متحیر کر جاتی۔

شاہ خانم سے ڈری سہمی وہ یہاں وہاں ہو جاتی مگر جیسے ہی شاہ خانم کی نگاہیں کہیں اور ہوتیں وہ چپکے چپکے اسے تکا کرتی۔

وہ کم فہم یا اتنا سادہ لوح نہیں تھا کہ جذبات کے رنگ نہ پہچان سکے۔ وہ محبت کی اس روشنی سے آشنا تھا جس میں دل کے ہفت رنگ جذبے یکجا ہو جاتے ہیں مگر وہ جان کر نگاہیں چرا لیتا۔

قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے خود کو دیکھا۔ دراز قد، خوبرو، اس نے اپنی مکمل مردانہ وجاہت کو سرسری دیکھا پھر تخیل میں دو دہکتی آنکھوں کو لاتے ہوئے سوچا۔

''تم نے بہت غلط شخص کو چن لیا ہے اشتارا مہروز، جس کا دل پتھرا گیا ہے۔'' اس نے اپنے پتھریلے چہرے کو دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''تمہارا یہ نازک سراپا کسی پتھر سے ٹکرانے کے لئے نہیں بنا۔ تمہاری معصوم نوخیز امنگوں کو سوائے دکھ کے کچھ نہیں ملے گا۔''

جس دن وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے حویلی آیا، اس نے اسی روز انیکسی میں منتقل ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو اشمل خان پھٹ پڑا۔

''کیوں؟ آخر تم ایسے تنہائی پسند اور قنوطی کیوں بن رہے ہو؟ آخر یہاں کیا مصیبت ہے تمہارے لئے۔'' اس کا یہ اقدام اسے سخت ناگوار بلکہ دکھی کر گیا۔ البتہ بابا خان چپ تھے۔ وہ شاہ خانم کے رویئے سے واقف تھے۔ اس کے اندر موجزن نفرت کے اس بحرِ بیکراں سے بھی آگاہ تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اس نفرت کو ختم نہیں کر سکیں

Marfat.com

گے اور نہ ذولین کی غیرت کو مجروح دیکھ سکتے تھے۔ انہیں فیروز خان کی یہ نشانی بے حد عزیز تھی۔ اس کی عزت، اس کی انا بھی انہیں اتنی ہی عزیز تھی۔

''ٹھیک ہے بیٹا۔ جیسے تم چاہو۔'' انہوں نے رضا مندی دے دی۔

اسی رات اشتارا پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ اس کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔

''کیا ہم لوگ اتنے برے ہیں ذولین خان کہ آپ ہماری صورت دیکھنے کو بھی تیار نہیں۔'' اس دن وہ انیکسی میں صفائی کروانے کے بہانے آ گئی تھی۔ بے حد رندھے لہجے میں بولی تو وہ چونکا۔

وہ پہلی بار اس سے براہ راست مخاطب تھی۔

بھیگی بھیگی آنکھوں میں گہرا شکوہ ہلکورے کھا رہا تھا۔ دھیمے دھیرے لہجے میں درد سمیٹے، اس نے پہلی بار اسے اتنے غور سے دیکھا۔

گہرے گلابی رخساروں کے اوپر دو آنکھیں ایسے نظر آئیں جیسے دو ستارے ہلکی ہلکی پھوار سے بھیگ گئے ہوں اور ایسے میں ان کی جھلملاہٹ گہری ہو گئی تھی۔ وہ آج اسے قدرے مختلف لگ رہی تھی۔ وہ ان دو پُرفسوں نمناک آنکھوں کے سامنے کتنے ہی ثانیے مسحور کھڑا رہا۔

''شاہ خانم کے ناروا رویے کا یہ ردعمل ہے یا یہ بھی آپ کی کوئی ضد کا حصہ ہے۔'' وہ بول رہی تھی اور وہ ششدر ہوئے جا رہا تھا۔ وہ بھلا اسے اتنا کیسے جان چکی ہے کہ وہ ضدی ہے، خودسر ہے اور شاہ خانم کے رویے سے آشنا ہو گئی ہے۔

''تم یہ بھی سمجھ لو۔'' اس نے اچانک سارے جہان کی بیگانگی چہرے پر سجا ڈالی اور پلٹ کر بیڈ روم میں چلا گیا۔ وہ چند لمحے کھڑی رہی پھر باہر نکل گئی۔

یہ پہلا پتھر تھا جو اس کی طرف سے اسے لگا تھا۔ وہ تو اس منزل کی طرف لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی جہاں محبتوں اور عنایتوں کی خواہش جاگ اٹھتی ہے۔

ایسی عنایت۔

ایسی محبت جو صرف اور صرف اس کے لئے ہو۔

جس میں بے گانگی کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اور بے اعتنائی کی آنچ بھی نہ ہو۔

جہاں ہاتھ پھیلا کر انسان ڈھیر ساری محبت تھام کر صرف اپنے دامن میں سمیٹ لینے کا شائق ہو۔ مگر اسے تو پہلے قدم پر ہی ٹھوکر لگی تھی۔

Marfat.com

دل کے اندر دھواں سا بھر گیا۔
مگر نجانے کیوں ایک میٹھی میٹھی سی کسک تھی جو اب بھی سارے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔
اس شخص کی بے اعتنائی۔
آنکھوں کے سبزے میں بجی بے گانگی۔
اس کے قدموں کو پیچھے ہٹانے کی بجائے بہت تیزی سے آگے لے آئی۔
دل کے چراغ کی لو مدھم ہونے کی بجائے اور بھی تیز ہوگئی۔
شاہ خانم نے اسے انیکسی سے باہر نکلتے دیکھا تو ان کا چہرہ تن گیا۔ انہوں نے اسی وقت اپنے کمرے میں بلا کر یہ حکم صادر کر دیا۔
''آج کے بعد تم کبھی انیکسی کا رخ نہیں کرو گی۔ اس نے جب اپنے راستے الگ کر لئے ہیں تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ان راستوں کی سمت جانے کی، سمجھ گئیں تم۔''
انہوں نے بے حد شاطرانہ انداز میں سارا بار ذولین خان پر ہی ڈال دیا۔ وہ بھونچکا سی رہ گئی۔
'آپ کے غلط رویوں اور نفرت آگیں نگاہوں نے اسے اس اقدام پر مجبور کیا تھا' وہ اندر ہی اندر پگھل گئی۔ 'یہ تو خونی رشتے ہیں شاہ خانم۔ انہیں کیسے کاٹ دیا جا سکتا ہے۔ جسم کا کیا ہے، یہ تو روح اور خون کا سنگم ہے'۔ اس نے صرف سوچنے پر اکتفا کیا اور سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
ذولین خان نے اپنے باپ کی زمینیں سنبھال لی تھیں۔ وہ بابا خان کی بھی بہت مدد کرتا تھا۔ اس نے اسی فیلڈ میں تعلیم حاصل کی تھی جس کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

+++

''ٹھائیں۔ ٹھائیں۔'' گولیوں کی تیز آواز پر شاہ خانم کی بند آنکھیں کھل گئیں۔ نہ جانے وہ کتنی دیر روتی رہی تھیں۔
''یہ کیسی آوازیں ہیں خیزراں؟'' انہوں نے پیچھے کھڑی خیزراں کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھے بغیر پوچھا اور کھڑکی کے باہر دیکھا۔
اب منظر بدل چکا تھا۔ پورچ خالی تھا اور بارش کی بوچھاڑ تیز بوندوں میں بدل گئی تھی۔
ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔
''پپ پتہ نہیں جی۔ میں معلوم کرتی ہوں۔'' اس کی زبان ہمیشہ لکنت کھا جاتی۔

Marfat.com

''یہ آوازیں اتنی خوفناک نہیں لگ رہیں۔ فائر صرف پہاڑوں پر ہی کیے گئے ہیں۔'' انہوں نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں تم جاؤ معلوم کرو۔'' وہ کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔ خیزراں کے باہر نکلتے ہی وہ پلٹیں اور چادر کے کنارے سے چہرہ صاف کیا۔ دریچے کے پٹ بند کر دیے اور ہاتھ بڑھا کر کمرے کی ساری روشنیاں گل کر دیں۔ اس بڑھتے ہوئے اندھیرے سے۔ انہیں وحشت ہو رہی تھی۔

خیزراں تھوڑی دیر بعد اندر آ گئی اور باادب ایک طرف کھڑی ہو کر دھیرے سے بولی۔

''زرسانگہ کی شادی طے ہو گئی ہے نا، اس ہفتے کے آخری دن میں۔ اس کے یہاں لوگ ہوائی فائر کر رہے ہیں۔''

''آں اچھا اچھا۔'' شاہ خانم نے ایسے سر ہلا دیا جیسے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔

+++

''زرسانگے کے سارے رشتہ دار آ گئے ہیں۔ پرلے گاؤں میں اس کے ننھیال رہتے ہیں نا۔'' زیبل جانے کہاں سے ساری معلومات اکٹھی کر لائی تھی۔ اب اشتارا کے لمبے بالوں کو دھیرے دھیرے سلجھاتی اسے بتا رہی تھی۔

''بہت خوش ہیں سارے لوگ۔ اس کے ننھیال میں یہ پہلی شادی ہے نا۔''

''اور تماش۔ اس کا کیا ہوگا؟''

''وہی جو زرسانگہ کا ہوگا بلکہ ہو رہا ہے۔'' زیبل اس کے سارے بالوں کو ہاتھ میں لپیٹ کر آئینے میں اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب۔'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے لمبی لمبی پلکیں جھپکیں۔

''تم بھی بہت بھولی ہو خان زادی۔ بھلا یہ بھی نہ سمجھنے والی بات ہے۔''

''بتاؤ نا زیبل۔'' وہ اصرار کرنے لگی۔

''زرسانگہ کی شادی ہو جائے گی۔ ظاہر ہے دونوں دکھی ہیں۔ مگر وقت بڑا مرہم ہے۔ دکھوں کو کم کر دے گا۔ ایک دن تماش بھی کسی اچھی لڑکی سے بیاہ کر لے گا۔'' زیبل اتنے اطمینان سے بتانے لگی جیسے وہ واقعی ان دونوں کے مستقبل سے آگاہ ہو۔

اشتارا ششدر رہ گئی۔

''کیا یہ سب اتنا آسان ہے؟ نہیں زیبے، یہ کہنا آسان ہے۔'' اس نے زیبل کی بات کی نفی کر دی۔ اس کی آنکھوں میں ایک انجانا کرب سمٹ آیا۔ وہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ زیبل نے اس کے بالوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت چھوڑ دی تو

Marfat.com

سارے طلائی بال لچک کر کمر اور شانوں پر بکھر گئے۔

''کیوں اشتارا بی بی۔ تو پھر کیا ہوگا؟'' زیبل نے اچنبھے سے پوچھا۔

''تم کہتی ہو وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔ ہاں سچ کہتی ہو۔ مگر زیبے زخم تو بھر جاتے ہیں پر داغ تو رہ جاتے ہیں نا، اور یہ داغ ساری زندگی کے لئے کسک بن جاتے ہیں۔'' اس نے دریچے سے باہر جھانکا۔ گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ سیاہ بادلوں کے ٹکڑے اپنا سارا پانی زمین پر نچھاور کر رہے تھے۔

''دیکھو بادل بھی رو رہے ہیں زرسانگے کے لئے۔ جانتی ہو آج زرسانگہ بھی اسی طرح ٹوٹ کر رو رہی ہوگی۔''

''ہاں، نجانے ان بادلوں کو کیسے خبر ہو جاتی ہے کہ آج کسی کے نین برس رہے ہیں۔ خود بھی شریک ہو جاتے ہیں۔'' زیبل بھی اداس ہوگئی۔ اس کی دوست زری اتنے بڑے دکھ سے گزر رہی ہے، اکیلی تنہا۔ اپنے بھی تو دشمن بن گئے ہیں۔

''یاد ہے زیبل! تُو زری کو کوستانے کے لئے اکثر کہتی تھی کہ تماش سے اچھا نواب داد ہے، وہ تجھے زیادہ خوش رکھے گا، مگر نہیں۔ میں کہتی ہوں تماش اچھا ہے پرخلوص۔''

''ہاں کہتی تو تھی۔'' زیبل ذرا شرمندہ سی ہوگئی۔

''میں بھی یہی سمجھتی تھی کہ وہ محض کاہل اور کام چور ہے اور زرسانگہ سے دل لگی کر رہا ہے۔ اپنے لمحوں کو رنگین بنا رہا ہے۔ مگر نہیں زیبل۔ دیکھو اس نے صرف زری کی خاطر خود کو یکسر بدل ڈالا۔ برسوں کی پختہ عادتیں چھوڑ دیں۔ زمینوں کا کام سنبھال لیا۔ اپنی زندگی کو سنوار لیا اور زری کو پانے کے لئے رات دن ایک کر ڈالا۔ مگر اسے کیا ملا۔ کچھ بھی تو نہیں۔'' اس کی آنکھیں زرسانگہ کے غم میں ڈوب گئیں۔

''ہاں مقبول شاہ نے اس کے ماضی کو کسی صورت معاف نہیں کیا۔ خود ہی اپنی بیٹی کی خوشیوں کا دشمن بن گیا۔'' زیبل کو اشتارا کا ایک ایک لفظ سچ لگ رہا تھا۔ بالکل حقیقت۔

''تم جاؤ گی نہیں اشتارا بی بی، زرسانگہ کے پاس؟''

''میں۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر مضطربانہ انداز میں چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔

''نہ جانے شاہ خانم اجازت بھی دیں گی یا نہیں۔''

''دو روز بعد اس کا نکاح ہو جائے گا۔ پھر دو روز رک کر رخصتی ہو گی۔ زرسانگہ کی سسرال دوسرے گاؤں میں ہے نا، رخصتی رک کر ہو گی۔ تم بات تو کر لینا شاہ خانم سے۔ شاید وہ اجازت دے دیں۔'' زیبل اس کی ٹوٹتی ہمتیں جوڑ کر بولی۔

Marfat.com

''ہوں۔'' اس نے کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔

بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ دھند یکلخت چھٹ گئی تھی۔ ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ ہر چیز دھل کر نکھر آئی تھی۔ بڑے بڑے ناریل اور صنوبر کے درخت کھلکھلاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ لمبی لمبی کیاریوں میں سجے پھولوں کا رنگ نکھر آیا تھا ـــــ شفاف دیواریں آئینوں کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ بارش کے بعد ہر شے کے نقوش نمایاں اور دلکش ہو گئے تھے۔

اس نے سارا منظر بہت سپاٹ اور سرسری نگاہوں سے دیکھا۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا، کوئی اور موسم ہوتا اس کے دل کا تو وہ اس پھیلے حسن کی ساری طراوت اپنے اندر اتار لیتی۔ دیوانہ وار یہاں وہاں نرم گھاس پر بھاگتی۔ رنگ برنگے پھولوں کو چومتی یا پھر تالاب کے کنارے بیٹھ کر آسمان پر ٹمٹماتے ستاروں کو تکتی رہتی۔ ہمیشہ کی طرح رفتہ رفتہ اس کی روشنی تیز ہو جاتی۔ پھر دفعتاً کہیں سے سنہری چاند آ نکلتا کسی ٹہنی کے پیچھے سے۔ پتوں کے پیچھے پیچھے چھن چھن کر اندھیرا بڑھ جاتا۔ پھر گہری تاریکی۔ ہر شے مہیب نظر آنے لگتی اور اس اندھیرے میں چیڑ کے نوکیلے پتوں کی سرسراہٹ، معطر پھولوں کی خوشبو اور دھیمی دھیمی چاندنی کے علاوہ سب کچھ خاموش ہو جاتا۔ پھر کوئی اچانک پوری حویلی کو مصنوعی روشنیوں سے نہلا دیتا۔ زیبل اس کے قریب کھڑی ہوتی۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتی تو وہ چونک اٹھتی۔

اسے یہ لمحے انتہائی پرفسوں لگتے تھے۔

آہ۔ مگر آج اس کے دل کے افق پر صرف زرسانگہ کا دکھ پھیلا ہوا تھا۔ کسی گہری تاریکی کی طرح اس کے تخیل میں اس کی سیاہ بھنورا سی آنکھیں کبھی ہنس رہی تھیں کبھی رو رہی تھیں تو کبھی فریاد کناں تھیں۔

اس نے جب محبت کے فرحت آگیں سفر پر قدم رکھا ہوگا تو سوچا بھی نہیں ہوگا کہ یہ سفر اتنا پُرپیچ، اتنا پُرخار ہوگا۔ اتنا ڈھیر سارا دکھ اس کے ہمراہ سمٹ آئے گا۔ منزل کی بجائے گہری تھکان اس کا استقبال کرے گی۔

نارسائی کا دکھ نہ جانے کیسے زرسانگہ جھیل رہی ہوگی۔

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کے ذہن کی ساری سوئیاں بس زرسانگہ پر ہی اٹک کر رہ گئی تھیں۔

دوسرے دن وہ شاہ خانم سے زرسانگہ کے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے آ گئی۔

Marfat.com

شاہ خانم نے اسے گھور کر دیکھا۔

''تم زرسانگہ کے گھر جاؤ گی؟'' انہیں اچنبھا سا ہوا۔

''اس کی شش شادی ہونے والی ہے ناں۔'' اس نے ہمت کر کے دھیرے سے بات آگے بڑھائی۔

''ہوش میں تو ہو۔ تم یعنی شاہ خانم کی بیٹی اب ایک چھوٹے سے گھر کی معمولی سی لڑکی کی شادی کا بے تکا ہنگامہ دیکھنے جاؤ گی۔'' ان کا لہجہ برہم بھی تھا اور استہزائیہ بھی۔

اشتارا کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اپنی دوست اپنی رفیق کی اس تذلیل پر اس کے اندر احتجاج کی سرد لہر اٹھی اور اندر ہی کہیں گم ہو گئی۔

اس نے لب دانتوں میں دبا لئے۔

''جانے دو شاہ ہے۔'' بابا خان جو کنارے کی بڑی سی کرسی پر براجمان تھے، پہلی بار بولے۔ انہیں اشتارا کا معصوم اور بے بس چہرہ بولنے پر مجبور کر گیا۔

''مگر آپ جانتے ہیں، یہ کون لڑکی ہے۔'' شاہ خانم کے لہجے میں حقارت سمٹ آئی۔

''ہاں، اس کے بچپن کی سہیلی ہے، ایک ساتھ کھیلی ہیں دونوں۔'' بابا خان نے یہ کہہ کر گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ بھڑک اٹھیں۔

''اونہہ، وہ کوئی اشتارا کے بچپن کی سہیلی نہیں ہے اور اشتارا تم نے۔'' پھر بل کھا کر اشتارا کو قہر برساتی نگاہوں سے دیکھا۔ ''ہمیشہ ایسے بے حیثیت اور کم ظرف لوگوں سے دوستیاں باندھیں ہیں تم نے۔ بے وقوف، گدھی لڑکی۔ کب عقل آئے گی تمہیں۔ نہ تمہیں اسٹیٹس کی پرواہ ہے نہ حیثیت اور اپنی وقعت کی۔ کیا دلچسپی ہے ایسے لوگوں سے تمہیں؟''

''وہ، وہ بہت اچھی ہے شاہ خانم——!'' اس نے اپنی آنکھوں کا پانی اندر ہی اتار لیا۔ اس کی سماعت پر آگ بھرے تیر برس رہے تھے۔ زرسانگہ کی اس بے وقعتی پر اس کا دل کٹ سا گیا۔

''اونہہ، اچھی۔'' انہوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

''جانے دو شاہ ہے اسے، جلدی آجائے گی۔'' بابا خان کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ اشتارا نے سر اٹھا کر بابا خان کو دیکھا۔ شاہ خانم کی باتوں پر ان کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی مگر بے حد سپاٹ چہرہ لئے وہ اس کے حمایتی تھے۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' شاہ خانم جھنجلا گئیں۔

''تم جاؤ اشتارا، مگر جلدی آنا۔ محمد سلام تمہیں چھوڑ آئے گا اور اسی کے ساتھ واپس

Marfat.com

آجانا۔'' بابا خان کی بات سن کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ یہ دیکھے بغیر کہ شاہ خانم کے کیا تاثرات تھے۔ وہ جانتی تھی اب بابا خان انہیں سنبھال لیں گے۔ وہ مزید ایک لمحہ بھی ٹھہر جاتی تو یقیناً شاہ خانم کا حکم ہی اسے سننا اور ماننا پڑتا۔

وہ جلدی اپنے کمرے میں گئی۔ اپنی گرم شال اوڑھ کر کاسنی ریشمی پردوں سے سجی پجیرو میں آبیٹھی۔

محمد سلام کو زرسانگہ کے گھر کا پتہ اس نے سمجھا دیا تھا۔ پجیرو دھیرے دھیرے ڈھلوانی راستوں سے گزرنے لگی، مگر اچانک محمد سلام نے روک دی۔

''کیا ہوا محمد سلام؟'' اس نے حیرت سے استفسار کیا۔ وہ بالکل پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ محمد سلام کی سیٹ سے اس کا خاصا فاصلہ تھا۔

''پٹرول تو ختم نہیں ہوگیا؟''

''نہیں جی۔۔۔ یہ ذولین خان ہیں جی۔'' وہ کھڑکی سے سر باہر نکال کر بولا تو وہ چونکی۔

''ذولین خان۔'' اس نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر باہر جھانکا۔ مشکی گھوڑے پر بیٹھا پستئی رنگ کے شلوار سوٹ اور سیاہ جیکٹ میں ملبوس خاصا ہشاش بشاش لگ رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح ایک عجیب سا طلسم تھا۔ ایسا طلسم جس نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ یہی آنکھیں تو تھیں جس نے اس کے اندر ہیجان خیز احساسات جگا دیئے تھے۔

آج بھی اس کے دل کی بستی میں ہلچل مچ گئی۔

''کہاں جا رہے ہو محمد سلام؟'' وہ سڑک کے دوسری طرف ڈھلوانی راستے پر گھوڑا روکے کھڑا تھا۔

''جی۔ وہ اشتارا بی بی کو چھوڑنے جا رہا ہوں، کوئی کام ہے کیا؟'' اس نے دروازہ کھول کر نیچے اترنا چاہا تو ذولین خان نے جلدی سے روک دیا۔

''نہیں نہیں۔ تم جاؤ۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے بے اختیار نگاہیں اس کھلے شیشے پر ڈالیں۔ اندر سے سیاہ چادر کے ہالے میں دو جگمگاتی آنکھیں صاف نظر آرہی تھیں۔

سبز سبز نگینوں سے نگاہیں ٹکرائیں تو اس نے جلدی سے رخ پھیر لیا۔ وہ اس سے خفا تھی جس کا برملا اظہار کر دینا چاہتی تھی۔ اپنی ہتک اسے ابھی تک یاد تھی۔

''چلو محمد سلام......!'' وہ تحکم بھرے لہجے میں بولی تو محمد سلام نے جھٹ سے پجیرو اسٹارٹ کر دی۔

ذولین خان نے اس کی آواز سنی جس میں گہری چبھن اور خفگی سمٹی ہوئی تھی۔

Marfat.com

بجیرو دھیرے دھیرے سڑک پر پھسلتی آگے بڑھنے لگی تو وہ بھی گھوڑے کی راس کھینچ کر دوسری طرف اتر گیا۔

'میں تم سے اپنی ڈھیروں ہتک کا بدلہ نہیں لے سکتی ذوالین خان۔ یہ تو بس ایک ہلکا سا احتجاج تھا۔' اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ نہ جانے گھوڑا لئے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ چھوٹی لمبی اونچی نیچی پہاڑیاں سنسان اور ویران تھیں۔
بجیرو زرسانگہ کے گھر کے قریب آ کر رکی تو وہ اتر آئی۔ پھر محمد سلام کی طرف آتے ہوئے بولی۔

''تم اب جاؤ، مجھے ایک گھنٹے بعد لے جانا۔''

''نہیں بی بی جی، شاہ خانم نے حکم دیا ہے کہ پورے آدھے گھنٹے بعد ہی آپ کو لے جاؤں۔''

''ٹھیک ہے تو آدھے گھنٹے بعد آجانا۔'' اسے غصہ آ گیا۔ شاہ خانم کے اجنبی کڑے پہرے سے اسے وحشت ہونے لگی۔

''مگر، جی۔''

''اگر مگر کچھ نہیں۔'' وہ چیخ اٹھی۔

''ج...... جی بہتر......'' محمد سلام گھبرا گیا اور بجیرو اسٹارٹ کر کے تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔

وہ چند ثانیے تنے تنے چہرے کے ساتھ کھڑی رہی۔ وہ زرسانگہ سے مل کر گل بی بی کے پاس جانا چاہتی تھی۔ آج اسے موقع مل گیا تھا ورنہ تو شاہ خانم اس کے ایک ایک قدم کا حساب رکھتی تھیں اور وہ اس طرح اجازت لے کر بلند و بانگ اعلان کر کے گل بی بی کے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ گھر تو گھر وہ ان کے سامنے گل بی بی کا تذکرہ کرنے سے بھی گریز کرتی تھی، مبادا وہ برہم ہو کر اسی پر نہ برس پڑیں۔
زرسانگہ کا چھوٹا سا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ بچے، عورتیں، لڑکیاں ادھر ادھر آ جا رہی تھیں۔ وہ سب اس کے لئے قطعی اجنبی تھیں اور خود وہ سب کے لئے ناآشنا تھی۔

''ارے تم خان زادی، یہاں اس غریب خانے میں۔'' نور جان اسے اپنے چھوٹے سے کچے پکے صحن میں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

''کیوں، میں یہاں نہیں آ سکتی؟'' وہ ہولے سے مسکرائی۔

''نہ بی بی، کیوں نہیں آ سکتی، یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے، آؤ آؤ اندر آؤ۔'' نور جان کا چہرہ

Marfat.com

چمک اٹھا۔

حویلی کی خان زادی کو یہاں دیکھ کر وہ مسرت سے کھلی جا رہی تھی۔ مہمان عورتیں اسے اجنبی اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، کچھ حیرت کا تاثر لئے، کچھ بے مقصد مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے۔

''زرسانگہ کہاں ہے نور جان!'' اس نے رک کر پوچھا، وہ جلد از جلد زرسانگہ سے ملنا چاہتی تھی۔

''ہاں ہاں زرسانگے وہاں کنارے کے حجرے میں بیٹھی ہے ٹھہرو۔'' نور جان نے پلٹ کر سامنے دیوار کے ساتھ بیٹھی دوپٹے پر گھنگھرو لگاتی لڑکی کو پکارا۔

''بخت آرا، ذرا اسے زرسانگہ تک پہنچا آؤ اور ہاں دروازہ ٹھیک سے بند کر دینا پرائی نظر نہ پڑ جائے۔'' وہ پلٹ کر اشتارا کو دیکھ کر بولی اور بلا مقصد مسکرا دی۔

وہ بخت آرا کے سنگ اس کنارے والے حجرے تک آ گئی۔ باریک لکڑی کا دروازہ بند تھا۔

''تم لوگوں نے اسے اکیلا چھوڑ رکھا ہے۔'' دروازہ کھولتے ہوئے اس نے بخت آرا کو دیکھا۔

''جج جی۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''ہم تو اس کے پاس ہی بیٹھتے ہیں پر وہ منع کرتی ہے۔ کہتی ہے میں اکیلی بیٹھنا چاہتی ہوں۔ ویسے دل آرا میری بڑی بہن اس کے پاس بیٹھتی ہے۔''

''اچھا اچھا اب تم جاؤ۔'' اشتارا نے اسے بھگا دیا اور خود دروازہ کھول کر اندر آئی تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

کنارے پر بچھی بے رنگ دری پر وہ اجاڑ اجاڑ ویران سی بیٹھی تھی۔ بڑی سی پیلی چادر میں بھی اس کا چہرہ پھیکا پھیکا لگ رہا تھا۔ ان چمکتی آنکھوں میں ڈھیروں کرب سمٹا ہوا تھا۔ وہ بے مقصد دری پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔ آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو آنکھیں لحظہ بھر کو چمک اٹھیں جیسے ویران مزار پر دیئے جل اٹھے ہوں۔

''اشتارے! تو تم......'' وہ بے تابانہ اٹھ کر اس کی طرف لپکی۔ اشتارا نے بھی آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

''اشتارا! کہاں چلی گئی تھی۔ میرے پاس اب آئی ہو جب سب کچھ لٹ گیا۔'' وہ نہ جانے کب کا سیلاب روکے بیٹھی تھی۔ یکلخت سارے بند ٹوٹ گئے۔

''زری!......زری، میری جان! تُو جانتی تو ہے، میں بھی اونچی اونچی دیواروں میں قید

Marfat.com

ہوں۔" اس نے زرسانگہ کے سارے آنسو اپنی چادر میں چن لئے۔ "کیا حالت بنا رکھی ہے تو نے، کیوں ایسا روگ جی کو لگا بیٹھی ہے۔" وہ اس کے علیل چہرے کو دیکھ کر اضمحلال سے بولی اور اسے تھامے دری پر بیٹھ گئی۔

"یہ ظلم ہے اور اس سے بڑا ظلم تم خود پر کر رہی ہو زرسانگے! جب احتجاج کی طاقت نہیں تھی، اپنا حق مانگنے کی جسارت نہیں رکھتی تھی تو پھر کیوں اپنا آپ محبت کے نام پر لٹا بیٹھی۔" وہ بلک اٹھی۔ اپنی پیاری عزیز از جاں دوست کو دکھوں کے اس طوفان میں پامال ہوتا دیکھ کر اس کے دل کی دیواروں سے خون رسنے لگا۔

"تم یہ مجھ سے کہہ رہی ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ محبت شعوری عمل نہیں ہے۔ بخدا اگر یہ دل میرے اختیار میں ہوتا تو میں کبھی کی اسے بھول جاتی۔"

"اب بھی بھول سکتی ہو، ہاں زری! تیرے حق میں اسے بھول جانا ہی بہتر ہے۔ کھرچ ڈال دل سے وہ سارے منظر جیسے تو نے کوئی خواب دیکھا تھا۔" اشتارا اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی تو اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم سے کوئی کہے کہ تم ذولین خان کو بھول جاؤ، اس کے خیالوں سے فراموش ہو جاؤ۔" زرسانگہ نے کہا تو اس کی پلکیں لرز گئیں۔ پہلو میں دل بے قرار ہو کر پھڑ پھڑانے لگا۔ اس نے لب دانتوں میں دبا کر بے بس نگاہوں سے زرسانگہ کو دیکھا۔ یہ ظالم لڑکی ہمیشہ ایسے ہی تیر پیوست کر جاتی ہے۔

"نہیں اشتارے، بھول جانے کا دوسرا نام واپس پلٹ جانا ہوتا ہے اور میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر آگے بڑھی تھی۔ میں نے کوئی روئی کے ٹکڑے بکھیر کر نہیں رکھے تھے واپسی کے سارے راستے کھو چکی ہوں میں۔"

"مگر زرسانگے اس کے سوا تمہارے لئے کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔" وہ الجھ گئی یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پاگل ہو رہا تھا کہ اب زرسانگہ اس نئی زندگی کی ابتدا کیسے کرے گی جبکہ تماش خان کی محبت اس کے ہمراہ ہو گی۔

"میں تماش خان کو نہیں بھول سکتی۔ مر کے بھی نہیں۔ اس کی محبت میرے خون میں گردش کر رہی ہے۔ بھلا میں خون کے ایک ایک قطرے سے اسے کیسے صاف کروں۔ وہ میری روح ہے اور روح کے بغیر زندہ کیسے رہا جاتا ہے۔" وہ سر گھٹنوں میں رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں بھی کتنی پاگل تھی اشتارے۔ پت جھڑ میں بہاروں کے خواب دیکھتی رہی۔ چاند

Marfat.com

ستاروں کو پکڑنے کی خواہش کر بیٹھی۔ میں نہیں جانتی تھی منظر یوں اچانک بدل جائے گا۔ زندگی اپنی تمام تر بدصورتی اور ہولناکی کے ساتھ میرے سامنے یوں تن کر کھڑی ہو جائے گی۔ میں بھی بے کل، بے نوا پتوں کی طرح بکھر جاؤں گی۔"

"ہاں میں تمہارا درد محسوس کر سکتی ہوں۔ مگر میں خوفزدہ ہوں۔ اگر...... اگر کہیں نواب داد کو ان سب باتوں کا علم ہو گیا...... اگر اسے شک ہو گیا تو......" اشتارا نے بہت دنوں سے دل میں مچلتے خدشے کو زبان دی تو زرسانگہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ اس کی بھیگی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

"نہیں، نہیں...... اسے کیسے شک ہو سکتا ہے اور اگر یہ ہوا تو...... نہیں، یہ نہیں ہونا چاہئے۔" اس کا حلق خشک ہونے لگا۔

نواب داد کا تنا ہوا چہرہ، سرخ سرخ کھڑی ناک، تخیل میں لہرانے لگی۔

اس پہلو پر تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اپنی آنکھوں میں مچلتے تماش کے نام کے جذبے کو چھپانے کی کوشش ہی اب تک نہیں کی تھی۔

"وہ کیسے مزاج کا آدمی ہے، تماش کی طرح نرم مزاج یا؟"

"نہیں، وہ بہت سخت اور ظالم شخص ہے۔" زرسانگہ نے لرزتی آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔ "اسے خبر نہیں ہونی چاہئے۔ وہ بہت سفاک ہے بالکل میرے داجی جیسا۔" اس نے اپنے ٹھنڈے یخ ہاتھ اشتارا کے ہاتھ میں دے دیئے۔

اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ بڑی سیاہ آنکھوں میں وحشت سی اتر آئی تھی۔

"نہیں زری۔ بھلا اسے کیسے خبر ہوگی؟" اشتارا نے اس کے سرد بے جان ہاتھوں پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کر دی۔

"تم اپنے آپ کو حالات کے بہتر دھارے پر کھلا چھوڑ دینے کی بجائے اپنے آپ کو سنبھالو۔ کوئی مرد بھی وسیع القلب نہیں ہوتا۔ ظرف کے معاملے میں سارے مرد صفر ہوتے ہیں۔ چاہے وہ باپ ہو، بھائی ہو یا شوہر۔ میں جانتی ہوں تم بہت بہادر ہو، یقیناً اپنے آپ کو سنبھال لوگی۔ آنے والی زندگی کا حوصلے اور سمجھداری کے ساتھ سامنا کرو گی، کرو گی نا؟" وہ اسے تسلی دینے لگی۔ اس کی کمر میں بازو حمائل کر کے اس کے بکھرے وجود کو سمیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

"زیبل کہہ رہی تھی زری سے کہنا کہ صرف میری خاطر تھوڑا مسکرا لینا۔ وہ کہہ رہی تھی زری مسکراتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گلاب کے شگوفے کھل اٹھے ہوں۔

Marfat.com

ہر طرف مدھر پائل بج رہے ہوں۔" وہ جبراً مسکرا کر اس کی تشفی کرنا چاہ رہی تھی۔ زرسانگہ روتے روتے مسکرا دی۔

"زیمل سے کہنا وہ میرے پاس ضرور آئے۔"

"کہہ دوں گی، اچھا اب میں چلوں گی۔"

"اتنی جلدی؟" وہ اداس ہونے لگی۔

"کیا کروں، بڑی مشکل سے آئی ہوں، اتنے دنوں سے گل بی بی کی طرف بھی نہیں گئی۔"

"شاہ خانم سے ڈرتی ہو تم بہت۔" زرسانگہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی، اس کی پلکیں جھک گئیں۔

"ہاں۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔ "تم تو جانتی ہو زری! گل بی بی کے نام پر ہی شاہ خانم برہم ہو جاتی ہیں۔ تمہارے گھر کا بہانہ کر کے آئی ہوں نا، تو ان سے بھی مل آتی ہوں۔"

"اکیلی کیسے جاؤ گی وہاں تک۔ ٹھہرو میں بخت آرا کو تمہارے ساتھ بھیج دیتی ہوں، وہ تمہیں......"

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے انکار کر دیا۔ "بس تھوڑا راستہ ہی تو ہے، واپس یہیں آؤں گی۔ محمد سلام گاڑی لے کر آجائے گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

زرسانگہ ایک بار پھر اس کے گلے لگ گئی۔ خود بخود ہی گرم گرم آنسو دونوں کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"میری باتیں ضرور مان لینا زری۔ یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔" اشتارا الگ ہوتے ہوئے بولی تو اس نے سر ہلا دیا۔

زرسانگہ کے کمرے سے وہ باہر آگئی۔ چھوٹی سی راہداری میں خاموشی تھی۔ سب عورتیں نور جان بی بی کے چھوٹے سے کمرے میں جمع خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ وہ نور جان کو رک کر کمرے کی کھڑکی سے ہی خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

اس کی نگاہیں زرسانگہ کے کمرے کے باہر دوسری طرف رکھی چھوٹی سی لکڑی کی الماری کے پاس کھڑے نواب داد پر نہ پڑ سکی تھیں جو کب سے کھڑا ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ اپنے کسی کام کے سلسلے میں داجی سے ملنے آیا تھا۔ مگر اس کے قدم تماش کے نام پر رک گئے تھے اور اس کی سماعت نے جو کچھ سنا اس کے دل کے لئے بہت

Marfat.com

اذیت ناک تھا۔

زرسانگہ کی سسکیاں۔

تماش کی چاہت میں اس کی ڈوبی آواز۔

اس کی روح میں جیسے کند چھری پھیر دی ہو زرسانگہ نے۔

اس کا وجود کانپنے لگا۔ سرخ ہونٹ دانتوں میں دبانے سے اور بھی سرخ انگارہ ہو گئے۔ پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔ اس کی منگ جواب صرف ایک دن بعد اس کی منکوحہ ہو رہی تھی، تماش خان کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خون اگلنے لگیں۔

وہ داجی کو ڈھونڈنے کی بجائے سب سے نظر بچاتا واپس باہر نکل گیا۔

+++

''امی، امی۔ کیا یہ فیصلہ، یہ خیال آپ ترک نہیں کرسکتیں۔'' ماہ گل کی آواز میں رونے کا تاثر پیدا ہو گیا تھا۔ اسے گہرا صدمہ ہوا تھا، یہ اس کی ماں کیا کرنے لگی تھی؟

پھر یہ کسے امتحانات میں گھسیٹنے کا عزم کر چکی ہیں۔

''نہیں بدل سکتی میں۔ اس لئے کہ یہ فیصلہ صرف میرا ہی نہیں تمہارے ابو اور شاہ خانم کا بھی ہے جو غلط قطعی نہیں ہے۔'' امی یہ کہہ کر کرسی سے اٹھنے لگیں تو ماہ گل نے جلدی سے انہیں بازو سے تھام کر دوبارہ بٹھا دیا اور خود ان کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

''مجھے دیکھئے امی! آپ سب کے مشترکہ فیصلے کی بھینٹ چڑھ گئی ہوں میں۔ یہ وٹے سٹے کی شادیاں بربادی ہے سراسر۔ اگر ان میں سے کوئی فریق بھی دل سے راضی نہ ہوا یا اپنے شریک سفر سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہوئی تو، تو اس کی سزا سب کو ملتی ہے۔ جس طرح مجھے مل رہی ہے۔ آپ جانتی بھی ہیں کہ زمان بھائی اور شاردا بھابی کی ازدواجی زندگی کی ناکامی کا دکھ میں بھی سہہ رہی ہوں۔''

''مگر یہاں یہ معاملہ نہیں ہے ماہی!'' امی اس کے رونے پر نرم پڑ گئیں۔ اشتارا بہت معصوم اور پیاری بچی ہے اور اشمل بھی سلجھا ہوا پڑھا لکھا لڑکا ہے۔''

''امی، مجھے اشمل اور سحر گل کے رشتے سے انکار نہیں ہے۔ مگر، مگر امی! اشتارا اور فروان، بہت بے جوڑ ہوگا یہ رشتہ۔ صرف جسمانی ساخت سے کچھ نہیں ہوتا۔ فروان ذہنی طور پر بہت پست ہے اور پھر وہ اشتارا سے ایک سال چھوٹا بھی ہے۔'' وہ جھنجلا گئی۔

کیوں نہیں سمجھ رہی تھی اس کی ماں۔ جان بوجھ کر آنکھ بند کرنے سے یہ صاف نظر

Marfat.com

آنے والے مسئلے ختم نہیں ہو جاتے۔

''لیکن شاہ خانم کو کوئی تردد نہیں ہے۔'' امی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔
ماہ گل تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

''بات پھوپھی جان کی نہیں، اشتارا کی ہے۔ وہ پھوپھی جان کے کسی فیصلے پر انکار کرنے کی جسارت نہیں رکھتی۔ میری طرح سولی پر خاموشی سے چڑھ جائے گی اور قطرہ قطرہ پگھل کر ختم ہو جائے گی۔ خدا کے لئے امی، یہ سراسر ظلم ہو گا۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر ملتجی ہو گئی۔ اس کی نظروں میں سحر گل اور اشتارا کے معصوم چہرے گھومنے لگے۔

کچھ بھی ہو، گھاٹے میں یہ لڑکیاں ہی رہیں گی۔

یہ معصوم معصوم چہرے۔

خاموش بے زبان بیٹیاں۔

کیسی ماں ہے یہ ایک بیٹی کی بربادی سے، عبرت نہیں لیتی۔ دوسری کو بھی ہمو ےمقتل کھینچے لئے جا رہی ہے۔

اس نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے امی کی طرف دیکھا تو وہ رخ پھیر کر کھڑی ہو گئیں۔ اور اس کی تمام تر تاویلوں کو، اس کے سارے آنسوؤں کو پس پشت ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''اوہ خدایا'' اس نے کانپتے لب دانتوں میں مضبوطی سے جکڑ کر دیوار سے ٹیک لگائی۔ 'امی اور ابو نے میرے دکھ پر شاید آنکھیں بند کر لی ہیں یا میرے دکھ کو، میری بے سکونی کو محسوس ہی نہیں کر سکے ہیں اب تک۔''

پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا تو مسعود شاہ بھی تھا۔

انٹلکچوئل تو زمان بھائی بھی تھے۔

مگر کہاں گئی ان کی وہ تعلیم؟

کہاں کھو گئی وہ تربیت؟

اونہہ اس مقام پر آ کر سارے مردوں کی ذہنیت ایک ہی ہو جاتی ہے چاہے وہ ان پڑھ ہوں یا تعلیم یافتہ۔ معصوم تو شاردا بھابی بھی ہیں۔ مگر پھر بھی زمان بھائی ان سے نباہ نہیں کر سکتے۔ محض کم تعلیم ان کے دکھوں کا سبب بن گئی۔ مگر مجھ میں کیا کمی تھی۔ پڑھی لکھی سلجھی ہوئی۔ میرے نصیب میں ان دکھوں کا سبب کیا ہے۔

یہی نا کہ مسعود شاہ بہن کے دکھ پر آنکھیں بند کر کے نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تو

Marfat.com

اپنی مردانگی کی ضربیں مجھے لگاتا ہے۔ شاید اسی طرح بہن کے دکھ میں کمی آجائے۔ آہ کاش۔ اس طرح کمی ہی آجاتی۔ میری اذیت بھابی کی خوشی بن جاتی۔ مگر افسوس ہم دونوں ہی خالی ہاتھ ہیں۔

خوشیوں اور مسرتوں کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں تو ہتھیلیوں پر صعوبتوں کے رنگ چمٹ جاتے ہیں۔

اب قصوروار کون ہے۔

میں؟

شاردا بھابی؟

مسعود شاہ؟ یا زمان بھائی؟

اگر اس میں سے قصوروار کوئی بھی نہیں تو پھر؟

یہ والدین کے کئے گئے فیصلے ہی غلط تھے ــــــ وہی قصوروار ہیں، ہاں۔

''آپی، آپی!'' فروان اسے پکارے جا رہا تھا۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی ذات کا سارا کرب آنسو کی صورت بہہ رہا تھا۔

''آپی، کیا ہوگیا ہے؟'' فروان اس کے دونوں شانے تھام کر جھنجھوڑنے لگا۔

اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں سوائے آنسوؤں کی دبیز چادر کے کچھ بھی نہ تھا۔ فروان پریشان ہوگیا۔

''میرا دل چاہتا ہے آپی میں مسعود بھائی سے خود بات کروں۔ آخر آپ کا کیا قصور ہے جو سزا سہہ رہی ہیں۔'' فروان کا دل کٹ گیا۔ اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے نازک شانے پر رکھ دیا۔

''اگر تم کہو آپی تو میں آج ہی۔''

''نہیں، نہیں فروان!'' اس نے جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ ''یہ رشتے بہت نازک ہوتے ہیں ذرا سی ٹھیس پر چکنا چور ہو سکتے ہیں۔''

''اونہہ، کون سا اس رشتے کا پاس کر رہے ہیں مسعود بھائی۔'' وہ جل اٹھا۔

''نہیں فروان! میں تو بس ایسے ہی رو رہی تھی۔'' اس نے فروان کو مشتعل دیکھ کر بات ٹالنی چاہی پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''پتہ ہے امی کیا چاہتی ہیں''؟

''کیا؟'' فروان نے پوری آنکھیں کھول کر ماہ گل کی طرف دیکھا جیسے وہ کوئی بہت ہی

Marfat.com

پراسرار بات کہنے کو تھیں۔

''افضل بھائی اور سحر گل کا آپس میں رشتہ ہو جائے اور۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' فروان نے اس کا جملہ کاٹ کر مسرت کا اظہار کیا۔ ''ہاں اور، اور کیا؟''

''اور۔'' ماہ گل نے کرب سے لب دانتوں میں جکڑ لئے۔ ''تت...... تمہارا اور اشتارا کا رشتہ۔'' اس نے جملہ پورا نہ کیا اور ہمدردی سے فروان کی سمت دیکھا، مگر اس کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔

فروان کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ لب بے حد خوبصورت انداز میں مسکرانے لگے۔ وہ اچانک ہی جذبات کی یورش سے ہنس پڑا۔

''آ...... آپ سچ کہہ رہی ہیں آپی؟'' اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

''اوہ گاڈ! اتنی بڑی خبر آپ نے مجھے یوں کھڑے کھڑے سنا دی، بغیر مٹھائی کے۔ کیا میرے جذبوں کا اتنی جلدی انعام مل گیا۔'' وہ مارے خوشی کے ناچ اٹھا۔

''زندگی یوں بھی مہربان ہو جاتی ہے آپی۔'' وہ تیزی سے پلٹا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ماہ گل پھٹی پھٹی آنکھوں میں تحیر آمیز بے یقینی سمیٹے اسے بھاگتا دیکھتی رہی۔ اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

''اوہ، میرے خدا۔ تو کیا فروان، فروان بھی۔'' اسے لگا جیسے وہ ابھی چکرا کر فرش پر آگرے گی۔

+++

اشتارا، زرسانگہ کے گھر سے نکل کر جلدی جلدی چلنے لگی۔ راستے ناہموار تھے۔ اسے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ دوسری طرف گزرتی شفاف سڑک پر چلنے سے گریز کر رہی تھی۔ اس نے چادر کا نقاب منہ پر لگا لیا۔ مبادا کوئی دیکھ نہ لے۔ زیبل کی غیر موجودگی میں وہ پہلی بار تنہا نکلی تھی۔ وہ چھپ کر گل بی بی کے گھر جتنی بار بھی گئی تھی زیبل اس کے ہمراہ تھی۔

مگر آج نہ جانے کیوں اسے زیبل کو ساتھ لینے کا خیال ہی نہ آیا اور اب اسے اپنی اس حماقت کا شدید افسوس ہونے لگا۔

اس نے ایک طرف رک کر دائیں بائیں دونوں طرف نگاہیں دوڑائیں اور راستے کا

Marfat.com

تعین کرنے لگی۔ برسات کی وجہ سے ابھی تک اطراف میں چھوٹے چھوٹے نالے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ کچھ سوچ کر بائیں طرف مڑ گئی اور تیزی سے چلنے لگی۔ مگر خاصی دور نکل جانے کے بعد اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کی چھٹی حس نے خبردار کر دیا کہ وہ غلط راستے پر آنکلی ہے۔

''اوہ خدایا۔'' وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ اس نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں۔ ویران اور سنسان سڑک پر جو کسی ذی روح کے استعمال میں نہ تھی، سڑک کے اطراف ٹوٹی پھوٹی چھوٹی چھوٹی کھائیاں تھیں۔

وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر پلٹی مگر اس کے قدم جیسے فرش نے جکڑ لیے ہوں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں دہشت پھیلنے لگی اور حلق میں جیسے کانٹے سے چبھنے لگے۔

پھر اچانک میکانکی انداز میں اس کے پیر حرکت میں آگئے۔

ہیبت ناک موت کا خوف، اس کے خون کو بجائے جمانے کے مشتعل کر گیا۔

اسے بہرکیف اپنا دفاع کرنا ہی تھا۔

اس نے بغیر اطراف کے دیکھے آگے دوڑ لگا دی۔

ناہموار راستے۔

چھوٹی چھوٹی کھائیاں۔

پانی سے بھرے اونچے اونچے گڑھے۔

اسے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ اندھادھند بھاگنے لگی، پھر اچانک اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی جو پوری فضا میں پھیل گئی۔

Marfat.com

شاہ خانم کا وجود تھرا اٹھا۔ اُن کی آنکھوں میں غصے کے ہمراہ اضطراب سمٹ آیا۔
''کہاں چلی گئی ہے اشتارا؟ ـــــ تم سب لوگ منہ دیکھتے رہ گئے۔ میری بیٹی کو اگر کچھ بھی آنچ آئی تو میں پوری وادی کو تباہ و برباد کر دوں گی۔'' ان کی پاٹ دار آواز حویلی کے در و دیوار کو لرزائے دے رہی تھی۔
محمد سلام تھر تھر کانپ رہا تھا جیسے یہ سارا قصور اسی کا ہو اور ابھی شاہ خانم اسے موت کی سزا کا حکم سنا دیں گی۔
''محمد سلام! تم نے نور جان سے پوچھا نہیں کہ وہ نکل کر کس طرف گئی تھی؟'' انہوں نے کوئی چوتھی بار یہی سوال پوچھا۔
''جی ـــــ جی ـــــ پوچھا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ خان زادی کوئی آدھا گھنٹہ پہلے ان کے گھر سے نکل چکی تھیں ـــــ اور جی میں تو گل بی بی کے گھر بھی معلوم کر آیا تھا۔'' اس نے چوتھی بار وہی جواب دیا اور پھر سست کر کھڑا ہو گیا۔
زیبل الگ دیوار میں سمٹی، لرز رہی تھی اور لمحہ لمحہ گن رہی تھی کہ ابھی ـــــ بس ابھی شاہ خانم کا عتاب اس پر نازل ہوا ہی چاہتا تھا۔
اشتارا کے یوں اچانک غائب ہو جانے پر ساری حویلی میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ عزت خان بھاگا بھاگا زمینوں کی طرف گیا تاکہ بابا خان کو اشتارا کے یوں اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع کرے۔ پسینے میں شرابور ہانپتا کانپتا وہ زمینوں تک آیا تو بابا خان وہاں موجود نہیں تھے ـــــ وہ ذولین کی طرف بھاگا۔
''کیا بات ہے عزت خان؟'' ذولین نے سامنے پڑا رجسٹر بند کرتے ہوئے عزت خان کو گھبرایا ہوا اپنی طرف آتے دیکھ کر پوچھا۔
عزت خان اس کے سامنے رک کر اپنی بے ترتیب سانسیں درست کرنے لگا۔
''اب بول بھی دے عزت!'' قابل نواز جو ذولین کے پاس ہی کھڑا تھا، عزت خان

Marfat.com

کو خاموش دیکھ کر بولا۔

''وہ جی ـــــ اشتا ـــــ تارا بی بی ـــــ'' وہ گھبراہٹ میں ہکلا کر بولا۔

''کیا ہوا اشتارا کو؟'' ذولین خان چونک اٹھا۔

''وہ جی ـــــ پتہ نہیں، خان زادی غائب ہوگئی ہیں کہیں۔''

''کیا! ـــــ غائب ہوگئی ہے؟'' ذولین خان اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ اسے لگا جیسے عزت خان نے ڈھیروں پتھر اس کے سر پر لڑھکا دیئے ہوں۔

''وہ اپنی سہیلی زرسانگہ کے گھر گئی تھیں۔ محمد سلام گاڑی میں چھوڑ آیا تھا۔ مگر جب لینے گیا تو بی بی وہاں سے نکل چکی تھیں۔ مگر پھر جانے کہاں غائب ہوگئیں۔ محمد سلام نے تو ہر راستے میں پڑنے والی سڑک دیکھ ڈالی۔ گل بی بی کے گھر بھی پتہ کر آیا مگر ـــــ مگر وہاں بھی نہیں ہیں۔'' اس نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل بتا ڈالی۔

''اب کیا ہوگا جی؟'' قابل نواز بھی گھبرا گیا۔ اس نے ذولین خان کی طرف مضطرب نگاہوں سے دیکھا۔

اس خبر پر ذولین کا دماغ چند سیکنڈ کے لئے چکرا کر رہ گیا تھا۔ ڈھیر سارے پریشان کن خیالات ذہن میں در آئے تھے۔

''وہ کہاں جا سکتی ہے ـــــ مجھ سے خفا تھی، شاہ خانم سے خوفزدہ بھی تھی۔ مگر نہیں، وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتی۔ اور اگر یہ اس کی کسی شعوری حرکت کا فعل نہیں ہے تو پھر ـــــ کون لے جا سکتا ہے اُسے؟'' ذہن سخت منتشر ہو گیا۔

مضبوط دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

''قابل نواز ـــــ'' اس نے زور سے پکارا۔

''جی ـــــ جی خان!'' قابل نواز جلدی سے بولا۔

''تم یہ رجسٹر سنبھالو، میں دیکھتا ہوں جا کر۔'' اس نے رجسٹر قابل نواز کو دے دیا اور اپنی جیکٹ کی جیب سے چابی نکالتا ہوا تیزی سے جیپ کی طرف دوڑا۔

ہر گزرتے لمحے میں اس کے ذہن میں مختلف خیالات آ رہے تھے۔

ہیبت ناک ـــــ

پریشان کن ـــــ

روح کو لرزا دینے والے ـــــ

اس کی کشادہ پیشانی پر اضطراب کے کئی بل پڑ گئے تھے۔

Marfat.com

اس طرح کہاں جا سکتی ہے اشتارا؟ ـــــــ یہ سوال اس کے لئے اُلجھن کا باعث تھا۔
اس نے جیپ فل اسپیڈ پر چھوڑ رکھی تھی۔

اُونچے نیچے ناہموار راستوں پر جیپ جھٹکے کھاتی، اُچھلتی، تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ زرسانگہ کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے جیپ روک دی۔ اب اُسے سوچنا تھا کہ اشتارا کس راستے سے جا سکتی ہے؟

گل بی بی کے گھر محمد سلام پتہ کر آیا تھا، اس کا مطلب تھا کہ گل بی بی کے گھر آنے جانے والے عام راستوں پر محمد سلام نے نگاہ ڈالی ہو گی۔

اس کے دائیں بائیں دو سڑکیں تھیں، بائیں جانب نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا ذہن ٹھنکا۔ اگر اشتارا کا یہ شعوری عمل ہے تو یقیناً یہ راستہ ہو سکتا ہے۔

'خودکشی ـــــ'

'نہیں ـــ' اس کا مضبوط سینے میں مقید دل یوں دھڑکا جیسے ابھی ساری پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اس کا ذہن یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں تھا کہ اشتارا اس طرح کی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ وہ بظاہر دُور تھا مگر اسے سب سے زیادہ جانتا تھا۔

بہرکیف، اسے اب اشتارا کو ڈھونڈنا تھا۔ اس نے نگاہیں اطراف میں ڈالتے ہوئے بائیں سڑک پر جیپ موڑ دی۔

مگر ٹوٹے پھوٹے راستوں کی وجہ سے اس نے جیپ کنارے پر ہی روک دینا مناسب سمجھا اور خود نیچے اُتر آیا۔

اچانک اس کی نگاہ سڑک کے کنارے چھوٹی کم گہری کھائی میں جا پڑی جس میں اُگی خودرو جھاڑیوں میں سیاہ کپڑا پھڑپھڑا رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس جانب لپکا اور دوسرے ہی لمحے اس کی سبز آنکھوں کی ساری توانائیاں جاگ اُٹھیں۔ کھائی میں وہ بے ہوش پڑی تھی۔ اس کا نقاب چہرے سے اُتر چکا تھا اور چادر جھاڑیوں میں پھنس کر کہیں کہیں سے پھٹ گئی تھی۔

''اشتارا ـــــــ''

اس نے قریب آ کر بہت نرمی سے اُسے پکارا مگر وہاں گہرا سکوت تھا۔ گلابی چہرے پر سیاہ پلکیں جامد تھیں۔ سفید ہاتھ سینے پر تھا جبکہ دوسرا ہاتھ زمین پر اُگی چھوٹی چھوٹی خاردار جھاڑیوں کے اوپر گرا ہوا تھا جہاں سے سرخ خون کی باریک لکیر نکل کر جم گئی تھی۔

وہ پہلی بار اس کے اتنے قریب آیا تھا۔ اس کا کھلا، شفاف چہرہ نگاہوں سے اتنا

Marfat.com

قریب تھا کہ خود بخود اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اتنی قربت پر اس کے دل میں عجیب قسم کی لہریں سی اٹھنے لگیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اپنے دل کی ساری حالت پوشیدہ رکھ کر اس حُسنِ ضوفگن سے رُخ موڑ کر چلا جاتا۔ مگر اس وقت وہ اس حالت میں قطعی نہیں تھی۔ وہ بے یار و مددگار، بے ہوش ایک کھائی میں پڑی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔

''اشتارا!'' وہ قدرے اس کی طرف جھکا۔ پھر اچانک اس کے لمس کی کرنیں اُسے بیدار کرنے لگیں۔ ساکن پلکیں تھرتھرائیں، گلاب لب وا ہوئے۔

''آہ ــــ'' ایک ہلکی سی سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

''اشتارا! آنکھیں کھولو۔'' دھیمے، گمبھیر لہجے کی یہ سرگوشی اشتارا کی سماعت سے ٹکرائی تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور چند لمحے اپنے سامنے بیٹھے ذولین خان کو خالی خالی نگاہوں سے تکنے لگی۔

گزرے لمحے یکلخت اس کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگے ــــ سیاہ بڑے بڑے خونخوار کتے نہ جانے کہاں سے نکل کر اس کے پیچھے لپکے تھے۔ اتنی ہیبت ناک آواز کے ساتھ اسے دیکھ کر بھونکے تھے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے بھاگ کھڑی ہوئی تھی اور پھر اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی تھی۔

ایک تواتر سے سارا منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

یکلخت اسے اپنی حالت کا خیال آیا تو بوکھلا اٹھی ــــ جھاڑیوں میں پھنسی چادر کھینچ کر جسم پر ڈالی اور اُٹھ کر پیچھے کھسک کر بیٹھ گئی۔

''مم....... میں ڈر گئی تھی کتوں سے۔'' اُس نے پلکیں جھکا دیں۔ وہ بغور اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز پر وہ اپنی محویت سے بیدار ہوا۔

''آں....... ہاں ــــ شکر ہے کہ تم ٹھیک ہو۔'' وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ''تمہیں اس طرح تنہا کہیں بھی نہیں جانا چاہئے۔ شاید گل بی بی کی طرف جا رہی تھیں۔'' اس نے صحیح اندازہ لگایا۔

''ہاں۔'' وہ مختصراً بولی اور اٹھنے کی سعی کرنے لگی۔ مگر درد میں ڈوبا جسم ساتھ نہ دے سکا اور ایک کراہ نکل گئی۔ وہ لڑکھڑائی تو ذولین نے جلدی سے تھام لیا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی ستارہ آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا۔

اس کی آنکھوں کی جھلملاہٹ سے وہ اس کی تکلیف کو محسوس کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ

Marfat.com

اس کے چہرے کی کرختگی میں نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

''ہمت کرو ـــــــ میری جیپ قریب ہی کھڑی ہے۔ دیکھو، موسم بھی اپنا رُخ بدل رہا ہے۔'' اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مٹیالے بادل نہ جانے کہاں کہاں سے آ کے جمع ہو رہے تھے۔

''کیا واقعی موسم اپنا رُخ بدل رہا ہے؟'' اُس کے لہجے کی نرمی پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اپنا سارا درد بھلا بیٹھی ـــــــ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا، اس کے لئے پریشان تھا۔ اس کے وجود کو سہارا دیتے ہوئے، سارے جہاں کی حلاوت سموئے۔ کیا یہ خواب نہیں تھا؟

''محمد سلام نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا۔ شاید ان راستوں پر نہیں آیا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''تو کیا تم پریشان ہو کر مجھے ڈھونڈنے نکل آئے؟ آہ ـــــــ '' اُس کے اندر ایک سرشاری سی اُترنے لگی۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کبھی تو اس بے درد کی زندگی میں کوئی لمحہ اس کا اپنا ہو۔

پھول سا نرم لمحہ، آج اس کو مل گیا تھا تو وہ کیسے کھو دیتی۔

'اے مغرور آنکھوں والے! آج یہ کرم کیوں؟' اُس نے اپنی ابریشمی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ سرمئی کرتے، شلوار میں وہ اس کے سامنے تھا۔ ہمیشہ کی طرح جاذبِ نظر۔ اُس کے دل کا سکون غارت کر رہا تھا۔ آج ان آنکھوں میں فکر مندی تھی، پریشانی تھی۔

''اشتارا ـــــــ اشتارا! کیا پاگل ہو گئی ہو؟'' وہ اُسے خواب کی سی کیفیت میں دیکھ کر جھنجھلا اٹھا۔ ''چلو آؤ ـــــــ '' اُس نے اس کے نرم بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر دی۔

''ٹپ......ٹپ......''

آسمان سے بوندیں تواتر سے گرنے لگیں۔ پھر اچانک یہی بوندیں تیز ہو گئیں۔ وہ اس کے بازو کا سہارا لئے دھیرے دھیرے چلنے لگی۔

اچانک ذولین خان کی نگاہ اس کی سفید مرمریں کلائی پر پڑی جہاں سے خون دوبارہ بہنے لگا تھا۔ اس نے جیپ کے پاس اُسے روک کر اس کی کلائی تھام لی۔

''بہت زیادہ خون بہہ رہا ہے۔''

''ہاں، شاید کوئی نوک دار پتھر لگ گیا تھا۔'' اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

ذولین خان نے جیکٹ کی جیب سے اپنا رومال نکالا اور اس کی کلائی تھام کر زخم پر مضبوطی سے باندھنے لگا۔ اشتارا چند ثانیے حیرت سے اسے دیکھتی رہی ـــــــ یہ یکایک

Marfat.com

زندگی کا رُخ کیسے بدل گیا____؟ کیا اس کی بیزار طبیعت میں پیار پیدا ہو گیا تھا یا محض ہمدردی تھی؟

وہ آنکھیں پوری کھولے اس ستم گر کو دیکھنے لگی جو آج اُسے حیرتوں کے سمندر میں لمحہ لمحہ دھکیل رہا تھا۔

کاش____ کاش یہ لمحے امر ہو جائیں۔ یہ وقت کبھی نہ ختم ہو____ وقت کی نبضیں تھم جائیں۔

اس کے دل میں یہ خواہش مچل کر رہ گئی۔

ذولین خان نے رومال باندھ کر نگاہیں اوپر اٹھائیں تو وہ سحر انگیز ستارہ صفت نگاہیں اسی کی جانب محو تھیں۔

یکا یک اس کے مضبوط سینے میں مقید دل میں شعلہ سا لپکا۔

وہ کچھ کہتی آنکھیں
ایسی ساگر ساگر آنکھیں

اتنا جاذب نظر چہرہ۔

معاً اس نے لب بھینچ کر نگاہیں پھیر لیں۔

ایک کرب سمٹ آیا اس کے دل کی سرزمین پر۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا، یہ شنگرفی لب، یہ گلاب، گل تر سے بھی خوش رنگ عارض، یہ طلائی رنگ گیسو، یہ شفیق رنگ چہرہ اس کا نہیں بن سکتا۔

وہ انجام سے باخبر تھا اور خوفزدہ بھی کہ یہ خوش رنگ گھٹائیں کہیں دُور برس جائیں گی اور وہ یونہی تشنہ لب رہ جائے گا۔

نہیں____ وہ تشنگی کے عذاب سے دوچار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنے دل کے اندر مچلتے شعلوں کو ہوا دینے کی بجائے ان پر بے حسی کی برف جما دینا چاہتا تھا۔

ہر جذبہ، ہر احساس، ہر خیال منجمد کر دینا چاہتا تھا۔

''ذولین خان! کیا یہ صرف ''ہمدردی'' ہے____؟'' اشتارا کے لبوں پر بے اختیار یہ سوال مچل اٹھا۔

ذولین خان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ چکی تھی اور امید افزا نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

یہ معصوم معصوم چہرہ ذولین کے دل کو گھائل کر دینے کو کافی تھا۔

Marfat.com

''تم خان چچا کی امانت ہو اور میں خان چچا سے وابستہ ہر شے کی حفاظت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔''

وہ ساری نرمیاں، لہجے کی ساری حلاوت یکسر غائب ہو گئی تھی۔

وہ چٹان صفت لہجہ جو اشتارا خان کے دل کی نرم نرم دیواروں کو لہو کر گیا۔ وہ سناٹے میں رہ گئی۔ کیا یہ محض خواب تھا؟ـــــ اس کی آنکھوں میں بجی کاجل کی لکیر بے اختیار بھیگتی چلی گئی اور آنکھیں یکسر سمندر بن گئیں۔

محبت بالآخر دُکھ ہی دیتی ہے۔ وصل ہو یا ہجر، یہ کانٹوں سے پُر راستہ ہے جو قدموں کو فگار کر دیتا ہے۔

اس نے چہرے کا رُخ موڑ لیا۔ لحوں میں جڑ پکڑتی اُمیدیں پھر سے سوکھنے لگی تھیں۔ دل ٹوٹتے ہی جسم کی ساری تکلیف جاگ اٹھی۔ ننھی ننھی خوشگوار بوندیں اسے آگ میں لپٹی گولیاں محسوس ہونے لگیں۔

''ذولین خان! کیا واقعی آپ جیسے نظر آتے ہیں اندر سے بھی ویسے ہی ہیں؟'' اُس نے بکھرتے لہجے میں پوچھا تو وہ چونکا۔

اس کا دل اندر ہی اندر پگھلنے لگا۔

''نہیں اشتارا مہروز! میرے دل پر بے اعتنائی اور نفرت کی محض راکھ جمی ہوئی ہے۔ کبھی کبھی یہ اُڑنے لگتی ہے تو اندر سے بہت نرم، بہت شیتل نظر آتا ہے۔''

''ہاں شاید ـــــ'' اس نے بہت کھردرے اور کرخت لہجے میں جواب دیا اور جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

وہ جلد از جلد حویلی پہنچ جانا چاہتا تھا۔

وہ اس کے قریب بیٹھی اس کے دل کی دنیا کو زیر و زبر کر رہی تھی۔ عجیب سے شوریدہ سر جذبے دل کے ساحل پر سر پٹخ رہے تھے ـــــ وہ ٹوٹنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہارنے سے خوفزدہ تھا۔

اس کے وجود سے اٹھتی مہکی مہکی خوشبو اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اس کے قرب کی آنچ اس کی ہستی پر طلسم طاری کر رہی تھی۔

''نہیں ذولین خان! تم انتقام لے رہے ہو ـــــ اپنی محرومیوں کا بدلہ لے رہے ہو۔ ایک شخص کی نفرت کا انتقام تم اس کی پوری صنف سے لے رہے ہو۔ یہ مردانگی نہیں ہے ذولین خان!'' وہ اچانک پھٹ پڑی۔ اس کا دل غموں کے بوجھ سے ٹوٹنے لگا تھا۔

Marfat.com

وہ متحیر رہ گیا۔ خود بخود اس کا پیر بریک پر پڑا اور جیپ اچھل کر رک گئی۔
''تم بظاہر چٹان نظر آنے والے، دراصل بزدل ہو، کم ہمت ہو۔ تم اپنے اندر کی جمع شدہ آگ کو ٹھنڈا نہیں کر سکتے تو مجھ پر برساتے رہتے ہو ــــ شاید اس طرح میرا تڑپنا شاہ خانم کو بکھیر کر رکھ دے ــــ میری لحہ لحہ موت شاید ان کا سکون غارت کر دے۔ ہے نا یہی بات؟ بولو، جواب دو۔'' وہ دیوانی ہو گئی۔ وہ اس کا بازو تھام کر جھنجھوڑنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کا سمندر بہنے لگا۔

''اشتارا!'' وہ چیخ اٹھا ــــ اس کے دونوں ہاتھ اپنے قوی ہاتھ میں جکڑ لئے۔
''چھوڑ دو مجھے ــــ چھوڑ دو۔'' وہ اس سے بھی زور سے چیخی۔ ''تم ایسے مرد ہو جو محض ہر لمحہ، ہر وقت اپنی انانیت کی تسکین کا سامان ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ تم نے یہ کھردرا لبادہ صرف اور صرف میرے لئے پہن رکھا ہے ــــ محرومیوں، اپنے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا بدلہ اشمل خان سے یا بابا خان سے کیوں نہیں لیتے؟ ــــ تم نے ایک عورت کے ہاتھوں دُکھ سہے ہیں ــــ تم بزدل ہو، محض اپنی......'' وہ جنونی آواز میں چلا رہی تھی مگر اس کے بقیہ لفظ حلق ہی میں رہ گئے۔

''چٹاخ'' کی آواز کے ساتھ ہی اس کے نرم رخساروں پر سرخ نشان اُبھر آیا تھا۔ ذولین کے تھپڑ نے اُسے گنگ کر دیا تھا۔

بڑی بڑی آنکھوں کی پتلیاں ساکن ہو گئیں۔ انگارہ ہوتے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اس نے ذولین خان کو ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

''میں اپنی ذاتیات میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں دے سکتا۔ میری زندگی میری ذاتی ہے۔ چاہے میں کسی طرح بھی بسر کروں۔'' اس نے تپتے ہوئے لہجے میں کہا اور جیپ اسٹارٹ کر دی۔

'مگر میں کیا کروں کہ میرے حصے کی ساری روشنیاں تمہاری ہتھیلی میں اُتری ہیں۔ چاہو تو تم مٹھی کھول کر میرا دل منور کر دو۔ چاہو تو ظلمتوں میں دھکیل دو۔'

وہ سوچنے لگی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی سسکیاں ذولین خان کے دل کی دیواروں سے ٹکرا کر اس کے لئے اذیت کا باعث بن رہی تھیں۔ مگر وہ چپ رہا۔ خود اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن سخت منتشر ہو گیا تھا۔ وہ اس کی تسلی تشفی کرنے کو قطعی آمادہ نہ تھا۔

اس کی روح بے قرار تھی۔ اس کے دل میں عجیب جذبے مچل مچل اٹھتے تھے مگر ذہن

Marfat.com

ان جذبوں کی پذیرائی کے لئے تیار نہ تھا۔ دل و دماغ کے چکر میں گرفتار آدمی دو طرفہ ہوا کے درمیان نرم و نازک شاخ کی مانند ہوتا ہے جو کسی وقت بھی بادِ مخالف کے تیز جھونکوں سے ٹوٹ سکتی ہے۔ اور وہ کسی قیمت پر بھی ٹوٹنے کو تیار نہ تھا۔

اس نے جیپ حویلی کی طرف جانے والی سیدھی سڑک پر ڈال کر ایک نظر اس کے آزردہ جمال پر ڈالی۔

''تم محبت کو کیا سمجھتی ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ مگر وہ چپ رہی۔ احساسِ تذلیل سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا ـــــ وہ اس سفاک انسان کی طرف اب دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''یقیناً کوئی خوشنما پھول یا دمکتا رنگ ـــــ جسے ہاتھ بڑھا کر مٹھی میں جکڑ لو گی۔ ہے نا؟ اگر یہی سوچ رہی ہو تو یہ سراسر بے وقوفی ہے ـــــ ہم جہاں کھڑے ہیں وہاں محبت وقت کے اس منہ زور وسیع سمندر میں ڈولتی پرانی ناؤ کی طرح ہے۔''

'نہیں ذولین خان! یہ سب خود کو بہلانا ہے۔ جو محبت کے لمس سے آشنا نہیں ہوتے نا، وہ اسے اتنی ہی خوفناک شے سمجھتے ہیں۔' اس نے کرب سے سوچا مگر کہا کچھ نہیں۔

جیپ حویلی کے بڑے سے پورچ میں رکی تو وہ چہرہ چادر سے رگڑ کر اس کی سمت دیکھے بغیر اترنے لگی۔

''اشتارا!'' ذولین نے اُسے پکارا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ''اب آئندہ اس طرح تنہا چھپ کر کہیں مت جانا۔ ضروری نہیں، ہر بار تم حادثاتی موت کو شکست دے سکو۔'' اس کا لہجہ ناصحانہ تھا۔ اشتارا نے لب بھینچ لئے۔

''کاش میں اس وقت موت کو شکست نہ دے سکی ہوتی۔ لمحہ لمحہ ہزیمت کے احساس کا شکار ہونے سے تو یہی بہتر ہوتا۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا اور نیچے اتر آئی۔

آزردہ چہرہ۔
بھیگی بھیگی پلکیں۔
اور لہجے کا اتنا بکھراؤ۔

ذولین خان کی پسلیوں میں دبا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اس نے کلائی سے رومال کھینچ دیا۔ رومال کی سخت رگڑ سے خون دوبارہ بہنے لگا۔

''یہ کیا کر رہی ہو اشتارا؟'' وہ جیپ سے اتر آیا۔ اس کی آنکھوں میں خفگی سمٹ آئی۔

''میں ہمدردی سے نفرت کرتی ہوں۔'' اس نے اس کی برہمی کا قطعی نوٹس نہ لیا۔

Marfat.com

ادھر عزت خان، اشتارا کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر اچانک دوسری طرف پریشان کھڑے شاہ خانم اور بابا خان کی طرف دوڑا۔ مگر بابا خان اور شاہ خانم اسے دیکھ چکے تھے۔ وہ پورچ کی طرف بڑھے۔

''اشتارا بیٹی!'' بابا خان کے بے قرار وجود میں جیسے ٹھنڈک سی اتر گئی۔

''بب ــــــ بابا خان!'' وہ بابا خان کو دیکھ کر دیوانہ وار ان کی طرف لپکی اور ان کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

زیبل اور خیزراں بھی اس طرف دوڑی آئی تھیں۔

''ایک گڑھے میں پھسل کر گر گئی تھی۔'' ذولین خان سب کو مختصراً بتا رہا تھا۔ ''پہاڑی کتے ان کے پیچھے بھاگے تھے۔''

''خدا کا شکر بچ گئی۔ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں بیٹا؟'' بابا خان نے اس کے بالوں پر پیار بھرا بوسہ دے کر پوچھا۔

'بہت چوٹیں آئی ہیں بابا خان! آپ تو کیا کوئی بھی اس کا مداوا نہیں کر سکے گا۔' وہ دل ہی دل میں کہہ کر رہ گئی۔

''نہیں، بس بے ہوش ہو گئی تھی۔'' اس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

شاہ خانم بھی قریب آ گئی تھیں۔ انہوں نے ایک نظر ذولین خان پر ڈالی اور لب بھینچ لئے۔ ان کے اندر بسی نفرت کے انگارے پھر سے جلنے لگے۔ وہ ذولین کے ہمراہ آئی تھی۔ اتنا سفر بھی اسی کے ہمراہ طے کیا۔ انہیں بھلا کیسے گوارا ہوتا ــــــ وہ ویسے بھی اشتارا کا جھکاؤ ذولین کی طرف وقت کے ساتھ بڑھتا دیکھ کر پریشان ہو کر رہ گئی تھیں۔

''آؤ ــــــ اندر آ جاؤ۔'' انہوں نے اشتارا کو سنبھالا۔ زیبل نے بھی دوڑ کر اشتارا کو تھام لیا۔

''آؤ ذولین! تم بھی اندر آؤ۔'' بابا خان نے اسے جاتا دیکھا تو پکارے۔

''نہیں خان چچا! میں اب ذرا زمینوں کی طرف جاؤں گا۔ ویسے بھی خاصا وقت برباد ہو گیا ہے۔''

اس نے دانستہ یہ جملہ شاہ خانم کو جتانے کے لئے کہا اور بڑے بڑے ڈگ بھرتا جیپ کی طرف آ گیا۔

+++

''اچھا تو جناب! آپ کو اپنی دھرتی کی یاد آ گئی اچانک، یا کسی الھڑ دوشیزہ کی یادیں

Marfat.com

دل میں گھنگھرو بجا رہی ہیں؟"

"اُوں، ہوں ـــــ احسن! کبھی تو سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر میرے پاس آیا کرو۔" وہ اپنا سیاہ چمڑے کا بیگ بھر رہا تھا، پلٹ کر اس کی طرف تنبیہی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"کیوں ـــــ تم ایک سنجیدہ سب کے لئے کافی نہیں ہو، میں بلاوجہ لوگوں کی ویران زندگی کو مزید ویران کر دوں۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔ "سنو! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وہ گھوم کر بیڈ پر بالکل اس کے سامنے دراز ہو گیا۔

"تم نے کوئی سوال ہی کب پوچھا ہے ـــــ صرف بکواس کی ہے۔" اس نے بیگ کی زپ بند کر کے بیگ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"پوچھ تو رہا ہوں ـــــ اپنی وادی یاد آ رہی ہے یا کوئی مٹیاری؟"

"بہت عرصہ ہو گیا ہے حویلی گئے ہوئے۔ سوچا ایک ہفتہ یہاں پڑے رہنے سے بہتر ہے وہاں گزار آؤں۔ بابا خان اور شاہ خانم بھی بہت کہتے ہیں۔" اس نے احسن کے بے تکے سوال کا انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا تو احسن نے سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، ہمیں اُداس کر کے جا رہے ہو۔"

"تو تم بھی چلو نا میری وادی میں۔" اس نے الماری کھول کر اپنا سیاہ کرتہ شلوار نکالتے ہوئے احسن کو دعوت دی۔

"ہاں یار ـــــ ضرور آتا۔ مگر تین دن بعد میری فیانسی کی سالگرہ ہے۔"

"خوب ـــــ اتنے جھگڑے کے بعد بھی تم اس کی سالگرہ مین شرکت کرو گے۔" اشمل خان استہزائیہ ہنسا۔

"تم ایک محبت بھرا دل نہیں رکھتے اس لئے ہنس رہے ہو یار! دل اپنی دسترس میں ہوتا تو اس کی صورت بھی نہ دیکھتا۔ ویسے جانا بھی ضروری ہے۔ اگر نہیں گیا تو اس "دردِ سر" کو ایک اور بہانہ مل جائے گا شکوہ کرنے کا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح اپنی منگیتر کو دردِ سر کے خطاب سے نوازتے ہوئے کہا۔ "اچھا سنو!" وہ بیڈ سے اُتر آیا۔ "وہاں سے جلدی واپس آ جانا۔ یہ نہیں کہ وہیں چپک کر رہ جاؤ۔"

"ارے نہیں، وہاں زیادہ دن کیسے رہ سکتا ہوں ـــــ یہاں الیکشن سر پر ہیں۔ اچھا ہاں، سنو۔ جونہی یونیورسٹی کے حالات معمول پر آتے دکھائی دیں، تم مجھے فوراً اطلاع کر دینا اور ہاں، اپنی گاڑی کی چابی یہیں چھوڑ کر جاؤ۔"

Marfat.com

''کیوں؟'' احسن نے بغور اسے دیکھا۔ ''تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟''

''وہ ورکشاپ میں پڑی ہے۔ شاید کل صبح تک مل جائے۔ اور مجھے اس وقت شاپنگ کرنی ہے۔''

''تو کیا میں بس میں لٹکتا ہوا جاؤں گا؟'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''اوفوہ بھئی، میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دوں گا۔ بلکہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں تمہاری فیانسی کے گھر بھی ڈال آؤں گا۔'' وہ پہلی بار پُر مزاح انداز میں کہتا ہوا باتھ روم میں جا گھسا اور احسن بند دروازے کو گھورتا رہ گیا۔ پھر ایک میگزین اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اشمل باتھ روم سے نمودار ہوا۔

''ویسے ریحان پراچہ نے یہ ہنگامہ کر کے اپنے ہی حق میں برا کیا ہے۔ دیکھو نا، اب سراج کیانی کو سب نے فائرنگ کرتے دیکھا ہے۔'' اس نے تولیہ کرسی کی پشت پر پھیلا کر گزرے ہوئے واقعے پر تبصرہ کیا۔

''ہوں ـــــ مگر ہمارے جلسے کا بیڑہ غرق تو ہو گیا نا۔'' احسن میگزین پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ ''ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی چال ہو۔ شر پسند اسٹوڈنٹس تو ویسے بھی اس کی ہی طرف داری کر رہے ہیں۔ ویسے ہشمینہ ابرار نے اس کی تنظیم میں آ کر ہمارا بیڑہ غرق ہی کیا ہے۔''

احسن کی بات پر اشمل خان کی نگاہوں میں بے ساختہ ہشمینہ ابرار کا سرخ سرخ چہرہ اور غصے میں بھری آنکھیں لہرا گئیں۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تم ایک لڑکی سے ڈر گئے ـــــ جبکہ میرے خیال میں وہ ہمارے لئے قطعی بے ضرر ہے۔'' اس نے بالوں پر برش پھیرتے ہوئے کہا۔

''واہ ـــــ خوب ـــــ ہشمینہ ابرار اور بے ضرر۔ بڑی جلدی ترقی کر رہے ہو۔'' احسن نے معنی خیز تبسم سے اشمل کو گھورا۔ مگر اشمل قطعی نہ سمجھ سکا۔ قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے پلٹ کر احسن کو دیکھا۔

''کس قسم کی ترقی؟''

''آج وہ تمہیں بے ضرر لگی ہے ـــــ کل کلاں ''پیاری'' لگنے لگے گی۔ اور اس کے بعد.......''

''تمہاری تان ہمیشہ اسی طرح کی باتوں پر ٹوٹتی ہے۔'' اشمل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

Marfat.com

احسن نے جو نتیجہ نکالا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اُسے احسن کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

''کبھی تو انسانیت کے لبادے میں رہ کر گفتگو کر لیا کرو۔'' اس نے آئینہ کی طرف دیکھا اور برش بالوں میں پھیر کر ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دیا اور میز پر پڑی چابی اٹھالی جو کہ احسن کی گاڑی کی تھی۔

''تو میں کیا حیوانیت کے لبادے میں آتا ہوں تمہارے پاس؟'' احسن نے منہ بنایا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''ویسے یار! تم واقعی اس لطیف احساس سے خالی ہو جسے محبت کہتے ہیں۔''

''میرے خیال میں تمہارے اندر یہ احساسات کچھ زیادہ ہی مقدار میں جمع ہو گئے ہیں۔ بہرکیف، میرے لئے یہ موضوع نہایت فضول سا ہے۔ سو میں تو چلا۔'' وہ اپنا پرس اٹھا کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

''موضوع فضول ہو گا۔ مگر میں تو فضول نہیں ہوں جو مجھے اس طرح بے آسرا چھوڑے جا رہے ہو۔'' احسن جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''تو پھر نہایت شرافت سے میرے ساتھ چلو۔'' اس نے پلٹ کر احسن کی جانب دیکھا جو جلی کٹی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ اس کے اس انداز پر اشمل خان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

احسن کو اس کے گھر پر ڈراپ کر کے وہ خود مارکیٹ چلا آیا۔ وہ وادی جانے سے پہلے سب کے لئے کچھ تحائف لے کر جانا چاہتا تھا۔ پورے تین ماہ کے بعد وہ حویلی جا رہا تھا۔ اس کا دل اندر سے بے حد سرشاری محسوس کر رہا تھا۔

''شاہ خانم، بابا خان، اشتارا ــــــ فرداً فرداً سب کے چہرے اس کی نگاہوں تلے آ کر مسکرائے جا رہے تھے۔

ذولین خان ــــــ اس کا دوست ــــــ اس کا عمزاد ــــــ اس کا بچپن کا ساتھی۔ اس کے عنابی لب بے اختیار ذولین خان کی محبت میں مسکرا اٹھے۔

'کتنا مشکل شخص ہے ذولین ــــــ مگر نہ جانے کیوں شاہ خانم اس سے کبیدہ خاطر رہتی ہیں۔'

وہ گاڑی کو شاپنگ سنٹر کے سامنے پارک کر کے نیچے اتر آیا اور پُر رونق سڑک کے کنارے بنی روش پر دھیرے دھیرے چلنے لگا۔ اس کے دائیں طرف بہت سی دکانیں تھیں

Marfat.com

جو طرح طرح کی چیزوں سے سجی ہوئی تھیں۔ روئیں دار کوٹ، بالوں والے ملائم جوتے، خوش نما قالین، لیڈیز بوتیک ــــــ وہ ہر دکان پر گہری نظر ڈال کر سوچنے لگا۔ اُسے بہت سی چیزیں خریدنی تھیں۔ سب سے پہلے اسے کیا لینا چاہئے۔ شاہ خانم کے لئے خوبصورت شالیں، بابا خان کے لئے عمدہ سوٹ کا تحفہ اور اشتارا کے لئے ڈھیروں چیزیں ــــــ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اشتارا اُسے بے حد عزیز تھی۔

وہ ابھی خریداری سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ معاً ایک بڑی سی دکان کے پاس ایک مانوس چہرہ نظر آیا۔ اسے پہچاننے میں قطعی دشواری نہ ہوئی۔ وہ اشناس تھا۔ اشناس نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور دوسرے ہی لمحے دونوں بغل گیر ہو گئے۔

''واہ یار! ابھی اسی شہر میں ہو اور مجھے بتایا نہیں۔'' اس نے شکوہ کیا تو اشمل خان مسکرایا۔

''بس اب آخری سال ہے ــــــ ویسے کل وادی جا رہا ہوں ایک ہفتے کے لئے۔ تم سناؤ، سب ٹھیک ٹھاک ہیں؟''

''جی ــــــ سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ چلو میرے ساتھ گھر۔ وہاں خوب باتیں ہوں گی۔'' اشناس نے اسے سوچنے کی مہلت نہ دی اور اسے تھامے کار پارکنگ سائیڈ پر لے آیا۔

''ارے نہیں اشناس! پھر کبھی سہی۔''

''کیوں ــــــ آج کیوں نہیں؟ ــــــ میں جانتا ہوں تمہاری یہ پھر کبھی آئے گی ہی نہیں۔'' اشناس نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

''امی بھی اس دن خفا ہوئے تھے مجھ پر کہ تمہیں جب اشمل ملا تھا تو اُسے گھر کیوں نہیں لائے؟ آج ان کی ناراضگی ختم کر دوں گا۔'' اُس کا لہجہ حتمی تھا۔

اشمل خان نے زیادہ تامل نہ کیا۔ ویسے بھی اشناس سے اس کی خاصی فرینڈ شپ تھی۔ وہ اس کی گل بی بی کی نند کا بیٹا تھا۔ اس مضبوط رشتے داری نے اُسے زیادہ سوچ بچار کرنے پر مجبور نہ کیا۔

بہت عرصے بعد وہ ابرار احمد کے خوبصورت بنگلے میں آیا تھا ــــــ امی بہت خوش ہوئے تھے اور ڈھیر سارے لوازمات امی نے ان کے سامنے میز پر سجا دیئے تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''ان سارے تکلفات کی کیا ضرورت تھی آنٹی؟'' اس نے امی کے شفیق چہرے کی طرف دیکھ کر شکایتی لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیں۔

Marfat.com

''اشناس کی بیوی کو بہت شوق ہے مہمانوں کو اپنے ہاتھ کی بنی چیزیں کھلانے کا۔ خوش ہوتی ہے وہ۔'' انہوں نے کہا تو اشناس بے ساختہ ہنس پڑا۔

''تم کم کھانا ـــــ بعد میں کچھ ہو جائے تو اس کے ہم ذمے دار نہیں ہوں گے۔'' اس نے اشمل کو دیکھ کر کہا۔

''اچھا، تو وہ اپنے تجربات مہمانوں پر آزماتی ہیں۔'' اشمل نے بھی پُر مزاح انداز میں کہا۔

''اور سناؤ، وادی میں سب خیر خیریت ہے؟ پچھلے ماہ بڑی زوروں کی برف باری ہوئی تھی۔'' اشناس نے سنجیدہ گفتگو کا آغاز کیا۔

''مجھ سے زیادہ تو وہاں کی تمہیں خبر رہتی ہوگی ـــــ پھوپھا جان آتے رہتے ہیں نا یہاں۔''

''ہاں، ہاں ـــــ'' ابرار احمد نے سر ہلایا۔ ''وہ بتا رہے تھے، شاندانہ کی منگنی کر دی ہے۔''

''اچھا ـــــ'' اشمل خان کے لئے یہ نئی خبر تھی۔ تو آخر پھوپھا جان راضی ہو گئے۔ کسی ایک رشتے پر اُسے واقعی دلی مسرت ہوئی۔ اُسے تو شاندانہ اور حورینا کو دیکھے بھی ایک سال ہو گیا تھا۔ شاہ خانم جانے کیوں ان رشتوں کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی بجائے انہیں اُکھاڑ دینے کے درپے تھیں۔ پرانی رنجشوں کو وہ وقت کے ساتھ ساتھ اور بھی مضبوط کر رہی تھیں۔ نفرت، حسد اور ناچاقی جیسے جذبات کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے۔ انہیں تو کسی پانی کے بلبلے کی طرح ہونا چاہئے۔ بنا اور بکھر گیا۔ یا جیسے گھرے بادل گرجے، برسے اور پھر مطلع صاف۔

مگر یہ اس کی سوچ تھی۔ اور وہ اپنی سوچ، اپنے خیالات شاہ خانم پر حاوی نہیں کر سکتا تھا۔

''تمہیں نہیں خبر اس کی؟'' امی نے اسے اس خبر پر حیران اور خوش ہوتا دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ـــــ میں تین ماہ سے وادی گیا ہی نہیں۔ اور پھر فون پر بھی کوئی ایسی بات نہیں بتائی ہے شاہ خانم نے۔ خیر اب جاؤں گا تو کل بی بی سے خود ملوں گا۔''

''ابی! آپ اپنی گاڑی کی چابی تو دیں پلیز۔'' اس کھنکتی مانوس آواز پر وہ بری طرح چونکا۔ اس کی مضبوط ہتھیلی میں جمی چائے کی پیالی میں ہلکا سا ارتعاش ہوا۔

''بالکل نہیں ابی ـــــ اسے چابی مت دیجئے گا۔ یہ آپ کی گاڑی کا بھی حشر نشر کر

Marfat.com

آ ے گی۔'' اشناس اس کی حیرانی سے بے خبر کہہ رہا تھا۔ مگر ھشمینہ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔ اچانک اس کی نظر اشمل خان پر پڑی۔ اس کے قدم اپنی جگہ ایسے جم گئے تھے جیسے اب کبھی بھی ہل نہیں پائیں گے۔ مخالف پارٹی کا لیڈر ''اشمل خان خل زئی'' اس کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔

دونوں عالمِ تحیر میں گھر کر رہ گئے۔ اس چہار دیواری میں ایک دوسرے کی موجودگی دونوں کے لئے استعجاب کا باعث تھی ـــــ اشمل خان نے پہلی بار اُسے گہرے کامنی سرسراتے ریشمی لباس اور بکھری ہوئی ابریشمی زلفوں اور بے تحاشا جگمگاتی آنکھوں میں بجی کاجل کی لکیر کو دیکھا تھا۔ وہ عام دنوں سے زیادہ حسین اور منفرد لگ رہی تھی اور وہ کسی حسین تراشیدہ مجسمے کی طرح ایک جگہ نصب تھی۔

''تمہاری گاڑی کو کیا ہوا ہے؟'' ابی اس سے پوچھ رہے تھے۔ وہ یوں چونکی جیسے اس بیوٹی کوئین کو سو سال نیند لینے کے بعد اچانک ایک شہزادے نے جگا دیا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے سارے حواس مجتمع کئے۔

''وہ .... م .... میری گاڑی پول سے ٹکرا گئی۔'' اس نے نگاہیں ابی کی طرف اٹھا کر صاف گوئی سے کہہ دیا۔ ''اس کا بریک خراب ہو گیا تھا ابی!'' اس نے یہ کہتے ہوئے ایک بار دزدیدہ نگاہوں سے اشمل خان کی طرف دیکھا۔ مگر اب وہاں ایک گہری بے نیازی سمٹ آئی تھی۔

وہ بجلی، بھوری آنکھیں کسی جھیل کی مانند پُرسکون ہو گئی تھیں۔ اس کے وجیہہ چہرے پر چند لمحے پہلے در آنے والے تحیر کا شائبہ تک نہ تھا۔

بہت کمال حاصل تھا اسے اپنے تمام تر جذبات پر۔ مگر اس کے ذہن کی سُوئی بری طرح اٹک گئی تھی کہ اشمل خان کی اس کے ڈرائنگ روم تک رسائی کس سلسلے یا کس رشتے کی کڑی ہے۔

''اوہ سوری ـــــ'' ابی اچانک چونکے۔ ''اشمل! یہ ھشمینہ ہے، میری بیٹی۔ اس نے بھی یونیورسٹی جوائن کی ہے۔'' انہیں اشمل کی موجودگی کا احساس ہوا تو تعارف کرانا مناسب سمجھا۔

''جی ـــــ'' اشمل خان نے رسمی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر ایک انجان نگاہ اس پر ڈالی۔

''اور ھشمینہ بیٹی! یہ اشمل ہے، تمہاری ممانی کا بھتیجا یعنی شاہ خانم کا بیٹا۔''

Marfat.com

''دھڑ......دھڑ......دھڑ......''

ہشمینہ کے حواس پر ایک بار پھر بجلی سی لپک گئی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر ایک بار پھر اشمل خان کو یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کوئی عجوبہ رہا ہو۔ اس نے گل بی بی کے پاس شاہ خانم کی تصویر دیکھی تھی۔

ایسی ہی شفاف آنکھیں تھیں۔

ایسی ہی مغرور کھڑی ناک۔

''اچھا ــــــ یہ لو چابی۔ اور دیکھو بیٹا! دھیان سے چلانا۔'' امی نے جیب سے چابی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے تاکید کی۔

اس نے جلدی سے چابی اچک لی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''ہاں ــــــ سیاست میں وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو اچھی سیاست کرنا جانتے ہیں۔ محض لفاظی یا منفی سوچ اپنا کر کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔'' اشمل خان کے لفظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ وہ اشناس کے کسی سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔ اب ان کے درمیان موضوع سیاست تھا۔

''اب تو لڑکیاں بھی محض تفریحاً سیاست میں داخل ہو رہی ہیں۔'' اُس کے جملے در پردہ اس کو سنانے کے لئے تھے۔

ایک دہکتا انگارہ اُسے جیسے چھو گیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ اس کا دل چاہا وہ پلٹ کر کوئی سخت بات اُسے سنائے۔ مگر اپنی پوزیشن کا خیال کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

ہمیشہ کی طرح اشمل خان نے یہاں بھی ایک بے ساختہ طنز کیا تھا۔ اس کی ذات پر وہ سلگتی باہر آئی تو بھابی کچن کے دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔ اسے دیکھا تو جلدی سے بولیں۔

''اے، جانتی ہو کون آیا ہے؟ ــــــ شاہ خانم کا بیٹا، اشمل خان۔''

''جانتی ہوں ــــــ'' اس نے کندھے اچکائے اور فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں انڈیلنے لگی۔ اس لمحے اس کے کھولتے ذہن کے لئے ٹھنڈے پانی کی اشد ضرورت تھی۔

''تم جانتی ہو؟'' بھابی متعجب ہو گئیں۔

''یہ وہی اشمل خان ہے جو مخالف پارٹی کا لیڈر ہے۔'' غٹاغٹ گلاس خالی کر کے اس نے بھابی کی سماعت پر نئے انکشاف کا دھماکا کیا۔

Marfat.com

''ایں ـــــ'' بھابی اپنی جگہ سے اچھلیں اور اس تک آ پہنچیں۔ ''کک ـــــ کیا وہی اشمل ـــــ اوہ گاڈ!''

''بہت کرتی تھیں نا اُس کی حمایت آپ۔'' اس نے بھویں اچکا کر بھابی کو دیکھا۔ ''وہی ہے شاہ خانم کا لاڈلا سپوت۔''

''نہیں ـــــ یہ بہت مختلف ہے شاہ خانم سے۔ ممانی جان اس کی بہت تعریفیں کرتی تھیں۔'' بھابی نے جلدی سے اس کے خیال کی نفی کی۔ ''ویسے تم کیا پہلے ہی سے جانتی تھیں کہ یہ شاہ خانم کا بیٹا اشمل خان ہی ہے؟' بھابی ابھی تک حیران تھیں۔ ان کی حیران آنکھیں ہشمینہ کے چہرے پر ٹکی تھیں۔

''نہیں ـــــ یہ دونوں انکشافات مجھے خود آج ہی ہوئے ہیں۔'' بہرکیف اس نے اپنے اوپر حیرانی کے تمام در بند رکھے۔ اطمینان سے شانے اچکائے اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اس شخص نے ہر بار مجھ پر بے جا طنز کیا ہے ـــــ ہماری تنظیم پر کیچڑ اُچھالا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ الیکشن میں بری طرح شکست کھائے تاکہ ساری اکڑ دھری کی دھری رہ جائے۔'' اس کا غصہ ہنوز قائم تھا اور لہجہ خاصا تیز اور درشتی لئے ہوئے تھا۔

بھابی ہمیشہ کی طرح اس کی جھنجلاہٹ پر ہنس پڑیں۔

''ویسے تمہارے ریحان پراچہ سے تو اچھا ہی ہے۔''

''صورتاً کہہ رہی ہیں نا آپ؟'' اس کی نگاہیں شکایتاً بھابی کی سمت اُٹھیں۔

''ہر لحاظ سے۔'' بھابی کو اسے چھیڑنے میں لطف آ رہا تھا۔ ''دیکھو نا، شریف لڑکا ہے۔ پھر پہاڑی نوجوان، جس کے عزائم بھی پہاڑ جیسے ہیں۔ اس کا کردار تو صاف و شفاف ہی رہا ہے ـــــ پھر ریحان پراچہ تو لوگوں کی نگاہوں میں گئی عرصے تک مشکوک رہا ہے۔''

بھابی کی اس بات پر اُسے اُس دن ہوٹل والا منظر یاد آ گیا۔ ریحان پراچہ کا وہ مذاق۔ مگر اس نے جلدی سے سر جھٹک دیا ـــــ وہ بھابی کی کسی بات پر قائل ہونا نہیں چاہتی تھی۔

'ہو سکتا ہے ریحان پراچہ کی وہ حرکت محض مذاق ہی ہو ـــــ اس نے مجھ سے معذرت کر لی تھی۔' ہشمینہ نے خود ہی تاویل پیش کی۔

''آپ کو بھلا اشمل خان کے کردار کی پارسائی سے کیسے آگاہی حاصل ہو گئی؟ دُور کے ڈھول سہانے ہی لگتے ہیں۔'' وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ بھابی ہمیشہ اس کا غصہ بڑھا

Marfat.com

دیا کرتی تھیں۔ اس کا سرخ ہوتا چہرہ اور گہری گہری سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتی جھنجلاہٹ انہیں لطف اندوز کرتی تھی۔ وہ پھر خوب ہنستی تھیں۔

آج بھی وہ اس کے غصے کو ہوا دے رہی تھیں۔

وہ گلاس رکھ کر پلٹی تو ٹھٹک گئی ــــــ اشمل خان اپنے شاندار سراپا کے ساتھ بالکل سامنے ہی کھڑا تھا۔ ابی ڈرائنگ روم میں فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ جب کہ اشناس، اشمل خان کو 'ایک منٹ' کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف گیا تھا اور وہ نہ جانے کب سے یہاں آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ بھابی تو جھٹ سے کچن میں ہی گھس گئی تھیں۔

''بہت خوبصورت خیالات ہیں میرے بارے میں آپ کے۔'' اس کا لہجہ بڑا چبھتا ہوا تھا۔ ''ایک مخالف پارٹی کی سیکرٹری کو ایسے ہی خیالات رکھنے چاہئیں۔ یہی تو سیاست کا پہلا اصول ہے۔'' وہ استہزائیہ ہنسا۔

وہ شاید اس بے ساختہ جملے کے لئے قطعی تیار نہ تھی، بوکھلا کر رہ گئی۔

وہ بھوری بھوری آنکھیں اندر باہر کے اُجالوں سے سرشار اُسی پر مرکوز تھیں۔

''میں قدر کرتا ہوں آپ کے ان تمام جذبوں کی۔'' وہ بدستور طنز کے تیر چلا رہا تھا۔

''مسٹر اشمل خان! آپ یہاں ہمارے مہمان بن کر آئے ہیں۔ ورنہ آپ کے ہر سوال کا میرے پاس بہت سخت جواب ہے۔''

''اوہ ــــــ مگر میں نے تو قطعاً کوئی سوال نہیں کیا آپ سے۔'' اس نے بے حد شائستہ لب و لہجے کے ساتھ اس کی سماعت پر تیر پیوست کر دیا۔ ''بہرکیف ــــــ'' اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ ''یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ میرے پھوپھا جان کی لاڈلی بھانجی ہیں۔ کچھ تعلق تو ہے اس وادی سے آپ کا۔''

وہ مبہم مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو اس کا دل جل کر خاکستر ہو گیا۔ اس کا دل چاہا کہ طنز کے تیر برساتے اس انسان کا خوبصورت چہرہ بگاڑ کر رکھ دے۔ ہر بار وہ اس کے سامنے اسی انداز میں آ کر اس کے وجود میں انگارے بھر دیتا تھا۔ اس شخص کو اپنی بے تحاشا وجاہت پر گھمنڈ تھا۔

یا ڈھیر ساری ذہانت پر۔

یا پھر یہ انداز اس کے مزاج کا خاصہ تھا۔

آج تک اس کے جملوں پر کوئی سخت جوابی حملہ نہیں کر سکی تھی۔ شاید اس لئے کہ اس کے تمام پہلو ہمیشہ کمزور رہے تھے۔

Marfat.com

اور آج بھی وہ اس پر ڈھیر سارے نشتر برسا گیا اور وہ جارحانہ رویہ اختیار نہ کر سکی تھی کہ وہ اس کے گھر میں مہمان بن کر آیا تھا اور اس کی کوئی بھی جذباتی حرکت اشناس بھائی یا امی کی نگاہوں میں آ کر خود اس کے لئے خفگی کا باعث بنتی۔

سو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔ غصے کے بڑے بڑے گھونٹ حلق سے اتار گئی۔

''ہشمینہ ابرار احمد! میری شکست کے لئے دعائیں کرنے سے بہتر ہے اپنی فتح کی دعائیں مانگیں۔ اچھا او کے ــــــ میرے خیال سے اگلے مہینے یونیورسٹی میں ضرور ملاقات ہوگی۔'' اس کا لہجہ بے حد سادہ تھا۔ ''خدا حافظ!''

ہشمینہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا مگر پھر جلدی سے پلکوں کی دراز باڑھ جھکا لی۔ نہ جانے کیوں وہ اس شفاف چہرے پر چمکتی آنکھوں سے نگاہیں نہ ملا سکی۔

وہ سامنے بڑے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مگر ایک عجیب سی جگل جگل روشنی اس کے چاروں طرف چھوڑ گیا۔

زردی مائل سیاہ آنکھوں کے نامانوس سے دھندلکے پھیلتے گئے تو ہشمینہ نے سر جھٹک دیا۔

''ہوں ــــ بدتمیز انسان۔'' اس نے منہ پھیر کر کچن کی طرف دیکھا۔ بھابی اپنی بے تحاشا مسکراہٹ روکے ہوئے تھیں۔ اس سے نگاہیں ملیں تو کھل کھلا کے ہنس پڑیں۔

''بات مت کیجئے گا آپ بھی مجھ سے۔'' وہ ایک جلتی نگاہ بھابی پر ڈال کر دھم دھم کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

+++

کہ تُو آج اپنے سائے تک سے لرزاں ہے
سیہ نفرت کی زنجیر گراں پہنے
زمانے بھر سے نالاں ہے
کبھی نیلے سمندر سے نہنگ اُمڈے
کبھی اودھی گھٹاؤں سے لہو برسا
یہ عالم ہے کہ آئینوں سے خوف آیا
اندھیرا سا اندھیرا ہے
جو تُو میری طرف دیکھے
مجھے پلکیں اٹھانے دے

Marfat.com

تو شاید میری آنکھوں میں
وہ کرنیں تجھ کو مل جائیں
بھری دنیا میں تُو جن کو گنوا بیٹھا
میرے ہاتھوں میں ہیں اوراقِ گم گشتہ تمنا کے
تمہاری صبحِ فردا کے
کہ میں انسان کی پہلی وفا
پہلی محبت کی نشانی ہوں

وہ تالاب میں لگے فوارے سے نکلتے، مچلتے پانی پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ کبھی کبھی جھک کر تالاب کے ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈال کر تھوڑا سا پانی بھر کر اپنی سفید مرمریں کلائی پر سجے زخم پر لگاتی۔ وہ زخم اب مندمل ہو گیا تھا مگر دل میں لگا وہ زخم اب بھی تازہ تھا۔ وہ نشتر جو ذولین خان نے لگایا تھا اس کی چبھن اب بھی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر نجانے کیوں، حزن اور نئے انوکھے دکھ کے ساتھ کبھی پچھتاوا اس کے دُکھ کے ہمراہ نہیں آیا تھا۔ کرب اس کے اندر سمٹ آتا تھا مگر قدم پیچھے ہٹا لینے کا اس نے تصور ہی نہیں کیا۔ یا اپنے اتنے آگے بڑھ آنے پر کوئی ملال یا پچھتاوے نے اس کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس کا دل اس ظالم انسان کے لئے اب بھی اسی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اب بھی اس کے خوابوں اور اس کے تصورات پر اسی کا قبضہ تھا۔ لیکن وہ شخص پہلو تہی کر رہا تھا۔ وہ اسے پیچھے دھکیل رہا تھا اور وہ اسی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

''اشتارا بی بی! اشتارا بی بی!'' نوراں اس کے پاس کھڑی اُسے پکار رہی تھی۔ اُس کے یوں سامنے آ جانے پر اُس کے خیالات کا تسلسل چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ وہ عالم مدہوشی سے عالم ہوش میں واپس آ گئی۔ اُسے یہ مداخلت ناگوار گزری۔

''کیا بات ہے نوراں؟ کیوں بے وقت پریشان کرتی ہو؟'' اس نے خفگی سے نوراں کو دیکھا۔

''ج...... جی وہ آپ کا فون۔'' نوراں گھبرا گئی۔

''میرا فون ــــــ؟'' وہ متعجب ہوئی۔ ''کس کا؟'' وہ تالاب کے کنارے کھڑی ہو گئی۔ ''چلو دیکھتی ہوں۔'' وہ خود سے ہی سوال کرتی، جواب دیتی آگے بڑھ گئی۔

''معاف کر دیں خان زادی! آپ کا فون نہ آتا تو میں آپ کو پریشان نہ کرتی۔'' نوراں اس کے پیچھے چلتے ہوئے بے چارگی سے بولی تو اشتارا رک گئی اور پلٹ کر نوراں کو

Marfat.com

دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔

''ارے نہیں نوراں! ــــ بس مجھے ایسے ہی ذرا غصہ آ گیا۔ بھلا تمہارا اس میں کیا قصور؟'' اس نے نوراں کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔

وہ اندر آئی اور ریسیور اٹھا کر بولی۔

''ہیلو!''

''آخاہ، کیسی ہو تارا؟'' دوسری طرف فروان کی شگفتہ آواز آئی تو وہ لحہ بھر کے لئے حیران رہ گئی۔

''اوہ ــــ تم ہو۔'' اس نے ایک گہری سانس باہر نکالتے ہوئے کہا۔ اس کا خیال تھا شاید ماہم آپی نے اُسے پکارا ہوگا۔

''کیوں، یہ بندہ بشر آپ کو یاد نہیں کر سکتا؟''

''کیوں نہیں ــــ مگر اس بے وقت یاد کرنے کا مقصد؟'' وہ سائیڈ پر رکھی سیٹ پر بیٹھ گئی اور اپنے اوپر چھائی بے کلی کو جھٹکتے ہوئے ہولے سے مسکرائی۔

''ارے ہم تو ہمہ وقت آپ کی یادوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔'' اس نے خوابیدہ لہجے میں کہا تو اشتارا چونک سی گئی۔ یہ اندازِ سخن ہمیشہ صرف اسی کے لئے ہوتا تھا۔ یہ خیال اُسے کبھی آ کر پریشان ضرور کرتا تھا۔

''ممانی جان، ماموں اور سب کیسے ہیں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''جناب! پورا اہل خانہ ٹھیک ٹھاک، بخیریت ہے ــــ اب الگ الگ سب کی خیریت پوچھنے مت بیٹھ جانا۔ تم اپنا حال سناؤ۔'' وہ بے حد خود اعتمادی اور بذلہ سنجی سے بول رہا تھا۔

ریسیور تھامے اشتارا کا ہاتھ نم ہو گیا۔ فروان سے ملے، اُسے دیکھے ایک سال کا عرصہ بیت گیا تھا۔ نہ جانے کیسا اور کتنا بڑا ہو گیا ہوگا۔ اتنا پُر اعتماد اور ایسا تیز وطرار۔

''فروان! تم مجھ سے ایک سال چھوٹے ہو، آپ کیوں نہیں کہتے مجھے؟'' اس نے کچھ سوچ کر کہا تو فروان کی بے ساختہ ہنسی ایئر پیس سے اُبھری۔

''کیوں ــــ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔''

''واہ ــــ کیا ٹھیک کہہ رہی ہو؟ صرف ایک سال بلکہ دس ماہ کے فرق پر میں تمہیں آپ جناب کہوں۔ پتہ ہے تارا! یہ آپ واپ فاصلوں کو بڑھاتے ہیں۔''

''جو عمر کا فاصلہ ہے وہ تو بہر حال رہے گا ہی ــــ'' اُس نے سہولت سے اُسے

Marfat.com

قائل کرنا چاہا۔

''خیر، میرے نزدیک یہ کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ تم نے مجھے دیکھا ہے، اب میں تم سے قد میں کتنا بڑا ہوں۔ جناب! پورے چھ فٹ کا۔ اور تم میرے سامنے بالکل چوہیا لگتی ہو۔'' وہ نہایت غیر سنجیدہ تھا اس موضوع پر۔

''اچھا کم از کم تارا ہی کہنا چھوڑ دو ـــــ مجھے سب اشتارا کہتے ہیں، سو تم بھی۔'' وہ نہ جانے کیوں غیر شعوری طور پر فروان کو یہ جتا دینا چاہتی تھی کہ وہ بہر حال اس سے ایک سال بڑی ہے۔

''سب کہتے ہیں نا۔ اس لئے میں نہیں کہتا۔ میں منفرد اور الگ حیثیت چاہتا ہوں اپنی۔''

''فروان!'' اشتارا کا سارا وجود لرزا۔ اُس کا لہجہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ فروان کا اندازِ بیان اسے لحہ لحہ استعجاب میں دھکیل رہا تھا۔ ''تم میرے کزن ہو، میرے بھائی۔ بس یہی تمہاری حیثیت ہے۔ یہی تمہارا مقام ہے میرے لئے۔''

''ارے تم تو خفا ہو گئیں ـــــ میں تو مذاق کر رہا ہوں تارو!'' وہ زور سے ہنسا اور اس ہنسی میں اس نے ساری خفگی ختم کرنے کی سعی کی۔ ''یہ بتاؤ تم شہر کیوں نہیں آئی تھیں؟ ممی پپا سب تمہیں یاد کرتے ہیں بہت۔'' اس نے یکسر موضوع بدل دیا۔

''فروان! تم بہت شریر ہو۔'' اس کا دل جو بیٹھا جا رہا تھا، اب ذرا معمول پر آ گیا۔

''ارے، ابھی کہاں ہم نے کوئی شرارت کی ہے۔ اچھا سنو، جھٹ پٹ پروگرام بناؤ شہر آنے کا۔''

''قطعی نہیں ـــــ اب تم لوگ آؤ۔ میں مہمان نوازی کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''ارے میرا تو دل چاہتا ہے ابھی اُڑ کر اس حسین وادی کی حسین دوشیزہ کے پاس پہنچ جاؤں۔ مگر ہائے یہ امتحانات کی مصیبت۔'' وہ پھر پٹری سے اُترنے لگا۔ مگر اشتارا نے کوئی مداخلت نہ کی۔ محض یہ انداز اس کی مزاج کی شرارت کا خاصہ سمجھ کر نظر انداز کر گئی۔

''کب ہو رہے ہیں تمہارے ایگزام ـــــ بی۔ کام پارٹ ون کا ایگزام دے رہے ہو نا؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں، بالکل ـــــ اس کا مطلب ہے تم میرے بارے میں اتنی بے خبر نہیں ہو۔ تھینک یو۔''

''بکومت ـــــ چند دن پہلے سحر نے فون کیا تھا۔ وہی بتا رہی تھی۔ اس کے بھی تو

Marfat.com

ایگزام ہو رہے ہیں نا۔" اس نے اس کی خوش فہمی بھک سے اُڑا دی۔

"تارا! میں نے تم سے بہت اہم باتیں کرنے کے لئے فون کیا تھا۔ مگر خیر——" وہ یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز میں عجیب سی کیفیت تھی۔

"ہوں—— تو پھر کہو نا۔" وہ متجسس ہوئی۔

"مگر نہیں—— آج نہیں۔"

"ایں—— کیوں؟" جب فون اسی لئے کیا ہے تو پھر آج کیوں نہیں؟ کیا بہت زیادہ اہم بات ہے؟"

"بہت زیادہ—— دنیا کی ساری باتوں سے زیادہ اہم۔"

"اچھا——" وہ متعجب ہوئی۔ "ایسی کیا بات ہے؟ کہو نا، میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس نے اصرار کیا۔

"کہوں گا—— مگر آج نہیں۔ پھر کسی ایسے ہی دن کی خوبصورت ساعت میں۔ ہو سکتا ہے مجھے کچھ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔" وہ عجیب الجھے الجھے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

اشتارا کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کا یہ انداز۔

"اچھا، اس وقت تو خدا حافظ—— دعا کرنا میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"کس میں؟" اشتارا نے ہنس کر ازراہ مذاق پوچھا۔

"ہر امتحان میں۔" وہ بھی شگفتہ انداز میں ہنس پڑا اور وہ بھی ہنس پڑی۔ پھر اس کے فون رکھنے کے ساتھ ہی خود بھی ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

وہ اس ساری گفتگو کے دوران فروان کو قطعی نہ سمجھ سکی۔ یہ ایک سال پہلے والا فروان تو قطعی نہیں لگتا تھا۔ عجیب اُلجھی اُلجھی اور معنی خیز گفتگو تھی اس کی—— پل میں سنجیدگی، پل میں شرارت۔

وہ کتنا بدل گیا تھا—— اس کے ہر انداز میں نیا پن محسوس ہو رہا تھا۔ آج وہ اس کے اس نئے انداز پر کچھ دیر سوچ میں غرق رہی اور پھر گہری سانس لے کر لاؤنج سے باہر آ گئی۔

اچانک حویلی کے گہرے سناٹے میں زیبل کی سسکیوں بھری چیخیں اُبھریں اور وہ دہل کر رہ گئی۔

"ستم ہو گیا—— ستم ہو گیا خان زادی! ستم ہو گیا—— خدایا! ایسا تو کبھی سوچا

Marfat.com

بھی نہ تھا۔ یہ کیا ظلم ہو گیا۔"

وہ بڑے گیٹ سے اندر آئی۔ پھر روش پر اسی طرح شور مچاتی ہوئی رہائشی حصے کی طرف آ گئی۔

"بکھرے بال، متوحش چہرہ اور روتی پیٹتی، اس لہجے میں شاہ خانم کے آرام میں خلل پڑنے کی بھی پرواہ نہ تھی۔ وہ اشتارا کی طرف دوڑتی ہوئی آئی اور پھر اس کے قدموں میں بیٹھ کر بھل بھل رونے لگی۔

"سب کچھ اُجڑ گیا خان زادی! سب کچھ ختم ہو گیا۔" وہ اپنا سر پیٹنے لگی۔

اشتارا دم بخود کھڑی تھی۔ ایک انجانے خدشہ سے لرزی۔

"زے........ بل........ کک........ کیا اُجڑ گیا۔" اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

"سب کچھ خان زادی! سب کچھ۔" وہ بدستور روتے ہوئے بولی۔

زیبل کی سسکیوں کے شور سے پوری حویلی گونج رہی تھی۔ شاہ خانم، خیزراں، نوراں سب لاؤنج سے باہر راہداری میں جمع ہو گئیں۔

"زیبل!" شاہ خانم دھاڑیں۔ "یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے؟"

مگر زیبل بدستور روتی رہی۔ اپنے آپ کو پیٹتی رہی۔ اُسے آج شاہ خانم کے غصہ کی پرواہ نہ تھی۔ اس کا سارا وجود دُکھ سے چُور چُور ہو رہا تھا۔

"زیبل! خدا کے لئے بتاؤ، کیا بات ہو گئی ہے؟" اشتارا اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے شانے جھنجھوڑنے لگی۔

"وہ ـــــ وہ زرسانگہ۔" زیبل کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔ وہ مستقل رو رہی تھی۔ سارا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔

"کیا ـــــ کیا ہوا زرسانگہ کو؟ ـــــ آج تو اس کا نکاح ہونا تھا۔" اشتارا کا دل پہلو میں بری طرح دھڑکا۔ زیبل کے شانے پر دھرے ہاتھ لرز کر رہ گئے۔

"نواب داد نے ـــــ زرسانگہ کو ـــــ گگ ـــــ گولی ماردی ہے۔" اس نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے یہ اندوہناک خبر سنائی۔

اشتارا یوں پیچھے ہٹی جیسے ننگے تار کو چھو لیا ہو۔

"وہ مر گئی ہے خان زادی........ مر گئی ہے........" زیبل یہ کہہ کر فرش پر سر ٹکا کر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

یہ خبر سن کر شاہ خانم بھی چند ثانیے کے لئے سناٹے کا شکار ہو گئیں۔ خیزراں اور نوراں

Marfat.com

کے چہرے بھی خوف سے زرد پڑ گئے۔

''یہ جھوٹ ہے زیبل! کہہ دے یہ جھوٹ ہے، یہ جھوٹ ہے۔'' اشتارا اچانک ہذیانی انداز میں چلائی اور زیبل کا بازو جھنجھوڑنے لگی۔

''نہیں........ یہ نہیں ہو سکتا........ زرسانگہ کیسے مر سکتی ہے؟'' غم کے اس بوجھ سے اشتارا کا دل پھٹنے لگا۔ ''میری زری نہیں مر سکتی........ یہ جھوٹ ہے۔'' وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگی!

شاہ خانم نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور جھنجھوڑنے لگیں۔

''اشتارا! پاگل مت بنو ـــــ ہوش میں آؤ۔''

''شش........ شاہ........ خانم! زرسانگہ مر گئی ـــــ اُسے نواب داد نے گولی مار دی۔'' وہ جھلملاتی آنکھوں سے شاہ خانم کو دیکھنے لگی۔

''ہاں ـــــ مجھے پتہ ہے ـــــ اس کی موت یونہی لکھی تھی۔ اب تم یا ہم کچھ کر تو نہیں سکتے۔'' ان کا لہجہ ترش ہو گیا تھا۔ وہ شاک جو انہیں کچھ دیر پہلے لگا تھا اب زائل ہو چکا تھا۔

مگر اشتارا کے دل کی دیواروں سے تو خون رس رہا تھا۔ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس کی دوست، اس کی رفیق زرسانگہ اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی ہے۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو اس کے گلے سے لگی اپنے دُکھ پر آنسو بہا رہی تھی اور وہ خود اُسے ڈھیروں تسلیاں دے کر آئی تھی۔ اس کے گمان میں کب تھا کہ یہ زرسانگہ سے اس کی آخری ملاقات ہوگی، اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائے گی۔

تقدیر کے اس ستم پر اس کا دل کٹ کٹ کر گرنے لگا۔

اس نے بہت شاکی نظروں سے شاہ خانم کے بے حس چہرے کو دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے ان کی گرفت سے خود کو چھڑا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

زیبل اب زمین سے اٹھ کر دیوار سے منہ لگائے بے آواز رو رہی تھی۔

چند سیکنڈ بعد اشتارا خود کو چادر میں ڈھانپے باہر نکلی۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔ گلابی چہرہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا اور سنہری آنکھیں آنسوؤں کی دبیز چادر میں چھپ گئی تھیں۔ اس نے کسی کی جانب نہیں دیکھا اور تیزی سے رہائشی حصے سے باہر نکل گئی۔ شاہ خانم چونکیں، پھر اس کے ارادے کو بھانپ کر اُسے پکارا۔

''اشتارا! ٹھہرو اشتارا!''

Marfat.com

مگراس نے سنا ہی نہیں اور پورچ میں کھڑی پجیرو میں بیٹھ گئی۔ زیبل بھی روتی بلکتی بھاگتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اُسے شاہ خانم نے بھیجا تھا۔ وہ اشتارا کو تنہا نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔

محمد سلام نے زیبل کے کہنے پر جلدی سے پجیرو کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

زرسانگہ کے چھوٹے سے گھر کے باہر ایک کہرام بپا تھا۔ شادی کی غرض سے جمع ساری رشتے دار عورتیں، لڑکیاں بین کر رہی تھیں۔ نور جان بی بی تو سر دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر اب بے ہوش ہو کر چارپائی پر پڑی تھیں۔

اشتارا اندر بھاگتی ہوئی آئی۔ چیخوں اور سسکیوں نے اس کا دل اور بھی بھاری کر دیا۔ سامنے چارپائی پر زرسانگہ کا ٹھنڈا یخ وجود بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کے پورے جسم کو سفید چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

''زر......ری......'' اشتارا اس کے سرد چہرے پر جھک کر بلک اٹھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور خوبصورت گلابی لب جامد تھے۔ اشتارا پاگلوں کی طرح اس کے چہرے کو چومنے لگی۔ اس کی بند آنکھوں، ٹھنڈے رُخساروں اور بے جان ہاتھوں کو تھام کر لبوں سے لگا کر روتی رہی۔

''یہ—— یہ کیا ہو گیا مقبول شاہ؟'' اس نے دوسری طرف بیٹھے مقبول شاہ کے ساکت چہرے کو دیکھتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''کیوں کیا نواب داد نے ایسا—— کیا حق پہنچتا تھا اُسے؟''

مگر مقبول شاہ کے سرد چہرے اور سرخ آنکھوں نے کوئی جنبش نہ کی۔ اس کا پتھریلا چہرہ اور سرخ آنکھیں زرسانگہ کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔

''بس کرو خان زادی!'' کسی نے آہستگی سے اس کے نرم شانے پر ہاتھ رکھا۔

''مقبول شاہ! تم بولتے کیوں نہیں—— کچھ کہتے کیوں نہیں ہو؟'' وہ مقبول شاہ کی اس پتھر دل خاموشی پر بپھر اٹھی۔ ''کیا تمہیں زرسانگہ کا کوئی غم نہیں ہے—— بولو، کیا اس سانحے کا تمہیں کوئی دکھ نہیں ہے—— کیسے باپ ہو تم؟''

''خان زادی........ ہوش کرو........ خان زادی!'' زیبل اور دوسری عورتیں اُسے پکڑنے لگیں مگر وہ جنونی انداز میں مقبول شاہ کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔

''تم اسے صرف ایک بوجھ سمجھتے تھے نا؟—— اس کی کسی خواہش کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے زبردستی پھینک دینے پر مصر تھے۔ دیکھو—— دیکھو، اب یہ بوجھ خود تمہارے

Marfat.com

کندھوں سے اُتر گیا۔"

"خان...... زا...... دی......" مقبول شاہ تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سرد چہرہ لال ہو گیا۔ اس کے نتھنے پھڑ پھڑانے لگے۔ لب کانپنے لگے۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم خان زادی___؟" اس کی بھاری آواز لڑکھڑا گئی۔ لمبا چوڑا مقبول شاہ سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔

دوسرے ہی لمحے زرسانگہ پر جھک گیا اور اس کی پیشانی پر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ رکھ دیئے۔

"اس پاگل لڑکی کے نصیب میں ایسی ہی موت تھی۔" "نواب داد بھی اپنی جگہ درست ہے۔ کوئی مرد یہ نہیں چاہے گا کہ اس کی منکوحہ کے دل میں کسی اور مرد کا بسیرا ہو۔"

اس نے اپنی نم نم، سرخ آنکھیں اوپر اٹھا کر اشتارا کو دیکھا۔ اس کا بوڑھا جھریوں زدہ چہرہ آہستہ آہستہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

"نواب داد نے مجھے رقعہ بھی بھیجا تھا۔ اس میں سب کچھ لکھ دیا تھا۔ مجھے تو دُکھ اسی بات کا ہے کہ میں اس بیٹی کا باپ ہوں جس نے اس عمر میں میرے کندھے جھکا دیئے۔ مر کے بھی رسوائی میرے کندھوں پر ڈال دی ہے۔ مجھے اگر پہلے خبر ہوتی تو میں خود اسے گولی مار دیتا۔"

مقبول شاہ کی آواز شدتِ ضبط سے لرز رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے زرسانگہ کے چہرے پر چادر ڈال دی اور لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

Marfat.com

زیبل، اشتارا کو زبردستی حویلی لے کر آئی تھی۔ اس کی حالت بے حد خراب تھی۔
''اتنا نرم دل رکھتی ہو اشتارا! ـــــ ہر ایک کے غموں پر اپنا دل زخمی کر ڈالتی ہو۔'' شاہ خانم نے لب بھینچ لئے۔ وہ کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کے سامنے جہازی سائز پلنگ پر اشتارا غفلت کی حالت میں پڑی تھی۔ انہوں نے بابا خان کے کہنے پر اسے خواب آور گولیاں پانی میں گھول کر پلا دی تھیں تاکہ طویل نینداس کے اعصابی تناؤ کو ختم کر دے۔
تقریباً چھ گھنٹے ہو گئے تھے اسے سوئے ہوئے۔ شاہ خانم مضطرب سی تھیں۔
''کیوں رکھتی ہو اتنا گداز دل کہ ہر لحہ دکھ تمہارے وجود کو روندتے رہیں۔ بے وقوف لڑکی! ان بے توقیر لوگوں کے معمولی معمولی دُکھوں پر خود کو نڈھال کر ڈالتی ہو۔''
اشتارا کی اس حالت پر انہیں بے حد رنج ہو رہا تھا۔ وہ اشتارا کو اس روپ میں دیکھنے کی قطعی خواہاں نہیں تھیں۔ اُسے تو وہ مکمل طور پر اپنے جیسا دیکھنا چاہتی تھیں۔ اپنی تکمیل کے اس رنگ کو وہ ''شعلہ وقت'' دیکھنا چاہتی تھیں۔ یہ نرم، لچک دار شاخ کی مانند کیونکر بن گئی کہ ہر بے حقیقت جھونکا اسے اپنی مرضی سے جھکا کر گزر جاتا ہے۔
''تم نے مجھے مایوس کو دیا اشتارا!'' انہوں نے ایک گہری اور طویل سانس سینے سے خارج کی اور کرسی سے کھڑی ہو گئیں اور بے آواز قدموں سے چلتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ساری رات اشتارا تقریباً نیم غنودگی میں رہی۔ دوسری صبح اس کا وجود نڈھال ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی سنہری آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔ گلاب رخسار ماند ہو گئے تھے۔
''کیسی طبیعت ہے؟'' شاہ خانم اس کے اوپر جھکیں اس سے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے اپنی بوجھل پلکیں اوپر اٹھا کر بس ایک نظر شاہ خانم کو دیکھا پھر پلکیں جھکا دیں۔
''میں چاہتی ہوں تم کچھ دن کے لئے شہر اپنے ماموں کے گھر چلی جاؤ۔ تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئیں۔

Marfat.com

''ماموں کے گھر ہی کیوں؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔ ''اگر آپ کا خیال ہے کہ اس حویلی سے باہر نکل کر میرا دل بہل جائے گا تو پھر گل بی بی بھی تو ہیں۔'' وہ جانے کیوں کہہ گئی۔

شاہ خانم کے چہرے پر تناؤ سا آ گیا۔

''اشتارا!'' انہوں نے تنبیہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''کیوں دانستہ ایسی باتیں کر کے میرے غصے کو ہوا دیتی ہو؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ——'' انہوں نے اپنے سرخ لب بھینچ لئے۔

'یہی تو جاننے سے قاصر ہوں کہ گل بی بی سے اتنی شدید نفرت کیوں ہے آپ کو —— کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا؟' احتجاج کی کئی سرد لہریں اس کے اندر سے اٹھیں مگر لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح کچھ نہ بول پائی۔ بس اتنا کہہ سکی۔

''نہیں، میں ماموں کے گھر ابھی نہیں جانا چاہتی۔''

''ٹھیک ہے —— جیسی تمہاری مرضی۔'' اس کا یہ جواب شاہ خانم کو ناراض کر گیا۔ اسی لمحے خیزراں اندر آئی۔

''شاہ خانم جی —— وہ اشمل خان آئے ہیں۔''

''کیا —— اشمل آیا ہے؟'' شاہ خانم پہلے حیران ہوئیں پھر خوشی سے کرسی سے کھڑی ہو گئیں اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکیں۔ اشتارا کا حیران چہرہ بھی اس خبر پر چمک اٹھا تھا۔ اشمل کے لئے وہ کتنا تڑپی تھی۔ ایسے اُداس لمحوں میں یہ ہمدرد بھائی کس قدر یاد آتا تھا۔

وہ بیڈ سے اُتر کر خود بھی دروازے کی طرف بھاگی۔ وہ بابا خان کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔

''کیسی ہیں آپ شاہ خانم؟''

''ٹھیک ہوں —— تم کیسے ہو؟ بہت انتظار کروایا اس بار تم نے۔'' شاہ خانم نے محبت سے اس کے شانوں پر ہاتھ پھیرا۔ ''ہر دن تمہیں یاد کرتے ہوئے گزرتا ہے۔ کب ختم ہو گی تمہاری یہ پڑھائی؟'' ہمیشہ کی طرح ان کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ ان کی آنکھیں ترستی رہی تھیں اشمل کے انتظار میں۔ ان کا دل بیٹے کی محبت سے لبریز تھا۔ آج اشمل کو دیکھ کر ان کے اندر ڈھیروں ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

''ارے، اشتارا! تم کیسی ہو؟'' اشمل دروازے میں استادہ اشتارا کو دیکھ کر جلدی سے

Marfat.com

مسکرا کر اس کی طرف بڑھا اور وہ بے اختیار سی ہو کر اشمل خان کے شانے سے لگ کر بے ساختہ بلک اٹھی۔ اپنے ماں جائے کو دیکھ کر ڈھیر سارے غم اس کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں میں ڈھل گئے تھے۔

''ارے...... ارے...... اشتارے..... پاگل ہو گئی ہو کیا؟ بھئی اس میں رونے کی کیا بات ہے؟'' اس نے اپنے مضبوط بازوؤں میں اسے کسی نازک آبگینے کی طرح سمیٹ لیا اور پھر اسے اپنے ساتھ لئے بڑے کمرے میں آ گیا۔ وہ اب بھی دھیرے دھیرے رو رہی تھی۔ اچانک وارد ہونے والے آنسوؤں کی یورش نے اس کی قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔

''اس کی سہیلی زرسانگہ کا کل انتقال ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے۔'' بابا خان نے دھیرے سے بتایا تو اشمل خان چونکے۔

''زرسانگہ ـــــ کیا وہی زرسانگہ جو اس کے ساتھ بچپن میں کھیلا کرتی تھی؟'' اُسے ماضی کی وہ دوڑتی بھاگتی بچی یاد آ گئی۔

''ہاں، وہی لالہ! وہ مری نہیں گئی، اُسے مار دیا گیا ہے۔'' وہ روتی ہوئی بولی۔

''مار دیا گیا ہے؟'' اشمل خان کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں۔

''اس کے منگیتر نواب داد نے اُسے گولی مار دی۔''

''اوہ، گاڈ ـــــ'' وہ تاسف سے بولا۔ ''بہت ظلم ہے یہ تو۔''

''ارے، یہ کہاں کی باتوں میں لگ گئے تم ـــــ بیٹھو آرام ہے۔ تھک گئے ہو گے تم۔'' شاہ خانم اُسے پریشان ہوتا دیکھ کر جلدی سے بولیں۔ انہیں یہ موضوع بے حد گراں گزر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ تھکے ہارے اشمل خان کو وادی کے گھروں کی دلدوز داستانیں سنائی جائیں۔

''پاگل ہو گئی ہو اشتارا تم تو ـــــ کیوں رکھتی ہو ایسا چڑیا جیسا دل۔'' انہوں نے اشتارا کو ڈانٹا جو ابھی تک آنسو بہا رہی تھی۔

''غم تو ہو گا نا اسے ـــــ آخر اس کی بچپن کی سہیلی تھی۔ خیر خدا اُسے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ شاید اس کے نصیب میں یہی لکھا تھا۔ بس کرو اشتارا بیٹی!'' بابا خان اپنی جگہ سے اٹھ کر اشتارا کے پاس آ گئے اور اس کا سر سہلانے لگے۔

''زیادہ دل پر لو گی تو طبیعت بگڑ جائے گی۔ دیکھو اشمل بھی آیا ہے، صرف چند دنوں کے لئے۔ اس کے ساتھ اچھا وقت گزارو۔'' بابا خان اسے سمجھانے لگے۔

Marfat.com

''صرف چند دن کے لئے کیوں؟'' شاہ خانم نے اشمل کو دیکھا جو اس خبر پر ابھی تک اُداس بیٹھا تھا۔ جلدی سے چونکا۔

''ہاں بس ــــ وہ بھی یونیورسٹی ہنگامی حالت میں بند ہو گئی ہے، اس وجہ سے آ گیا۔ بس ــــ شکر کریں اتنے دن بھی مل گئے۔ آپ سب کو دیکھ لیا۔'' وہ شاہ خانم کے چہرے پر پھیلتی ناراضگی کو محسوس کر کے دھیرے سے مسکرایا اور پھر جھک کر فرش پر پڑے بیگ کی زپ کھولنے لگا۔

''ڈھیر ساری شاپنگ کی ہے آپ لوگوں کے لئے۔''

''ہر بار کہا ہے زیادہ دن کے لئے آیا کرو۔ ہر بار ایک ہفتہ رہ کر بھاگ جاتے ہو۔ کیا شہر کی زندگی اتنی ہی راس آ گئی ہے؟'' وہ خفا ہو کر کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔ ''نہیں چاہئے تمہاری کوئی بھی لائی ہوئی چیز۔''

''ارے ارے شاہ خانم! آپ تو خفا ہو گئیں۔'' اشمل گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور ان کے قریب آ کر انہیں بازو سے تھام کر بولا۔

''شہر کی زندگی بہت پھیکی ہے۔ بس پڑھائی کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں۔ ورنہ سچ پوچھئے تو یہیں آ جانے کو جی چاہتا ہے۔ کیوں اشتارا! میں نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟'' وہ ماحول کے کھنچاؤ کو کم کرنے کے لئے پُر مزاح انداز میں بولا تو اشتارا سر اٹھا کر محبت سے دیکھنے لگی۔

''نہیں لالہ! آپ جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر ہر بار حویلی والوں کو ناراض کر دیتے ہیں۔ صرف چند دن ــــ ان دنوں میں شاہ خانم آپ کی صورت دیکھتی رہتی ہیں ڈھیر ساری باتوں کے لئے۔ آپ رُکتے ہی نہیں۔''

''ہا ــ ہاہا ــ'' اشمل خان زور سے ہنس پڑا۔ ''کیا کروں، مجبوری ہے اشتارا!'' وہ شاہ خانم کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اتنا لاڈلا تھا میں تو پھر پڑھنے کے لئے کیوں بھیجا؟ رکھتیں مجھے جاہل گنوار۔'' اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ شاہ خانم بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکیں۔ انہوں نے ممتا بھری نظروں سے جوان توانا بیٹے کو دیکھا جو ان سے قد میں کہیں اونچا تھا مگر ان کے لئے ابھی بچہ ہی تھا۔

''ارے، ذولین کا کیا حال ہے؟'' اشمل نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے ذولین کے بارے میں پوچھا اور جھک کر بیگ سے چیزیں نکالنے لگا۔

ذولین کے نام پر شاہ خانم کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ ان کے نازک نتھنے

Marfat.com

پھولنے لگے تھے۔

اشتارا نے ان کی ناگواری واضح طور پر محسوس کی تھی مگر خاموش رہی اور اشمل کے پاس بیٹھ گئی۔ بابا خان جو کب سے ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہے تھے، زولین کے نام پر جلدی سے بولے۔

"ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے۔ وہ آج کل کوئی نیا تجربہ کرنا چاہ رہا ہے شفتالو کی فصل کے لئے۔ دیکھو کتنا کامیاب ہوتا ہے۔" بابا خان اسے تفصیل بتانے لگے۔ وہ دلچسپی سے سننے لگا۔

"ہاں۔۔۔ اس کا آج تک کوئی تجربہ ناکام نہیں ہوا۔" اس نے سر ہلایا۔

"یہ دیکھئے شاہ خانم! آپ کے لئے یہ شال لایا ہوں۔۔۔ بہت محبت سے خریدی ہے۔" اس نے سیاہ پھولوں کی گرم شال خانم کی طرف بڑھا دی۔

"تم زولین سے مل لینا۔ وہ تمہارا بہت انتظار کر رہا تھا۔" بابا خان کرسی سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ضرور، کیوں نہیں۔ میں اس کے ساتھ شکار کا پروگرام بھی بنانا چاہ رہا ہوں۔ پھر پتہ نہیں کب میرا حویلی آنا ہو۔" وہ بابا خان سے باتیں کرتے ہوئے بیگ سے شاپنگ کی ہوئی چیزیں بھی نکال رہا تھا۔

شاہ خانم کی اندر کی ناگواری سے بے خبر،

اشتارا کے دل کی تیز ہوتی دھڑکنوں سے بے نیاز،

اشمل خان مسلسل زولین خان کی باتیں کر رہا تھا۔ بے حد اپنائیت اور محبت سے۔ اور شاہ خانم کا دل چاہ رہا تھا کہ اس موضوع کو فوراً ختم کر دیں۔ زولین سے اشمل اور بابا خان کی یہ محبت ان کے اندر حسد اور غصے کو بھڑکانے لگی تھی۔ ضبط کے معاملے میں تو وہ ویسے بھی صفر تھیں۔ اچانک غصے سے کرسی سے اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں۔

ان کا یوں برہمی سے کمرے سے اٹھ کر باہر جانا اشمل کو متحیر کر گیا۔ پھر اس نے استفسارانہ نگاہوں سے اشتارا کی سمت دیکھا جو پلکیں اوپر اٹھائے اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے پاس جواب تھا مگر بابا خان کی موجودگی کا احساس کر کے وہ خاموش رہی اور چہرہ جھکا لیا۔

'آپ خود بھی اچھی طرح جانتے ہیں لالہ! زولین سے نفرت ان کی نئی تو نہیں ہے۔ ان کی جڑیں تو بہت پرانی اور اندر تک پیوست ہیں۔' اس نے صرف سوچنے پر اکتفا کیا۔

اشمل کے آجانے سے اشتارا کا دل کسی حد تک بہل گیا۔ زرسانگہ کا غم فراموش تو نہ

Marfat.com

ہوا مگر کسی حد تک کم ضرور ہو گیا تھا۔ ہاں رات کی تنہائی میں کبھی کبھی کسک دینے لگتا۔

وہ دریچے کا پردہ ہٹائے باغ کے اس احاطے پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی جہاں اشمل ذولین خان کے ہمراہ مرمریں بینچ پر بیٹھا تھا۔ وہ جو باتیں کر رہے تھے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہی تھیں مگر اشمل خان کی ہنسی کبھی کبھی اس کی سماعت سے ٹکرا جاتی۔ ذولین خان کے مسکراتے لب اُسے نظر آ رہے تھے اور وہ حیران ہوتی جا رہی تھی۔ یہ خاموش آنکھیں، یہ جامد لب، کیا مسکرا بھی سکتے ہیں؟

اتنی پُرفسوں، اتنی سحر انگیز مسکراہٹ اس نے آج سے پہلے کہاں چھپا رکھی تھی جیسے باغ کے سارے پھول اس تبسم کے آگے ماند پڑ گئے ہوں۔ بڑی بڑی آنکھوں کے زمردیں ہیرے کتنے روشن اور منور تھے۔

وہ بغیر پلکیں جھپکائے یہ مغرور چہرہ دیکھ رہی تھی جو آج متبسم تھا۔

'کیوں ذولین خان!۔۔۔ پھر وہ ساری بے اعتنائیاں میرے حصے میں کیوں؟۔۔۔ وہ بے رخی کا غبار صرف اور صرف میرے لئے کیوں؟۔۔۔' اُس کا دل یکلخت اداس ہو گیا۔

اس نے اس کے حسین چہرے سے نگاہیں ہٹا لیں اور پردہ کھینچ لینا چاہا کہ اشمل نے اسے پکارا۔

''اشتارا!'' اس کی آواز خاصی اونچی تھی۔ اس نے دوبارہ دریچے سے باہر جھانکا۔

''جی لالہ!'' اس نے بھی اونچی آواز سے جواب دیا اور ذولین کی سمت سرسری نگاہ ڈالی۔ وہ اب دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُف، یہ بیگانگی۔۔۔ اُس کا دل کٹ گیا۔

''ادھر آؤ باہر اشتارا!'' اشمل کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ اسے لامحالہ تکمیل کرنا پڑی حالانکہ اس کا دل قطعی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص کے سامنے جائے جس نے ہمیشہ ہی اس پر سحابِ غم ہی برسائے ہیں۔ ہر لمحہ اس کی ذات کی نفی ہی کی تھی۔

اس نے اپنی پشت پر بکھرے بالوں پر چادر پھیلا دی اور اس کے دونوں کنارے آگے لپیٹ لئے اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی لان کے اس احاطے کی طرف آ گئی۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟۔۔۔ سارا دن کمرے میں بند رہتی ہو، بالکل چپ چاپ، کچھ ہنسا بولا کرو۔ پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' اس کے قریب آنے پر اشمل نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''چہرہ دیکھا ہے کتنا زرد ہو رہا ہے۔۔۔ بیٹھو یہاں۔'' اس نے اس کی کلائی تھام کر اسے اپنے قریب گھاس پر بٹھا لیا۔

Marfat.com

''ٹھیک تو ہوں لالہ!'' اس نے لمبی لمبی پلکیں اوپر اٹھائیں، پھر جلدی سے جھکا دیں۔ وہ سحر انگیز نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ گہری گہری سمندر صفت آنکھیں اتنی قریب تھیں کہ اس کے دل میں ایک بار ہلچل ہونے لگی۔

''ٹھ ــــ ٹھیک ہی تو ہوں۔ آپ کو تو وہم ہو گیا ہے۔ شاید زرد شال کا عکس پڑ رہا ہے میرے چہرے پر۔'' اس نے اشمل خان کی طرف دیکھا جو تشویش کی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

''چلو آؤ ــــ باہر چلتے ہیں۔ موسم بھی اچھا ہو رہا ہے۔'' اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا گئی۔

''آؤ زولین!'' اشمل اور زولین دونوں کھڑے ہو گئے۔ اشمل نے اپنی جیکٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر زولین کو تھما دی۔ ''آؤ اشتارا!'' اشمل نے اُسے پکارا جو دم بخود بیٹھی تھی۔

زولین خان کے ہمراہ جانے کے نام سے ہی اس کے اندر کا حال عجیب ہو رہا تھا۔ مگر انکار کرنا اشمل خان کو خفا کرنا ہوتا اور وہ خفا ہو کر بھی اُسے زبردستی لے جاتا۔ وہ اس کے انکار کو اہمیت ہی نہ دیتا۔ ضدی تھا، لے جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس کا انکار بے معنی ہو کر رہ گیا۔ وہ لامحالہ کھڑی ہوئی مگر اندر سے اس کا دل بری طرح کانپ رہا تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

زولین گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ وہ اشمل کے ہمراہ آئی اور پچھلی سیٹ پر دبک کر بیٹھ گئی۔

اس کے بیٹھتے ہی زولین نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''زرسانگہ کا غم اپنی جگہ مگر یہ بھی تو سوچو کہ مرنے والوں کے ساتھ کوئی نہیں مر جاتا۔ اور پھر وہ اپنے خدا کے پاس بہت خوش ہو گی۔ وہ تو معصوم اور بے گناہ تھی نا۔'' اشمل راستے میں اسے سمجھاتا رہا۔ ''سمجھ رہی ہو نا اشتارا!'' اس کی مستقل خاموشی پر اشمل نے اسے پکارا تو اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''ج ...... جی ...... سمجھ رہی ہوں۔'' اس نے سر ہلا دیا۔ ''مگر زندہ لوگوں کے ناروا رویے پر دُکھی تو ہونا چاہئے نا۔'' اس نے خالصتاً یہ جملہ زولین خان کو سنانے کے لئے کہا تو اشمل نے اُسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

Marfat.com

''بس کبھی کبھی لوگوں کے رویے دکھ دے جاتے ہیں۔ پتہ نہیں سب کے دل کیوں نرم نہیں ہوتے۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

ذولین خان کا مضبوط ہاتھ ایک لمحے کے لئے لرز اٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ در پردہ اشتارا اُسے ہی کہہ رہی ہے۔ اس نے صرف ایک نظر اُسے آئینے میں دیکھا۔ خوبصورت آنکھوں میں مٹا مٹا کاجل، چہرے پر زرد اور گلابی رنگ کا امتزاج، چادر سے طلائی زلفیں بکھر کر ہوا کے جھونکے سے اُڑ رہی تھیں۔ حزن میں عجیب سی جاذبیت تھی۔ اس نے جلدی سے نگاہیں ہٹالیں۔ وہ اس چہرے کے سحر میں ڈوب جانا نہیں چاہتا تھا۔ جو ہستی اس کے لئے نہیں تھی، اُسے قلب ونظر میں بسانے کا کیا فائدہ۔

''تم شاہ خانم کے بارے میں کہہ رہی ہو؟'' اشمل کی آواز پر وہ چونکی۔

''آں..... نن ..... نہیں...... بس ایسے ہی، نہ جانے کیوں کچھ پرانی باتیں یاد آ گئی تھیں۔'' اس نے بہ وقت تمام خود کو سنبھالا۔ یہ اشمل لالہ سے وہ کیسی باتیں کرنے لگی تھی۔ اس نے رُخ کھڑکی کی طرف کر لیا اور اپنے خیالات کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ وہ اپنے اندر مچلتے طوفان کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اب پہاڑیوں سے گرتی آبشار کے پاس آ گئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے سرسراتے جھونکے اور متحرک ندی کی آوازوں کا شور ماحول میں ایک طلسم پیدا کر رہا تھا۔ آبشار کا سفید پانی پتھروں پر گرتا اور اس کے ٹھنڈے چھینٹے جسم و جاں پر گرتے تو ایک کیف آور طراوت اندر تک سرایت کر جاتی۔

وہ ایک اُونچے پتھر پر بیٹھ گئی۔ ساری فضا دُھلی دُھلی، نکھری نکھری سی تھی۔ وادی اتنی وسیع کبھی نہ دکھائی دی تھی جتنی آج دکھائی دے رہی تھی۔ غم زدہ ہوتے ہوئے بھی اشتارا کو فضا سحر انگیز لگ رہی تھی۔ شاید ذولین خان کی موجودگی کا اثر تھا۔

اشمل، ذولین کے ہمراہ آبشار کے قریب ٹہلتا رہا۔ کبھی اونچی پہاڑی پر وہ دونوں چڑھنے لگتے۔ اشتارا کو یہ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔ زندگی کتنی عجیب ہے۔ سکون کے بعد طوفان اور طوفان کے بعد پھر سکون۔ کبھی لگتا ہے جیسے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ کبھی یوں لگتا ہے کہ ہر چیز کی زندگی پھر عود کر آئی ہے، ہر شے تھرکنے لگی ہے۔

وہ یونہی بیٹھی سوچ رہی تھی۔ سامنے بڑے پہاڑ کے پیچھے سورج دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔ آسمان شفق رنگ میں ڈھل رہا تھا۔ کچھ شفق رنگ کرنیں اشتارا کے چہرے کو چھو جاتیں تو اس کا چہرہ جگمگانے لگتا۔ وہ یونہی لاپرواہ سی بیٹھی تھی، اس رنگین منظر

Marfat.com

میں کھوئی ہوئی۔ مگر ذولین خان کے طاقت ور سینے میں مقید دل طوفان سے گزر رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں اس حسین عورت پر اُٹھتیں تو اس کے اندر کی زنجیریں ٹوٹنے لگتیں۔ وہ جذبے پھر سے بیدار ہونے لگتے جن کو اس نے بڑی مشکلوں سے سلایا تھا۔ وہ رنگ پھر سے اُبھرنے لگتے جن سے وہ پہلو تہی کرتا رہا تھا۔

'کب تک ذولین! خان تم اپنے خیالات، اپنے احساسات پر بے حسی کی برف برساؤ گے۔ برف کو بہر حال پگھلنا ہی ہوتا ہے۔'

وہ جیسے ایک دم اس ماحول سے کٹ گیا۔ اشتارا خان کے دھیان کی تیز ہوا اُسے دُور ہی دُور اُڑائے لے جا رہی تھی ـــــ آج اُس نے شدت سے محسوس کیا کہ ازل کی بے نمو مٹی سے جس کونپل نے سر اٹھایا تھا آج وہ جڑ پکڑ کر ایک تناور درخت بن چکی ہے۔ اس کے سینے میں مقید پتھر آج نہیں بلکہ اس روز بیدار ہو گیا تھا جب وہ خوبصورت آنکھیں اس کی اینکسی میں منتقل ہونے پر شکوہ کناں تھیں۔ گو کہ اس نے اپنے جذبوں پر مصلحت کی برف جما دی تھی مگر تمنا کا شعلہ بالآخر بھڑک کر ہی رہا۔ وہ قربتوں کے الم سے خوفزدہ تھا۔ یکلخت ہی اس کے دل میں یہ خواہش مچل کر رہ گئی کہ وہ اشتارا کے قریب بیٹھ کر اس کا نازک ہاتھ تھام کر وہ سب کچھ کہہ دے جو آج تک نہیں کہہ سکا۔ اس کے سارے بہے اور ان بہے اشک چن لے، اس کی آنکھوں کے گہرے سمندر میں ڈوب کر اپنی زندگی کے ہولناک سناٹوں کی بے پناہ خامشی اور زخم زخم تنہائی سے چند ساعت بے گانہ ہو جائے۔

محبت کو لمحہ اذیت اور عفریت سمجھنے والا آج خود اس لمس کا خواہش مند تھا۔

ایک لمحے کے لئے تمام شکستگی کا احساس زائل ہو گیا۔

بازار سود و زیاں میں ہمیشہ زیاں ہی تو نہیں ـــــ آرزو حاصل رائیگاں ہی نہیں۔ سب کچھ کھو کر شاید یہاں اس کے مقدر میں اب کچھ پا لینا ہی لکھا ہو۔

اس نے ایک گہری سانس سینے سے آزاد کی اور نگاہیں ڈوبتے سورج کی کرنوں پر جما دیں۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس کی انا کا سورج بھی اب اسی طرح دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔

+ + +

ندرت کی ہنسی تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ایئر پیس سے اُبھرتی یہ کھلکھلاتی ہنسی ہشمینہ کی ساعت پر چبھ رہی تھی۔

Marfat.com

''اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے؟'' وہ چڑ گئی۔

''ہا..... ہا..... ہا..... ہنسنے کی ہی تو بات ہے۔ یہ ریحان پراچہ کو سوجھی کیا کہ تم سے اتنا بڑا مذاق کر بیٹھا۔ ہاہاہا.....'' وہ پھر زور سے ہنسنے لگی۔

''میں تمہارا گلا دبا دوں گی ندرت! بند کرو یہ ہنسی۔'' وہ دہاڑی۔

وہ ندرت کو یہ قصہ سنا کر اب پچھتا رہی تھی کہ ریحان پراچہ نے اُسے ہوٹل میں میٹنگ پر بلوا کر جوک کیا تھا۔ اب ندرت کی متواتر ہنسی اُسے سلگا رہی تھی۔

''یار! تم نے ریحان پراچہ کا منہ نہیں توڑ دیا۔ تمہیں تو میں ایسا ہی سمجھتی تھی۔'' وہ اس کی ناراضگی پر اپنی ہنسی کو بمشکل روکتے ہوئے بولی۔

''اس نے مجھ سے معذرت کر لی تھی۔'' وہ ریسیور تھامے صوفے پر دراز ہو گئی۔

''چہ ـــــ خوب ـــــ ریحان پراچہ کی معذرت پر تم نے اُسے معاف کر دیا۔ فرض کرو اگر یہ حرکت کوئی اور اسٹوڈنٹ تمہارے ساتھ کرتا تب؟ ـــــ کیا تم اس کا سر نہ پھاڑ دیتیں؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ ندرت کی بات اچھی طرح نہ سمجھ سکی۔

''محض اس کی پارٹی کی سیکرٹری ہو اس لئے اس کی یہ حرکت تم نے برداشت کر لی ہے۔ نہ جانے اب آگے کیا کیا برداشت کرنا پڑے۔'' وہ طنز سے ہنسی تو ہشمینہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''اس کی پارٹی کی سیکرٹری بن کر میں بِک نہیں گئی ہوں۔ تم جانتی ہو آج تک کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ مجھ سے غلط انداز میں بات ہی کر لے۔ اور پھر میں نے کہا نا کہ ریحان پراچہ کو اپنی اس حرکت پر افسوس تھا شدید۔''

''ٹھیک ہے بابا ـــــ مان لیا۔'' ندرت نے اُسے بہت زیادہ مشتعل دیکھ کر خود ہی بات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔ ''ویسے ہشمینہ ابرار! ایک بات بتا دوں تمہیں کہ ریحان پراچہ اس قابل نہیں ہے کہ تم جیسی لڑکی اس کے لئے اتنی سرگرم عمل ہو جائے۔ اگر وہ تمہاری محنتوں پر جیت گیا تو مجھے شدید افسوس ہو گا۔ کیونکہ وہ اس جیت کا قطعی مستحق نہیں۔ اور پھر اس کا کردار بھی.......''

''کردار، کردار....... یہاں بھلا کس کا کردار مثالی ہے؟ ـــــ ہُو اِز دی آئیڈیل پرسن؟'' اس نے ندرت کا جملہ کاٹ کر تڑخ کر کہا تو ندرت برجستہ بولی۔

''اشمل خان ہے ایک آئیڈیل انسان ـــــ آئیڈیل لیڈر۔''

Marfat.com

ندرت کی بات پر وہ لمحہ بھر چپ ہو گئی۔ اس کی نگاہوں میں چند دن پہلے کا واقعہ گھوم گیا۔ وہ اونچا لمبا پہاڑی انسان جو واقعی آئیڈیل پرسن تھا مگر اس کے واسطے سے اس کے ذہن میں کوئی خوشگوار یاد نہیں تھی۔ اس نے ہمیشہ اس پر طنز ہی کیا تھا۔ اور پارٹی کے توسط سے صرف اور صرف اس کی ذات کو نشانہ بنایا تھا۔ اس نے لب بھینچ لئے۔ اس کی نگاہوں میں دو بھوری بھوری آنکھیں لہرا گئیں۔

''کہو، ہے نا آئیڈیل کیریکٹر؟'' ندرت چہک کر بولی۔

''اونہہ ـــــ یہ محض تمہارا کوئی قلبی جذبہ بول رہا ہے۔'' اس نے بھی ندرت پر چوٹ کرنے کا موقع ضائع نہ کیا۔ لیکن اُس کی اس بات پر ندرت کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''نہیں یار! کوئی قلبی جذبہ نہیں ہے۔ تمہیں تو پتہ ہے ہم بی ایس سی آنرز کے بعد سسرال سدھار جائیں گے۔''

''کون سے سسرال؟'' ہشمینہ حیرت سے اُچھلی۔ ''کب ہو رہی ہے تمہاری شادی؟''

''اچھا، انجان مت بنو ـــــ تمہیں بتایا تو تھا، بھابی کے انجینئر بھائی وقاص احمد سے۔''

''او....... ہاں ...... کیا معاملہ واقعی "سیریس" ہے؟ ـــــ میں تو سمجھی یہ بھی تمہاری ان فضول باتوں کا ایک "حصہ" ہے۔'' ہشمینہ پہلی بار کھل کر ہنس پڑی۔ اُسے بھی ندرت کو چڑانے کا موقع مل گیا تھا۔

''انتہائی بدتمیز لڑکی ہو تم۔'' وہ برا مان گئی۔ ''اب میں اپنی شادی میں تمہیں قطعی نہیں بلاؤں گی۔''

''نہ بلانا ـــــ مجھے تمہارے انجینئر وقاص احمد عرف وکی کو دیکھنے کا شوق نہیں۔'' اس نے بھی برجستہ کہا۔

''ارے ہاں...... اشمل خان اپنی وادی گیا ہوا ہے آج کل۔'' ندرت پھر اشمل خان کا ذکر لے بیٹھی۔ ''تمہیں پتہ ہے؟'' اس نے ہشمینہ سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ صاف انجان بن گئی۔ اس نے ندرت کو بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اشمل خان اس کی اکلوتی ممانی کا بھتیجا ہے۔ خوامخواہ ندرت کو فضول بکواس کا نادر موقع مل جاتا۔

''ہو گی وہاں اس کی کوئی منگیتر ونگیتر ـــــ ہے نا؟''

''مجھے کیا پتہ؟'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اشمل خان اس بندھن سے ابھی تک آزاد ہے۔

''ویسے یہ اشمل خان بہت گہرا انسان ہے ـــــ اگر کوئی منگیتر ونگیتر نہ بھی ہوئی تو

Marfat.com

''وہ'' ضرور ہو گی۔''

''وہ'' سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' ہشمینہ چونکی۔

ندرت زور سے ہنس پڑی۔ ''یار! کوئی پہاڑی دوشیزہ اس کی راہ تک رہی ہو گی، آنکھیں فرشِ راہ کئے، دید کی آس لئے، من انگنا میں ڈھیروں دیے جلائے اس کی منتظر ہو گی۔'' وہ کہتے کہتے ہنسنے لگی۔ مگر نہ جانے کیوں ہشمینہ ابرار کے لب قطعی نہ مسکرا سکے۔ اس کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ سارا جسم لرز اٹھا۔ ذہن کے پردے پر بھرپور انداز میں اس کا سراپا آ ٹھہرا۔

''ضروری تو نہیں اس کے وادی جانے کا یہی ایک مقصد ہو۔'' اس کے منہ سے اچانک یہ جملہ پھسل پڑا۔ وہ خود بھی حیران رہ گئی۔ اس کا تو آج تک کوئی راستہ بھی اشمل خان کی طرف نہیں جاتا تھا۔

''ہاں ضروری تو نہیں۔ میں تو ایسے ہی مذاق کر رہی ہوں۔ اور بالفرض ایسی بات ہوئی بھی تو وہ کون سا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے گا۔'' ندرت اس کے دل کی بدلتی حالت سے بے خبر بولتی رہی۔ ''میرے خیال سے اب یونیورسٹی کھلنے کے آثار پیدا ہو گئے ہیں ـــــ دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

پھر ندرت نے اِدھر اُدھر کی کتنی ہی باتیں کر ڈالیں اور پھر فون رکھ دیا۔

مگر ہشمینہ ابرار کے وجود پر ایک عجیب سی بے کلی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے سوچا ندرت نے تو اس سے ڈھیروں باتیں کیں، ہر موضوع پر، ہر شخص پر، مگر اس کے ذہن کے پردوں پر صرف اشمل خان کا چہرہ ہی کیوں ٹھہر کر رہ گیا۔

اس کے احساسات کی ساری حسّیں سنسنا کر رہ گئیں۔

وہ فون اسٹینڈ کے پاس سے ہٹ آئی۔ پلٹی تو بے اختیار اس کی نگاہ سامنے چمکتے قد آدم آئینے کے سامنے پڑی۔ اس کا حسین عکس اسی کو تک رہا تھا۔ انجان اور اجنبی انداز میں۔ خود اس کا عکس حیران تھا کہ آج اس کی سوچوں کی وادی میں اشمل خان کا سراپا کیوں لہرا رہا ہے ـــــ لاکھ ذہن جھٹکنے کے باوجود وہ عکس اتنی ہی مضبوطی سے جما ہے۔

وہ خالی خالی نظروں سے اپنے عکس کو تکتے ہوئے بالوں میں برش پھیرنے لگی۔ ریشمی بال یہاں وہاں بکھر رہے تھے مگر اس سے زیادہ اس کا ذہن منتشر ہو رہا تھا۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے عکس کے پیچھے ایک اور حسین عکس اُبھرنے لگا ہے۔ یہ عکس اشمل خان کا تھا۔

Marfat.com

دلکش، پُرفسوں۔
سجیلی سجیلی، اندر باہر کے اجالوں سے سرشار آنکھیں۔
'اُف خدایا!' اُس نے گھبرا کر آنکھیں موند لیں اور پھر جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہ عکس غائب ہو چکا تھا۔
اس کا سارا چہرہ ٹھنڈے قطروں سے چمکنے لگا۔
'میرے اللہ! میں کہاں کھوئی جا رہی ہوں؟ نا آشنا راستے میری منزل تو نہیں ہیں۔'
اُس نے آئینے میں ایک نظر اپنے سراپا پر ڈالی اور پھر برش میز پر پٹخ کر وہاں سے ہٹ گئی۔
'کیا تمہارے اندر بھی ایسے ہی نازک جذبے پلنے لگے اور تم ان نازک احساسات کی اسیر ہو گئیں؟'
'نن......نہیں......' دل کی اس وحشت سے گھبرا کر اس نے جلدی سے ایک میگزین اٹھا لیا اور کمرے کا داخلی دروازہ پورا کھول کر خود بیڈ پر نیم دراز ہو گئی اور باہر امی اور بھابی کی باتوں کے شور سے اپنے اندر کے شور کو کم کرنے لگی۔ لیکن سوچوں پر کس کا اختیار ہوتا ہے ـــــ میگزین ہاتھ میں تھا اور خیالات کا پرندہ اُڑتا ہی چلا جا رہا تھا۔
اُس نے میگزین ریک پر واپس پٹخ دیا اور پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دراز سے گاڑی کی چابی نکال کر باہر نکل آئی۔
ذہن کو تمام پریشان اور اُلجھی اُلجھی سوچوں سے چھٹکارا دینے کے لئے تیز ڈرائیونگ کر کے بے مقصد سڑکوں پر گھومنا اس کا بہترین مشغلہ تھا لیکن اس وقت یہ مشغلہ ضرورت بن گیا تھا۔ وہ اپنے دل کو کسی بھی کمزور لمحے، کسی نازک جذبے کے حصار سے ہر ممکن طریقے سے بچانے کی خواہش مند تھی۔
غیر معروف سڑک پر وہ اپنی بلیک ٹیراڈ بھگاتی رہی۔ فٹ پاتھ پر لگے بڑے بڑے درخت تیزی سے پیچھے بھاگتے رہے۔ اچانک اس نے کچھ سوچ کر گاڑی کا رخ بازار کی طرف کر دیا۔ اُسے یاد آیا کئی دنوں سے وہ کاٹن کے سوٹ خریدنے کا سوچ رہی تھی مگر یونیورسٹی کی مصروفیات کے باعث وہ بازار کی طرف آ ہی نہ سکی تھی۔
وہ ایک بڑے بوتیک سینٹر پر جا کر رک گئی اور چند لمحے غور کرتی رہی کہ کیا خریدے کہ بالکل اچانک اس کی پشت پر ایک مردانہ آواز اُبھری۔ نہایت بے تکلفانہ انداز میں کسی نے پکارا تھا۔

Marfat.com

''ارے ہشمینہ ابرار ـــــ آپ یہاں۔''

وہ پلٹی تو ٹھٹک گئی۔ سراج کیانی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک بے حد فیشن ایبل لڑکی کھڑی تھی جو اس کے لئے قطعی اجنبی تھی۔

اس کی آنکھیں بے اختیار چمکیں۔ ''تم یہاں؟''

''جی ـــــ بس، شاپنگ کرنا تھی نعیمہ کو۔'' اس نے ایک مسکراہٹ قریب کھڑی لڑکی پر ڈالی تو وہ بھی کھل کر مسکرائی۔

''آپ بھی شاپنگ کے لئے آئی تھیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ مگر ہشمینہ کا دماغ دفعتہً اس دن یونیورسٹی میں کی گئی فائرنگ کی طرف چلا گیا جس میں سراج کیانی پیش پیش تھا۔ اس کے دماغ میں جھما کا سا ہوا۔ اُسے سراج کیانی کی اچھی طرح خبر لینی تھی۔ اردگرد کے لوگوں کا خیال اس کے ذہن سے ایک لمحے کے لئے نکل گیا۔ وہ کہاں کھڑی ہے، کس جگہ ہے؟ وہ بھول گئی اور اچانک اموشنل ہوگئی۔

''تم نے بدھ والے روز فائرنگ کی تھی نا، اشمل خان کے جلسے کے دوران ـــــ اُس روز سے میں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ تم نے اتنی گھٹیا حرکت کیوں کی تھی؟'' وہ بھڑک کر بولی تو سراج کیانی اس اچانک اور غیر متوقع حملے پر بوکھلا گیا۔

''مم...... میں ...... کک ...... کب؟''

''بکومت ـــــ زیادہ انجان بننے کی ضرورت نہیں۔ میں ینگ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی سیکرٹری ہونے کے ناطے تمہاری ممبر شپ کینسل کر کے تمہیں اس فیڈریشن سے ایکسپیل کر سکتی ہوں۔ مجھے اتنا اختیار ہے۔'' اس کی آواز تیز ہوگئی۔ ادھر سے گزرنے والے لوگ حیرانی سے اس شعلہ جوالہ کو دیکھنے لگے۔ خود سراج کیانی ٹپٹا کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی بھی اس سچویشن پر متحیر رہ گئی۔

''مس ہشمینہ! آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا اور دو طرفہ بنی دیوار سے جا ٹکا۔

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو سراج! میں نے خود تمہیں شہزاد جمال پر فائر کرتے دیکھا تھا۔ میں چاہتی تو ان کے رپورٹ کروانے پر گواہ بن کر تمہارا نام لے سکتی تھی۔ مگر صرف ہماری فیڈریشن کی عزت کی خاطر اس اقدام سے باز رہی۔'' وہ قہر برساتی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

''پلیز، ہم مصروف فٹ پاتھ پر کھڑے ہیں۔'' سراج کیانی نے جلدی سے اُسے

Marfat.com

لوکیشن کا احساس دلایا۔ وہ بری طرح خجل ہو رہا تھا۔ لوگ اُسے ایک لڑکی سے ڈانٹ کھاتا دیکھ کر نہ جانے کیا تاثر لے کر آ، جا رہے تھے۔ اور سچ تو یہ تھا کہ اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ کھسیا گیا تھا۔ ہشمینہ کی طرف سے کیے گئے اس اچانک حملے نے اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

''بات بدلنے کی کوشش مت کرو۔ یہ بتاؤ تم نے کس کی ایماء پر اتنی بڑی حرکت کی تھی؟ سراج کیانی! میں اپنی تقریر میں جس بات کے خلاف کہتی ہوں تم عملاً وہی کرتے ہو۔'' وہ غصے سے بولی۔

ملیں کی حرکت نے اسے اشمل خان کے سامنے بے حد شرمندہ کیا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر اس شرمندگی کے احساس نے اسے اتنا غضب ناک کر دیا تھا۔

''میں نے یہ حرکت ریحان پراچہ کی ایماء پر کی تھی۔'' وہ اب سنبھل کر دھیرے سے بولا تو وہ حیران رہ گئی۔ پھر چلائی۔

''نہیں ...... تم جھوٹ بول رہے ہو۔ ریحان پراچہ اس بات سے بے خبر ہے۔ وہ اس موقع پر موجود ہی نہیں تھا۔''

''بائی گاڈ ...... میں جھوٹ نہیں کہہ رہا۔'' سراج کا لہجہ سچائی کی چغلی کھا رہا تھا۔ ''مجھ سے ریحان پراچہ نے خود کہا تھا۔ اس وقت ہم دونوں آفس میں موجود تھے۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود ریحان سے بات کر لیں۔''

''کیا ــــ؟'' ہشمینہ ابرار سناٹے میں رہ گئی۔ اُسے لگا جیسے سراج کیانی کا یہ انکشاف اس کے سر پر پتھر بن کے لگا ہو۔

تو گویا ریحان پراچہ نے اُس سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔ اُسے اندھیرے میں رکھ کر، سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ ساری کارروائی کی گئی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر سراج کیانی کو خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی نگاہیں قطعاً جھوٹ نہیں بول رہی تھیں۔

''او گاڈ ــــ تو اس کا مطلب ہے ریحان پراچہ نے مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔'' اس کا تن من جل اٹھا۔ وہ غصے سے پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

سراج کیانی حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر ہولے سے مسکرا دیا۔

'تو ہشمینہ ابرار! تم ابھی تک ریحان پراچہ کی اصلیت سے ناواقف ہو۔'

اُس نے نعیمہ کی طرف دیکھا، پھر سر جھٹک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور دُکان کے اندر

Marfat.com

داخل ہو گیا۔

+++

''میرا فیصلہ غلط نہیں تھا زمان! تمہارے غلط رویے نے اسے غلط ثابت کر دیا ہے۔ کیا کمی ہے شاردا میں —— کیوں تم اس کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو پاتے؟ اپنی بہن کا بھی خیال نہیں ہے تمہیں؟''

امی کی آواز اُس کے کمرے تک پہنچ رہی تھی —— آج پھر وہ زمان بھائی سے اُلجھ رہی تھیں۔

''میں نے آپ کو پہلے ہی کہہ دیا تھا، میں شاردا کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کروں گا۔ زندگی مجھے گزارنی تھی امی! اور فیصلہ آپ اور پپا نے کیا۔ اب جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کا اندازہ آپ کو اس وقت ہونا چاہئے تھا جب آپ نے میرے انکار پر بھی اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنایا تھا۔''

''زمان——!'' امی کی تیز آواز کانپ گئی۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں امی۔ آپ تو ماں تھیں۔ پھر ماہ گل اور میرے لئے کیوں بہتر نہیں سوچا؟''

''کیا غلط کیا ہے میں نے؟ —— تم ناشکرے ہو۔'' امی بھڑک اٹھیں۔ ان کی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کا رنگ سمٹ آیا تھا۔ انہیں ماہ گل کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ شاردا اور زمان کے روز روز کے جھگڑوں نے اُس کی زندگی کو بھی ان جھگڑوں کی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ انہیں آج بھی اپنے کئے گئے فیصلے پر پشیمانی نہیں تھی۔ البتہ زمان کے ناروا رویے پر شاکی ضرور تھیں۔

''صرف صورت سب کچھ نہیں ہوتی امی! میری اس کے ساتھ ذہنی مطابقت نہیں ہو سکی ہے۔ وہ جو سوچتی ہے، میرے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اور میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے ناگوار گزرتا ہے۔ وہ میرے دل میں جگہ نہیں پا سکی ہے۔'' زمان کا لہجہ بے حد کڑوا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ امی نے اسے دیکھا پھر دھیرے سے بولیں۔

''تم اپنے دل میں وسعت پیدا کر لو زمان! —— خود بخود ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔''

''اونہہ، وسعت۔'' زمان بھائی استہزائیہ انداز میں ہنسے۔

Marfat.com

''تم کیا کسی اور لڑکی کو پسند کرتے تھے؟'' امی نے کچھ سوچ کر پوچھا تو زمان بھائی ایک لمحہ خاموش رہ گئے، پھر میرے سے رخ دریچے کی طرف موڑتے ہوئے بولے۔

''ہاں ـــــ کرتا تھا کبھی۔ مگر اب ایسی کوئی بات نہیں۔ اُس لڑکی کا دھندلا سا تصور بھی نہیں ہے میرے ذہن میں۔''

زمان بھائی کی بھاری آواز ماہ گل کی سماعت پر برچھی کی طرح لگی۔ یہ کیسا مرد ہے جسے چاہا تھا کبھی، اب اس کا تصور بھی نہیں رہا۔ اور اب ایک بیوی کو معتبر درجہ دینے کے حق میں نہیں۔ ایسے مرد کے ساتھ کیسے کسی کی ذہنی ہم آہنگی ہو سکتی ہے جس کا دل اتنا تنگ ہو جو محض اپنی خواہش، اپنی سوچ پر فریق ثانی کو گھسیٹنا چاہے۔

''زمان! تم ماہ گل کی خاطر ہی کچھ سوچو۔'' امی کی آواز میں دُکھ مترشح تھا۔ تم کیسے بھائی ہو کہ بہن کے اُجڑنے کا تماشا دیکھتے رہتے ہو۔ ایک ماں کے آنسوؤں کا بھی احساس نہیں۔ اپنی زندگی صرف اپنے لئے ہی وقف نہیں کر لیتے زمان!'' امی صوفے میں ڈھے سی گئیں۔ ماہ گل کے غم نے انہیں اندر سے تھکا ڈالا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا امی! کہ مسعود شاہ کیوں ماہ گل سے انتقام لے رہا ہے۔ میرے اور شاردا کے معاملے میں ماہ گل کو بیچ میں گھسیٹنا کہاں کا انصاف ہے؟'' زمان بھائی کی آنکھوں میں غصہ اُمڈ آیا۔

''انصاف کا نام مت لو زمان! تمہارے منہ سے انصاف کا لفظ جچتا نہیں۔'' امی کے لبوں پر تلخ اور طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''مسعود شاہ بہن کے اُجڑنے کا تماشا یوں بیٹھا نہیں دیکھ سکتا، تمہاری طرح۔ وہ خود غرض بن کر صرف اپنی دنیا میں مگن نہیں رہ سکتا۔ خاندان والوں کی باتیں اُس کی غیرت کو جگاتی ہیں۔'' امی یہ کہہ کر صوفے سے کھڑی ہو گئیں اور کمرے سے نکل گئیں۔

امی کے لفظ تیر بن کر زمان بھائی کے دل میں کھب گئے۔ ایک عجیب سی کیفیت اس کی آنکھوں میں پھیل گئی ـــــ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

امی باورچی خانے کی طرف جا رہی تھیں۔ اُسے غصے سے نکلتا دیکھ کر ٹھٹکیں۔ وہ ان کے سامنے آ گیا۔

''آپ نے مجھے بے غیرت ہونے کا طعنہ دیا ہے امی! میں آج ہی شاردا کو لے کر آتا ہوں ـــــ مگر ـــــ'' وہ لب بھینچ کر ایک لمحہ رُکا، پھر بدستور تلخ لہجے میں بولا۔ ''وہ اپنی

Marfat.com

دنیا میں رہے اور میرے معاملات سے بے نیاز رہے تو اس کے یہاں رہنے پر مجھے انکار نہیں ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ پلٹ کر بڑے بڑے قدم اٹھاتا پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

ماہ گل کھڑکی کا پردہ ہٹائے زمان بھائی کو پورچ تک جاتا دیکھتی رہی۔ پھر امی کے مطمئن اور مسکراتے چہرے پر نگاہ پڑی تو کرب سے اس نے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔ پھر ایک گہرا سانس سینے سے آزاد کیا۔

'اونہہ ـــــ ایک بیوی کو اتنا بے اختیار رکھنا کہ وہ شوہر کے معاملات میں مداخلت کی مجاز نہ ہو اس کے لئے کڑا امتحان ہی تو ہے۔ کوئی عورت اپنے مرد کی بے نیازی، بے مروّتی برداشت نہیں کرسکتی۔ چاہے وہ کتنی ہی ظالم ہو۔ یا اس کی وسعت قلبی کے کتنے ہی ڈنکے بج چکے ہوں۔'

اس کے دل پر ملال کی کثیف فضا چھا گئی۔

امی خوش تھیں کہ شاردا بھابی کے آجانے سے ماہ گل بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ مسعود شاہ آکر اُسے لے جائے گا۔ ہاں ان کا یہ خیال بھی غلط نہیں تھا۔ ماں ہونے کے ناطے ان کی طمانیت سے بھری مسکراہٹ بھی اپنی جگہ درست تھی۔ وہ اپنے تئیں کسی طرح بیٹی کو آسودہ دیکھنے کی متمنی تھیں۔ مگر وہ کیا جانتیں کہ یہ صرف بہلاوا تھا۔

مسعود شاہ اگر سب کی نظروں میں غیرت مند بھائی تھا تو اس کے لئے ایک جابر شوہر تھا۔ اس کی غیرت اور حمیت اس کے لئے عذابِ جاں ہی رہی تھی۔ پھر کیسے وہ اس شخص کے ہمراہ جائے جو صرف اُسے اس لئے خوش رکھتا تھا کہ اس کی بہن اپنے گھر میں خوش رہے۔ اس کی زندگی میں تو آسودگی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

اس کی زندگی تو صرف چند ماہ خوشیوں کا گہوارہ رہی تھی۔ اب تو ان خوشیوں کا دُھندلا سا عکس بھی ان آنکھوں میں نہیں رہا تھا۔ اس کے ماضی کے سمندر میں تو صرف دُکھ اور بے ثمر خواہشوں کا خزانہ دفن تھا۔

اس کی آنکھوں میں بنجر ماہ و سال بکھرے پڑے تھے اور حال کی کوئی تسلی بخش صورت نہ تھی۔

'نہیں مسعود شاہ! تم لاکھ غیرت مند سہی، کبھی میرے محبوب شوہر تھے۔ مگر میں نے اب تمہاری زندگی سے مکمل طور پر نکل جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'

یہ فیصلہ کر کے ماہ گل نے ایک عجیب سا دُکھ اپنے وجود میں سرایت ہوتا محسوس کیا۔ بہرحال زندگی یوں بھی کانٹوں سے پُر راستہ ہی تو ہے۔ وہ تو ہمیشہ ناآسودگی کے جال میں

Marfat.com

خود کو قید محسوس کرتی رہی تھی۔ اب اس جال کو کاٹ کر بھی اس کے سامنے کوئی روشن شاہراہ نہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ مگر یہ لمحہ لمحہ شکستگی کا عذاب موت سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ "مسعود شاہ! تم ایک ساتھ ہی مجھے موت کے گھاٹ اُتار دو، یا پھر ہمیشہ کے لئے سمیٹ لو۔"

اس نے اپنی بھیگی بھیگی پلکیں موند لیں۔ بہت سارے دُکھ اس کی آنکھوں کے سامنے جاوداں تھے۔ غم کی گہری دُھند میں اُسے کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ٹھک.....ٹھک.....ٹھک....."

کوئی اس کا دروازہ مسلسل بجا رہا تھا۔ وہ چونکی اور جلدی سے آگے بڑھ کر دروازے کا لاک کھول دیا۔ سامنے ہی فروان کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے آپی ــــ سو گئی تھیں کیا؟ میں کب سے دروازہ بجا رہا ہوں۔" وہ اندر آ گیا اور ماہ گل کو بغور دیکھا۔

"نہیں تو ــــ بھلا یہ کون سا سونے کا ٹائم ہے۔" اس نے بہ وقت تمام خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور مصنوعی مسکراہٹ سے لب سجا لئے۔

"ہوں ــــ میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ماہی آپی سحر کی طرح اتنی بے اصول کب سے ہو گئیں ــــ اور ویسے بھی بھوک لگ رہی ہو تو نیند کس کافر کو آ سکتی ہے۔ کیوں؟ آپ کو بھی یقیناً بھوک لگ رہی ہو گی۔"

فروان کی بات پر وہ مسکرائی۔

"نہیں ــــ کوئی خاص نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔ جب نگاہوں کے سامنے ڈھیر سارے دُکھ ہوں اور کوئی روشنی کی رمق نظر نہ آ رہی ہو تو زندہ رہنے کی یہ ساری احتیاجات ثانوی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

"کیوں، آپ کو بھوک نہیں لگ رہی؟ دیکھئے تو، پورے دو بج گئے ہیں اور میں مارے فاقوں کے مر رہا ہوں۔" فروان نے عجیب سی مسمسی صورت بنائی کہ ماہ گل بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی۔ بوجھل ماحول میں فروان کا جملہ لطیف احساسات جگا گیا۔

"بالکل بچے ہو۔" وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"نہ ......آپی! پلیز۔ یہ سراسر میرے چھ فٹ قد اور میری بھرپور جوانی کی توہین ہے۔" اس نے برجستہ احتجاج کیا۔

"ہاں، تمہیں بچہ کہنا دراصل بچوں کی بھی توہین ہے نا۔" اس نے چھیڑا تو فروان ہنس

Marfat.com

دیا۔ وہ دونوں باتیں کرتے کھانے کی میز تک آ گئے۔ امی میز سجا رہی تھیں۔

''تم سحر کو لینے نہیں گئے فروان؟'' امی اسے دیکھتے ہی بولیں۔

''اس نے مجھے منع کر دیا ہے ـــــ کہہ رہی تھی کہ ہم سب فرینڈز ایک ساتھ آئیں گے۔ آج آخری پیپر ہے نا ـــــ شاید کچھ ہلا گلا کرنا تھا انہیں۔'' وہ امی کو تفصیلاً بتاتے ہوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

ماہ گل آپی کے چہرے پر سحر گل کے لئے پیار بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ہاں ـــــ آج وہ امتحانات سے فارغ جو ہو گی۔ آخری پیپر دینے کے بعد ایسی ہی خوشی ہوتی ہے۔'' ماہ گل نے مسکرا کر کہا۔

اس وقت اچانک دروازہ کھلا اور سحر گل اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر عجیب بدحواسی چھائی ہوئی تھی۔ اس بدحواسی کا سبب کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

آج بھی ہمیشہ کی طرح وہ گلی کے کنارے اپنی بائیک روکے کھڑا اس کا منتظر تھا۔ بلیک پینٹ اور پیلی شرٹ میں اس کا حلیہ ان روایتی عشاق جیسا تھا جو نہ جانے کتنوں کی زندگیوں میں زہر گھول چکے ہوتے ہیں۔ اس کا دم خشک ہونے لگا تھا۔ وہ پورے ایک ماہ سے نہ جانے کہاں سے آ کر گلی کے کنارے کھڑا رہتا اور سحر گل جونہی کالج بس سے اُتر کر گلی میں آتی، وہ اسکوٹر سے اتر کر اسکوٹر دھیرے دھیرے گھسیٹتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگتا۔ کبھی کوئی گانا گنگنانے لگتا اور کبھی بہت کچھ کہنے کی خواہش لئے اس کے بے حد قریب سے گزرتا۔ پھر ٹھٹکتا، پلٹتا اور اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکراتا۔

آج بھی وہ اسکوٹر روکے کھڑا تھا۔ سحر گل کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ اس نے قدم اور بھی تیز کر دیئے تھے۔ ہوا سے اُڑتی چادر کو اس نے اچھی طرح جسم کے گرد لپیٹ لیا اور چہرہ جھکا کر انجان بنتی اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھنے لگی تو وہ دفعتاً اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کبھی نظر اُٹھا کر دیکھ بھی لیا کیجئے کہ کوئی آپ کے انتظار میں آنکھیں فرشِ راہ کئے کھڑا ہے۔'' اس نے والہانہ نگاہوں سے اس کی سہمی سہمی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور پھر ہاتھ میں تہہ کیا ہوا کاغذ اس کے ہاتھ میں پکڑے پرس کے اوپر ڈال کر تیزی سے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اُس کی یہ حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ سحر گل چند ثانیے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے

Marfat.com

دیکھتی رہ گئی۔ پھر اچانک ہوا کے جھونکے سے کاغذ کی پھڑپھڑاہٹ پر وہ چونکی۔ سفید تہہ کیا ہوا کاغذ اس سے پہلے کہ ہوا کے جھونکے سے نیچے گر جاتا، اس نے گھبرا کر اسے مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ اسکوٹر پر بیٹھ کر غائب ہو چکا تھا مگر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ اس کی مٹھی سے پسینے کی لہریں بہنے لگیں۔ دل یوں دھڑ دھڑ کرنے لگا جیسے ابھی ساری پسلیاں توڑ کر باہر آ گرے گا۔

رسوائی کا خوف یکلخت ہی اس کے سارے وجود پر طاری ہونے لگا۔ اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا، پھر آہستگی سے چور نگاہوں سے گلی کو دیکھا ڈالیں۔ اطراف کے بنگلوں میں گہری خاموشی اور مہیب سناٹا تھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس نے اطمینان کا گہرا سانس سینے سے آزاد کیا اور جلدی جلدی بڑے بڑے قدم اُٹھاتی اپنے بنگلے کی طرف بڑھنے لگی۔

باہر اُسے دیکھتے ہی اُس کے پالتو کتے بلڈوگ نے شور مچانا شروع کر دیا تھا مگر وہ اس کے سفید نرم بالوں والے سر پر ہاتھ پھیرنے کی بجائے دھم سے ادھ کھلے گیٹ کو پورا کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

سب ڈرائنگ روم میں لنچ کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ فروان کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پردہ ہٹا ہوا تھا اس لئے وہ سب سے نظر بچاتی ہوئی سیدھی اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔

وہ کمرے میں بند ہو کر اپنے بکھرے حواس مجتمع کرنا چاہتی تھی۔ دل کی بے ہنگم دھڑکنوں کو قابو میں کرنا چاہتی تھی۔

ماہ گل آپی جو کرسی ہٹا کر کھڑی ہوئی تھیں، سحر کو یوں چوری چھپے اپنے کمرے میں بھاگتا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ نہ اس نے ہمیشہ کی طرح بلند آواز میں امی کو سلام کیا تھا، نہ ہاتھ میں پکڑا پرس یا بیگ سٹنگ روم کے کنارے لگی کرسی پر پٹخا تھا اور نہ امتحانوں کے بوجھ سے آزاد ہونے کی خوشی منائی۔ اس کا یہ خلافِ معمول انداز دیکھ کر وہ متحیر رہ گئی۔

"سحر آ گئی ہے کیا؟" امی نے پوچھا تو ماہ گل نے سر ہلا دیا۔

"ہاں، شاید اپنے کمرے میں گئی ہے۔"

"واہ ۔۔۔۔ اتنی خاموشی سے؟ آج تو اس کا آخری پیپر تھا۔ اُسے تو خوب شور شرابے کے ساتھ آنا چاہئے تھا۔" فروان نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا کرسی پیچھے دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آمد کا یہ نیا انداز سب ہی نے محسوس کیا مگر بے حد سرسری انداز میں۔ جبکہ ماہ

Marfat.com

گل کا ذہن اُلجھ رہا تھا۔

''جاؤ بلقیس! ــــــ سحر کو کھانے کے لئے بلا لاؤ۔'' امی نے کچن کی سنک پر برتن دھوتی بلقیس کو پکارا تو وہ جلدی سے سحر گل کے کمرے کی طرف بڑھی۔

فروان اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ امی کچن میں بکھری چیزوں کو ترتیب دینے میں مصروف تھیں اور ماہ گل سٹنگ روم کے کنارے صوفے میں دھنس گئی تھی۔

''وہ، سحر بی بی کہہ رہی ہیں انہیں بھوک نہیں ہے۔'' بلقیس نے آ کر امی کو اطلاع دی۔

''اچھا، چلو ــــــ جب وہ کھانے آئے تو تم اُسے دے دینا۔ شاید اس وقت بھوک نہیں ہو گی۔'' امی نے اس غیر معمولی بات کا زیادہ نوٹس نہ لیا۔ مگر ماہ گل کے لئے یہ سب بہت مختلف تھا۔ وہ کچھ سوچ کر اٹھی اور سحر گل کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس کی حسیات بہت تیز تھیں۔ کسی کا خلاف عادت انداز اس کی چھٹی حس کو بیدار کر دیتا تھا۔

وہ کمرے میں آئی تو سحر گل انہی کپڑوں میں وہی چادر اوڑھے بستر پر اوندھے منہ پڑی تھی۔

''سحر! کیا بات ہے؟'' ماہ گل نے اس کے سرہانے بیٹھ کر آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا نرم ہاتھ رکھا مگر دوسرے لمحے گھبرا گئی۔ ہولے ہولے سسکیاں لینے سے سحر گل کا بدن ہل رہا تھا۔

''سحر ــــــ!''

''آپی ــــــ آپ ــــــ'' سحر گل اٹھ بیٹھی۔

''تم ــــــ تم رو رہی ہو؟'' ماہ گل نے اچنبھے سے اُسے دیکھا۔ اس کے پسینے سے تر چہرے اور سہمی ہوئی آنکھوں میں جھانکا۔ ''کیا بات ہے سحر؟'' اس نے سحر گل کے دونوں شانے تھام کر تشویش کی نظروں سے دیکھا تو ایک لمحے کے لئے سحر گل گھبرا گئی۔ کسی خوف نے اس کا دل اندر سے جکڑ لیا۔ فطری شرم اور ایک انجانے خوف نے اُسے ماہ گل کو سب کچھ بتانے سے گریزاں کیا۔

''وہ بس ــــــ بس ــــــ پپ ــــــ پیپر اچھا نہیں ہوا ہے آج میرا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چہرہ جھکا لیا۔

ماہ گل کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اس کے اندر جھانک رہی تھیں، اس کے سینے کی تہہ میں چھپے ایک خوف کو محسوس کر رہی تھیں۔ پھر کیسے اس کی بات پر یقین کر لیتی۔

''ہاں آپی! بس اس لئے مجھے رونا آ رہا تھا۔ ورنہ ــــــ''

Marfat.com

''جھوٹ مت بولو سحر! ـــــ تمہاری معصومیت اور سچی باتیں ہی تو مجھے پسند ہیں۔''
ماہ گل نے اس کا جملہ کاٹ دیا اور اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھ سے کچھ مت چھپاؤ سحر! بتا دو سب کچھ۔ میں تمہاری اچھی دوست بھی تو ہوں نا۔ شاباش!''

سحر گل نے کرب سے لب کاٹ لئے، شرم سے اس کا چہرہ تپنے لگا۔

''آ........ پی...... بخدا میں نہیں جانتی اُس کو...... وہ خود ہی بہت دنوں سے اسکوٹر پر گلی کے کنارے کھڑا رہتا ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں سے جھڑی بہہ نکلی۔

''مم........ میں نے کبھی غور سے بھی نہیں دیکھا آپی! آج یہ خط اُس نے میرے پرس کے اوپر پھینک دیا۔''

اس نے تکیے کے نیچے سے تڑا مڑا پرچہ نکال کر ماہ گل کی طرف بڑھایا تو ماہ گل کا دل پوری قوت سے دھڑکا۔ دل سکڑا اور پھیلا اور رگوں میں خوف کے خدشے دوڑ گئے۔ اس نے پرچہ سحر گل کے ہاتھ سے لے کر کھولا اور پڑھنے لگی۔

وہی بے ہودہ اور گھسے پٹے فلمی ڈائیلاگ سے بھرا محبت نامہ تھا ـــــ محبت کے موضوع پر بے لاگ تبصرے۔ خود کو مجنوں اور فرہاد سے زیادہ بہترین عاشق اور باوفا ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی ـــــ ماہ گل نے لب بھینچ لئے اور ایک گہری سانس لے کر خط بند کر دیا۔ اس کی شریانوں میں دُکھ گردش کرنے لگا۔ نوجوانوں کی اس بے راہ روی پر وہ کٹ کر رہ گئی۔

اس نے خط کو مٹھی میں جکڑ لیا اور ایک نظر سحر گل پر ڈالی۔ وہ ایک نازک دور سے گزر رہی تھی۔ نرم و نازک شاخ کی مانند ـــــ جو کسی بھی تیز جھونکے سے جھک سکتی تھی، ٹوٹ سکتی تھی۔ اور جب اس نازک عمر میں حُسن کا بے ساختہ پن بھی ہو تو اچھے اچھوں کی عقلیں خبط ہو جاتی ہیں۔ پاکیزہ اٹھنے والی نگاہیں بھی بہک جاتی ہیں۔ چھلکتی، لہکتی عمر جو کسی بڑے امتحان کی متحمل نہیں ہوتی اور پھر دنیا کسی وسیع منہ زور سمندر کی طرح ان کے آگے پھیلی ہوتی ہے۔

کوئی منہ زور موج اسے اپنی طرف کھینچ سکتی ہے۔ اگر ساحل پر کوئی ہاتھ تھامنے والا نہ ہو تو ڈوب جانا یقینی ہوتا ہے۔

اور وہ ہر حال میں سحر گل کا نازک ہاتھ تھام کر رکھنا چاہتی تھی۔ کسی ماں کی عمر بھر کی ریاضت ایک نازک برتن کی طرح چھناکے سے ٹوٹ جائے، یہ کب گوارا ہوگا۔

اس نے بہت نرمی اور شفقت سے سحر گل کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

Marfat.com

''اچھا کیا تم نے مجھے بتا دیا ــــ اب اس کا توڑ مجھے ہی کرنا ہوگا۔''

''آ ــــ آپ کیا کریں گی؟'' سحر گل کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ بڑی بڑی خم دار پلکوں کو بغیر جھپکائے ماہ گل کو دیکھنے لگی۔

''سوچوں گی اس کے بارے میں بھی۔'' ماہ گل اٹھنے لگی تو سحر نے جلدی سے اس کا بازو تھام لیا۔

''نن......نن ......نہیں آپی! ایسے مرد بہت برے ہوتے ہیں۔ اگر اس نے ..... نہیں آپی! آپ کچھ مت کیجئے گا۔''

''سحر!'' ماہ گل نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ اس کی آنکھوں میں شرارے بھر گئے۔ ایسے آوارہ اور بدچلن مرد نہ جانے کتنی لڑکیوں کو اس طرح تعلیم سے محروم کر دیتے ہوں گے اور کتنوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا لیتے ہوں گے۔ اس کا توڑ ہونا چاہئے۔ سزا لڑکی کو نہیں، ایسے اوباش کو ملنی چاہئے کہ وہ آئندہ عبرت کدہ بن جائیں ہر نظر کے لئے۔ ماہ گل کا چہرہ غصے سے تپ اٹھا۔

''تت ....تو آپ ......زز...... زمان بھائی سے کہہ دیں گی؟'' سحر گل کا دم خشک ہونے لگا۔

''ارے نہیں بے وقوف ــــ'' ماہ گل اس کے خوف پر ہولے سے مسکرا دی پھر اسے تھپک کر بولی۔ ''میں سوچوں گی کوئی حل۔ فی الحال تو تمہارے ایگزام ختم ہو گئے ہیں، تم گھر میں ہی ہو نا۔ بس ریلیکس رہو۔''

ماہ گل اُسے تسلی دے کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کا ذہن سخت منتشر ہو رہا تھا۔ اس خط نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ نہ جانے کن والدین کی ایسی بے راہ رو اولاد ہو گی۔ ملک کی روح کو زندگی بخشنے والے نوجوان ملک میں تیرگی پھیلا رہے ہیں۔ نوجوانوں کی ایسی حرکتوں پر اس کا دل ماتم کرنے لگا۔ اب اُسے ہی کوئی حل سوچنا تھا۔ وہ اپنے گھر کی جانب بڑھتی رسوائی کے قدم وہیں روک دینا چاہتی تھی۔

+++

اشمل خان گل بی بی سے مل کر واپس حویلی آیا تو احسن کا فون آ گیا۔ اس نے یونیورسٹی کھل جانے کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ وہ دوسرے دن ہی واپس شہر جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

شاہ خانم کے پاس رات کے طعام کے بعد آیا تو شاہ خانم نے منہ پھیر لیا۔ اس کے

Marfat.com

جانے پر وہ اس سے خفا تھیں جس کا برملا اظہار کر دینا چاہتی تھیں۔

''کیا ضرورت ہے تمہیں ہاسٹل میں رہنے کی ـــــ اتنے سال تو مجھ سے دور رہے ہو۔ یاد نہیں آتی میں؟''

''یہ بات نہیں ہے شاہ خانم! میں یکسوئی سے پڑھنا چاہتا ہوں ـــــ اور اب تو میرا آخری سال ہے۔ پھر تو مجھے تاعمر حویلی میں ہی رہنا ہے۔''

''تم ایک سال کی بات کر رہے ہو، میں تو ابھی تمہارے جانے پر خفا ہوں۔'' شاہ خانم نے اسے دیکھا پھر اپنی مخصوص کرسی پر تن کے بیٹھ گئیں۔ ''تمہارے آنے سے اس حویلی میں کچھ رونق ہو گئی تھی۔''

''آپ کے پاس اشتارا ہے ـــــ پھر ذولین بھی تو ہے۔'' اشمل نے دانستہ ذولین کا ذکر کیا تو شاہ خانم کا چہرہ تن گیا۔

''ذولین کا نام مت لو میرے سامنے ـــــ'' انہوں نے اشمل خان کو بُری طرح جھڑک دیا۔ مگر اشمل ان کی ڈانٹ پر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے ان کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''کیوں شاہ خانم؟ ـــــ کیوں آپ ماضی کی وہ تلخ کتاب بند نہیں کر دیتیں؟ بلاتقصیر کے ذولین کو کیوں سزاوار سمجھتی ہیں؟''

''اشمل ـــــ بند کرو یہ موضوع۔'' شاہ خانم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ غصے سے کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔

''نہیں بند کر سکتا میں یہ موضوع۔ بات کرنا چاہتا ہوں میں ذولین کے بارے میں۔''

''تو کرو اپنے باپ سے اس موضوع پر بات۔ میرا ذولین سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' شاہ خانم نے نخوت سے لب بھینچ لئے اور دھم دھم کرتیں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اشمل غصے سے مٹھیاں بھینچتا اُلجھ کر شاہ خانم کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

اشتارا جو کنارے کھڑی ماں اور بیٹے کی یہ تلخ کلامی سن رہی تھی، اشمل کے قریب چلی آئی۔ ''جاتے جاتے آپ کو شاہ خانم سے تلخ نہیں ہونا چاہئے تھا لالہ! کسی تلخ بات کو بھلانے اور نفرت کو ختم کرنے کے لئے اتنے ماہ و سال کافی ہوتے ہیں۔''

اشمل نے اُسے دیکھا۔ اس کی ستارا آنکھیں بجھی ہوئی تھیں اور ان میں دُکھ گردش کر رہا تھا۔

''نفرتوں کے یہ دروازے اگر بند ہو سکتے تو میں ہی سب سے پہلے آگے بڑھتی۔ یہ

Marfat.com

زولین سے نفرت میرے دل میں تیر کی طرح پیوست ہوتی ہے۔" اشتارا کے لب کانپ گئے۔

اشمل بری طرح چونکا اور چند لمحے اس کا جھکا ہوا سر اسی انداز میں رہ گیا۔ وہ عجیب نگاہوں سے اشتارا کو تکنے لگا۔

"اش...... تارا...... کہیں تم...... زولین سے......" اشمل نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اشتارا بری طرح گھبرا گئی۔

یہ اشمل لالہ کے سامنے اس نے کیا کہہ دیا ___ کہیں اس کی آنکھیں، اس کا چہرہ وہ راز طشت از بام تو نہیں کر رہا جس کو وہ امانت کی طرح چھپاتی رہی تھی۔ اس نے جلدی سے پلکیں جھکا دیں اور قدم دروازے کی طرف بڑھا دیئے۔

"اشتارا!" اشمل نے اُسے پکارا تو وہ رک گئی اور پلٹ کر بولی۔

"پلیز اشمل لالہ! کوئی سوال مت پوچھئے۔ میں کسی جواب کی متحمل نہیں ہو سکتی۔" اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا۔ وہ رکی نہیں اور قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی۔

اشمل خان تحیر کے عالم میں گھر کر رہ گیا۔ اشتارا کی آنکھوں میں مہکتے زولین کے نام کے رنگ بہت واضح تھے۔ وہ لاکھ لبوں پر قفل لگائے رہی تھی مگر آج اس نے اس کی آنکھوں میں لکھی وہ تحریر پڑھ لی تھی۔

وہ چند ثانیے سُن سا رہ گیا۔ پھر کرب سے لب بھینچ لئے۔ 'نہ جانے کیوں ہم جانے بوجھے صاف راستوں کو چھوڑ کر پُر پیچ راستے کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔'

پابندیوں کی زنجیریں جتنی مضبوط ہوتی ہیں، بغاوتوں کے علم اتنے ہی بلند ہوتے جاتے ہیں۔

وہ اپنی ساری حیرانیاں، ساری سوچیں اپنے ذہن و دل سے جھٹک کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرے دن ہی وہ شہر چلا گیا۔ شاہ خانم سے اپنی کج خلقی کی ڈھیروں معافیاں مانگ گیا تھا اور بہت جلد دوبارہ آنے کا وعدہ کر گیا تھا۔

اشتارا کو لگا جیسے وہ اپنے ہمراہ یہ دمکتا رنگ اور روز و شب کی ساری رونقیں سمیٹ کر لے گیا ہو اور ایک گردشِ لیل و نہار چھوڑ گیا تھا۔

وہ سخت بے کل ہو گئی تھی۔ ایسے میں وہ لان میں ٹہلتے ٹہلتے زولین خان کی انیکسی کی طرف آ گئی۔ زولین خان اس وقت انیکسی میں موجود نہیں تھا مگر اس کا دروازہ نیم وا تھا۔

Marfat.com

وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ صاف ستھری انیکسی میں گہرا سکوت تھا مگر ایک عجیب سی مدھر خوشبو بکھری ہوئی تھی جس سے وہ نا مانوس نہ تھی۔ وہ جب بھی انیکسی میں آتی عجیب سے احساسات اُسے گھیر لیتے۔

کبھی بہت کچھ کھو دینے کا غم حاوی ہو جاتا تو کبھی سب کچھ پا لینے کا عزم نو ہوتا۔ نئے اور انوکھے جذبے پھر بیدار ہونے لگتے اور اس کے ساتھ ڈھیر سارا کرب بھی روح میں سمٹ آتا۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو حیران رہ گئی۔ خار دار جھاڑیوں اور مہیب سناٹے سے سجا لان کا پچھلا حصہ اس کے سامنے تھا۔ عجیب ویرانی اور الجھی الجھی شاخوں کی سوکھی ٹہنیاں اور درختوں سے گرے ہزاروں خشک پتے ایک نا مہربان گوشے میں جمع تھے۔

اُس نے پیلی گھاس اور اُجاڑ سے اس صحرا جیسے باغ کو دیکھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بہاروں نے ادھر کا کبھی رُخ ہی نہیں کیا ہے ـــــ ایسا لگا جیسے ذولین خان کے دل پر بھی ایسے ہی خزاں آلود موسم نے بسیرا کر لیا ہے۔ یکلخت اس نے گھبرا کر دریچے کے دونوں پٹ بند کر دیئے۔ اس کے دل میں نا مانوس سی وحشت چھانے لگی۔

'دلوں کی ویرانیاں اور اندھیرے کم کرنے کی سعی کے لئے انسان اُجالے اور مسرتوں کی جانب بھاگتا ہے اور تم ـــــ' اُس نے تصور میں ذولین کو مخاطب کیا۔ 'اپنے اندر مزید اُداسیاں، ویرانیاں سمیٹ رہے ہو ـــــ یہ اُجاڑ اُجاڑ منظر تو زندگی کی رنگینیوں کو ڈھونڈنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔' اس نے جلدی سے دریچے کا بولٹ چڑھا دیا۔ یوں جیسے اب یہ کبھی نہیں کھلے گا۔

اچانک گھڑی کے الارم نے اُسے چونکا دیا۔ وہ گھبرا گئی اور جلدی سے پلٹ کر داخلی دروازے کی جانب بڑھی۔ مگر پھر ٹھٹک گئی۔ سرسری اُٹھتی نگاہ ریک پر پڑے اپنے زرد رومال کی طرف اٹھی جو سلیقے سے تہہ کیا ہوا رکھا تھا۔ اپنا رومال یہاں دیکھ کر اُسے حیرانی کا شدید جھٹکا لگا ـــــ یہ رومال وہ اکثر اپنے سنہری بالوں میں لگایا کرتی تھی۔ پھر یہ رومال اسے کہیں نظر نہ آیا اور آج اس کو یہاں ایک ظالم، نا مہربان شخص کے کمرے میں اتنی حفاظت سے تہہ کیا ہوا دیکھ کر حیرانی کا غلبہ فطری عمل تھا۔

وہ تیزی سے ریک کے قریب آئی اور اپنا رومال اٹھا لیا۔ مگر پھر اس کے نیچے سیاہ مخملیں جلد والی ڈائری دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھیل گئیں ـــــ نہ جانے کیوں اُسے محسوس

Marfat.com

ہو جیسے یہ ڈائری بہت اہم ہو اور اسے بہت حفاظت سے رکھا گیا ہے۔

مگر ایک ایسا شخص جو زندگی کی لطافت اور نازک احساسات سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو، جس نے ہمیشہ حُسن و عشق کے دریچوں میں جھانکنے سے گریز ہی کیا ہو اس کے پاس اس کی گنجائش ہی کہاں کہ وہ کوئی نازک احساسات ڈائری میں قلم بند کرے۔

اُس نے ذولین خان کے سرد مہر وجود کو نگاہوں میں لا کر سوچا مگر اس کے باوجود دل کے اندر یہ خواہش مچلی کہ وہ یہ ڈائری کھول کر دیکھے کہ جو شخص ایک گہرے سمندر کی طرح تھا، کسی سربستہ راز کی طرح شاید اس کی زندگی کے کچھ ورق اس کے سامنے کھل جائیں۔

اُس نے بے حد آہستگی سے اپنے نرم نرم ہاتھوں سے وہ گداز مخملی ڈائری اٹھالی اور دھیرے سے کھول لی۔۔۔۔!

Marfat.com

وہ ڈائری اس کے سامنے کھلی پڑی تھی۔ جس کے پہلے صفحے پر ایک دلکش نظم اُس کی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں تحریر تھی۔

تری آہٹ
سلگتی دوپہر کو ایک پل میں شام کرتی ہے
اُترتی ہے سوادِ ہجر میں کچھ اس طرح جیسے
صدائے آشنا کوئی
گھنے، گہرے اندھیرے جنگلوں کی بے یقینی میں
روشنی کا کام کرتی ہے

آہ ___ مگر اب یہ خوبصورت آہٹ کئی دنوں سے میری سماعتوں میں رس گھولنے نہیں آئی ___ شاید اشتارا خان نے میری بے اعتنائی اور کج خلقی سے سہم کر اپنے قدم پیچھے ہٹا لئے ہیں۔

میری سرد مہری نے اس کے نازک دل پر بہت کاری وار کیے ہیں۔ مگر اس کی ستارا آنکھیں میرے دل کے اندر پلتے شوریدہ جذبوں کو دیکھ ہی نہیں پاتیں۔

مگر نہیں ___ قصور اس کا کہاں ہے۔ میں نے اپنے جذبوں پر سرد مہری اور بے اعتنائی کے اتنے دبیز پردے لگا رکھے ہیں۔ مگر اب ایسا لگتا ہے جیسے وہ سارے پردے دھیرے دھیرے اُٹھ رہے ہیں۔ میں ہار گیا ___ اشتارا خان کی لامتناہی چاہت کے سامنے اور معصوم محبت کے آگے۔

مگر اس بار کوئی ملال، کوئی پچھتاوا نہیں ہے ___

اشتارا ان انکشافات کی منہ زور لہروں میں چکرا کر رہ گئی۔ یہ ذولین خان کی تحریر تھی۔ جس نے اپنے دلی جذبات کھول کر اس میں بکھیر دیئے تھے۔ اس نے الٹ پلٹ کر بے یقینی سے دیکھا تو آگے لکھا تھا۔

''اشتارا'' جو میرے لئے زندگی سے بھرپور نام ہے اور ایسا طمانیت انگیز نام جس کی

Marfat.com

خوشبو میرے اندر باہر اُجالے بکھیر دیتی ہے۔

میں وہ شام نہیں بھولا جب وہ آبشار کے قریب پتھر پر بیٹھی چھوٹے پھولوں کو عجیب بے چینی سے ایک ایک کر کے نوچے جا رہی تھی۔ پھر اچانک اُس نے دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا تو ان نشیلی آنکھوں کا فسوں میرے اندر شعاعیں سی بھر گیا ــــ اس کی ملکوتی آنکھوں کی روشنی میرے دل کے در و دیوار پر پھیل گئی اور مجھے لگا جیسے میرے چاروں طرف اُجالا ہی اُجالا ہو گیا ہو۔

اس سے آگے اس سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ ایک ایک لفظ اس کی رگوں میں زندگی کا نیا رس گھولنے لگا۔ یہ انکشاف اس کے اندر مسرت انگیز احساس بھرتا گیا۔ مارے خوشی کے اس کا دل یوں دھڑکنے لگا جیسے ابھی ساری پسلیاں توڑ کر باہر آ نکلے گا۔ جب غم کے الاؤ میں اُمیدیں بجھنے لگی ہوں اور آنکھوں میں درد کے بوجھل سے گرداب پڑنے لگے ہوں، جب آرزوؤں کی شمعیں گل ہونے لگیں اور خوابوں کے پھول مرجھانے لگیں تو اچانک قافلۂ بادِ صبا کہیں سے آ نکلے، تاریک شب کو کاٹ کر روشن ستارہ چمکنے لگے تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جانے کی بدمست خوشی جیسے نہال کر دیتی ہے آج اُسے ویسی ہی خوشی حاصل ہو گئی تھی۔

ایک بہت بڑا راز اس پر آشکار ہو گیا تھا ــــ ایک سربستہ راز جسے پا لینے کی بہکی بہکی خوشی نے اُسے مسرور کر دیا۔ اس کے لئے اتنا بہت کچھ تھا۔

وہ تو اپنی وسیع سمندر جیسی محبت کے بدلے میں ایک قطرے کی خواہاں تھی۔ اتنی ڈھیر ساری محبت نے تو اس کے پیاسے دل کو سیراب کر دیا تھا۔ اس انکشاف کے سامنے تو اُسے اپنی محبت بھی ہیچ نظر آنے لگی۔

اس نے ڈائری اپنے کانپتے ہاتھوں سے ریک پر رکھ دی ــــ اچانک اُسے اپنے قریب کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اُس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ذولین خان بے حد اطمینان سے اُسے ہی تک رہا تھا۔

''میں بھی کتنا پاگل ہوں ــــ بھلا دل کی باتیں بھی صفحات پر رقم کرنی چاہئیں۔'' اُس نے جھک کر ریک پر رکھی ڈائری اٹھا لی۔

''کیا...... ذو...... ذولین خان ...... یہ ...... یہ ...... سچ ہے؟'' اشتارا نے کسی لرزتے چاند کی طرح حیرت زدہ آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

ذولین نے اسے دیکھا، پھر ڈائری واپس ریک پر رکھتے ہوئے کھل کر مسکرایا تو اُسے

Marfat.com

لگا جیسے گلاب کھل اٹھے ہوں۔ کیسی پُرسکون مسکراہٹ تھی۔

اُس کے ذہن پر ہر دم چھائی اُداسی چھٹ گئی تھی۔ دل کا مطلع شفاف ہو گیا تھا۔

''ہاں ـــــ اتنا ہی سچ جتنا بہاروں میں پھولوں کا کھلنا، رات کے بعد دن کا آنا ـــــ ہاں اشتارا خان! تمہاری محبت کا نرم و شیریں احساس ہی تو ہے جس نے ازل سے میرے دل کی بے نمو مٹی میں سبزہ اُگا دیا۔'' اُس نے قریب آ کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط گرم ہاتھوں میں تھام لئے اور اس کی خوابیدہ آنکھوں پر تھرکتی پلکوں کی باڑھ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا واقعی مجھے اتنا چاہتی ہو کہ میرے حقیر سے لفظوں نے تمہیں اتنی بے پایاں مسرت بخش دی ـــــ ایسا کیا ہے مجھ میں اشتارا! کہ خود کو لمحہ لمحہ اذیت دیتی رہیں؟'' وہ اُس سے پوچھنے لگا۔

اشتارا اس کی اس قدر قربت پر پگھل رہی تھی۔ اس کے سوال کا جواب کیا دیتی۔ وہ تو اپنی اس بدمست خوشی میں کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہو۔

''بولو نا اشتارا ـــــ میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اندھیرے میں بھٹکتا ایک نقطہ۔ اور تم ایک آبدار موتی۔ تمہارے گلاب وجود نے مجھے روشنی کی طرف کھینچا ہے۔'' اس کے لفظوں میں چاہتوں کے چراغ جل رہے تھے اور لہجے میں پھول کھل رہے تھے۔

''اتنے عرصے تک آ....... آپ خود کو آزماتے رہے تھے یا مجھے؟'' وہ اُس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ ''اتنی بے پایاں خوشی ذولین خان! مجھ سے تو نہیں سنبھل رہی۔'' اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور خوش نما آنکھوں کے ساحل پر آنسوؤں کے کئی ستارے لرزنے لگے تھے۔

یہ خوشی کے دمکتے موتی تھے ـــــ جنہیں ذولین خان نے آہستگی سے اپنے پوروں میں چن لیا۔

ذولین خان کی محبت کے احساس نے اس کے چہرے کو گلنار بنا دیا تھا۔ اس کا حُسن دوچند ہو گیا تھا ـــــ آنکھیں خمار آلود ہو گئی تھیں۔ چہرہ فطری حیا سے جھکتا چلا جا رہا تھا۔

ذولین خان بغیر پلکیں جھپکائے اُسے دیکھتا رہا۔

پھر اچانک وہ پلٹی اور انیکسی کے داخلی دروازے کی جانب بھاگی۔

+++

Marfat.com

الیکشن کی رونق اپنے عروج پر تھی۔ جگہ جگہ پولنگ بوتھ قائم تھے جن کو طلبہ و طالبات گھیرے ہوئے تھے۔

آج ہر پارٹی کے ممبرز کے دل کی رفتار عام دنوں سے مختلف ہو رہی تھی۔ جیت یا ہار کی خبر سننا تھی۔ نہ صرف پارٹی کے ممبران بلکہ ہر اسٹوڈنٹ آج ہر درجہ متجسس اور ایکٹو تھا۔ ہر اسٹوڈنٹ اپنے آپ کو اہم شخصیت سمجھ رہا تھا چونکہ اپنے ووٹ کی قدر و قیمت سے آگاہ تھا۔

پارٹیز کے اسپورٹرز اب بھی سب کو کنوینس کر رہے تھے۔ آخری وقت تک ایڑی چوٹی کا زور لگانے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔ اس ساری افراتفری، شور شرابے سے بے نیاز ہشمینہ ابرار آفس میں بیٹھی تھی۔ اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔ نہ اس کے اندر وہ پہلی سی گرم جوشی تھی نہ ہار کا خدشہ تھا اور نہ جیتنے کی اُمنگ۔

ریحان پراچہ کی غلط بیانی پر اُس کا سارا جوش، وہ سارا تپاک سرد پڑ گیا تھا۔ وہ سخت ملول ہو گئی تھی۔ اُسے گہرا شاک پہنچا تھا۔ سراج کیانی نے اسے بیچ سڑک پر صاف کہہ دیا تھا کہ وہ سب ہنگامہ اس نے ریحان کی ایماء پر کیا تھا۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں کس لیا ہو۔ سیکرٹری ہونے کے ناطے اس نے اپنی پارٹی کی پارسائی ثابت کرنے، اسے اونچا مقام دینے کے لئے جلسوں میں کیا کچھ نہ کہا تھا۔ وہ سب کتنا بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسی سستی اور اوچھی سیاست کرنا اس کو سخت ناپسند تھا۔ اس نے اپنی پارٹی کی ساکھ مضبوط کرنے کے لئے انتھک محنت کی تھی۔ مخالف پارٹی کے لیڈر اشمل خان کے طنز سہے تھے۔ محض ریحان پراچہ کی خاطر، اُس کو یونین کا صدر بنانے کے لئے اس نے ساری کلفتیں برداشت کیں۔ مگر ریحان پراچہ کی ذات کا یہ پرت آج اس کے سامنے کھلا تو وہ دنگ رہ گئی۔ ساری اُمنگیں، ساری گرم جوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اُسے اب کوئی سروکار نہ تھا کہ کون سی پارٹی جیت رہی ہے اور کون شکست کا منہ دیکھے گا۔

وہ سخت کبیدہ سی کرسی میں دھنسی بیٹھی تھی۔ تبھی ندرت اس کے پاس آ بیٹھی۔

''کیا بات ہے ہشمینہ؟'' وہ اُسے یوں پژمردہ دیکھ کر متحیر رہ گئی۔ ایک سرگرمِ عمل سیکرٹری کو عین الیکشن کے دن اتنا بد دل دیکھ کر وہ عالم تحیر میں گھر گئی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ ___ میں تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ تم کہیں اسٹوڈنٹس کو کنونس کرنے میں مصروف ہو گی۔'' ندرت اپنا بیگ ٹیبل پر پٹخ کر اُس کے سامنے میز پر ہی بیٹھ گئی۔ اُس نے اشمل خان کی پارٹی کے ڈھیر سارے بیجز لگا

Marfat.com

رکھے تھے اور اس کے جھنڈے کے رنگ کا دوپٹہ پہن رکھا تھا۔

ہشمینہ نے اُسے دیکھا مگر بر ہمی کا کوئی تاثر اس کے چہرے پر نہیں اُبھرا۔ اُس نے تو محسوس ہی نہ کیا کہ وہ آج یوتھ فیڈریشن کا چلتا پھرتا اشتہار بن آئی ہے۔

''کیا بات ہے ہشمینہ؟'' ندرت اُس کی مسلسل خاموشی پر تشویش سے بولی تو اُس نے ایک گہرا سانس سینے سے آزاد کیا۔

''بس سکون کی طلب ہو رہی تھی ـــــ اس لئے یہاں آ بیٹھی۔''

''کیا؟ ـــــ آج اور سکون کی طلب؟'' ندرت زور سے ہنسی۔ پھر اس کی جانب قدرے جھکتے ہوئے بولی۔ ''ڈیئر! برا مت ماننا، آج تو لگتا ہے ریحان پراچہ کی پارٹی کے کسی بھی ممبر کو سکون شاید ہی نصیب ہو۔ آئی تھنک اشمل خان ہی وکٹری اسٹینڈ پر پہنچے گا ـــــ ہی اِز دی نیچرل ونر۔'' ندرت نے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بناتے ہوئے کہا تو ہشمینہ ابرار کے دل کو دھچکا سا لگا۔ بہرکیف وہ اپنی ڈھیر ساری محنت کو رائیگاں ہوتے دیکھنے کا دُکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اُس نے اپنی پوری آنکھیں کھول کر ندرت کو دیکھا۔

''تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو؟ یہ تو کاؤنٹنگ کے بعد ہی فائنل ہوگا۔''

''بھئی میں تو اپنے اندازے کے مطابق کہہ رہی ہوں۔'' ندرت میز سے اتر کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔

باہر ایک افراتفری اور بے قراری کا عالم تھا ـــــ یوں لگتا تھا جیسے زندگی کی ساری رونق، ساری بے قراری یہیں سمٹ آئی تھی۔

ندرت کی آنکھوں میں بھی زندگی تھرکنے لگی۔

''چلو ہشمینہ! باہر چلتے ہیں۔'' وہ پلٹ کر بولی اور کھڑکی کا پٹ بند کر کے ہشمینہ کی طرف آ گئی۔ ''تم یوں دبکی بیٹھی ہو۔ مجھے تو لگتا ہے دال میں کالا ضرور ہے۔ ورنہ تم اتنی مُردہ دل تو نہیں ہو۔ اور کم از کم آج کے دن یہ گہری اُداسی۔'' ندرت کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ ''ہے نا کوئی بات؟'' وہ قدرے اس کی سمت جھکی۔

''فضول ـــــ کوئی دال میں کالا والا نہیں ہے۔'' وہ اُسے دھکیل کر کھڑی ہو گئی اور پھر چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر چھوٹا سا بیگ کندھے پر ڈال کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

''دیکھو تو اسٹوڈنٹ کیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم دونوں کو دیکھ رہے ہیں۔'' ندرت اپنے اطراف اچٹتی نگاہ ڈال کر ہنس کر بولی۔

''کہاں اشمل خان کی پارٹی کی کارکن اور کہاں ینگ جنریشن فیڈریشن کی سرگرم

Marfat.com

سیکرٹری ــــ شاید لوگوں کو ہم دونوں کا یوں ساتھ ساتھ چلنا اچھا نہیں لگ رہا۔'' وہ دونوں دھیرے دھیرے چل رہی تھیں۔

''ٹھیک ہی تو ہے ــــ مجھے تو ویسے بھی تم سے بات تک نہیں کرنی چاہئے۔ آج تم مکمل یوتھ فیڈریشن کا جھنڈا بن کر آئی ہو۔'' ہشمینہ نے اُسے تیز نظروں سے گھورا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

''آخاہ ــــ مس ہشمینہ ابرار! کیا آپ اپنے قیمتی ووٹ سے ہمیں محروم رکھیں گی؟'' احسن نہ جانے کہاں سے آ نکلا۔ وہ ہمیشہ کی طرح دل جلانے والے انداز میں بولا تو ہشمینہ نے ہونٹ سکیڑ کر ناگواری سے اُسے دیکھا۔

''میرا ووٹ اور آپ کے نام۔''

''جی ــــ ہماری تنظیم کے نام۔'' اُس نے سرخم کرتے ہوئے کہا تو ہشمینہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''مسٹر احسن! آپ کو اتنی خوش فہمی کب سے ہو گئی کہ میں، یعنی ینگ فیڈریشن کی سیکرٹری، اشمل خان کے حق میں ووٹ دوں گی؟'' اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ مگر احسن ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''بھئی ندرت صاحبہ! میں تو آپ کی فرینڈ کو بہت باشعور سمجھتا تھا۔'' وہ ندرت کی طرف مُڑتے ہوئے بولا تو ندرت بے ساختہ ہنسی کو روک کر جلدی سے بولی۔

''تو ٹھیک ہی سمجھتے تھے۔ ہشمینہ ابرار جتنی باشعور ہے، اتنی ہی غیرت مند بھی۔ وہ اپنی پارٹی سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔ آپ جیسے لوگ اس کے قدم نہیں ڈگمگا سکتے۔''

''چہ ــــ خوب۔'' احسن پُرزور انداز میں ہنسا۔

''چلو ندرت!'' ہشمینہ، ندرت کو مزید بولنے پر تیار دیکھ کر اُسے تقریباً کھینچتی آگے بڑھ گئی۔

''اشمل خان کی پارٹی کی سرگرم کارکن صاحبہ! میری حمایت میں بول کر تم کیا ایکسپوز کر رہی تھیں؟'' وہ منہ بنا کر بولی تو ندرت اچھلی۔

''آں ــــ ہاں ــــ کیا ــــ کیا مطلب تمہارا؟''

''ظاہر ہے تم میری حمایتی تو قطعی نہیں ہو ــــ ورنہ اپنا ووٹ میرے حق میں ہی دیتیں۔''

''اُف ــــ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟'' ندرت کی آنکھوں میں اُلجھن اتر آئی۔ وہ سر

Marfat.com

پکڑ کر بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ ''دیکھو ہشمینہ! دوستی اور رشتے ناطے اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر ووٹر پر ایک بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے جو اسے مکمل غیر جانبدار ہو کر نبھانا ہوتی ہے۔ میں جانتے بوجھتے ایک ایسے شخص کے حق میں ووٹ کیسے دے دوں جو اسٹوڈنٹس کے مسائل کے حل میں مخلص نہیں ہے۔ محض مفاد پرستی اور شو آف کے لئے الیکشن میں کھڑا ہوا ہے۔ ریحان پراچہ کے بارے میں تم اتنا نہیں جانتیں جتنا میں جانتی ہوں۔'' ندرت یہ کہہ کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جہاں اُلجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

وہ ندرت کی اس بات کو جھٹلانے کی بجائے اس کی سمت دیکھتے ہوئے کچھ سوچ کر بولی۔

''اشمل خان کتنا مخلص ہے اس کا اندازہ تمہیں کس طرح ہے؟'' وہ لائبریری کے کشادہ شفاف زینے پر بیٹھ گئی۔

''ایک ووٹر ہونے کے ناطے میں دونوں میں سے بہتر اشمل خان کو سمجھتی ہوں۔ بظاہر اس کا کردار صاف رہا ہے۔ اور پھر میں اشمل خان کے مخلص ہونے کا دعویٰ تو نہیں کر رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اسٹوڈنٹس کے لئے کتنا ایماندار ہے مگر ——'' وہ ایک لمحہ رکی پھر اس کے قریب زینے پر بیٹھ گئی ہے۔ ''کچھ بھی ہے، اس کا منشور حقیقت پسندانہ ہے۔ اور ابھی تک اس نے جلسے میں جو کچھ کہا ہے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ پھر ریحان پراچہ کی طرف سے پھیلائی گئی وہ بدامنی کسی بھی امن پسند طالب علم سے چھپی نہیں ہے۔'' اس نے آخری جملہ طنزیہ انداز میں کہہ کر ہشمینہ کو دیکھا۔

ہشمینہ نے لب بھینچ لئے۔ وہ واقعہ تو خود اس کے ذہن کو بھی جھنجھوڑے دے رہا تھا۔

''ہشمینہ ابرار! ریحان پراچہ نے تمہیں اتنا چکا چوند والا بڑا عہدہ دے کر دراصل تمہیں اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ تم محض اب بے وفائی سے گریزاں ہو۔ ورنہ تو تمہارے لئے بھی ینگ فیڈریشن میں کوئی چارم نہیں ہے۔''

''شٹ اپ۔'' اس نے ندرت کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ''میں قطعاً کسی اُلجھن میں گرفتار نہیں ہوں۔'' اُس نے جلدی سے اضطراب پر خفگی کا پردہ ڈال دیا اور ندرت کو تیوری چڑھا کر دیکھنے لگی۔ وہ اپنی کمزوری یا پریشانی ندرت پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تم سب کے بارے میں بے تکے اندازے لگانے میں بہت ماہر ہو گئی ہو۔'' وہ برہمی سے اُسے دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

Marfat.com

''تو کیا واقعی تم ریحان پراچہ کو اشمل خان سے بہتر سمجھتی ہو؟'' ندرت اُس کی کلائی پکڑ کر اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

ہشمینہ کا چہرہ یکلخت کسی احساس کے تحت تپ اٹھا۔ اس نے اپنی لانبی پلکیں اُٹھا کر ندرت کو دیکھا۔ کیسے دل جلانے والے انداز سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں صورت کی بات نہیں کر رہی۔'' ندرت نے وضاحت کی، پھر زور سے ہنس پڑی۔

''تم اشمل خان کو میری چڑ بنا رہی ہو ـــــ'' ہشمینہ اس کے ہاتھ سے اپنی کلائی چھڑاتے ہوئے تند لہجے میں بولی اور رُخ پھیر لیا۔ نہ جانے کیوں ندرت کی آنکھوں میں مچلتی شرارت نے اُسے نروس کر دیا تھا ـــــ اُسے لگا جیسے وہ اس کے اندر کہیں جھانک رہی ہے۔ اور شاید وہ جذبے ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہے جو اشمل خان کے نام کے ساتھ اس کے دل کے ساحل پر مچل رہے ہوں۔ ایک عجیب ہیجان خیز احساس اُسے اپنی گرفت میں لینے لگا۔

ندرت بھرپور انداز میں ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چڑ ـــــ ہوں ـــــ خوب کہی تم نے بھی۔ اگر اس چڑ کی جگہ کوئی اچھا سا دوسرا جملہ لگا دوں میں تو؟''

''لگتا ہے تمہارے پاس فضول باتوں کا خاصا اسٹاک جمع ہے۔ میں نے ابھی تک ووٹ نہیں دیا۔'' ہشمینہ اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتی بولی اور زینہ اتر کر آگے بڑھ گئی۔

''ہشمینہ ابرار! تم جیسی پاگل اور معصوم لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ میری باتوں کی اہمیت تمہیں ایک دن ضرور محسوس ہوگی۔ محض انا کا مسئلہ بنا لیا ہے تم نے۔ ورنہ تو اشمل خان نے تمہیں بہت نہ سہی، کچھ امپریس ضرور لیا ہے۔'' ندرت ہنستی ہوئی بولی۔ مگر ہشمینہ سنی ان سنی کر کے آگے بڑھ گئی۔

''گدھی لڑکی ـــــ'' ندرت پیر پٹخ کر اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ پھر خود دوسری طرف جانے لگی۔

جوں جوں وقت سرکتا گیا، اسٹوڈنٹس کے دلوں میں عجیب عجیب احساسات جاگنے لگے۔ ہار یا جیت کس کا مقدر بنتی ہے؟ ـــــ ایک اشتیاق سب کی آنکھوں میں پھیل گیا تھا۔

ہشمینہ کا بجھا ہوا دل بھی بیدار ہونے لگا۔ بہرکیف اُس نے اپنی فیڈریشن کے لئے

Marfat.com

سر توڑ محنت کی تھی۔ ایک ایک لمحہ اپنی تنظیم کا پرچم بلند کرنے کے لئے صرف کیا تھا۔ اب نتائج کی ساعت قریب تھی تو وہ کیسے غافل رہ سکتی تھی۔

بالآخر انتظار کی نامہربان ساعتیں بھی ڈھل گئیں۔ کوئی پانچ بجے کے قریب نتائج کا اعلان ہوا اور اشمل خان خل زئی بھاری اکثریت سے فاتح قرار دیا گیا۔ یونیورسٹی میں ایک شور ہنگامہ بپا ہو گیا جو چہار دیواری کو دہلائے دے رہا تھا۔ اشمل خان کی فتح پر مسکراتے چہرے اور کھنکتے قہقہوں نے جیسے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

''یار اشمل! یہ اتنی بڑی خوشی مجھے تو سنبھالنی مشکل ہو رہی ہے۔ تم دیوانے کیوں نہیں ہوئے؟'' احسن اُس کے مسرور اور مطمئن چہرے پر نگاہ ڈال کر مسرت سے مغلوب لہجے میں بولا تو وہ ہنس پڑا۔ آج اس کی ہنسی میں سارے جہاں کی شادابی اور شگفتگی گھلی ہوئی تھی۔

''صد شکر کہ مجھے اپنے جذبات پر کنٹرول ہے ــــــ دیوانہ بن گیا تو میرا وُجود سب کے لئے بیکار ہی ہو گا۔'' اس نے کرسی سے اٹھ کر احسن کی پیٹھ تھپکی۔ ''تم بھی دیوانگی کو پرے ہی رہنے دو مائی ڈیئر فرینڈ! ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔ سب کی توقعات پر پورا اترنا ہے۔ اور جس دن ہم واقعی کچھ کر دکھائیں گے اور سب کی توقعات پر پورا اُتریں گے، دراصل وہی دن ہماری فتح کا ہو گا۔''

اس نے بے حد متانت سے کہا۔ اسی لمحے ایک شور اٹھا اور ایک بڑا غول آفس میں آ گھسا۔ کسی کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار تھے تو کوئی مٹھائی کے ڈبے اٹھائے ہوئے تھا۔ سب نے اشمل خان کو گھیر لیا۔

''مبارک ہو سوہنے یار!'' سب سے پہلے نعیم نے اس کے گلے میں بڑا سا گلاب اور موتیے کا مہکتا ہار ڈال دیا۔

''یہ فتح کا سب سے پہلا لڈو میری طرف سے۔'' افتخار نے اُس کے منہ میں بڑا سا لڈو ٹھونس دیا۔

پھر تو سب ہی جیسے خوشی سے اشمل پر کود پڑے۔ دھڑا دھڑ ہار اُس کی گردن میں ڈالتے گئے۔ کوئی مٹھائی تقسیم کرنے لگا اور ایک دوسرے کے منہ میں لڈو ڈالنے لگے۔ اُونچے اُونچے قہقہے اُمڈتے رہے۔

''ابے شہزادے! تُو کہاں پیچھے دبکا کھڑا ہے۔ ادھر آؤ سویٹ ہارٹ! تم نے تو اس فتح کے لئے گولی بھی کھائی ہے۔'' احسن پیچھے دبے شہزاد جمال کو کھینچ کر اشمل خان کے قریب

Marfat.com

لے آیا اور شہزاد، اشمل کے گلے لگ گیا۔ اشمل خان نے بھی اُسے محبت سے لپٹا لیا۔

پھر وہ سب ہجوم اشمل خان کو گھیرے ہوئے بڑے سے لان میں لے آیا۔

''زندہ باد اشمل یار۔''

''جیئے جیئے اشمل خان۔''

ایسا زبردست نعروں کا غلغلہ اٹھا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ اتنے شور ہنگامے میں اشمل خان کو اپنا آپ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ ان سب کے نرغے میں مسکراتا، سب کی مبارک باد وصول کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ چلتا احسن بھی سخت متوحش تھا۔

''یار! کہیں کچلے ہی نہ جائیں۔'' اسے اپنی جان کے لالے پڑتے محسوس ہوئے۔ نعیم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''تم اتنی آسانی سے نہیں مرو گے پیارے! سو کو کچل کر ہی مرو گے۔''

''ہاں، تمہیں تو سب سے پہلے کچلوں گا۔'' احسن نے اُسے گھورا۔

اشمل کو لان میں بنے بڑے سے اسٹیج پر چڑھا دیا گیا۔ وہ ڈائس پر ہاتھ مار کر اس شور وغل کو روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں آپ سب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی ووٹ میری نذر کیا۔ آج میری فتح میں آپ سب جوانوں کا ہاتھ ہے۔ لیکن میں اس دن کو اپنی فتح کا دن سمجھوں گا جب آپ لوگوں کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ جب میری ذات کسی کے لئے باعث تسکین ہو گی۔ دراصل یہی دن تو میری پرکھ کا دن تھا جس میں آپ لوگوں نے مجھے معتبر کر دیا ہے اور خود مجھے پہلی سیڑھی پر چڑھایا ہے۔ مگر اب بقیہ سیڑھیاں مجھے خود طے کرنی ہیں اور آپ کے اعتبار پر پورا اُترنا ہے۔''

اشمل خان کی بھاری آواز گونج رہی تھی۔ سارے اسٹوڈنٹس ہمہ تن گوش تھے۔ ریحان پراچہ تو چند ثانیے کے لئے دنگ رہ گیا۔ فتح کا سہانا خواب دیکھنے والی آنکھیں تحیر میں گم تھیں۔ ہار کا تصور ہی اس کے لئے قیامت خیز تھا۔

دولت کا گھمنڈ، پُرکشش پرسنیلٹی کا زعم سائے کی طرح اس کے ساتھ لپٹا رہا تھا۔ خواہش کے حصول کے لئے اس نے منفی راستہ اختیار کرنے میں کبھی عار محسوس نہ کیا تھا۔ اس نے اپنا مقصد صرف پانا، پانا اور سب کچھ پالینا بنا رکھا تھا۔ پھر وہ اتنی بڑی ہار کیسے برداشت کر لیتا۔ اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے جائز، ناجائز ہر طریقہ اختیار کر چکا

Marfat.com

تھا۔ پھر بھی اتنی بڑی شکست اُس کا منہ چڑا رہی تھی۔

وہ تڑپ اٹھا۔

اشمل خان کے نعرے اُس کے وجود میں آگ بھر رہے تھے۔

اُس کا دل پھیلا سکڑا اور رگوں میں خون نہیں انگارے دوڑنے لگے تھے۔

''نہیں، نہیں ـــــ میں اتنی آسانی سے شکست نہیں کھا سکتا۔'' وہ نفرت اور غصے سے چیخ اُٹھا۔

سراج کیانی نے اُسے دیکھا، پھر سر جھکا لیا۔

''بہرحال، جیت تو اشمل خان کا مقدر بن گئی ہے۔''

''شٹ یور ماؤتھ۔'' وہ بھڑک اٹھا۔ اس نے سراج کیانی کو آگ بھری نظروں سے دیکھا اور پھر غصے سے سامنے رکھی کرسی کو ٹھوکر لگائی۔

''ریحان پراچہ نے آج تک کسی کی برتری قبول نہیں کی ہے۔ اسے نیچا دکھانے والا اب تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ اشمل کیا ہے ـــــ ہنہہ ـــــ''

''تم بھول رہے ہو ریحان! یہاں فاتح وہی ہے جس کے گلے میں ہار ہے، جسے اسٹوڈنٹس نے چن لیا ہے۔ اشمل خان ہمارا طاقتور حریف تھا، سو جیت گیا۔'' سکندر پہلی بار بولا۔ اُس کے لہجے میں پسپائی تھی۔ اُس نے کھلے دل سے ہار تسلیم کر لی تھی۔

''تم بھول رہے ہو سکندر! کہ یہاں جیت اُس کی ہے جو بہت زیادہ طاقتور ہے۔ اور اپنی طاقت کا استعمال بھی جانتا ہے۔'' ریحان پراچہ نے سکندر کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں اپنی برتری اور اپنے اثر ورسوخ کے مالک ہونے کا خمار ہلکورے لے رہا تھا۔

''تو اب تم کیا کر سکتے ہو؟'' سراج کیانی نے اُسے حیرت پاش نظروں سے دیکھا۔

''فی الحال کچھ نہیں۔'' اُس نے لب بھینچ لئے۔ اُس کی آنکھوں میں اشمل خان کیلئے نفرت کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔ ہزیمت کا احساس اُسے اندر ہی اندر جلا رہا تھا۔

ہشمینہ ابرار کی ساری محنت اکارت گئی۔

اُس کا اسٹوڈنٹس کے سامنے بہتر انداز میں آنے کا ڈرامہ بھی فلاپ ہو گیا۔ اُس نے اپنے اندر کے منفی ریحان کو چھپا کر ایک نئے ریحان پراچہ کے روپ میں سب کے سامنے آ کر اپنی ساکھ بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، مگر محض ایک دن بلکہ چند گھنٹوں میں وہ سب اکارت گئی۔

اُسے لگا جیسے لوگ باہر اُس پر ہنس رہے ہوں گے، اُس کا مذاق اُڑا رہے ہوں گے،

Marfat.com

اُس کی ناکامی پر لمبے لمبے اور مزاحیہ فقرے چست کر رہے ہوں گے۔

''اشمل خان ـــــ'' اُس نے نفرت سے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اُس کے لفظ اُس کی سماعت پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ صرف وہی تھا جس نے اُسے اس فتح سے دُور کر دیا، اس کی برتری کے احساس کو خاک میں ملا دیا۔ اس شکست کا احساس اُسے اُکسا رہا تھا۔

باہر فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ ریحان پراچہ کو ووٹ دینے والے بھی کئی اسٹوڈنٹس اب اس خوبصورت جشن میں پیش پیش تھے۔ چڑھتے سورج کے پجاری کے مصداق وہ بڑھ چڑھ کر اشمل خان کو مبارکباد دے رہے تھے۔

جیئے جیئے اشمل خان کے نعرے لگ رہے تھے۔

ہشمینہ ابرار کو تو لگ رہا تھا جیسے سارا آسمان اُس پر آ گرا ہو اور اُس کی رُوح دب کر نہ سسک سکتی ہو اور نہ کھل کر قہقہے لگا سکتی ہو۔ نہ وہ اس خوشی مناتے انبوہ کثیر میں شامل ہو کر خود بھی مسرت کا جام پی سکتی تھی نہ ریحان پراچہ کی شکست پر اُس کے ساتھ بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رو سکتی تھی۔

اُسے لگا جیسے اُس کا وجود عمیق گہرائیوں میں اُترتا چلا جا رہا ہو۔ ایسی فضاؤں میں جہاں کچھ بھی نہیں تھا، جہاں صرف دل دوز تاریکی تھی۔

ہار کا گہرا دُکھ اور

اپنی محنت کے عبث جانے کا کرب۔

اُس کا دل اُداسی میں گھر کر رہ گیا اور رُوح جیسے غم و اندوہ میں دب کر رہ گئی ہو۔

آنکھیں بے اختیار چھلک آئیں۔

اُسے اشمل خان کے جیتنے کا اتنا دُکھ نہیں تھا جتنا اپنی بے غرض اور بے لوث محنتوں کے عبث جانے کا دُکھ تھا۔ اُسے ریحان پراچہ کے ہارنے کا غم نہیں تھا، اپنی سبکی کا احساس مارے دے رہا تھا۔ ہائے! اتنی ذلت تو میں نے آج تک کبھی اٹھائی نہیں۔ اُس کا دل لہو لہو ہو رہا تھا۔ وہ کامن رُوم کے دروازے پر کھڑی تھی۔ وہیں دروازے سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ یکسر سارے ماحول سے کٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے لرز کر نکلنے والے سارے آنسو دُور کھڑے اشمل خان کے دل پر آتشِ سیال کی مانند گر رہے تھے۔ وہ بیکراں ہجوم کے درمیان تھا مگر اُس کی طرف سے بیگانہ نہیں تھا۔

Marfat.com

وہ اسٹیج سے اُتر آیا اور اس ہجوم سے نکلتا کامن رُوم کی جانب بڑھا اور پھر ٹھٹک گیا۔ چند ثانیے اُس کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔ مایوسی اور ناکامی کے دُھوئیں میں لپٹا ہوا اُداس چہرہ اُس کے بالکل سامنے تھا۔ ہمہ وقت تمتماہٹ سے سجی بڑی بڑی آنکھیں اس لمحے آنسوؤں کی تپش سے چراغ ہو رہی تھیں۔

ٹپ .... ٹپ .... ٹپ ...... تیزی سے گرتے موٹے موٹے قطرے رخساروں کو بھگوئے دے رہے تھے۔ اشمل خان کے دل کو جیسے کسی نے آہنی حلقے میں کس لیا ہو۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور کامن رُوم کے دروازے سے ذرا فاصلے پر رُک گیا۔ ہشمینہ نے اپنی لرزتی بھیگی پلکیں اُوپر اُٹھائیں تو اشمل خان کو یوں روبرو دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ اپنی شکست کا اعتراف وہ یوں کھلے عام کر رہی تھی۔ اُس کا چہرہ تپ اُٹھا اور آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

اُس نے کرب سے ہونٹ کاٹ ڈالے اور رُخ پھیر لیا۔

+++

یہ سبز موسم پتوں کا
سنہری دُھوپ کرنوں کی
گلابوں کے مہکنے کا
ہمیں کب راس آیا ہے
ہماری زرد آنکھوں نے تو بنجر خواب ہی دیکھے

''ماہی ـــــ خدا کا واسطہ، مجھ پر رحم کرو۔'' امی اُس کے سامنے کھڑی ملتجی تھیں۔

اُس نے کرب سے لب دانتوں میں جکڑ لئے۔

''میرا ہی کچھ خیال کر لو ـــــ جاؤ بات کر لو۔ اُس نے تیسری دفعہ فون کیا ہے شاید تمہیں۔''

''ہاں ـــــ اس لئے کہ اب اس کی بہن یہاں آ چکی ہے۔ وہ مجھے لے جانے کی خواہش کرے گا۔'' اُس نے تیزی سے امی کی بات کاٹ دی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماہی! جذباتی مت بنو۔ آخر شاردا بھی تو ہے ـــــ دیکھو زمان اُسے لینے گیا اور وہ آ گئی۔ وہ بھی تو یہی زندگی گزار رہی ہے۔'' امی کی آنکھوں میں نم ناکی پھیل گئی۔

''کیوں گزار رہی ہے ـــــ یہی تو میں پوچھتی ہوں۔ کیوں خود کو اُس نے اتنا ارزاں کر لیا ہے۔ کیوں آ گئی ہے وہ زمان کے ساتھ ـــــ اُسے نہیں آنا چاہئے تھا۔ اُسے نہیں

Marfat.com

آنا چاہئے تھا۔'' وہ غصے اور بے بسی کے مشترکہ احساس سے چیخ اٹھی۔ امی گھبرا گئیں۔
''نہیں ماہی! نہیں۔ عورت میں لچک رہے تبھی اچھی ہے۔ چل آ، بات کر لے مسعود شاہ سے۔'' امی اُسے بازو سے تھام کر زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹتی ہوئی اس کمرے میں لے آئیں جہاں اسٹینڈ پر مسعود شاہ کا فون ہولڈ رکھا تھا۔
''دیکھ ماہی! جذبات کی دنیا میں سوچ کے پہلو نہیں آتے۔ تم ٹھنڈے دل سے سوچو، غصہ تھوک دو اور اس کی بات سن لو۔ وہ جو کہے اسے مان لو۔ تمہیں خدا کا واسطہ، اپنے مستقبل کو کوئی داغ مت لگا دینا۔ جھکا لینا سر۔'' امی کی آواز رندھ گئی۔ وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔
ماہ گل نے بے تحاشا دُکھ اور کرب سے امی کو جاتے دیکھا اور پھر فون کی طرف بڑھی۔ ریسیور اُٹھاتے ہوئے اس کے ہاتھ بری طرح کانپنے لگے — میں سر نہیں جھکا سکوں گی امی! — اُس کے دل میں درد سا اُٹھا اور سارے بدن میں پھیل گیا۔
''ہیلو!'' اُس نے بمشکل کانپتی آواز کو قابو میں کیا اور لہجے کو سپاٹ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔
''ماہی! میں مسعود بول رہا ہوں۔'' مسعود شاہ کی بھاری آواز گونجی اور ماہ گل کے لبوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔
''جانتی ہوں — اب تعارف کی کہاں ضرورت رہ گئی ہے مسعود شاہ! اب تو ہم ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف ہو چکے ہیں۔'' اُس کا لہجہ دُکھ کے ساتھ استہزائیہ تھا۔
ایک لمحے کو مسعود شاہ خاموش رہ گیا، پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ ''کیسی ہو؟''
''جیسی تم چھوڑ گئے تھے، اس سے کچھ بہتر ہوں۔''
''پلیز ماہی!'' وہ اُس کے کاٹ دار لہجے پر تڑپ گیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ نمایاں ہو گئی۔ ''میں مانتا ہوں کہ تم نے بھی کچھ دُکھ اٹھائے ہیں۔ مگر میں بھی مجبور رہا ہوں — تم شاید اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ میں نے یہ سارے دن سخت بے سکونی میں گزارے ہیں۔''
''مرد اور مجبور — خوب۔'' وہ زور سے ہنسی۔ ''نہیں مسعود شاہ، نہیں۔ مرد اس وقت مجبور ہوتے ہیں جب سارے اختیارات ان کے ہاتھ سے نکل چکے ہوں یا بستر مرگ پر ہوں۔ اور تم تو اب بھی بااختیار ہو۔''
''ایسے اختیارات کا کیا فائدہ ماہی جن میں اپنا سکونِ دل بھی نہیں حاصل کر سکا۔''

Marfat.com

اُس کا لہجہ دھیما ہو گیا۔ ''کاش ماہی! میں بے اختیار ہی ہوتا۔''

''مت یہ ڈرامہ کرو مسعود شاہ! مت عورتوں والا لہجہ اپناؤ۔ تم ایک بھڑکتی آگ ہو مسعود شاہ، جس میں میرا وجود بھسم ہو چکا ہے ___ تم نے کبھی اعتدال کا راستہ اختیار ہی نہیں کیا۔ تم لوگوں کی باتوں سے نہیں ڈرے بلکہ صرف زمان خان سے انتقام لینے کے لئے مجھے کانٹوں پر گھسیٹتے رہے ہو ___ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عورت شاردا کے روپ میں ہو یا ماہ گل کے، بے قصور ہے۔ تمہارے ان سفاکانہ رویوں نے نہ شاردا کو سکھ لوٹایا ہے اور نہ زمان خان کو تڑپایا ہے ___ تم سارے مرد صرف اپنی انا کے دائرے میں گھومتے رہتے ہو، اپنے لئے جیتے ہو، اپنی انا کی تسکین چاہتے ہو، کسی بھی طرح۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس کے اندر ایک آتش فشاں بپا تھا۔ ایک کرب کا سمندر تھا۔

ایک نا آسودگی کا جال تھا جو کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔

''یا تم بزدل ہو مسعود شاہ! یا جابر ___ اور میں ایک بزدل یا جابر شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں آنسو پی پی کر تھک چکی ہوں۔ میں اب یہ تنور موسم نہیں سہار سکتی۔ نہیں سہار سکتی مسعود شاہ!''

''ما........ہی!'' مسعود شاہ بے قرار ہو گیا۔ ''اتنے الزام تم نے مجھ پر لگا دیئے ہیں ماہی!''

''نہیں مسعود! یہ الزام نہیں ہے۔ اب میں اس قابل بھی نہیں رہی کہ تمہیں آئینہ دکھا سکوں۔ میں تو خود آئینے کی طرح ٹوٹ چکی ہوں۔ کرچی کرچی ہو گئی ہوں۔ اب اپنا آپ سمیٹا بھی نہیں جا رہا۔''

''میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔'' اُس نے اپنا فیصلہ سنایا تو وہ بھڑک اٹھی۔

''نہیں مسعود! پلیز مت آنا۔ ماہ گل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونے کو تیار ہے مگر اب وہ جھک نہیں پائے گی۔'' اُس کا لہجہ اچانک پتھر ہو گیا۔ ''اگر ہو سکے تو شاردا کو بھی لے جاؤ، ہمیشہ کے لئے۔ ایک غیرت مند بھائی بن کر اُسے تحفظ دو۔ زمان خان کے پیروں کی دُھول مت بننے دو اُسے۔ یہاں قربانی بھی رائیگاں ہے۔ یہاں جھکے ہوئے سر پر کوئی تاج نہیں رکھتا، بلکہ کچل دیا جاتا ہے۔'' اس نے مسعود شاہ کو اور کچھ بولنے کا موقع نہیں دیا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

مگر دوبارہ گھنٹی چیخ اُٹھی۔

اُس نے جلتی آنکھوں سے فون کو دیکھا۔

Marfat.com

ایک ..... دو ..... تین ..... چار ..... گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اور اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی ساعتوں پر کوئی آہنی ضربیں پڑ رہی ہوں۔

''مجھے لمحہ لمحہ امتحان میں مت گھسیٹو مسعود شاہ!'' اُس کے لبوں سے ایک سسکاری آزاد ہوگئی اور اُس نے آہستگی سے فون اُٹھالیا۔

''تمہیں یہ سارے شکوے مجھ سے نہیں زمان سے کرنے چاہئیں۔ جابر میں نہیں، تمہارا بھائی ہے۔ بلا جواز شاردا کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہا ہے۔ مسعود شاہ کی چبھتی آواز اُبھری۔

''تم سب اندھے ذہن سے سوچنے والے مرد ہو ـــــ تم سب اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو جو مظالم ڈھانے کا کوئی جواز نہیں رکھتے۔ اس میں چاہے میرا بھائی ہو، شوہر ہو یا کوئی اور۔''

''میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔'' اُس نے اُس کی بات نظر انداز کر دی۔ اُس کا لہجہ اب ملتجی نہیں تحکمانہ تھا۔ ماہ گل کی روح تک سلگ اٹھی۔

''اگر مجھے لے جانا چاہتے ہو تو پہلے اسٹیمپ پر مجھے لکھ کر دو کہ شاردا کے دُکھ کا حساب تم مجھ سے نہیں مانگو گے۔ مجھے وہ عزت دو گے جو میرا حق ہے۔ بے گھری کا یہ طمانچہ اب مجھ سے نہیں جھیلا جائے گا۔'' وہ نفرت اور غصے سے چیخ اُٹھی۔ ''بولو مسعود شاہ! چپ کیوں ہو گئے؟'' وہ اُسے خاموش پا کر تلخی سے ہنسی۔

''میں تمہارا شوہر ہوں اور تمہاری کسی بھی شرط کا پابند نہیں ہوں۔ میں تمہیں بغیر شرط کے بھی لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔'' اُس کی مردانگی عود کر آئی۔ وہ غصے سے بولا مگر ماہ گل متاثر نہ ہوئی۔

''میں اپنی زندگی پر پورا اختیار رکھتی ہوں۔ اسے جس طرح بھی چاہوں گزاروں۔ اور اب میں زندہ رہنے کی طرح زندہ رہوں گی۔ تم سے الگ اپنی زندگی خود بناؤں گی۔''

''ما...... ہی.....'' وہ غصے سے پھنکارا۔ ''تم بھول رہی ہو کہ تمہیں آزاد کرنے یا نہ کرنے کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے اور میں ایسا کوئی جذباتی فیصلہ تمہیں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''چہ، خوب ـــــ تم مردوں کو اسی اختیار پر تو گھمنڈ ہے۔ سارا غرور اسی اختیار کا تو ہوتا ہے۔ مگر میں تمہارا گھمنڈ خاک میں ملا دوں گی۔'' وہ زور سے ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔

Marfat.com

''ماہ گل!'' مسعود شاہ چلایا۔ ''تم کیا آزاد ہونا چاہتی ہو؟'' اُس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ ایک لمحہ کے لئے ماہ گل کا سارا بدن کانپا، ہنسنے سے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ تیزی سے رخساروں پر لڑھکتے گئے۔ اُس نے جلتی آنکھیں بند کر لیں اور دل کے اندر کے شور کو دباتے ہوئے کہا۔

''ہاں —— ہاں مسعود شاہ! اب میں دنیا کے سارے جھمیلوں سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ ان تمام عذابوں سے، اس قید سے، ان آہنی زنجیروں سے جو میرے پیروں میں کسی زہریلے سانپ کی طرح لپٹی ہوئی ہیں۔ میں اس حبس زدہ ماحول سے نکل جانا چاہتی ہوں جہاں میں سانس روکے کھڑی ہوں۔'' وہ ہسٹیریائی انداز میں چلا رہی تھی۔ مگر دوسری سمت مسعود شاہ فون رکھ چکا تھا۔

''میں لمحہ لمحہ اس کا عذاب نہیں جھیل سکتی۔ کسی نئے دُکھ کی پذیرائی کرنے کی اب سکت مجھ میں نہیں ہے۔ نہیں ہے مجھ میں سکت۔ آئی ہیٹ یو مسعود شاہ!'' وہ فون اسٹینڈ پر سر جھکا کر بلک اٹھی۔ درد کی بھرپور ٹیسیں بدن کو جھلسائے دے رہی تھیں۔

''خدایا! کب ختم ہوں گی آخر یہ درد کی راتیں؟......''

''ماہی —— '' شاردا بھابی نے دھیرے سے اُس کے شانوں کو تھاما۔

''تم نے اچھا نہیں کیا ماہی!'' انہوں نے اس کا چہرہ اپنی سمت کیا۔ ''تم تو پھر بھی مجھ سے اچھی ہو کہ مسعود بھائی تم سے محبت تو کرتے ہیں۔''

''نہیں، بھابی! نہیں۔'' اُس نے بھابی کی بات کی نفی کی۔ ''یہ محبت نہیں ہے، اذیت ہے عمر بھر کے لئے۔ محبت کرنے والے انسان ایسے نہیں ہوتے۔''

''ماہ گل! مسعود بھائی جابر نہیں۔ ہاں شاید بزدل ہیں۔ مگر ماہی! جابر شوہر سے بزدل مرد پھر بھی بہتر ہوتے ہیں۔'' شاردا بھابی کا لہجہ درد انگیز تھا۔ ان کی آنکھوں میں اپنی اُجاڑ زندگی کا عکس سمٹ آیا۔ وہ تو بلا جواز زمان کے ستم کا نشانہ بن رہی تھیں۔ اس کے مظالم پر قطرہ قطرہ پگھل رہی تھیں۔

اس کی محبت کے لئے تڑپی تھیں۔

اس کی نگاہِ التفات کی منتظر تھیں۔

زندگی کے اس نئے سفر پر آ کر اس نے کچھ پایا ہی نہیں تھا۔ کوئی لمحہ بھی تو ان کا اپنا نہیں تھا۔ کوئی خوشگوار یاد جس کے سہارے وہ بقیہ عمر ہی بتا دیتیں۔

وہ سارے کونپل خواب تو زمان خان کی بیوی بن کر نہ جانے آنکھوں سے نکل

Marfat.com

کر کہاں بہہ گئے تھے۔ اب تو ان آنکھوں میں بیتے دنوں کی دُھول چبھ رہی تھی اور آنے والے دنوں کا خوف سینے کی تہہ میں لپٹ کر رہ گیا تھا۔

ماہ گل نے اُسے دیکھا تو چند لمحے کو اُسے اپنا دکھ کم تر محسوس ہونے لگا۔ اپنا غم نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا اور شاردا کا زرد زرد مضمحل چہرہ رہ گیا۔ وہ پہلے ایسی تو نہیں تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن میں ہمہ وقت معصوم شرم بجی رہتی۔ دھیمی پیاری مسکراہٹ جو گلاب لبوں کو ہمہ وقت گھیرے رہتی۔ یہ عارض وہ تو نہیں تھے۔ اب تو یہ چہرہ گردِ غم سے بالکل بدل چکا تھا۔ ماہ گل کا دل سوختہ پروانے کی مانند بکھرتا چلا گیا۔ اُس نے دھیرے سے شاردا کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھاما۔

''شاردا! تمہیں نہیں آنا چاہئے تھا۔ زمان بھائی کے پیروں کی دھول نہیں بننا چاہئے۔ زمان خان نے تمہیں کیا دیا ہے ـــــ ایک سسکتی زندگی۔ پھر تم کیوں اپنا وجود یوں روندنے چلی آئی ہو۔ یہاں فریاد رس کوئی نہیں ہے۔''

اس کی بات پر شاردا بھابی نے اُسے دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر صوفے پر خود کو گرا لیا۔

''اپنی اس بے وقعتی اور تذلیل پر تو کبھی کبھی مر جانے کو دل چاہتا ہے۔ مگر ماہی! مرنا بھی زندہ رہنے کی طرح ہی کٹھن اور مشکل ہے ـــــ جانتی ہو ماہی! تمہارے علاوہ میری دو اور بھابیاں ہیں۔ جن کی نگاہوں میں ترحم کی ایسی چبھن ہوتی ہے کہ دل چاہتا ہے زمین پھٹ جائے اور میں اس میں اسی لمحے سما جاؤں۔ شوہر کی ناپسندیدہ بیوی اور تضحیک کا نشانہ بنی عورت میکے میں بھی مجرموں کی طرح رہتی ہے۔ میں صفیہ اور عنبر بھابی کی نگاہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی ـــــ میں زمان کے ظلم سہہ لوں گی۔ مگر ہر آتی جاتی عورت کی زبان کے خنجر اپنے سینے میں نہیں اُتار سکتی۔'' وہ سسک اُٹھیں۔

آج ماہ گل کے سامنے انہوں نے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا تھا۔ کتنے دُکھ ان کی آنکھوں کے سامنے جاوداں ہو گئے اور آنسوؤں کی صورت لڑی لڑی بہنے لگے۔

ماہ گل کا لہجہ پھٹنے لگا۔ غم کے اس بوجھ سے اس کا دل بیٹھنے لگا ـــــ وہ جھک کر شاردا بھابی کے قدموں میں بیٹھ گئی اور ان کے گھٹنوں پر اپنے کانپتے لب رکھ دیئے۔

+ + +

مسعود شاہ کو واقعی اس کی ضرورت نہ رہی یا پھر اس کے انکار اور سخت رویے نے اُسے کبیدہ کر دیا تھا۔ ماہ گل کے جذباتی فیصلے نے اُسے آتشیں کر دیا تھا۔ اس نے پھر ماہ

Marfat.com

گل کو فون نہ کیا۔

امی تو ماہ گل سے ناراض ہو بیٹھی تھیں۔

''اُنہوں، تو پڑھی لکھی، سمجھ دار لڑکی ہے ماہی! تجھے تو جاہل عورتوں جیسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔'' ان کی آنکھوں میں ناراضگی کے ساتھ دُکھ تھا۔

''عورت چاہے جاہل ہو یا پڑھی لکھی، ان کے دکھ، ان کے احساسات ایک ہی ہوتے ہیں امی! اس معاشرے میں نہ تعلیم نے عورت کے دکھ کو کم کیا ہے اور نہ اونچی سوسائٹی نے۔ عورت تو اسی تنگ و تاریک، پُر پیچ ہیبت ناک سفر پر گامزن ہے برسوں سے۔ نہ تعلیم نے اس کے راستے منور کیے ہیں اور نہ دولت کے انبار نے اس کی خوشیوں کی ضمانت دی ہے۔'' اس نے امی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں سارے جہاں کا دُکھ سمٹ آیا تھا۔ ایک تیرگی تھی کہ دل کے در و دیوار میں پھیلتی ہی چلی جا رہی تھی۔

اس کی غم ناک آنکھوں سے کئی ستارے گر کر ٹوٹے تو امی تڑپ اٹھیں۔

''ماہی! میرے ساتھ کچھ دنوں کے لئے وادی چلو۔ شاہ خانم بہت کہتی ہے اور اسی ہفتے مجھے جانا ضروری ہے۔'' انہوں نے ماہ گل کے ملول وجود کو اپنی پناہوں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

''وادی! میں؟—'' اُس نے حیرت سے استفسار کیا۔ ''آپ کا جانا ضروری کیوں ہے؟''

''تمہیں نہیں پتہ۔'' امی اس کی پھیلی پھیلی آنکھوں میں جھانک کر ہولے سے مسکرائیں تو اس نے سرنفی میں ہلایا۔

''نہیں۔'' پھر اچانک چونکی۔ ''کہیں اشتارا اور فروان—'' اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور دل زور سے دھڑکا۔

''ہاں۔'' امی اس سے الگ ہو کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ ''فروان اور سحر بھی امتحان سے فارغ ہو گئے ہیں۔ انہیں بھی لے چلوں گی۔''

''امی!'' اس کے رگ و پے میں تھکن سی بڑھ گئی۔ ''کیا اشتارا راضی ہو جائے گی؟ میرا مطلب ہے فروان اور—؟''

''ماہی—!'' امی نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ ''تمہیں میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ اشتارا بہت معصوم لڑکی ہے اور شاہ خانم کی کہی ہوئی بات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بول

Marfat.com

سکتی۔"

"یہی تو دُکھ ہے امی! کہ اگر جبر بھی کیا گیا تو وہ شاردا کی طرح سہہ لے گی۔" اس نے بہت جلتی نگاہوں سے امی کو دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جانتی تھی کہ امی کے اس فیصلے کے سامنے اس کی ساری دلیلیں عبث جائیں گی۔ وہ تو اپنے اور شاردا کے دُکھ میں اتنا ڈوب چکی تھی کہ اب کسی کے حق میں لڑنے کے قابل بھی نہ رہی تھی۔

"ماہ گل! کیا تم نہیں جاؤ گی میرے ساتھ حویلی؟" امی نے اُسے جاتا دیکھ کر پکارا۔ "اشتارا تمہیں یاد کرتی ہے۔"

"جاؤں گی ۔۔۔ کب جا رہی ہیں آپ؟" وہ پلٹ کر پوچھنے لگی۔

"بس چند دن کے اندر۔" امی صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں اور اس کے قریب آ کر محبت سے کہنے لگیں۔ "تیرا بھی دل بہل جائے گا۔ تھکے ذہن کے لئے آب و ہوا کی تبدیلی اچھی رہتی ہے۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو ماہ گل نے سر جھکا لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سحر گل ابھی نہا کر نکلی تھی۔ اس کے لمبے بالوں میں پانی کے قطرے چمک رہے تھے۔ وہ لان میں بیٹھ کر انہیں سلجھانے لگی تھی۔ تبھی بل ڈوگ زور زور سے بھونکنے لگا جیسے کسی اجنبی شخص کو دیکھ لیا ہو۔

"ارے کیا ہوا ڈیئر؟ کیا دن میں بھی چور گھس آیا؟" وہ بلڈوگ کے شور پر کرسی سے کھڑی ہوئی اور بڑبڑاتی ہوئی بڑے گیٹ کی جانب بڑھی۔

"بھوں، بھوں، بھوں ۔۔۔" اُس کی آواز تیز ہو گئی تھی۔

"لگتا ہے بھوک لگ رہی ہے۔" وہ خود ہی قیاس کرتی گیٹ کے قریب آئی اور بڑا سا کنڈا زور لگا کر کھول دیا۔

"دل سے مانگی دعائیں اتنی جلدی قبول ہو جاتی ہیں آج یقین آ گیا۔" یہ آواز، یہ چہرہ اس کے لئے نا آشنا قطعی نہیں تھا۔ وہ آنکھوں میں وارفتگی کی چمک لئے، لبوں پر مسکان سجائے بلڈوگ سے خود کو بچائے گیٹ کی دوسری جانب کھڑا تھا۔

سحر گل کا سارا وجود سُن سا ہو گیا۔

+++

Marfat.com

ذولین نظریں اٹھائے اشتارا کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا دُھلا دُھلا چہرہ، پشت پر بکھری ریشمی زلفیں، پیشانی پر بندھا ہوا زرد ریشمی رومال ـــــ ذولین خان کے اتنے غور سے دیکھنے پر اشتارا کا چہرہ گرم ہو گیا۔ اس نے لرزتی پلکیں جھپکائیں۔

''اتنے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں ذولین خان؟'' وہ اس کی محویت سے خود کو پگھلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

''سوچ رہا ہوں اور افسوس کر رہا ہوں ان لمحوں پر جو تمہیں دکھ دیتے ہوئے گزار دیئے۔'' وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ رکا۔

فوارے کا ترنم پانی تالاب کے بدن میں ہلچل مچا رہا تھا۔ ڈھلتی شام نے سارے ماحول کو خوابیدہ سا کر دیا تھا اور اشتارا خان بھی اس لمحے کوئی خوابیدہ گلاب لگ رہی تھی۔

ذولین کی محبت نے اس کے دل کے آنگن کو مسرتوں کے گلہائے رنگا رنگ سے بھر دیا تھا۔ اس کے التفات نے اس کی محبت کو اوج عطا کیا تھا۔

وہ بے حد مسرور تھی۔

اس کے بہت سے بنجر لمحوں کا ثمر بہار کے گلنار گلابوں کی طرح ملا تھا۔ ذولین خان اس سے نفرت نہیں کرتا تھا بلکہ اس کی محبت اپنے دل میں بسائے رہا تھا۔ اس نے اپنی لرزتی ریشمی پلکیں جھکا دیں۔

''ذولین خان! ان لمحوں کی خراشوں نے تو مجھے جینے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ میری محبت کی سچائی اور ثابت قدمی کو ثابت کیا ہے۔ اور اب یہ پھول میرے دامن میں جو آپ ڈال رہے ہیں ان کی خوشبو میرے شب و روز کو مہکائے گی۔ اس راہ میں آ کر تو میں راز سرشاری سے آگاہ ہوئی ہوں۔''

اُس کی دھیمی خوبصورت آواز ذولین کی سماعتوں پر پھوار کی طرح پڑ رہی تھی۔ اُس نے اپنی سبز آنکھیں مسلسل اُس کے چہرے پر مرکوز رکھی تھیں۔

سورج کی ٹھنڈی کرنوں سے کہیں زیادہ اشتارا خان کا چہرہ روشن تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے صاف و شفاف پانی کے تال کے نیچے طلسماتی چراغ جل رہے ہوں۔

وہ تالاب کے کنارے اس کے سامنے سنگ مرمر کی سطح پر بیٹھ گیا۔

''اشتارا ـــــ!'' اُس نے آہستگی سے اپنے گرم ہاتھوں میں اس کے دونوں ٹھنڈے ہاتھ تھام لئے۔ ''جانتی ہو یہ دنیا، یہ زندگی میرے لئے کسی کشش کا باعث نہیں تھی۔ کبھی

Marfat.com

کبھی میں سوچتا تھا کہ میں اس شور مچاتی متحرک دنیا کا ایک بے حس جزو کیوں بن کر رہ گیا ہوں؟ جگمگاتے منظر میرے دل کو کیوں منور نہیں کرتے۔ مگر پھر اچانک میرے اُجڑے ہوئے دل میں تمہاری محبت کی طراوت پھیل گئی اور مجھے لگا جیسے شفق کی ڈھیر ساری جگمگاہٹوں نے میرے وجود کا احاطہ کر لیا ہو۔ ایسی جگمگاہٹ جس کے سامنے سارے فانوس ماند تھے۔'' اس نے محبت اور مسکراہٹ کی بے پناہ لطافت کے ساتھ اشتارا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ صبح میرے لئے بہت جاذبیت اور تازگی لئے ہوئے تھی۔''

تالاب کی سطح پر رنگ برنگے پھولوں اور سورج کی کرنوں کے عکس تھرک رہے تھے۔ مگر اشتارا تو ذولین خان کا وہ حسین اور سحر انگیز عکس تک رہی تھی جو اُس کی مشامِ جاں کے لئے راحت تھا۔

ذولین خان کے لہجے میں چاہتوں کے چراغ جل رہے تھے اور آنکھوں میں وہ دلنواز رنگ جھلک رہے تھے جو اس کے لئے تسکین کا باعث تھے۔

''اشتارا! میں قربتوں کے الم سے خوفزدہ تھا مگر یہ سچ ہے کہ میری نگاہیں تمہیں فاصلوں سے چاہتی آئی ہیں۔ تمہارا یہ معصوم چہرہ میری آنکھوں کی روشنی بنا رہتا ہے۔ مگر اشتارا! اب یہ روشنی مجھ سے چھن تو نہیں جائے گی۔''

''ذولین خان!'' اشتارا نے تڑپ کر پلکیں اُوپر اٹھائیں مگر پھر جلدی سے جھکا دیں۔ اُس کی شفاف سبز جھیلوں میں اُسے نظر بھر دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

ذولین خان اس کی شرم پر محظوظ ہو کر کھل کر مسکرایا اور ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔ آفتاب دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے تیز ہوئے تو نئی نئی نکلی ہوئی کونپلوں کی خوشبو فضا میں پھیل گئی۔ شفق پھولی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حویلی کے اطراف کھڑے پہاڑوں کی چوٹیاں سرخ ہونے لگیں۔ پھر آہستہ آہستہ تاریکی بڑھنا شروع ہوتی چلی گئی۔

وہ دونوں یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

اچانک حویلی کی ساری بتیاں جل اٹھیں اور یکلخت ہر شے مصنوعی روشنی سے دمکنے لگی۔

تب وہ دونوں چونک گئے۔

اس تیزی سے گزرتے لمحوں کا انہیں قطعی احساس ہی نہ ہوا تھا۔ معاً اشتارا کے دل پر شاہ خانم کا خوف پھیلنے لگا۔

Marfat.com

اس نے خوف زدہ نظروں سے اطراف میں دیکھا۔ باغ کا یہ حصہ ابھی خاموش تھا اور شاہ خانم کے کمرے کی جانب کھلنے والی کھڑکی بھی ابھی بند تھی۔ اُس نے شکر کا سانس لیا۔ پھر کہیں سے زیبل کی آواز آئی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور رہائشی حصے کی جانب بھاگی۔

''خان زادی! ایسا لگتا ہے جیسے ڈھیر ساری خوشیاں تمہارے دامن میں آ گری ہیں۔''
زیبل رات دودھ دینے اس کے پاس آئی تو اُسے آئینے کے سامنے بیٹھے مسکراتے دیکھ کر اس نے دھیرے سے کہا تو اشتارا کے لبوں کی تراش میں بکھری مسکراہٹ گہری ہو گئی۔
''مجھے نہیں بتاؤ گی خان زادی؟ میں تو تمہاری خوشیوں میں خوش ہونا چاہتی ہوں۔''
زیبل دودھ کا گلاس کارنر ٹیبل پر رکھ کر اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔
''کیا بتاؤں زیبے! کوئی ایسی بات ہی نہیں۔'' اس نے بتانے سے گریز کیا۔ آپوں آپ ڈھیر ساری شرم اس کے اندر آ سمائی۔ اب وہ اسے کس طرح اور کن لفظوں میں آگاہ کرتی کہ ذولین خان کے دل کے دروازے اس کے لئے وا ہو گئے ہیں۔
وہ آج نہیں بلکہ ایک عرصے سے اس کے دل پر راج کر رہی تھی۔ اس کی محبت سے اس کا پورا وجود منور تھا۔

''بات تو کوئی نہ کوئی ضرور ہے اشتارا بی بی! ورنہ تو یہ چہرہ اتنا گلابی کیوں ہو رہا ہے۔ کہیں ذولین خان ـــــ'' زیبل نے اسے کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ہنس پڑی۔
''تم کہتی تھی نا زیبے! کہ ذولین خان پتھر ہے ـــــ مگر وہ پتھر نہیں ہے۔ وہ تو ریشم سے بھی زیادہ نرم ہے۔'' اس کے لہجے میں سارے جہاں کی حلاوت سمٹ آئی اور دھڑکنوں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔
''زیبل! ایسا لگتا ہے جیسے یہ دل پھٹ جائے گا۔ میں اتنی زیادہ خوشی کیسے سنبھالوں زیبے؟'' اس نے اچانک زیبل کے ہاتھ تھام لئے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور پلکوں کے کناروں پر دو ستارے چمک اُٹھے۔ زیبل نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر تھپکی دی۔
''خدا تمہیں لمبی عمر دے خان زادی! اور یہ خوشیاں پا کر تم نہال ہو جاؤ۔'' زیبل کا دل مسرت سے بھر گیا تھا۔ آج اتنے برسوں بعد اس نے اشتارا کو اتنا مسرور، اتنا شاداں دیکھا تھا۔
زیبل نے اس کے خندہ زن حُسن کو دیکھا اور اپنی روح کی خاموشیوں میں اس کے

Marfat.com

لئے بہت سی دعائیں مانگ لیں۔

+++

''محنت کے رائیگاں جانے کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے ہشمینہ! میں جانتا ہوں۔ مگر مضبوط لوگ اپنی شکست کے آنسوؤں کو بہنے نہیں دیتے۔'' اشمل خان اچانک اس کے سامنے آ رکا۔ ''میں تو تمہیں بہت بہادر، بہت مضبوط لڑکی سمجھتا رہا تھا۔ مگر تم تو ——'' خلاف عادت اس کے لہجے سے نرمی مترشح تھی۔ اس نے آپ کی بجائے اسے اپنائیت سے تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

ہشمینہ نے رخ موڑ کر اس طویل قامت اور نشیلی آنکھوں والے شخص کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر طنز کی پرچھائیں نہ تھی۔ لہجے میں کوئی کاٹ نہ تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ اندر ہی اندر بکھر کر رہ گئی۔ واقعی اپنی شکست کا اعتراف یوں آنسوؤں سے کر کے اس نے بزدلی کا ثبوت دیا تھا۔

اپنی شکست کو یونہی عام روایتی روتی دھوتی لڑکیوں کی طرح قبول کر لیا تھا۔ اُس کا دل اور بھی اُداس ہو گیا۔

رگوں میں ڈھیر سارا کرب بکھر کر رہ گیا۔

''مجھے مبارک نہیں دو گی ہشمینہ؟'' وہ بے حد متانت سے بولا تو اس نے اپنے کانپتے لب دانتوں میں دبا کر اسے دیکھا۔

''میں تو منتظر تھا کہ تم ——''

''ضروری نہیں کہ بہادر لوگ اپنے حریف کو گلدستے بھی پیش کریں کہ میں تو ویسے بھی بقول آپ کے بزدلی کا ثبوت دے رہی ہوں۔'' اس کے لہجے میں غصہ لہرا گیا۔ وہ پلٹ کر قدم اٹھاتی کامن روم میں چلی آئی۔

اشمل خان کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔ کمرہ خالی تھا اور گہرا سکوت چھایا تھا۔ چند لمحے ان دونوں میں سے کسی نے اس سکوت کو توڑنے کی سعی نہ کی۔

ہشمینہ نے کرسی پر خود کو گرا لیا —— وہ اشمل خان کی موجودگی پر سسکیوں کو دبا رہی تھی۔ مگر دل کی گہرائیوں سے امڈتے ہوئے یہ نوکیلے آنسو اب بھی رخساروں پر بھٹک رہے تھے۔

اشمل خان کی معنی خیز نگاہیں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اور ہشمینہ

Marfat.com

کے دل میں عجیب سی وحشت چھا رہی تھی۔ یہ مسخر کر دینے والی قوت رکھتی آنکھیں اُسے پریشان کیئے دے رہی تھیں۔

''پلیز اشمل خان! مجھے تنہا چھوڑ دیں۔'' اس نے چہرہ جھکا کر ملتجی لہجے میں کہا۔

''تمہیں ریحان پراچہ کی شکست کا دکھ ہے یا میری فتح کا؟ تمہیں کوئی پرسنل شاک ہوا ہے؟'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی اور سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ مگر نہ جانے کیوں زیادہ دیر اس چہرے کی سمت نہ دیکھ پائی۔

''میری آپ سے کوئی ذاتی یا خاندانی دشمنی نہیں ہے اشمل خان! یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔'' وہ چڑ گئی۔ کیا حق پہنچتا تھا اس شخص کو اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھنے کا۔

''خدا نہ کرے——'' وہ برجستہ بولا اور پھر ہولے سے ہنس دیا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب آ کر اس کے جھکے سر پر پھیلے ریشمی بالوں پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

''اگر میرے مقابلے پر ریحان پراچہ کی بجائے تم ہوتیں تو مجھے تمہاری تنظیم کی شکست پر یقیناً رنج پہنچتا۔ مگر—— میں یہ کہنے میں قطعی عار محسوس نہیں کروں گا کہ ریحان پراچہ کی ہار نے مجھے اپنی فتح سے بھی زیادہ خوشی بخشی ہے۔ وہ اس قابل ہرگز نہیں تھا کہ جیت اس کا مقدر بنتی۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی کے ساتھ تیزی تھی۔ وہ رکا نہیں اور قدم اٹھاتا کامن روم سے باہر نکل گیا۔

ہشمینہ ابرار کی سوچوں میں تلاطم برپا کر کے—— اس کے درد کی آگ کو بڑھا کر۔

'اُف خدایا——' بے بسی کے آنسوؤں سے خود اس کا دل ہی زخم زخم ہو رہا تھا۔

اشمل خان نے تمام اراکین پارٹی کو اور اس خوشی میں شریک اسٹوڈنٹس کو جشنِ مسرت منانے سے سختی سے روک دیا تھا۔

اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ کوئی جشن نہیں ہوگا، نہ کوئی ہنگامہ۔ کیونکہ یہ جیت میرے پاس ان تمام اسٹوڈنٹس کی امانت ہے۔ ابھی جشن منانے کا موقع نہیں آیا۔ ابھی ہم نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا۔ یہ خوشی کے شادیانے اس وقت بجنے چاہئیں جب ہم ان کی توقعات پر پورا اتریں گے۔ جب یہ درس گاہ واقعی امن کا گہوارہ بن جائے گی اور یہ خطہ تمام ہنگاموں سے پاک ہو جائے گا۔

سب نے اس کے فیصلے کو سراہا۔ اُس کی قدر و منزلت ہر نگاہ میں بڑھ گئی۔ خود ہشمینہ کے لئے بھی وہ کسی شاک سے کم نہ تھا۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اس فتح پر وہ ہر رات جشن

Marfat.com

منائیں گے اور شکست خوردہ پارٹی کے زخموں کو ہرا کرتے رہیں گے۔ مگر اب اشمل خان کا یہ فیصلہ اسے بھی حیران کر گیا۔ اس کی شخصیت کا یہ دلکش پہلو اس کے سامنے آیا تو وہ دل ہی دل میں اسے سراہے بغیر نہ رہ سکی۔

دوسرے دن وہ ریحان پراچہ کے آفس میں بیٹھی تھی۔

''یہ ہار اب ہمیں قبول کر لینی چاہئے اور اشمل خان کی پارٹی کے سامنے اپنے مسائل رکھ کر اس کا بہتر حل حاصل کر سکتے ہیں ہم۔'' اس نے متانت سے کہا۔ وہ ساری رات خود کو سنبھالتی رہی تھی اور اشمل خان کی فتح کو ذہنی طور پر قبول کرنے پر آمادہ کرتی رہی تھی۔ سیاہ چادر کے ہالے میں دمکتا چہرہ حزن اور سنجیدگی کی آمیزش سے اور بھی جاذب نظر لگ رہا تھا۔ وہ چند ثانیے اُسے دیکھتا رہا۔

''اسٹوڈنٹس کے مسائل ہی ہمارے اپنے مسائل ہیں ــــ ہمیں اشمل خان کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ تاکہ اگر وہ واقعی مخلص ہے تو اپنا کام احسن طریقے سے انجام دے سکے۔

''اونہہ، تعاون۔'' ریحان پراچہ زور سے ہنسا۔ ''ہشمینہ ابرار! ریحان نے آج تک کسی کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ ہار ایک الگ چیز ہے مگر اشمل خان کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا مجھے کبھی قبول نہیں ہوگا۔'' اس کے لہجے میں تلخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ہشمینہ نے اُسے دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں ــــ اسٹوڈنٹس نے اشمل خان کو اپنا لیڈر چن لیا۔ اب ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے؟''

''بہت کچھ۔ ابھی کسی نے میری طاقت دیکھی نہیں ہے۔'' اس کے لبوں پر پراسراری مسکراہٹ لہرانے لگی۔

ہشمینہ اُلجھ سی گئی۔ اس نے سراج کیانی کی طرف دیکھا جو خود ریحان پراچہ کی طرف متوجہ تھا مگر بے حد مطمئن اور نارمل انداز کے ساتھ۔ گویا ریحان پراچہ کی گفتگو کا پس منظر بے حد احسن طریقے سے سمجھ رہا تھا یا اسے سمجھا دیا گیا تھا۔

''ہمارے حمایتی اب بھی ہمارے پاس ہی آتے ہیں اپنے مسائل لے کر۔'' وہ کرسی پر ٹک کر ہشمینہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں ــــ یہی تو میں کہتی ہوں کہ اب ان مسائل کو ہمیں اشمل خان کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور ان کا مؤثر حل حاصل کرنا چاہئے۔ ایک طرح سے یہ اشمل خان کی

Marfat.com

بھی آزمائش ہوگی۔"

"اونہہ ___ اشمل خان ___ اشمل خان۔" ریحان پراچہ سلگ اٹھا۔ اس نے زور سے اپنے سامنے رکھی تپائی پر لات ماری۔ "میں اشمل خان کو یونین کا لیڈر قبول نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔"

"ریحان ___" ہشمینہ کا چہرہ تپ اٹھا۔ ریحان پراچہ کی اس حرکت پر اسے اپنی ہتک کا احساس ہوا۔ وہ غصے سے کرسی چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"بس...... سوری ...... ویری سوری۔" وہ جلدی سے سنبھل گیا۔ اس نے ہشمینہ کے تپتے چہرے کی طرف دیکھا اور لب بھینچ لئے۔

"دراصل ہم اسٹوڈنٹس کے مسائل خود حل کرنا چاہتے ہیں۔" سراج کیانی نے یکدم پیدا ہونے والے ماحول کے تناؤ کو جلدی سے ختم کرنے کی کوشش کی۔

"پلیز مس ہشمینہ! آپ تو سیکرٹری ہیں ___ آپ کو تو ریحان پراچہ کی حمایت کرنی چاہئے۔"

"حمایت۔" اس نے سراج کو دیکھا۔ "کس بات کی حمایت؟ میں کسی غلط بات کی حمایت نہیں کرسکتی سراج! یہ تم جانتے ہو اچھی طرح۔" اُس کی تیوری چڑھ گئی۔ وہ بدستور خفگی سے بولی۔

"ہمیں اشمل خان کو آزمائش میں ڈالنا چاہئے کہ آیا وہ واقعی اسٹوڈنٹس کے مسائل حل کرنے کا اہل ہے یا نہیں اور اگر وہ اس قابل ہوا تو ہمیں اس سے مکمل تعاون کرنا چاہئے۔" وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ مگر اس کا چہرہ ابھی تک انگارہ ہو رہا تھا۔ ریحان پراچہ نے اُسے دیکھا۔

'کاش ہشمینہ! تم میرے دل کے تاروں میں یوں ہنگامہ نہ مچاتیں ___ میرے دل کی مسند پر نہ بیٹھی ہوتیں تو میں تمہاری باتوں کا جواب اپنے اس انداز میں دیتا جو میری ذات کا خاصا ہے۔ مگر اے حسین دوشیزہ! تمہاری خفگی میرے دل کو گوارا نہیں۔'

وہ نیم وا آنکھوں سے چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ تپے تپے چہرے کے ساتھ وہ بولتی اس وقت بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ ریحان پراچہ کے جذبوں میں ایک طوفان بپا ہوگیا۔ اس کا دل بہکنے لگا۔ مگر وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ اس وقت جذبات کی زد میں بہنا نہیں چاہئے تھا۔ اس کے لئے بہت وقت تھا۔ ابھی اس کا مقابلہ اشمل خان سے تھا اور اسے اپنی شکست کا بدلہ لینا تھا۔ ہر ممکن، ناممکن طریقے سے۔

Marfat.com

''یہ بہت ضروری ہے مسٹر ریحان! یہ اپنی شکست کا اعتراف نہیں بلکہ وسعت قلبی کی نشانی ہے۔''

''بہت خوب ـــــ میں آپ کی وسعت قلبی کی داد دیتا ہوں مس ہشمینہ! مگر میرا نقطہ نظر کچھ اور ہے۔ میرے طریقے کچھ مختلف ہیں۔ میرے اور میرے ساتھیوں کے کچھ مطالبات ہیں۔'' ریحان پراچہ بولا۔

''ہاں۔ اور یہی مطالبات تم.......''

''نہ ...... نہیں ہشمینہ ابرار!'' ریحان پراچہ نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''میں اپنے مطالبات اشمل خان کے ذریعے نہیں منوا سکتا۔ بلکہ میں اپنی طاقت کا استعمال کر کے ..... یعنی ......'' وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور مسکرایا۔ شفاف میز کی سطح پر ہشمینہ کی گردش کرتی انگلیاں رک گئیں۔

''یعنی ــــ؟''

''یعنی سر حیدر کو اغواء کر کے۔''

''رر ...... ریحان.......'' ہشمینہ کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ اس نے بے یقینی اور خوف کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ ریحان پراچہ کو دیکھا۔

Marfat.com

اُس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ ریحان پراچہ اس حد تک پستی میں گر سکتا ہے۔ ایک ایجوکیٹڈ گھرانے کا لڑکا اتنی اوچھی سوچ بھی رکھ سکتا ہے۔

اُس کا سارا بدن لرز اٹھا۔

ایک محترم استاد کو وہ محض اپنی غرض کے لئے آلۂ کار بنائے گا۔

''اُف خدایا!'' اُس کا سر چکرانے لگا ـــــ اس کی آنکھوں میں شعلے سے لپکنے لگے۔

''ریحان پراچہ ـــــ! تم...... تم سرحیدر کیانی کو کڈنیپ کرو گے؟'' اس نے تحیر آمیز بے یقینی سے دیکھا۔

''مجبوری ہے مس ہشمینہ! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں......''

''شٹ اپ!'' وہ اس کا جملہ کاٹ کر دھاڑی۔ ''تم اتنے کم ظرف ہو، ایسے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرو گے ـــــ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں جس پارٹی کے لئے اتنی تگ و دو کرتی رہی، اپنی ساری محنت جس تنظیم کے لئے صرف کی اس کا لیڈر خود اتنا پست ذہن کا ہوگا۔''

وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور ریحان پراچہ کو قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگی۔ ''ایک استاد کی بے قدری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ خود اس کا اسٹوڈنٹ جسے وہ تعلیم دیتا رہا ہو اس کے بارے میں اتنا غلط سوچے۔ اُسے محض اپنے مفاد کے لئے چارہ بنائے۔ ویری سیڈ ریحان پراچہ! تم نے اپنی برسوں کی تعلیم محض ایک غلط سوچ اور گھٹیا جملے پر ضائع کر دی۔''

اس کی رگوں میں انگارے دوڑنے لگے تھے اور چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''ارے مس ہشمینہ! تم تو سیریس ہوگئیں۔ اتنا ہرٹ ہونے کی کیا ضرورت تھی؟''

ریحان پراچہ ٹپٹا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ہشمینہ اس حد تک مشتعل ہو جائے گی۔ اس کے قریب بیٹھا سراج بھی اس غیر متوقع صورتِ حال پر پریشان ہو گیا۔ اُسے ریحان پراچہ کی جلد بازی پر غصہ آنے لگا۔ کیا ضرورت تھی اسے اپنے مستقبل کے

Marfat.com

پلان سے آگاہ کرنے کی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہشمینہ ابرار ایک مضبوط کردار اور عالی خاندان کی لڑکی ہے۔ جو ایسی حرکتیں تو کیا، غلط بات بھی برداشت نہیں کر سکتی___ اور سچ تو یہ تھا کہ ریحان پراچہ کے حق میں جو ووٹ ڈالے گئے تھے وہ بھی ہشمینہ کے اعلیٰ کردار اور اس کی شرافت کے پیشِ نظر دیئے گئے تھے۔

اب اس کا اس بات پر بھڑکنا تو قدرتی عمل تھا۔

اُستادوں کا احترام کرنے والی ہشمینہ کے لئے یہ بات کسی شاک سے ہرگز کم نہ تھی۔

معاملے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے سراج کیانی سنبھل کر فوراً بولا۔

''پلیز ہشمینہ! آپ بیٹھئے۔ دراصل آپ ریحان کے مذاق کو نہیں سمجھ سکیں۔''

''کیا...... مذاق؟'' وہ یوں اُچھلی جیسے اس کے پیروں کے آگے سانپ ڈال دیا گیا ہو۔ ''یہ مذاق ہے___ نہیں سراج!''

''ہاں ...... ہاں، بالکل۔ یہ محض ایک جوک ہے۔ تم نے سیریس لے لیا ہے۔'' ریحان پراچہ بھی سر ہلانے لگا۔ اسے بھی ماحول کے تناؤ کا اور اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

''ریحان تو ہمیشہ ایسا ہی مذاق کرتا ہے۔ بھلا جس استاد نے ہمیں تعلیم دی ہے ہم اس کے بارے میں ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں؟ اس طرح کے کام کم از کم ہمارے بس میں نہیں ہیں اور نہ ہمارے تصور میں۔'' سراج کیانی کہہ رہا تھا۔ مگر ہشمینہ کا دل اس بات کو مذاق ماننے پر قطعی تیار نہ تھا۔ جس انداز سے ریحان پراچہ نے یہ بات کہی تھی، اس کی آنکھیں جن میں مکروہ ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بھی تھا، وہ بھلا کیوں کر سراج کیانی کے بہلاوے میں آ جاتی۔

''ہم یہ باتیں پھر کسی دن کے لئے اٹھا رکھتے ہیں___ یہ بتاؤ، تم کیا پیو گی، چائے یا ٹھنڈا؟''

تنے تنے ماحول اور متفکر ہشمینہ کو دیکھتے ہوئے ریحان پراچہ نے مسکرا کر موضوع بدل دیا۔ ''جاؤ سراج! ٹھنڈا ہی لے آؤ۔''

''او کے___'' سراج اٹھ کر باہر لپکا۔

''نہیں، پلیز___ تھینک یو! میرا موڈ نہیں ہے اس وقت۔'' ہشمینہ نے جلدی سے انکار کر دیا۔ مگر سراج کیانی اس اثناء میں باہر نکل چکا تھا۔

''اگر یہ مذاق بھی ہے تو بہت بھونڈا بلکہ کسی حد تک نازیبا۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے ریحان پراچہ کی سمت دیکھا اور وہ کھل کر ہنس دیا۔

Marfat.com

''چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔ آج موسم بھی اچھا ہے۔''

اس نے دل آویز تبسم سے اسے دیکھا۔ پھر اٹھ کر اس کی کرسی کے دائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ ''ہشمینہ! کیا تم اپنی پارٹی کو درمیان سے ہٹا کر کسی اور خوشگوار موضوع پر باتیں نہیں کر سکتیں؟''

ہشمینہ کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہماری دوستی کو خاصا طویل عرصہ ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود یوں لگتا ہے کہ جیسے ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ ہمارے درمیان اجنبیت کے طویل فاصلے حائل ہیں۔''
اس کا لہجہ پُرشوق اور خوابیدہ سا تھا۔

ہشمینہ کی روح تک سلگ اٹھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں ایک ساتھ ناگواری کے کئی رنگ لہرائے۔

''مسٹر ریحان! میرا اور تمہارا تعلق صرف پارٹی افیئرز تک ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔'' وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ مگر ایک قدم آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ جلدی سے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

شوق کا ایک جہاں لئے۔

اس کی راہیں مسدود کئے۔

''یہ تو ایک واسطہ تھا۔ یا یوں کہہ لو کہ ایک سیڑھی تھی تم تک ——''

''ری...... حان......'' ہشمینہ نے نفرت اور غصے سے اس کا جملہ کاٹ دیا۔

''تم...... تم نے اپنی پارٹی میں مجھے شریک محض اپنی اسی پست ذہنیت کے لئے کیا تھا۔ اوہ گاڈ —— ریحان! میں نے تمہارے بارے میں کسی سے صرف سنا ہی تھا مگر آج یقین ہو گیا کہ تم......''

''نہیں، نہیں —— پلیز، دراصل میں تو......''

''شٹ اپ!'' اس کا لہجہ انتہائی کرخت ہو گیا تھا۔

''میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ پارٹی افیئرز سے ہٹ کر بھی ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔'' اس نے اسے باہر کی طرف لپکتے دیکھ کر اپنی پوزیشن سنبھالنے کی کوشش کی۔

''منافقت سے کام مت لو —— تمہاری آنکھیں تمہارے اس جھوٹ کا ساتھ قطعی نہیں دے رہیں۔'' اس نے ایک نخوت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

اس کی آنکھوں میں پھیلے مکروہ جذبات اور وحشیانہ چمک کو نفرت سے دیکھا۔

Marfat.com

''براہِ مہربانی آئندہ تم مجھ سے کوئی واسطہ رکھنے کی کوشش مت کرنا ــــ میں تم جیسے منافق اور گھٹیا سوچ رکھنے والے شخص سے بات کرنا تو درکنار صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گی۔'' وہ تنتنا کر بولی اور آفس سے باہر نکل گئی۔

ریحان پراچہ کتنے ہی ثانیے گنگ کھڑا رہا۔

یکلخت ہی اُس کا خون کھول اٹھا۔

آج پہلی بار کسی لڑکی نے اس کی یوں کھلے عام بے عزتی کی تھی۔ اس لڑکی نے جسے شاید اپنے بے پناہ حُسن پر ناز تھا، اپنی پارسائی پر فخر تھا، اس کے منہ پر الفاظ کے بھرپور طمانچے مارے تھے اُس نے۔

اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''اونہہ ــــ بہت زعم ہے تمہیں اپنی پارسائی کا ہشمینہ ابرار! ــــ اس طرح کے بہت سے غرور میں خاک میں ملا چکا ہوں۔ ایسی لڑکیوں کی اکڑ نکالنا جانتا ہوں۔''

اُس نے سامنے رکھی تپائی پر زور سے لات ماری اور سلگتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔

ریحان پراچہ کی فضول باتیں سن کر ہشمینہ کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔ اس سے پھر ایک پیریڈ بھی نہ لیا گیا اور وہ گھر چلی آئی۔

اپنی کم فہمی پر اُسے رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنا عرصہ ریحان پراچہ کو کیوں نہ سمجھ سکی۔ اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتی رہی۔ لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرے۔

بظاہر وہ اسے ایک لاپرواہ اور آزاد طبع بندہ سمجھ کر مطمئن رہی۔ وہ اس کے دل میں پلتے اتنے مکروہ جذبوں سے غافل رہی۔

سوچ سوچ کر اس کی روح کی آگ اور بھی بھڑک رہی تھی۔ ندرت کی کہی ہوئی باتیں اُسے آج سچ ثابت ہوتی لگ رہی تھیں۔ اس نے کتنی بار اس سے کہا تھا۔

''ریحان پراچہ، اسٹوڈنٹس کے مسائل میں ہرگز مخلص نہیں ہے۔ محض مفاد پرستی اور شو آف کے لئے وہ الیکشن میں کھڑا ہوا ہے۔ ریحان پراچہ کے بارے میں اتنا تم نہیں جانتیں جتنا میں اور دوسرے لوگ جانتے ہیں۔ اس نے یہ لبادہ تو اب اوڑھا ہے۔''

ندرت نے ایسے جملے ایک بار نہیں کئی بار کہے تھے اور اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ اس کی بات پر کان نہیں دھرے تھے۔

وہ ساری رات بے قراری سے کروٹیں بدلتی رہی۔

اپنی کم فہمی کا ماتم کرتی رہی۔ خود کو ملامت کرتی رہی۔

Marfat.com

صبح اٹھی تو سارا وجود بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے ناشتہ نہیں کیا اور صرف گرم گرم دودھ پی لیا۔

بھابی نے اُسے دیکھا اور مسکرا دیں۔

''لگتا ہے اشمل خان کی فتح کا دُکھ ابھی گیا نہیں ہے۔''

''نہیں بھابی! اچھے انسان کی فتح پر دکھ نہیں ہوتا۔ چاہے وہ ہمارا حریف ہی کیوں نہ رہا ہو۔'' اس نے کہا تو بھابی بری طرح چونکیں۔

''ایں ___ یہ تم کہہ رہی ہو؟'' انہوں نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا ہو۔

''ہاں، یہی حقیقت ہے ___'' اس نے بھابی کی حیران آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور زور سے ہنس پڑی۔

''یہ تم اتنی اعلیٰ ظرف کب سے ہوگئی ہو؟'' اس نے اپنا بیگ میز سے اٹھانا چاہا اور بھابی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''کہیں اشمل خان کا جادو تو نہیں چل گیا ___ مطلب کیوپڈ کا........''

''جی نہیں ___'' اس نے جلدی سے ان کا جملہ کاٹ دیا اور خفگی سے ان کی طرف دیکھا اور پھر ان کی مسکراتی آنکھوں سے نظریں ہٹا کر جلدی سے بیگ اٹھا کر باہر بھاگی۔

یونیورسٹی آئی تو سڑک پر ہی ندرت اس سے آ ٹکرائی۔

''اے ___ سنا تم نے۔'' وہ جیسے اس کی منتظر تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے متعجب ہو کر اُسے دیکھا۔

''کل شام سر حیدر کیانی کو کسی نے اغواء کر لیا ہے۔ پوری یونیورسٹی میں کھلبلی مچ گئی ہے۔ خاص کر سارے لیکچرارز میں۔''

''کک...... کیا؟'' ہشمینہ اپنی جگہ سُن سی رہ گئی۔ اُسے لگا جیسے اس نے اس کے سر پر پتھر دے مارا ہو۔

''بہت سے اسٹوڈنٹس پر شک کیا جا رہا ہے۔'' ندرت قدرے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں گویا ہوئی۔ مگر ہشمینہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

یہ جگہ ایسی باتوں کے لئے قطعی موزوں نہیں تھی۔ اس نے ندرت کو ایک نظر دیکھا اور پلٹ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔

''ارے ___ مگر تم کہاں جا رہی ہو؟''

Marfat.com

''اشمل خان کہاں ہے؟'' وہ اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پلٹ کر بولی تو ندرت اچھل پڑی۔

''کیا___ کیا___ تم اشمل خان پر شک کر رہی ہو؟''

''شش........آہستہ۔'' اس نے اس کی پاٹ دار آواز پر اسے تنبیہی نظروں سے گھورا تو ندرت کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''میں کسی پر شک نہیں کر رہی ہوں۔ صرف سوال پوچھا ہے تم سے۔'' اس نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا۔

ندرت نے اسے دیکھا۔ شاید اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ کرنا چاہا مگر کچھ نہ جان سکی۔ اس کے چہرے سے سنجیدگی عیاں تھی۔

''وہ ہے۔ یونیورسٹی آیا ہے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''اوکے۔'' اس نے ندرت کے تمام سوالات کو نظر انداز کر دیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''میں جا رہی ہوں گھر۔ سنو، یوں میرے گھر بھاگ جانے پر کہیں تم مجھ ہی پر شک نہ کرنے لگ جانا۔'' اس نے اگنیشن میں چابی ڈال کر ندرت کے ہونق چہرے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو ندرت زور سے ہنسی۔

''بڑی بدتمیز ہو___ مگر یار! تمہارا یوں بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''نہ سمجھ میں آنے والی کوئی بات نہیں۔''

''مگر کچھ پتہ بھی تو چلے۔ یہ آناً فاناً آنا اور جانا......'' ندرت کا آگے کا بقیہ جملہ حلق میں ہی لہرا کر رہ گیا۔ وہ زن سے گاڑی اس کے قریب سے گزار کر آگے لے گئی۔

''عجب گدھی لڑکی ہے۔'' ندرت اُڑتی دھول کو دیکھتی رہ گئی۔ پھر پلٹ کر اندر آ گئی۔

ہشمینہ کے ذہن کے تاروں کو ندرت نے یہ خبر سنا کر جیسے جھنجھوڑ دیا تھا۔ اس کے ذہن کی ساری طنابیں سُن سی ہو گئی تھیں اور سوچوں کی ساری سُوئیاں ایک ہی جگہ اٹک کر رہ گئی تھیں۔

سر حیدر کیانی کا اغواء......جس میں ریحان پراچہ سو فیصد ملوث تھا۔ اُسے اس بات کا یقین تھا۔

'تو ریحان پراچہ! تم نے اپنی پستی میں اُتر کر بالآخر دکھا دیا۔ اپنا یہ رُوپ زیادہ عرصہ نہ چھپا سکے۔'

اس نے گاڑی اپنے بنگلے کے سامنے روک دی اور چلتے ہوئے ذہن کے ساتھ اندر آ

Marfat.com

کر سیدھی اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ امی کو سلام کیا اور نہ بھابی کو منہ دکھایا۔ وہ جانتی تھی بھابی اس کے یوں واپس آ جانے پر ضرور سوال کریں گی اور وہ اس وقت کسی طرح کے جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس کا ذہن سخت پراگندہ ہو رہا تھا۔

ریحان پراچہ کی اس حرکت نے اُسے گہرے دُکھ میں دھکیل دیا تھا۔ اس کی نظر میں استاد کا اغواء گناہِ عظیم تھا۔

ایک لفظ بھی سکھانے والا معلم ہوتا ہے۔ کجا سر حیدر جنہوں نے ان سب کو پورے ایک سال تعلیم دی۔ کورس سے ہٹ کر زندگی کی اُونچ نیچ سے آگاہ کیا۔ اچھے بُرے کی تمیز سکھائی اور سارا سال وہ اپنے لیکچرز میں اخلاق کی اہمیت پر زور دیتے رہے۔ اب خود اپنے ہی ایک اسٹوڈنٹ کے ناشائستہ اور ناروا رویے کا شکار ہو گئے۔

اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون کھول اٹھا تھا۔

ریحان پراچہ سے اُسے شدید ترین نفرت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے گاہے بگاہے اُسے پہلے بھی اپنی باتوں اور رویوں سے شاک پہنچایا تھا مگر آج ـــــ اُس کی رگوں میں نفرت کا زہر دوڑنے لگا۔ وہ اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگی۔

سر حیدر کے اغواء کا صرف اسے ہی علم تھا۔ دوسرے لوگ شکوک و شبہات میں گرفتار تھے اور اس وقت اسے محض خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

اس کے سینے میں طوفان اٹھا۔

یہ راز اسے کھول دینا چاہئے ـــــ مگر کس کے سامنے؟

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔

اُس کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے بنے اور مٹے۔

'ایسی کوئی شخصیت ہو سکتی ہے جو معاون ثابت ہو سکتی ہو؟'

'اوہ خدایا ـــــ کیا کروں؟' اس نے تھک کر ہونٹ چبا ڈالے۔

یکلخت اس کے تصور میں ایک مغرور چہرہ، ایک مضبوط سراپا آ لہرایا۔

وہ شہد رنگ آنکھیں اپنے پورے سحر اور تمام تر رعنائیوں کے ہمراہ تخیل میں آ ٹھہریں۔ ''اشمل خان'' اُس کا دل پوری قوت سے دھڑکا اور کتنے ہی لمحے اپنی اس ناہمواری کے ساتھ دھڑکتا رہا۔

'ہاں اشمل خان ـــــ جو اس وقت اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے گا۔'

اس کے دل نے اشمل خان کو چن لیا اور عقل حیران رہ گئی کہ وہ اشمل خان سے کب

Marfat.com

اور کیسے متاثر ہو چکی ہے۔ کیا محض اس کی فتح نے متاثر کر دیا ہے؟

'اوہ گاڈ ___ ' اُس نے گھبرا کر سر کو جھٹکا جیسے اپنے ذہن و دل کے قریب کسی انجانے سے، نا آشنا سے دُھند کے تنگ ہوتے دائرے سے خود کو بچانے کی سعی کی ہو۔

اور پھر کچھ سوچ کر تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔ مگر پھر سوچ کر اس کے قدم رک گئے۔

اس وقت اشمل خان یقیناً اپنے آفس میں موجود ہو گا اور اس کا فون کرنا اسے دوسروں کی نظر میں مشکوک کر سکتا تھا۔ یوتھ فیڈریشن کا کوئی بھی ممبر اس کی آواز با آسانی پہچان سکتا تھا ___ ضروری تو نہیں تھا کہ اشمل خان ہی فون ریسیو کرے۔

ایک انجانے خوف نے اُسے روک دیا۔ وہ فون کے پاس سے ہٹ گئی۔ اب اُسے انتظار کرنا تھا۔ طویل انتظار کہ کب اشمل خان ہاسٹل پہنچتا ہے۔

اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔ ابھی گیارہ بج رہے تھے۔ اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار گہرے ہو گئے۔ اس نے خود کو بیڈ پر گرا لیا اور تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

پھر نجانے کس لمحے نیند نے آ گھیرا۔ بھابی کی تیز آواز بھی اُسے اُٹھا نہ سکی۔

''اے ہشمینہ! تم کب آئیں؟ ___ اور چھپ کر سو بھی گئیں۔'' ان کی حیرت آمیز آواز اُبھری۔ ''اے ہشمینہ ___ '' بھابی نے جھک کر اسے تقریباً جھنجھوڑ ڈالا۔ ''ایسی گہری نیند ___ توبہ، کب سے آ کر پڑی ہو یہاں؟''

''کیا قیامت آ گئی ہے؟'' اس نے کروٹ بدل کر بھابی کو گھورا۔

''لمبی تان کر سو گئیں۔''

''سونا جرم ہے کیا؟'' وہ اٹھ بیٹھی اور بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی۔

''جرم تو نہیں مگر ___ ''

''میں صبح ہی آ گئی تھی واپس۔''

''ایں...... کیا؟'' بھابی اُچھل کر رہ گئیں۔ ''صبح ___ مگر کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ان کی آنکھوں میں حیرانی، تشویش کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔

''ارے نہیں ڈاکٹر بھابی! طبیعت بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہے۔'' اس نے مسکرا کر ان کا ہاتھ اپنی پیشانی سے ہٹا دیا اور ایک لمبی جمائی لے کر تکیے کو

Marfat.com

اٹھا کر گود میں بھینچ لیا۔ بھابی کھسک کر اس کے قریب آ گئیں۔

"تو پھر بتاؤ نا ـــــ ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ تم واپس آ کر یوں چھپ چھپائے لیٹ گئیں اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔" بھابی کی تفتیشی رگ پھڑکنے لگی۔ تجسس کی لہریں مچلنے لگیں۔ اُسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"آپ کو تو سی آئی ڈی ہونا چاہئے۔ یہ اتنی تفتیش۔"

"نہ بتاؤ ـــــ دفع ہو۔" بھابی خفا ہو کر بیڈ سے کھڑی ہو گئیں۔ "میں تو تمہیں لنچ کے لئے بلانے آئی تھی۔ کچھ خبر ہے ڈھائی بج رہے ہیں۔"

"کیا......؟" بھابی کے جملے پر وہ چونکی۔ "اوہ، ڈھائی بج گئے ـــــ" اُس نے وال کلاک کی طرف دیکھا اور پھر بستر سے چھلانگ لگا کر فون کی طرف لپکی۔

"واقعی مجھے نیند آ گئی تھی۔ وہ بھی بے وقت۔" اس نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے خود کو ملامت کی۔

"کیوں ڈھائی بج گئے ہیں تو کیا ہوا؟" بھابی اس کے یوں اُچھلنے اور فون کی طرف بڑھنے پر حیران ہو رہی تھیں۔ پھر ان کو دوسرا جھٹکا لگا جب ہشمینہ ایک نمبر ڈائل کر کے اشمل خان کو بلانے کا کہہ رہی تھی۔

"جی ـــــ میں اشمل خان خل زئی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ وہ بیس نمبر کمرہ میں ہیں۔ پلیز انہیں بلا دیجئے۔"

بھابی متعجب سی اس کی طرف بڑھیں۔

"ہش...... مینہ......"

"شش......" ہشمینہ نے جلدی سے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ پوچھنے سے باز رکھا پھر جلدی سے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ دوسری جانب اشمل خان کی شستہ اور گمبھیر آواز اُبھری۔

"یس ـــــ اشمل خان اسپیکنگ۔"

"م...... میں ہشمینہ بول رہی ہوں۔" اس کی آواز دھیمی ہوتے ہوئے لڑکھڑائی۔ دوسری طرف ایک لمحے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ بالکل غیر متوقع بات تھی۔ نہ اشمل خان کے گمان میں تھا اور نہ ہشمینہ ابرار نے کبھی سوچا تھا کہ اسے کبھی خود اشمل خان سے رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔

دونوں طرف چند ثانیے خاموشی رہی۔ پھر اشمل خان کی آواز اُبھری۔

Marfat.com

''جی ـــــ خیریت ہے؟''

''جی دراصل مجھے کام تھا آپ سے۔ آپ کو بے وقت ڈسٹرب کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔''

''ارے نہیں ہشمینہ ابرار! مجھے مسرت ہوئی کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا۔ میرے لائق کوئی خدمت؟'' اس کا لہجہ سادہ مگر پُرتجسس تھا۔ ہشمینہ ہونٹ دانتوں میں چبا کر سوچنے لگی پھر جلدی سے بولی۔

''میں سر حیدر کیانی کے اغواء کے سلسلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی جیسے پہلی بار اشمل خان سے مخاطب ہوئی ہو۔ حالات نے ان کے درمیان ایک گہری دیوار خود بخود کھڑی کر رکھی تھی جسے اشمل خان کے رویے اور ہشمینہ ابرار کے غصے نے اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔

ہشمینہ کی انا نے قدم پیچھے روک رکھے تھے ورنہ دونوں اس دیوار کے پیچھے کھڑے عجیب سے خلفشار میں گرفتار اس دیوار کو ڈھانے کے خواہاں تھے۔

''ہوں ـــــ سر حیدر کیانی کا اغواء ـــــ ہاں، بہت پست حرکت ہے۔ مگر تم اس سلسلے میں.......''

''میں یہاں فون پر آپ سے کچھ نہیں کہہ سکوں گی۔ میرا مطلب ہے میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ مجھے وقت دیں گے؟'' اس کی خود اعتمادی آہستہ آہستہ لوٹ رہی تھی۔

''وائے ناٹ ـــــ کل یہیں آفس میں.......''

''نہیں ـــــ'' اُس نے جلدی سے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ ''میں کسی کی نظر میں نہیں آنا چاہتی۔'' اُس نے صاف گوئی سے کہا۔ اشمل خان معاملے کی سنگینی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''اوکے ـــــ پھر جہاں چاہو۔'' اس نے گویا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا۔

ہشمینہ کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔

''کیفے لالہ زار میں......آج شام کو۔'' اُس نے یہ کہہ کر اس طرح پلکیں جھکا دیں جیسے اشمل خان اس کے بالکل سامنے ہے اور اس کی پُرتجسس آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز ہوں۔ اس کی نرم نرم ہتھیلیوں سے پسینہ بہہ نکلا۔

''اوکے ـــــ'' اُس کے منہ سے رضامندی کا ایک لفظ نکلتے ہی ہشمینہ نے جھٹ

Marfat.com

ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پھر ایک گہری سانس لے کر پلٹی تو اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی۔ بھابی ہونق سی کھڑی اس کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھیں۔

''ادھر آئیں ـــــ آپ کو بتا ہی دوں۔ ورنہ خدانخواستہ اتنی پیاری آنکھیں پھٹ ہی نہ جائیں۔'' وہ ان کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی اور ان کا بازو تھام کر انہیں اپنے بیڈ تک لے آئی۔

+++

وہ اُسے اپنے روبرو وارفتگی سے اپنی جانب دیکھتا پا کر کتنے ہی ثانیے گنگ رہی۔ سکون سے گزرتے ہوئے شب و روز میں اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ شخص مجنوں کا جانشین یہاں تک پہنچ جائے گا۔

'یا خدا ـــــ اس سے کیا چوک ہو گئی؟' اس کے جسم سے پسینہ موتی کی لڑیوں کی صورت بہنے لگا۔

''میں نے اس دہلیز پر قدم رکھتے ہی شدت سے یہ دعا مانگی تھی کہ یا رب دیدار محبوب نصیب ہو۔'' اس کی آواز تیر کی طرح اس کی سماعت سے ٹکراتی ہوئی اس کے دل میں پیوست ہو گئی۔ مارے خوف کے اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ اس کی قوتِ گویائی سلب ہونے لگی۔ وہ آڑی ترچھی شوخ نگاہیں اس کے جسم کے آر پار ہو رہی تھیں۔

''آ.......آپ کیوں آئے ہیں؟'' اس نے بے حد مشکلوں سے پھنسی پھنسی آواز کھینچ کر باہر نکالی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ کیونکہ وہ اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ مسکراتا، بے حد نڈر انداز لئے جو اس کے خوف نے اُسے بخش دیا تھا۔

''ارے یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔'' وہ زور سے ہنسا۔ ''صرف تمہیں دیکھنے آیا ہوں سحر گل! صرف تمہیں۔''

''اُف ـــــ وہ یوں بدک کر پیچھے ہٹی جیسے اس کے پیروں میں کسی نے بم رکھ دیا ہو۔ اس کی پیشانی جلنے لگی۔ رسوائی کا خوف اس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔

''شرم آنی چاہئے آپ کو ـــــ ایک شریف لڑکی کو بلا وجہ تنگ کر رہے ہیں۔ میں تو آپ کو جانتی تک نہیں۔'' اس نے اپنی پوری ہمتیں مجتمع کر لیں۔ آج وہ نڈر بن کر گھر تک آ گیا تھا، کل کلاں کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ اندر ہی اندر لرزنے لگی۔ وہ اپنے آپ میں ہمت پیدا کرنے لگی۔ اس نے ایک سرسری نگاہ سنسان گلی میں ڈالی اور پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

Marfat.com

وہ بالکل خائف نہیں تھا۔ اُلٹا اس کے جملے پر تمسخرانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''میں اپنے بھائی سے آپ کو مار بھی لگوا سکتی ہوں۔''

''ہوں..... خوب..... میں نے تم سے محبت کی ہے ڈیئر! اور پھر تم نے بھی تو میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ میں اس سفر میں تنہا ہرگز نہیں ہوں۔''

''کیا___'' اُس کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''جھوٹ بول رہے ہو تم___ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ورنہ___'' اس کی آواز غصے کی یورش سے پھٹنے لگی۔

''خط و کتابت تو جاری رہی ہے نا ہمارے درمیان۔''

''ذلیل انسان___'' بے اختیار اس کا ہاتھ اٹھا اور اس کے رخسار پر آ پڑا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی خونخوار آنکھوں سے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تمہاری اس حرکت پر میں بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر خیر___'' وہ اچانک نرم پڑ گیا۔ ''تم سے محبت جو کرتا ہوں۔''

''چھوڑو میرا ہاتھ۔'' اس نے جھٹکے سے اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑا لی اور دروازہ بند کرنے کی سعی کی۔ مگر وہ پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

''چلا جاتا ہوں___ مجھے بھی تمہاری عزت بہت عزیز ہے۔ اور اس گھر کی بھی۔ میں تمہیں پریشان کرنے قطعی نہیں آیا ہوں۔''

''تو پھر کیوں آئے تھے؟'' وہ سلگ ہی تو گئی۔ کس مزے سے وہ اسے جتا رہا تھا کہ وہ اسے پریشان کرنے نہیں آیا تھا جیسے وہ ابھی سرِ راہ اُسے عزت کی بلندیوں پر ہی تو پہنچا رہا تھا۔

''چلے جاؤ تم، خدا کے لئے۔ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہو___ اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں جنہیں تم___'' اس کی آنکھیں بے بسی کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔

امی، ماہی اور بھابی___ گھر میں سب ہی موجود تھیں۔ اس وقت کوئی بھی یہاں آ سکتا تھا یا پھر اس گلی میں کسی کی بھی آنکھیں یہ تماشا دیکھ سکتی تھیں۔ اس کے بعد اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

''تم شام فضہ کے گھر آنا___ وہیں باتیں ہوں گی۔'' وہ گیٹ سے ہٹ کر دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

Marfat.com

''فض.........ضہ......'' وہ ہکلائی۔

''ہاں۔۔۔ تیسری گلی کی وہی لڑکی جو تمہاری بہت اچھی دوست ہے۔ ہاں، میری بھی بہت غمخوار سی کزن ہے۔ اچھا۔۔۔ بائے۔'' وہ پلٹا مگر پھر کچھ سوچ کر اس کی طرف مڑا۔

''اگر نہ آئیں تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔'' اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ کتنے ہی ثانیے گنگ کھڑی رہی۔۔۔ اپنے اطراف کھڑی ان اونچی اونچی دیواروں کی طرح۔ فضہ کے گھر...... شام کو...... فضہ...... اُس کا دماغ چکرانے لگا۔ تو وہ فضہ کمال کا کزن ہے۔ یہ افسوس ناک انکشاف اس کے کلیجے میں تیر کی طرح لگا تھا۔

اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا اور اسی دروازے سے سر لگا کر بلک اٹھی۔

''مولا! میں بہت کمزور ہوں۔۔۔ اتنی بڑی آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ رحم کر خدایا۔۔۔ رحم کر!''

ابھی تک اس کے جملے سر پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ مگر ملنے کا حکم وہ اسے دے گیا تھا۔ یہ اس کی عزت کی موت ہی تو تھی۔

اب ایک شریف گھرانے کی بیٹی، ایک آوارہ اور بد قماش لڑکے سے ملاقاتیں کرنے جائے۔

'ہائے اللہ۔۔۔ میں کہاں جاؤں؟' وہ بے قراری سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

اچانک دروازہ کھلا تو وہ دھکا کھا کر آگے اُچھلی۔

''ارے۔۔۔ تم یہاں کیوں کھڑی تھیں؟'' فروان اس کے دھکا لگنے پر گھبرا گیا۔

''آں..... ہاں.....نہیں وہ بس ایسے ہی۔'' اس نے جلدی سے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹتے ہوئے کہا اور تقریباً بھاگ کر پورٹیکو کے ساتھ لان بھی عبور کر گئی۔ فروان اُسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔

بکھرے بال، متوحش چہرہ، روئی روئی آنکھیں۔ اور اس وقت مین گیٹ پر اس کا کھڑا ہونا۔ وہ اُلجھ سا گیا۔ کوئی بات ہے ضرور۔ وہ سوچنے لگا۔ وہ اندر آیا تو سامنے ہی ماہ گل آپی اُسے نظر آئیں۔

''تم آ گئے فرو۔۔۔ کیا بات ہے؟'' انہوں نے اس کے چہرے پر تردد کی پرچھائیں دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔

''سحر کہاں ہے؟'' وہ ان کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

Marfat.com

''شاید کمرے میں ہے ـــــ کیوں، خیریت تو ہے؟'' ماہ گل کا ماتھا ٹھنکا۔ ''کیا بات ہے فروان؟''

''ارے نہیں ـــــ کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی کام تھا۔'' اس نے ماہ گل آپی کے چہرے پر پھیلتی تشویش کو دیکھا تو جلدی سے سر جھکا کر بے مقصد مسکرا دیا۔

''فروان! ـــــ ماہی! اِدھر آؤ۔ فون ہے شاہ خانم کا۔'' امی کی آواز پر دونوں چونک پڑے۔

''فون ہے آنٹی کا ـــــ بڑے دنوں بعد یاد کیا ہمیں۔'' وہ مسکرایا۔

''ہاں ـــــ میں نے اشتارا سے کہا تھا کہ تم تو فون ہی نہیں کرتیں۔'' ماہی آپی مسکرا اُٹھیں۔ فروان ان کے پیچھے لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

سحر گل کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں کسی نے بہت سے انگارے پکڑا دیئے ہوں۔ اُسے جلتے شعلوں میں دھکیل دیا گیا ہو۔

بدنامی، رُسوائی، جلتی آگ ہی تو ہے۔ ایک بھڑکی ہوئی آگ جس کے بعد کچھ باقی نہیں رہتا۔ صرف راکھ کا ڈھیر ـــــ 'نہیں، مجھے اس آگ میں خاکستر نہیں ہونا۔ خدایا، میرے دامن کو اس آگ سے بچائے رکھنا۔'

کرب سے اس نے آنکھیں بھینچ لیں۔

گھڑی کی سوئیاں بہت تیزی سے چکر لگا رہی تھیں۔ اس کے دل کی حالت سے بے خبر۔ وقت تیزی سے سرک رہا تھا۔

دھوپ تیزی سے ڈھل رہی تھی اور شام کے سائے دریچوں پر پھیل رہے تھے۔ اس کے ذہن میں بے اختیار جھماکا سا ہوا۔ ایک خیال بجلی کی طرح چمکا۔ وہ تیزی سے فون کی جانب لپکی۔ فضہ کمال کا فون نمبر اُسے زبانی یاد تھا۔ اس نے سوچا فضہ یقیناً اس سارے معاملے سے آگاہ ہوگی۔ وہ اس کی اچھی اور بہترین رفیق ہے۔ یقیناً اس کی مدد کرے گی اور اپنے کزن کو اس گھناؤنی حرکت سے باز رکھے گی۔

اس نے دھڑکتے دل اور ڈھیر ساری امیدوں کے ساتھ فضہ کا نمبر ڈائل کیا تو دوسری جانب فضہ کی کھنکتی آواز اُبھری۔

''فضہ! میں سحر گل بول رہی ہوں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''ارے سحر! تو ـــــ کیسے یاد کر لیا ـــــ وقت مل گیا مجھ جیسی بے کار سی لڑکی سے بات کرنے کا؟'' اُس نے حسب عادت اُسے لتاڑا۔ ''پورے پندرہ دن بعد اپنی آواز سنا

Marfat.com

رہی ہو کم بخت! میں تیری طرف ہی آنے کا سوچ رہی تھی مگر پھر سوچا چھوڑو ایسی بے مروّت اور بے وفا لڑکی کا منہ دیکھنے سے کیا فائدہ۔" وہ اپنی کہے جا رہی تھی۔

"فضہ!" سحر گل کی سسکاری نکل گئی اور فضہ بری طرح چونکی۔

"کیا بات ہے سحر گل! تم رو رہی ہو ـــــ ایں، کیا ہو گیا ـــــ گھر میں تو خیریت ہے نا؟ تمہارا بلڈوگ تو ٹھیک ہے یا پھر......"

"سب ٹھیک ہے، سوائے میرے۔" وہ فون کو اسٹینڈ سے اٹھا کر صوفے کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے رندھے لہجے میں بولی۔

"یار سسپنس مت پھیلاؤ ـــــ کیا ہو گیا ہے ـــــ بتاؤ نا!" فضہ کی آواز میں تشویش اُمڈ آئی۔

وہ کتنے ہی ثانیے بے آواز آنسو بہاتی رہی اور اپنی آواز صاف کرنے لگی یا شاید اُسے بتانے کے لئے مناسب لفظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"سحر! بتاؤ نا ـــــ کیا بات ہے؟ یار! اب مجھے غیب کا تو علم ہے نہیں کہ صرف آنسوؤں سے سب کچھ جان لوں۔ ہاں البتہ میرے لب نمکین ہو گئے ہیں۔ شاید تمہارے آنسوؤں کا ذائقہ چکھ رہی ہوں۔" وہ آخری جملہ اسے نارمل کرنے کے لئے بولی۔ مگر سحر گل نے جیسے اس کا کوئی لفظ سنا ہی نہیں یا سمجھ نہ سکی۔ دھیرے سے بولی۔

"فضہ! میرا مسئلہ تمہارے گھر تک بھی آ سکتا ہے ـــــ یا شاید وہیں سے شروع ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی تمہارے اس کزن کو نہ اس کے نام سے واقف ہوں۔ میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ ایک آوارہ مزاج شخص ہے اور مجھے رسوائیوں میں دھکیلنے کے درپے ہے۔"

"سحر!" فضہ کا لہجہ ایک دم ڈھیلا ہو گیا۔ "کہیں تم منصور کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہو؟"

"میں اس کا نام نہیں جانتی۔" اس کا رُندھا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "وہ شخص میری زندگی میں رسوائیاں بھر دینا چاہتا ہے۔ یہ محبت کا کون سا طریقہ ہے فضہ! یوں سرِ عام ایک لڑکی کو تکتے رہنا، پھر اُسے محبت نامہ بھیجنا۔ اور ایک دن اس کے گھر تک چلے آنا اور دھمکی کے ساتھ اسے ملاقات کا حکم دینا۔" وہ بپھر پڑی۔ کوئی تو تھا اس کا ہمدرد وغمگسار ـــــ اس کی باتوں کو سن کر اسے ملامت نہ کرنے والا بلکہ اس کا حل سوچنے والا۔

"میں مر جاؤں گی فضہ! اسے سمجھاؤ ـــــ وہ جس راستے پر خود ہے، اسی پر مجھے بھی گھسیٹنا چاہتا ہے۔ وہ سراسر تباہی کا راستہ ہے۔"

Marfat.com

''ٹیک اِٹ اِیزی سحر!'' فضہ کی آواز اُبھری۔ ''میں شاید کچھ بھی نہیں سمجھ سکی۔ سوائے اس کے کہ منصور کا اگلا ٹارگٹ اب تم ہو۔''

''کیا ......تم ان سارے معاملات سے لاعلم ہو؟ جبکہ اس نے آج مجھ سے ملنے کا مقام تمہارا گھر ہی چنا ہے۔'' سحر گل کے لہجے میں حیرانیاں سمٹ آئیں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا، فضہ کمال اس بات سے لاعلم ہو جبکہ وہ لڑکا جس کا نام منصور ہے اسی کے گھر اسے بلا رہا تھا۔

''نہیں فضہ! تم پہلو تہی کر رہی ہو ___ تم جانتی ہو سب کچھ ورنہ ___''

''بائی گاڈ سحر! اس نے مجھے ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ مگر ہاں ___'' وہ چونکی۔ ''وہ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی آیا ہے اور مجھے سٹنگ روم میں بلا رہا تھا۔ بقول اس کے وہ مجھ سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہے۔ آئی تھنک وہ اہم باتیں یہی ہوں گی ___ اُسے پتہ ہے کہ آج مما اور پاپا ایک پارٹی میں جا رہے ہیں شام چار بجے۔ اُس نے تمہیں کون سا وقت دیا ہے؟'' فضہ نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں سوچ اور تشویش کے رنگ بھر گئے۔

''پانچ بجے ___'' اُس نے یوں بتایا جیسے اپنی موت کا مقررہ وقت اُسے بتا رہی ہو۔ اور پھر ایک تیز سسکاری لے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ہوں...... بڑا مکار ہے وہ۔'' فضہ نے ایک گہری سانس کھینچ کر باہر نکالی۔ ''وہ میرا سیکنڈ کزن ہے ___ میری تائی کا پوتا۔ شروع ہی سے اس کا ہمارے گھر بہت کم آنا جانا ہے۔ دراصل تائی پہلے ہمارے قریب ڈیفنس میں رہتی تھیں۔ پھر ہم لوگ دور چلے گئے، میرا مطلب ہے یہاں آ گئے۔ مگر وہ آتا رہا۔ بہت آزاد اور بے باک طبیعت پائی ہے مسٹر نے۔'' وہ رکی، پھر دھیرے سے بولی۔ ''وہ تمہیں کب سے جانتا ہے ___ کسی اور کو اس معاملے کی خبر ہے؟''

''صرف ماہی آپی جانتی ہیں۔ جب اس نے خط دیا تھا مجھے اور اس کے بعد ایگزام کے ختم ہونے پر گھر بیٹھ گئی تھی تو مجھے بھی سکون ہو گیا تھا اور ماہی آپی بھی مطمئن تھیں۔ مگر اب وہ گھر تک آ گیا ہے۔'' اُس نے فضہ کو ساری تفصیل بتا دی۔ ''میں نے یہ بات ماہی آپی کو نہیں بتائی فضہ! تم نہیں جانتیں جب وہ اس کا خط پڑھ رہی تھیں تو اس وقت مجھے کتنی ذہنی اذیت ہوئی تھی۔ مجھے اپنا آپ بے حد حقیر اور پست لگا تھا۔ میں مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ اب میں انہیں بتا کر ویسے ہی عذاب سے دوچار نہیں ہو سکتی اور پھر جب کہ ان کے پاس کوئی حل بھی نہیں۔''

Marfat.com

''میں جانتی ہوں تمہارا پرابلم سحر! ٹیک اِٹ ایزی۔'' فضہ نے اسے از حد آزردہ ہوتے دیکھ کر تشفی دی۔ ''سنو، میں تمہیں ایک گھنٹے بعد فون کروں گی۔ وہ آیا بیٹھا ہے۔ ذرا اس کا بھی تو حالِ دل سنوں۔'' وہ ہنسی۔ سحر گل کے اندر کرب کی ایک تند لہر دوڑ گئی۔

''اُسے سمجھانا فضہ! ورنہ میں جیتے جی مر جاؤں گی۔ ایک شریف گھرانے کی بیٹی کے لئے یہی اذیت کیا کم ہے کہ وہ کسی کی ہوس زدہ نگاہوں کے حصار میں ہے۔ اب لوگ گھر پر انگلی اٹھائیں گے ــــ نہیں فضہ! ایسا نہیں ہونا چاہئے۔''

''تم فکر مت کرو ــــ میں اُسے سمجھاؤں گی۔ اچھا، خدا حافظ۔ اور ہاں، ایک گھنٹے کے بعد میں فون کروں گی۔ تم انتظار کرنا۔'' فضہ نے فون رکھ دیا۔

وہ خود بھی ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس پر سر جھکا کر بقیہ آنسو بھی بہانے لگی۔

وہ اپنے آپ کو سخت بے اختیار محسوس کر رہی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کی عزت اس چراغ کی مانند ہے جسے تیز ہوا میں رکھ دیا گیا ہو اور آنے والا کوئی بھی تیز ہوا کا جھونکا اسے بجھا دے گا۔

اس کی روح تک تھرا اٹھی۔

کیا فضہ اُسے سمجھا لے گی؟ ــــ اُسی کی منتیں کر کے ہی۔ مگر...... کیا وہ اس کی منتوں اور التجاؤں کو شرف قبولیت بخشے گا؟''

اس کی آنکھیں اس کے تصور میں آئیں تو اُسے جھرجھری آ گئی۔

زندگی کے گزرتے لمحوں میں تو اُسے گمان بھی نہ ہوا تھا کہ وہ یوں اچانک کسی آہنی جال میں جکڑ لی جائے گی۔ یوں سرِ راہ چلتے محبتوں پر تو اسے کبھی یقین ہی نہ تھا۔ اس نے کتنے قصے سن رکھے تھے۔ اس کی کالج کی لڑکیاں خود ایسے قصے کہانیوں میں ملوث تھیں اور وہ انہیں دیکھ کر دکھ سے سوچتی تھی کہ محبتیں اتنی ارزاں کب سے ہو گئیں۔ محبتوں کی مقدار اتنی وافر کہاں ہے۔ کہ اب یوں راہ چلتے ہوئے ملتی رہیں۔ محبت کوئی عام سا پھول تو نہیں ہے کہ سرِ راہ اور ہر گھر کے باہر نکلی ہوئی کیاری میں اُگا ہوا ہے۔ وہ تو ایسا نادر پھول ہے جو ہزاروں کانٹوں میں کہیں گھرا، چھپا ہوتا ہے۔ اسے بہت محنت اور جانفشانی سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر اس طرح راہ چلتے ہوئے محبتیں ملتی رہیں تو ہر گھر خوشیوں کا گہوارہ نہ ہوتا ــــ ہر آنگن میں سراؤں کے دیے نہ جھلملا رہے ہوتے...... آہ، مگر اب تو وہ خود ایسی سستی محبت کے جال میں جکڑ گئی تھی۔ اس کے لئے ایسی محبت کبھی بھی کشش کا باعث نہ رہی تھی۔

Marfat.com

اُس نے ماہی آپی کو دیکھا جو بے لوث اور پُرخلوص محبت کے لئے جانے کب سے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھیں۔

اُس نے شاردا بھابی کو دیکھا تھا جو بے لوث خدمت کے بدلے صرف چند قطرے محبت کی خواہاں تھیں۔ مگر اب بھی ان کے نصیب میں وہ ٹمٹماتا دیا نہیں رقم ہوا تھا۔

اب وہ بھلا کیسے، کیوں کر منصور کی ایسی اوچھی محبت پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی جبکہ اس کے سامنے رسوائی سے بھری شاہراہ پھیلی تھی۔ تاریک اور آگ اُگلتی۔

اچانک فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔ وہ بری طرح چونکی۔ فون چونکہ اس کی گود میں پڑا تھا، اس نے حیرت سے دیکھا اور پھر دوسری گھنٹی پر ہی ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب فضہ کمال تھی۔

''ہیلو سحر! تم پانچ بجے میرے گھر آ جانا۔'' وہ اس کی آواز سنتے ہی بولی۔ اور سحر گل کو اپنا آپ چکراتا محسوس ہوا۔

''فضہ..... فضہ......''

''ہاں سحر! دیکھو، ضرور آ جانا ـــــ خدا حافظ۔'' دوسری جانب رابطہ کٹ گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ریسیور کو گھورتی رہ گئی۔

✦✦✦

شاہ خانم تو منہ لپیٹے اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ بدلتے موسم نے ان پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ زکام نے ان کی خوبصورت ناک کو قابل رحم بنا دیا تھا اور ایسے میں وہ از حد چڑچڑی ہو رہی تھیں۔ ملنا جلنا بھی ترک کر کے کمرے میں بند تھیں۔

ایسے میں اشتارا نے گل بی بی کے گھر جانے کی اجازت بابا خان سے مانگی تھی تو انہوں نے بلا تردّد اُسے اجازت دے دی۔

گل بی بی کے گھر کے لئے اجازت لینا ہمیشہ اس کے لئے دشوار تھا۔ شاہ خانم کی ڈھیر ساری خفگی، ان کا غصہ برداشت کر لینے کے بعد بھی اکثر وہ مایوس ہی لوٹ آئی تھی۔ اور آج جب کہ شاہ خانم کی طبیعت بھی ناساز تھی اور موڈ بھی۔ اُس نے یوں ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے ان کے کمرے کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ تبھی بیٹھک میں بابا خان نے اسے روک لیا اور اُسے گل بی بی کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔ وہ خوش ہو گئی۔

''اشتارا!'' بابا خان نے اُس کے دمکتے ہوئے چہرے کو محبت سے دیکھا۔ ''کیا گل بی بی سے بہت محبت ہے تمہیں؟'' ان کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور خوشی بھی۔ اشتارا نے

Marfat.com

انہیں دیکھا۔

''اُن سے خونی رشتہ ہے میرا بابا خان! اور وہ آپ کی بہن، میری پھوپھی ہیں۔ میرا یہ عمل تو فطری ہے۔'' اس نے سچائی سے کہا تو بابا خان کا چہرہ چمک اٹھا۔ انہوں نے ایک گہری اور قدرے طمانیت بھری سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا۔

''تم شاہے سے بہت مختلف ہو اشتارا بیٹی! میں اکثر سوچتا ہوں کہ...... خیر۔'' انہوں نے لب بھینچ لئے۔

''جی بابا خان!'' وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ان کے خاموش ہو جانے پر بولی۔

''نہیں ..... کچھ نہیں۔ تم جاؤ۔ اور ہاں، جلدی آ جانا۔'' انہوں نے سر ہلاتے ہوئے تاکید کی اور دوسرے ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ خوش اور مسکراتی ہوئی بیٹھک سے باہر آ گئی۔

خوشی اور غم میں اُسے شاندانہ ہمیشہ یاد رہتی تھی۔ شفیق اور محبت کرنے والی گل بی بی کو ان جذبوں میں وہ ہمیشہ اپنے دل میں موجود پاتی تھی۔ وہ بے پناہ خوش تھی۔

ایک الوہی کیفیت میں گرفتار۔

ذولین خان نے اُسے کیسا فخر بخش دیا تھا کہ وہ بہت معتبر ہو گئی تھی۔ اس سیاہ ڈائری کا ایک ایک لفظ اب بھی اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا۔ اس کی رگوں میں دوڑتے خون میں طمانیت انگیز ٹھنڈک بھر رہا تھا۔ یہ احساس کتنا خوش آئند تھا کہ بظاہر بے حس اور بدمزاج نظر آنے والا وہ شخص اس کے لئے روشنی بنا ہوا ہے۔

سرشارئ وقت سے وہ اب آگاہ ہوئی تھی۔

سرسراتے ریشمی لمحے اس کے اطراف جیسے بکھر گئے تھے۔

زندگی کی ساری رنگینیاں، ڈھیر ساری خوشیاں اس کی منتظر تھیں اور اپنی اس بہکی بہکی بدمست خوشی میں وہ اپنی پیاری شاندانہ کو کیسے بھول جاتی۔ وہ گل بی بی کے گھر آئی تو شاندانہ اُسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

''کیسے یاد آ گئے ہم لوگ حویلی کی خان زادی کو؟'' وہ اس سے لپٹتے ہوئے شکوہ کرنا قطعی نہ بھولی۔

اشتارا نے محبت سے اسے گھورا۔

''حویلی کی خان زادی نہیں، اشتارا کہو۔ اس لئے کہ تمہارے پاس اشتارا آئی ہے۔ شکوہ تم خان زادی سے ہی کرنا۔'' وہ یہ کہہ کر مسکرائی تو شاندانہ نے اسے دیکھا۔ اس کی

Marfat.com

سنہری آنکھیں دمک رہی تھیں اور بے تحاشا سرخ لب انوکھے اور دلفریب انداز میں مسکراہٹ بکھیر رہے تھے۔

''کیا بات ہے ـــــ بہت خوش لگ رہی ہو۔'' اس نے اپنی عادت کے مطابق اسے کھوجتی نظروں سے گھورا مگر دوسرے ہی لمحے اشتارا نے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر اپنے دونوں نرم ہاتھ رکھ دیئے۔

''بس بس ـــــ نظر مت لگا دینا۔''

''کیا ـــــ کیا ـــــ'' وہ اس کے ہاتھ ہٹا کر چیخی تو اشتارا بھرپور قہقہہ لگا کر اس سے بچنے کے لئے اندر بھاگی۔

''ارے اشتارا بیٹی! تم آئی ہو۔'' گل بی بی اسے دیکھ کر پلنگ سے اٹھنے لگیں۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے گل بی بی؟'' وہ انہیں سرِ شام بستر پر دیکھ کر گھبرا گئی اور ان کے قریب آ گئی۔

''ہاں ـــــ طبیعت تو بہتر ہے۔ شکر ہے اللہ کا۔ بس ذرا ٹھنڈک نے پیروں کو جیسے جما کر رکھ دیا ہے۔ بے کار سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ بتاؤ، حویلی میں خیریت تو ہے ـــــ کس کے ساتھ آئی ہو تم؟''

''بابا خان سے اجازت لے کر آئی ہوں۔ شاہ خانم کی طبیعت ناساز ہے۔ انہیں زکام ہو رہا ہے۔''

''ہاں، برف پگھل رہی ہے ـــــ شروع دنوں میں یہی سب ہوتا ہے۔ کل ذولین بھی آیا تھا، اسے بھی حرارت تھی۔'' گل بی بی کے منہ سے ذولین کی بیماری کا سن کر وہ پریشان ہو گئی۔

''اکیلا انیکسی میں پڑا رہتا ہے ـــــ نہ اپنا دھیان رکھتا ہے نہ کچھ۔ میں نے کہا بھی کہ میرے گھر ہی دو دن رہ لے مگر غیرت تو ان لڑکوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے ـــــ مجال ہے جو ایک گھنٹے سے زیادہ کبھی یہاں بیٹھا ہو۔ کبھی تو ہوا کے گھوڑے پر سوار آتا ہے۔'' گل بی بی کے لہجے میں اس کے لئے محبت بھی تھی اور تشویش بھی۔

''ویسے اماں! آپ نے دیکھا نہیں، بخار میں بھی ذولین لالہ خوب چہک رہے تھے ـــــ شاید زندگی میں پہلی بار وہ اتنی زیادہ بار مسکرائے تھے۔'' شاندانہ نہ جانے کب سے اشتارا کی کرسی کی پشت کے پاس کھڑی تھی، جھک کر بولی اور پھر اشتارا کو دیکھتے ہوئے بولی۔

Marfat.com

''اور آج اشتارا بھی بڑی خوش ہے امی! آپ نے غور نہیں کیا، اس کا چہرہ عام دنوں سے کہیں زیادہ دھنک بکھیر رہا ہے۔ یہ سردی کا تو غالباً اثر نہیں۔ بات کچھ......''

''بہت بدتمیز ہے۔'' اشتارا نے اسے بازو پر زور سے چٹکی لی۔ ''فضول مت بکو۔ کم از کم گل بی بی کا ہی خیال کر لو۔'' اس نے آہستگی سے اُسے ڈپٹا۔

''خدا ہمیشہ خوش رکھے سب کو۔ جاؤ، تم ذرا قہوہ بنا لاؤ اس کے لئے۔'' گل بی بی نے شاندانہ سے کہا تو وہ پلٹی اور تبھی پُر زور انداز میں مسکرائی۔ ذولین خان اندر داخل ہوا تھا۔

''آیئے، آیئے ذولین لالہ! ___ آج تو ہمارے گھر چاند اور سورج ایک ساتھ اُتر آئے ہیں۔'' اس کے جملے پر اشتارا چونک کر پلٹی تو ذولین پر نگاہیں پڑیں۔

وہ شاندانہ کی اس شرارت کو نظر انداز کرتا گل بی بی کے پاس آیا تو اسے دیکھا اور بے حد دلفریب انداز میں مسکرایا۔ مسکراہٹ میں بے تکلفی اور اپنائیت کا ملا جلا تاثر تھا۔

اس کی مسکراہٹ میں بے حد خوبصورت رنگ تھے جو اشتارا کے رخساروں کو سرخ کر گئے۔ اس نے اپنی بھاری پلکیں جھکا دیں۔

''آؤ ذولین! ابھی میں تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی اشتارا سے۔'' گل بی بی بولیں۔ وہ ان کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اشتارا کے بالکل سامنے۔

''اس کی موجودگی میں بھی میرا ہی ذکر کرتی ہیں آپ ___ بہت خوش نصیب ہوں میں۔'' اُس نے اچٹتی نگاہ اس کے گرم ہوتے رخساروں پر ڈال کر گل بی بی کو دیکھا تو وہ ہنس دیں۔

''تمہاری طبیعت اب کیسی ہے ___ کل تو بخار میں پھنک رہے تھے۔'' انہیں اچانک یاد آ گیا تو اس کی کشادہ پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

''ارے اتنا معمولی بخار میرا کیا بگاڑ لیتا گل بی بی! آپ بھی خوب ہیں۔ ابھی تک یاد رکھا ہے اس بخار کو۔''

''شاید تم سے یہی ذکر کر رہی ہوں گی گل بی بی ___'' اس نے براہِ راست اسے مخاطب کیا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ گل بی بی کے گھر وہ اس سے اس طرح بے تکلفی سے بات کر رہا تھا ___ کم از کم شاندانہ کے لئے یہ لمحہ حیرت تھا۔ اس نے چونک کر ذولین کو دیکھا اور پھر زیر لب مسکرا دی۔ گویا صلح ہو گئی تھی۔ وہ بھی بے حد شاندار طریقے سے۔

اُسے واقعی بے حد مسرت ہوئی اور ساتھ ہی تجسس کی لہر اٹھی کہ یہ انقلاب کب اور کیسے آیا۔

Marfat.com

اشتارا اس کی نگاہوں سے خود کو پگھلتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے استفسار پر چونکی۔

''ہاں ـــــ آپ نے مجھے یا حویلی میں کسی کو بھی نہیں بتایا۔ کم از کم بابا خان کو ہی بتا دیتے۔'' اس کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ وہ ان لوگوں سے اتنی غیریت برت رہا تھا یا اپنی طرف سے اتنا لاپرواہ تھا۔

''ارے آپ لوگوں نے تو میری اتنی بیماری کو ہوّا بنا لیا ہے گل بی بی! کیا اتنی سی بے معنی بات کا پروپیگنڈا کرتا میں۔''

''پاگل ہو تم تو۔'' گل بی بی نے اسے گھورا۔ ''اتنی لاپرواہی اچھی نہیں ہوتی۔ کل کلاں خدانخواستہ کوئی بڑی بیماری بھی ہوگئی تو تم یونہی لاپرواہی برتتے رہنا۔''

''بڑی بیماری کا علاج وہ خود ہی ڈھونڈ لیں گے اماں! ہوسکتا ہے ڈھونڈ بھی لیا ہو۔'' شاندانہ ذو معنی لہجے میں بولی تو ذولین خان نے اس کی بات کا پسِ منظر سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ارے تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ میں نے تمہیں قہوہ بنانے کے لئے بھیجا تھا۔'' گل بی بی نے اُسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا تو وہ گھبرا کر باورچی خانے کی جانب بھاگی۔ اشتارا بھی کرسی سے کھڑی ہو کر اس کے پیچھے لپکی۔

''پوچھ سکتی ہوں کہ یہ خوبصورت انقلاب کس دن، کس وقت اور کس طرح پیش آیا۔'' شاندانہ پانی سے بھری پتیلی چولہے پر چڑھاتے ہوئے بولی تو اشتارا نے باورچی خانے کی کھڑکی سے پشت ٹکا کر اُسے دیکھا۔

''مجھے تو تم دونوں بلا وجہ احمق بنا رہے ہو۔ اور بالا ہی بالا نہ جانے کب صلح کر لی۔ نہ صرف صلح بلکہ......اے، یوں کیوں گھور رہی ہو ـــــ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔'' وہ اس کی سنہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ ''کہو، ہے نا؟''

''ہوں ـــــ کیا کہوں، کیا بتاؤں۔ الفاظ ہی نہیں میرے پاس۔'' اس نے اپنی خوابیدہ پلکیں موند لیں۔ شاندانہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیوں ـــــ کیا صرف آنکھوں کی زبان میں گفتگو ہوئی ہے یا مسکراہٹوں کی زبان میں؟''

اس کی بات پر اشتارا کا چہرہ سرخ ہو گیا ـــــ 'کتنا سچ کہا شاندانہ نے۔' اُس نے سوچا۔

ذولین خان کی مسکراہٹ میں بہت خوبصورت گفتگو ہی تو ہوئی ہے۔ جس کا مفہوم اس

Marfat.com

کا ذہن لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ لیتا تھا۔

''کیوں ـــــ ٹھیک کہا نا؟''

''بہت بدتمیز ہوگئی ہو شان ـــــ!'' اس نے آنکھیں کھول کر اسے جھینپی نگاہوں سے گھورا۔ ''منگنی کا اثر لگتا ہے۔''

''ہا، ہا، ہا ـــــ'' شاندانہ کا برجستہ قہقہہ لبوں سے آزاد ہو گیا۔ ''خوب ـــــ ایک انگوٹھی پہن لینے سے انسان سمجھ دار نہیں ہو جاتا۔''

''یہ تو تم سمجھ داروں کی بات کر رہی ہو۔''

''بالکل ـــــ'' وہ ڈھٹائی سے بولی اور پھر ٹرے میں کپ سجاتے سجاتے اس کی طرف پلٹ کر بولی۔ ''میں نے تو ابھی تک ان موصوف کو دیکھا تک نہیں۔ ایک تصویر بھی نہیں دیکھی۔'' اس کی شکل پر عجیب بے چارگی تھی۔ اشتارا کو ہنسی آ گئی۔

''تو جا کر کہو نا گل بی بی سے کہ میں ان دیکھے، ان جانے شخص سے شادی نہیں کر سکتی جب تک اس موصوف کی صورت نہ دیکھ لوں ـــــ بلکہ اس سے مل نہ لوں۔''

''ہشت ـــــ بدتمیز۔'' شاندانہ نے جلدی سے اس کا منہ دبایا۔ ''میں تو مذاق کر رہی ہوں تم سے۔ تم تو چیخ کر اماں کو ہی سنا رہی ہو۔ جوتے تھوڑی کھانے ہیں۔ اب ان سے یہ فرمائش کروں جا کر۔ اونہہ ـــــ اب تو قسمت پھوٹ چکی ہے۔'' وہ قہوہ جلدی جلدی پیالیوں میں بھرنے لگی۔ پھر اشتارا کے مسکراتے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

گل بی بی ابھی تک اسی زاویے سے بیٹھی ذولین سے باتوں میں مصروف تھیں اور موضوع شاندانہ کی شادی کا ہی تھا۔

''اس کے سسرال والے اب شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں ـــــ مگر میں نے ابھی تاریخ نہیں دی۔''

''کیوں ـــــ؟'' ذولین نے ٹرے میں سے قہوے کی پیالی اٹھاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''اشناس آیا تھا نا ـــــ پچھلے ہفتے تو کہہ رہا تھا کہ ہشمینہ کی چھٹیاں آنے پر شادی کا ہنگامہ رکھیں گے۔ اسے یہاں آنے کا بہت شوق ہے۔ اور پھر شاندانہ سے بہت محبت ہے اسے۔''

ہشمینہ کے ذکر پر شاندانہ، اشتارا کی طرف مڑی جو کرسی کی پشت تھامے کھڑی تھی۔

Marfat.com

''جانتی ہو تم ہشمینہ کو؟''

''آں ..... ہاں ......تمہاری پھوپھی کی بیٹی ہے شاید۔''

''شاید نہیں یقیناً۔ بہت پیاری ہے ـــــ کبھی یہاں آئی نہیں۔ پر بہت سے گلے ہیں مجھے اس سے۔'' اس نے قہوہ کی ایک پیالی اشتارا کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ اسے پھوپھا جان نے یونیورسٹی بھی بھیجا ہے تیس مار خان بننے کے لئے۔'' وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسی۔''اور ایک میں ہوں، کالج کی صورت تک نہیں دیکھی ہے۔''

''تم زیادہ پڑھ کر کون سی بقراط سقراط بن جاتیں ـــــ رہتی تو وہی شاندانہ اور شہباز خان کی منگیتر۔'' اشتارا اُسے چڑانے کے لئے بولی۔

اسی دم حور مینا اندر داخل ہوئی۔ وہ پڑوس میں اپنی سہیلی کے گھر سے ہو کر آئی تھی۔

''اشتارا آپی! آپ کا ڈرائیور معمور جان آیا ہے۔آپ کو لینے۔'' اس نے کہا تو اشتارا جلدی سے چونکی۔ اتنا وقت گزر چکا تھا، اسے احساس تک نہ ہوا۔

''ارے اتنی جلدی چلی جاؤ گی اشتارا!'' گل بی بی اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ذولین بھی اچانک کھڑا ہو گیا۔

''میں بھی اب جاؤں گا گل بی بی!ـــــ اور اشتارا! میں معمور جان کو واپس بھیج دیتا ہوں۔تم میرے ساتھ ہی جانا۔ میں اب سیدھا حویلی ہی جاؤں گا۔'' اس نے پلٹ کر اشتارا کو مخاطب کیا تو اشتارا گھبرا گئی۔ شاندانہ کو بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا مگر دوسرے ہی لمحے مسکرا دی۔

''واہ جناب ـــــ ذولین لالہ کی جرأت اور دلیری کی داد دینی چاہئے۔'' وہ ذولین کو داخلی دروازے سے باہر نکلتا دیکھ کر ہنسی۔

''شان...... شاہ خانم۔'' وہ متوحش سی شاندانہ کی طرف بڑھی۔''میں ذولین کے ساتھ......''

''ظاہر ہے جب تم دونوں کی ایک ہی منزل ہے تو سفر بھی.......''

''تم تو فضول ہی بکنا۔''اس نے شاندانہ کی بات کاٹ دی اور پلٹ کر دروازے کی جانب بھاگی۔

گل بی بی نماز کے لئے اٹھنے لگیں اور اٹھتے ہوئے انہوں نے شاندانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اشتارا سے کہو کہ ذولین کے ساتھ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ـــــ شاہ خانم کو

Marfat.com

اب تھوڑا بدلنا چاہئے۔ ذولین دل سے کدورتیں نکال کر فاصلے ختم کرنا چاہتا ہے۔ مجھے تو خوشی ہوئی ہے کہ اس نے اشتارا کو سمجھنے کی کوشش تو کی۔" ان کا چہرہ دمک رہا تھا۔

ذولین کا اشتارا کے لئے نرم رویہ رکھنا انہیں طمانیت بخش گیا تھا۔

اشتارا باہر آئی تو معمور جان جا چکا تھا اور ذولین اپنی گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔" اُس نے اسے دروازے میں خوفزدہ و پریشان استادہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

"ذولین......" وہ آگے بڑھی۔ مگر تذبذب کی کیفیت میں پھر رک گئی۔ "معمور جان کو آپ نے واپس بھیج دیا۔"

"ہاں ـــــ کیا میں معمور جان سے زیادہ با اعتماد نہیں ہوں؟" اس نے قدم بڑھا کر اس کے قریب رکتے ہوئے ٹھوس لہجے میں پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"محبت میں اعتماد پہلی شرط ہے اشتارا! اور تم ـــــ"

"نہیں ذولین! آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" وہ تڑپ گئی۔

"اچھا تو پھر تم ہی سمجھا دو۔ مگر گاڑی میں بیٹھ کر۔" اس کا لہجہ بہت پیارا اور نرم تھا۔

اشتارا تذبذب اور خوف کو پرے دھکیل کر سیٹ پہ آ بیٹھی۔

"شکریہ اس اعتبار کا۔" اس نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور پھر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ سر جھکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کئے ہوئے بیٹھی تھی۔

"اشتارا! میں تو سارے خوف، سارے اندیشے پیچھے چھوڑ کر اس سفر پر نکلا ہوں ـــــ بہت باحوصلہ ہو کر۔ مگر ایسا لگتا ہے جیسے تم نے اندیشے اور وسوسے اب جمع کرنا شروع کر دیئے ہیں۔" اس نے گاڑی دھیمی رفتار سے چلاتے ہوئے اس کے جھکے سر پر ایک نگاہ ڈالی۔

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ذولین خان! ہم لڑکیاں منزل کے سامنے ہوتے ہوئے بھی سو طرح کے اندیشوں میں گھری رہتی ہیں۔ ہر لمحہ ایک نیا خوف دل پر دستک دینے چلا آتا ہے۔ کبھی ہم بلاوجہ اندھیرے سے ڈر جاتی ہیں تو کبھی بہت تیز روشنیوں میں بھی دل دھڑکنے لگتا ہے۔ بے نام اندیشے اس سفر کے مسافر کو پیچھے ہٹانے کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر شاید ہمیں اپنی محبت

Marfat.com

کی شدتوں سے آگاہ کرتے ہیں۔"

اس نے گاڑی بہت خوبصورت جگہ روک دی جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس کے اطراف اونچے اونچے پہاڑ ان کے عزم کی طرح تنے ہوئے تھے۔ کسی کسی جگہ کے کونوں کھدروں سے مترنم جھرنے بہہ رہے تھے اور مسلسل گرتے پانی کے نیچے بنفشی پھولوں کے رنگ بھی نکھر آئے تھے۔

وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ اشتارا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ دونوں جنت میں آ گئے ہوں۔ پہاڑ، چمن زار سب مل کر جیسے ایک مدھر گیت گا رہے ہوں۔ ترنم ریز فضا بھی سریلے راگ الاپ رہی ہو۔

"میں کئی بار آ چکا ہوں ـــــ مگر پہلے مجھے یہ خطہ کبھی اتنا دلکش اور خوبصورت محسوس نہیں ہوا تھا۔" وہ بولا۔ اس کی آنکھیں اشتارا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

وادی کا یہ حصہ بہت خوبصورت تھا مگر اس سے کہیں زیادہ دل کش منظر تو اشتارا کی صورت میں اس کے سامنے تھا۔ اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

"کسی جگہ، کسی منظر کا حُسن دراصل ہمارے اپنے اندر کا حُسن ہوتا ہے۔ ہمارے اپنے دل کی رنگینیاں سارے ماحول کو رنگین بنا دیتی ہیں ـــــ جس طرح ہمارے اندر کی اُداسیاں سارے ماحول کو سوگوار کرتی ہیں ـــــ" وہ اس کے سامنے اونچے بڑے پتھر پر بیٹھ گیا۔

اُس نے آہستگی سے پلکیں اُٹھائیں اور ذولین خان کی آنکھوں کے سمندر میں اپنے ڈوبتے عکس کو چند ثانیے تکتی رہی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ محبت ہمارے اندر اتنی توانائیاں بھر دیتی ہے۔ ہماری ساری وحشتوں کو چوس لیتی ہے۔ میں بہت بدل گیا ہوں نا اشتارا!" اس نے اس کی گلاب انگلیاں اپنی مضبوط انگلیوں میں تھام کر پوچھا۔

"پتہ نہیں، آپ بدلے ہیں یا میں ـــــ بس مجھے تو اپنی تقدیر بدلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔" اس کی آواز بہتے جھرنوں کی طرح دھیمی اور پیاری تھی۔

"تمہارا مقدر میں ہوں تو اس طرح میں ہی بدلا نا۔"

اس نے مسکرا کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ذولین خان کو لگا جیسے یکلخت ہر شے مسکرا اٹھی ہو۔ تتلیاں محو رقص ہو گئی ہوں۔

"تم اس طرح ہنستی رہو اشتارا! تم ہنستی ہوئی بہت اچھی لگتی ہو۔" اس نے اس کے

Marfat.com

گلاب چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت سچائی سے کہا تو اشتارا کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اس کے سچے جذبوں کی روشنی سے دمکتی آنکھوں کی کرنیں اس کی نس نس میں اُترنے لگیں۔ ایک خوشگوار احساس اس کے دل میں ہلکورے لینے لگا۔ آسودگی کی چاندنی اس کی رگ رگ کو چھو گئی۔

یہ شام زندگی میں
کچھ آئی اس طرح
بے چین آرزو کو
سہارا بھی مل گیا
اے میرے رہنما
دو پل کا تیرا ساتھ
مقدر بدل گیا
تم ساتھ ہو میرے
مجھے ہر درد گوارا
اس موجِ حوادث
کو دیا تم نے کنارا
لو سانس کی یہ ڈور بھی
اب تیرے ہاتھ دی
لو عمر کی یہ ساعتیں
بھی تیرے نام کیں

+++

وہ اُلجھے ذہن کے ساتھ جلدی جلدی تیار ہو رہا تھا۔

وہ پریشان نہیں تھا مگر شدید حیران تھا۔ ہشمینہ ابرار اس سے کیا کہنا چاہتی ہے؟ کوئی اہم خبر؟۔۔۔ کسی سربستہ راز سے آگاہی دینا چاہتی ہے۔۔۔؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو اس نے اس کا ہی انتخاب کیوں کیا۔ یہ بات اس کے لئے حیران کن تھی اور شاید اس کی ساری سوچیں اسی کے گرد گھوم رہی تھیں۔

کیا وہ اس سے محض مذاق تو نہیں کر رہی؟۔۔۔ برش ڈریسنگ پر رکھتے ہوئے ایک اور خیال اس کے ذہن کی منتظر سطح سے ٹکرایا۔ اس سے کوئی انتقامی کارروائی کے طور پر مذاق۔۔۔ مگر نہیں، ہشمینہ ابرار جیسی سنجیدہ اور باوقار لڑکی سے ایسی بھونڈی حرکت کی توقع

Marfat.com

کم از کم، اس کا دل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مختلف خیالوں کے جال میں مبتلا تھا۔ کوئی سرا بھی تو ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

اس نے اسپرے کرتے ہوئے آئینہ میں اپنا سراپا دیکھا اور پھر ہولے سے مسکرا دیا۔ اب جبکہ وہ مشمینہ ابرار کے پاس جا ہی رہا ہے تو وہ گتھی خود ہی سلجھ جائے گی۔ بلاوجہ ہی وہ اُلجھ رہا ہے۔

وہ دراز سے گاڑی کی چابی نکال کر پلٹا تو ٹھٹک گیا۔ احسن پلنگ کے کنارے پھیل کر بیٹھا تھا اور اسی کی جانب متوجہ تھا۔ اس کے پلٹنے پر مسکرا کر پلنگ سے نیچے اُتر آیا۔

''اب پوچھ سکتا ہوں کہ یہ اتنا اہتمام کس کے لئے؟''

''تم کب آئے؟ ــــ اور اتنی خاموشی سے۔ حیرت ہے کہ تم اتنی دیر خاموش بھی رہ سکتے ہو۔'' اس نے اپنی گھڑی اٹھاتے ہوئے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا اور گھڑی کو کلائی پر باندھنے لگا۔

''ارے ہم میں تو بہت سی مخفی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ آپ نے کبھی جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ خیر، میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اتنا اہتمام کس کے قتل کا سامان ہے؟''

''کیا اسے اہتمام سے تیار ہونا کہتے ہیں؟'' اشمل خان نے معصومیت سے پوچھا تو احسن نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھ دیا۔

''واللہ ــــ اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا۔ سینٹ کی پوری بوتل اسپرے کر دی اور بقول تمہارے 'یہ خوشبو میں خاص خاص جگہوں پر جانے کے لئے استعمال کرتا ہوں۔''

وہ اُسے گھیرنے کے موڈ میں تھا جبکہ اشمل خان جلد از جلد یہاں سے بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ اس نے پلنگ کی پائنتی پر ٹِک کر جلدی جلدی پشاوری چپل پہنے۔ احسن کی بات پر وہ خود بھی چونک گیا۔

شاید لاشعوری طور پر وہ خاص چیز استعمال کر گیا تھا۔ بہترین تراش خراش کا سوٹ، دمکتی گھڑی اور قیمتی خوشبو۔

اس نے تو کبھی بال بھی ڈھنگ سے نہیں بنائے تھے۔ بس ہاتھ آئے برش کو بے ترتیبی سے بالوں پر جلدی جلدی پھیر لیتا تھا۔ جس گچھے کا دل جہاں چاہا جم گیا۔ مگر آج اس کے سنہرے چمک دار بال سلیقے سے سر پر سجے ہوئے تھے۔

''احسن! میں بہت اہم کام سے جا رہا ہوں اور بے حد اُلجھا ہوا ہوں۔'' اُس نے

Marfat.com

احسن کے خطرناک تیور بھانپتے ہوئے گویا ایک انکشاف کیا۔

''جی ـــــ مگر اُلجھاؤ تو کہیں نظر نہیں آیا۔'' وہ اس کے سلجھے سراپے پر نظر ڈال کر معنی خیز تبسم کے ساتھ گویا ہوا اور پھر اس کے عین سامنے آتے ہوئے اس کے خوبصورت چہرے پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

''کیا اس اہم کام میں میری موجودگی کوئی خلل پیدا کر دے گی؟ جبکہ میں تو ازحد بے ضرر ہوں۔ اور کسی حد تک تجربہ کار بھی ہو سکتا ہوں۔ تمہاری ہیلپ ہی کر دوں گا۔ تم تو ویسے بھی کورے ہو۔''

احسن کی اس بات پر اشمل نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا، اس کا اظہار برملا کر رہا تھا۔ اشمل خان کو ایک لمحہ اس کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔ اس نے اچانک رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ سوئیاں تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔ اُس نے ہشمینہ کو اُترتی شام کا وقت دیا تھا اور وہ یونیورسٹی میں وقت کا پابند بلاوجہ مشہور نہیں تھا۔

احسن کی بے وقت آمد ہمیشہ اس پر بلائے ناگہانی کے طور پر مسلط ہوتی تھی۔

''ویسے بڑے چھپے رستم نکلے اشمل خان!''

''احسن زا! تم ''ہی'' اور ''شی'' کے چکر سے باہر نکل آؤ۔ میرے اہم کام کی نوعیت وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔'' اس نے سنجیدگی سے اُسے ڈپٹ دیا۔

''تو مجھے بتانے سے گریز کیوں؟ دوست ہوں تمہارا۔''

احسن چڑ گیا اور اسے دروازے سے نکلتے دیکھ کر اس کے سامنے ڈٹ گیا۔

''تمہارے اس رویے سے میرا مشکوک ہونا فطری بات ہے۔''

''ہاں ـــــ اپنی اپنی فطرت کی بات ہے۔'' وہ اُسے جلانے کے لئے بھرپور انداز میں ہنسا۔ احسن نے منہ بنا کر قدرے ناراضگی سے اشمل کی سمت دیکھا۔

''یہ حقیقت ہے کہ فی الحال میں کچھ نہیں جانتا کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ میرے سامنے بھی سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔'' اس نے احسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سنجیدگی سے کہا تو احسن اُچھل پڑا۔

''کیا ـــــ'' اُس نے اشمل خان کے بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھا اور پھر تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ ''کہیں تمہارے ساتھ فراڈ تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ ـــــ تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے اشمل!'' وہ اب خود بھی سنجیدہ بلکہ کسی حد تک پریشان ہو گیا۔ آج کل جو حالات اس کے سامنے تھے ان حالات میں کسی کا اشمل کو تنہا بلانا کسی خطرے سے

Marfat.com

خالی نہیں ہو سکتا تھا۔ ''تمہیں اس طرح تنہا بلکہ اس طرح نہتا نہیں جانا چاہئے اشمل!''
احسن کے اس مشورے پر بے ساختہ اس کے گداز لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کے تصور میں ہشمینہ کا نازک سراپا آ لہرایا۔ بھلا ایسا سراپا اس جیسے مضبوط مرد کے لئے کیا خطرہ بن سکتا ہے۔

''نہیں ـــــ مجھے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں با حفاظت واپس آ جاؤں گا۔ پھر تمہیں ضرور تفصیل بتاؤں گا۔ او کے۔'' وہ اُسے پریشان چھوڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

Marfat.com

وہ لالہ زار کے ہال میں سجی میزوں میں سے ایک کنارے والی میز منتخب کر کے وہاں آ بیٹھی۔ وہ بہت پژمردہ ہو رہی تھی۔

اس کی بے قرار نگاہیں داخلی دروازے کی جانب اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے کندھوں پر بھاری بوجھ رکھا ہے اور فی الوقت اسے اٹھایا نہ دیا گیا تو اس بوجھ سے اس کے کندھے شل ہو جائیں گے۔ اس نے اپنا یہ بوجھ اٹھوانے کے لئے اشمل خان کو منتخب کیا تھا۔ اس پر بھروسہ کر کے وہ قطعی پشیمان نہیں تھی۔

''اُف ـــــ'' اُس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ریحان پراچہ کے دھوکے کی کہانی اس کے اعصاب کو اس طرح متاثر کرے گی۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے ساری دنیا بدمزہ اور بدرنگ ہو گئی تھی۔

اس کے دل کے آتش فشاں میں ایک الاؤ سا پک رہا تھا۔

وہ اپنی لانبی پلکیں جھکائے بے قراری سے میز کی شفاف سطح پر بے مقصد انگلیاں پھیر رہی تھی۔

اشمل خان نے اُسے بغور دیکھا۔ جھکی جھکی لرزتی پلکوں اور دانتوں میں دبے تراشیدہ لبوں سے وہ اس کی پریشانی محسوس کر رہا تھا۔

''شاید میں کچھ لیٹ ہو گیا۔''

''ارے ـــــ آ ـــــ آپ ـــــ'' وہ اس مانوس آواز پر چونکی۔ اور اس کا اٹھا ہوا سر چند ثانیے اسی زاویے سے رہ گیا۔ لیکن گہری بھوری صاف و شفاف صحت اور جوانی کی تمام رعنائیوں سے بھرپور آنکھوں کی محویت زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی۔ اس نے پلکیں خفیف سے انداز میں جھپک کر سر جھکا لیا۔

''نہیں ـــــ اتنے لیٹ تو نہیں ہوئے۔ میں بھی بس ابھی آئی ہوں۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ بلیک پینٹ اور وہائٹ شرٹ میں وہ نکھرا نکھرا، بہت مختلف روپ میں اس

Marfat.com

کے سامنے تھا۔ کرسی کھینچ کر جھک کر بیٹھنے پر تیز خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو وہ غیر محسوس طور پر چونکی۔ مگر اس نے سر نہیں اٹھایا۔ ایک عجیب سی سوگواری اور بے کلی اس کے وجود پر چھاتی چلی گئی۔

''میں آپ کی ممنون ہوں اشمل خان کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت مجھے دیا۔''

''کیا ہم روایتی جملوں سے ہٹ کر کھل کر بات نہیں کر سکتے؟'' وہ مسکرایا۔ وہ اس کی اس کیفیت سے محظوظ ضرور ہوا تھا۔ ہمیشہ تنی گردن اور غصے سے بل کھاتی ہشمینہ ابرار اس وقت ایک بالکل نئے اور انوکھے رُوپ میں اس کے سامنے تھی۔

شکست خوردہ

اور بے حد تھکی ہوئی۔

''سر حیدر کو ریحان پراچہ نے کڈنیپ (اغواء) کیا ہے۔'' اس نے بغیر تمہید، بغیر حیل وحجت بتا دیا۔

''مگر تم یہ بات کیسے جانتی ہو؟'' وہ حیرت سے بولا۔ چونکہ اُسے شک ریحان پراچہ پر ہی تھا مگر ہشمینہ کا مہر تصدیق ثبت کرنے والا انداز اسے حیران کر گیا۔

ہشمینہ نے آہستگی سے اپنی مغموم پلکیں اوپر اٹھائیں۔

''اس نے اس واقعہ سے دو دن پہلے ہی مجھے اپنے اس منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر پھر میری برہمی پر اس نے اس بات کو مذاق کہہ کر ٹال دیا تھا۔''

''ہوں ـــــ چونکہ تم اس کی پارٹی کی سیکرٹری تھیں وہ تمہیں اس کام کے لئے اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔ اور ظاہر ہے........''

''وہ اس معاملے میں میری حمایت چاہتا تھا۔'' وہ اس کا جملہ کاٹ کر جلدی سے بولی۔

''تم اس کی فیڈریشن کی سرگرم سیکرٹری ہو۔'' اشمل خان کے لہجے میں ہلکا طنز سمٹ آیا۔ وہ تڑپ گئی۔

''میں نے کبھی کسی غلط بات کی حمایت نہیں کی۔ محض فتح کے لئے میں نے اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔'' اس کا لہجہ تیز ہو گیا۔ ''یہ اور بات ہے کہ میں نے غلط پارٹی کو چن لیا اپنے لئے اور اس کے لئے اپنی ساری محنت کی۔ جس کا مجھے شدید افسوس بلکہ پچھتاوا ہے۔'' وہ ندامت اور خفت کے ساتھ آہستگی سے اعتراف کرتے ہوئے بولی۔ ''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ریحان پراچہ اتنی پستی میں بھی اتر سکتا ہے۔'' اس کی آنکھوں

Marfat.com

میں آبی لہریں مچل اٹھیں۔ اسے ریحان پراچہ کا وہ گھٹیا رویہ، اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک اب بھی دل میں چبھ رہی تھی۔ وہ اسے سیکرٹری کا عہدہ دے کر درحقیقت اس کے ساتھ دل لگی کرنا چاہ رہا تھا۔ اس عہدے کو محض سیڑھی بنا کر وہ اس کے دل تک اُترنا چاہتا تھا۔

اس کی روح کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔

''اشمل خان! ریحان پراچہ بہت پست انسان ہے ـــــ مجھے اس ایک ایک لمحے کا پچھتاوا ڈس رہا ہے جو میں نے اس کے ساتھ، اس کی پارٹی کی فتح کے لئے صرف کیا تھا۔'' اس کے رخساروں پر حزن کی آمیزش شدید ہوگئی۔ اس افسردگی نے اس کے چہرے پر ایک عجیب وقار پیدا کر دیا تھا۔

اشمل خان اس کے بے حد سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتا رہا۔

اسے اس لمحے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس کی تسلی و تشفی کا معاملہ کس طرح کرے جب کہ اس کے اور ہشمینہ کے درمیان ہمیشہ سے ایک دیوار تنی رہی تھی۔ ایک اجنبیت کی فضا قائم رہی تھی۔ مگر آج وہ، اس کے سامنے اس کی ہمدردی اور تسلی کی ضرورت مند تھی۔

''ریحان پراچہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ مجھے اپنی جیت سے زیادہ ریحان کی ہار کی خوشی ہے۔ غلطیاں انسان سے ہی ہوتی ہیں۔ تم اسے کوئی بھیانک خواب سمجھ کر بھلا دو اور خود کو سنبھالو۔'' اس کا لہجہ نرم اور دوستانہ تھا۔

وہ جو اس کے خلاف دن رات سلگ سلگ کر سوچتی رہتی تھی اب اسے اس نرم اور شفیق انداز کے سامنے عجیب سی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔

ایسی بے بسی جو خود اس کا دل چیرے دے رہی تھی۔

''خود کو سنبھالو ہشمینہ!'' وہ اس کے کانپتے لبوں اور سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

وہ اپنی مایوسی اور خفت کو پیش کرنا سخت حماقت سمجھتی تھی۔ اسے ہمیشہ سے اپنی ذات کا رنج تھا مگر آج، اس لمحے اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ کوئی ایسا مغرور احساس نہ جاگا۔ بس اب وہ کھل کر رونا چاہتی تھی۔ بے تحاشا اور پھوٹ پھوٹ کر۔

گرم گرم آنسو اچانک ہی اندر گرنے کی بجائے باہر ہی اُبل پڑے۔ وہ میز کی چکنی سطح پر سر رکھ کر بلک اٹھی۔

وہ جو ہمیشہ اس کا گہرا اور زبردست حریف رہا تھا، اس وقت ایک ہمدرد اور غمگسار

Marfat.com

ساتھی بنا اس کے سامنے تھا۔ اپنی خوبصورت آنکھوں میں نرم دل روشنی اور لہجے میں غم خوار تابندگی لئے ہوئے جیسے اس کا جنم جنم کا دوست رہا ہو، ہمدرد رہا ہو۔ اس کی غلطیوں پر بجائے اسے نادم کرنے کے اسے دلار سے سمجھا رہا تھا۔

''آہ ـــــ'' ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے نکل گئی۔ ''میں خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی ہوں اشمل خان! بہت بڑا دھوکا کھایا ہے۔'' اس کے گرم گرم آنسو اس کے درد کو اور بھی صیقل کر رہے تھے۔ انا، بھرم اور مان کے ٹوٹنے نے اُسے از حد نڈھال کر ڈالا تھا۔

''مجھ سے ندرت نے کہا تھا ایک بار کہ ریحان پراچہ نے مجھے چکا چوند عہدہ دے کر شاید اسیر کر لیا ہے۔ ہاں، ٹھیک ہی کہا تھا۔'' اس نے آنسوؤں سے بوجھل آنکھیں اوپر اٹھائیں تو وہ لب بھینچے اس کے دکھ پر مضطرب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ اچانک چونکی۔

''کیا آپ یہ بات پہلے سے جانتے تھے کہ سر حیدر کا کڈنیپر ریحان پراچہ ہے؟''

اس کی بات پر وہ پہلی بار ہولے سے مسکرایا۔

''نہیں ـــــ شک ضرور تھا۔ اور ظاہر ہے ہر کسی کا شک ایک ہارے ہوئے لیڈر کی جانب ہی جا سکتا ہے۔ مگر میرا شک قوی تھا۔ میں اُسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں ـــــ اُس کے سابقہ ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے اس سے اس طرح کی کسی بھی جارحانہ حرکت کی توقع کی جا سکتی تھی۔''

وہ ریحان پراچہ کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا۔ بلکہ سب ہی جانتے تھے۔ بس وہ ہی بے خبر تھی۔ اُس کا دل کٹ سا گیا۔ اس کی آنسوؤں سے بھری ہوئی پلکیں جھک گئیں۔ اشمل خان کے الفاظ اُسے شرمندہ کئے دے رہے تھے جیسے وہ یہ انکشاف ریحان پراچہ کے بارے میں نہیں، خود اس کے بارے میں کر رہا تھا۔ اس کے آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

''ہشمینہ!'' چند لمحے توقف کے بعد اس کی بھاری آواز گونجی۔

تسلی آمیز۔

بے حد نرم۔

اُس نے بے اختیار پلکیں اُٹھائیں۔

دوسرے ہی لمحے اس کا نرم ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔ اس کی نس نس میں برقی لہریں سی اُترتی چلی گئیں۔

Marfat.com

وہ چونکی اور حیرت سے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ اس کا ہاتھ اس کے گرم اور مضبوط ہاتھ میں کیسے آ گیا۔ اس نے خود بڑھایا تھا بے خودی میں ——— یا اس نے تھام لیا تھا۔

"ٹیک اِٹ ایزی ——— یہی زندگی ہے۔ اور یہی زندگی کے تجربات۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ بس ایک لمحہ۔ اور ہشمینہ ابرار کو ایسے لگا جیسے وقت کی نبضیں تھم گئی ہوں۔ اس کے احساسات کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ اُس کی مضبوط گرفت میں اُس کا ہاتھ کانپا اور یہ کپکپاہٹ اشمل خان نے واضح طور پر محسوس کی اور جلد ہی ہاتھ پر اپنی گرفت ہٹا لی۔ ایک لمحہ خود اس کے دل کی سطح میں ارتعاش پیدا ہوا۔ ایک نا مانوس سا احساس ٹکرایا اور صحیفۂ دل پر انوکھی خواہش رقم ہوتی چلی گئی۔

وہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔ یہ حرکت اس سے لاشعوری طور پر سرزد ہو گئی تھی۔

"تلخ واقعات کو ذہن سے اسی طرح کھرچ دینا چاہئے جیسے ہم نے اس کا ذائقہ چکھا ہی نہیں۔" اس نے اپنی خاموشی کو توڑا۔ مگر وہ چپ رہی۔ اور کئی لمحے اس خاموشی کے ساتھ پرواز کر گئے۔

ہشمینہ ابرار نے اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر پلکیں جھکا کر دھیرے سے ملتجی لہجے میں بولی۔

"آپ...... پلیز اس بات کا تذکرہ کسی سے مت کیجئے گا۔"

"کس بات کا؟" وہ چونکا۔

"یہی کہ میں نے آپ کے شک پر یقین کی مہر ثبت کی ہے۔" اس نے کہا تو اشمل خان کے گداز عنابی لبوں کے گوشے میں دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تم تو بہت بزدل لڑکی نکلیں ہشمینہ ابرار!" اس نے شگفتہ انداز میں لطیف سا طنز کیا۔ مگر وہ برا مانے بغیر بولی۔

"کسی عورت کی بہادری، تنگ دل مرد برداشت بھی تو نہیں کر سکتے۔ بہر کیف یہ دنیا تو پھر مردوں کی ہے۔" اس کا جملہ برجستہ تھا۔ اشمل خان نے اسے دیکھا۔ اب وہ خود کو کسی حد تک نارمل کر چکی تھی۔

دل کی ساری بھڑاس نکال لینے کے بعد مطلع صاف ہو چکا تھا۔ نم نم رخساروں پر خوشگوار لانبی سبک پلکیں گرتی اٹھتی بے حد بھلی لگ رہی تھیں۔

"آپ کو تو میری اس ہار نے دلی مسرور کیا ہو گا۔" اس نے بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ فاصلوں کی ساری طنابیں ان کے درمیان سے ٹوٹ چکی تھیں۔

Marfat.com

اجنبیت کی دُھند چھٹ گئی تھی۔

اب وہ کسی اچھے مگر نئے دوست کی طرح ایک دوسرے سے ہم کلام تھے۔

"نہیں ہشمینہ!" وہ اس کی بات پر سنجیدہ ہو گیا۔ "جب مجھے علم ہوا کہ تم انکل ابرار کی بیٹی ہو اور گل بی بی کے خاندان کی فرد تو یقین جانو مجھے دکھ ہوا کہ تم ایک بہت غلط سیاست میں گھر گئی ہو اور یہ فیلڈ تمہارے لئے قطعاً موزوں نہیں ہے۔ اس وقت میرے دل میں ایک یہی جذبہ موجزن تھا اور اب مجھے خوشی ہوئی ہے تو اس لئے کہ تم وقت پر سنبھل گئی ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے اتنا اعتبار بخشا۔ کوئی اپنے حریف کو اتنی جلدی اس وقت ہی با اعتبار سمجھتا ہے جب وہ شروع سے ہی دل سے اس کا دشمن نہ ہو بلکہ کسی حد تک اس کے خلوص کا دل سے معترف ہوتا ہے۔" اس نے بے حد سلجھے ہوئے انداز میں گویا اُسے جتا بھی دیا۔

اس کے رخسار تپ اٹھے۔ ہاں، وہ سچ ہی کہہ رہا تھا۔ وہ لاکھ اس کا سخت حریف تھا مگر وہ اس کے کردار کے بارے میں کبھی کوئی غلط لفظ یا غلط خیال نہیں رکھتی تھی۔ وہ اس کے خلوص اور بے داغ کیریکٹر کی دل سے معترف ضرور تھی۔ یہ اور بات تھی کہ منہ سے اقرار کرنا اس کی انا نے گوارا نہیں کیا تھا۔

اور آج بھی وہ اپنی انا کا پاس لئے خاموش بیٹھی رہی۔ معاً اُس کی نگاہ نے شیشے کے پار دیوار پر اُگتے ہوئے پھولوں کے بنفشی سایوں کو سمٹتے دیکھا تو اسے وقت کے گزرنے کا احساس ہوا۔ اس کے دل پر حزن کی آمیزش اب بھی شدید تھی۔ ایک خلش اب بھی چبھ رہی تھی۔ مگر وہ بوجھ جو یہاں آتے ہوئے اس کے شانوں پر تھا وہ اتر چکا تھا۔ بس اپنی بے بسی اور ندامت کا دکھ تھا۔

وہ کھڑی ہو گئی۔

"میرے خیال سے بہت وقت ہو گیا ہے۔ میں نے آپ کا بھی وقت ضائع کیا۔ اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

وہ بھی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے رسمی اور وضع داری نبھانے والے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"ہشمینہ! کیا تم مجھے ریحان پراچہ کی رہائش کا پتہ بتا سکتی ہو؟" اُس نے پوچھا تو ہشمینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ پسلیوں میں دبا دل پوری طاقت سے سکڑا اور پھیلا۔ اس نے سر اٹھا کر عجیب دکھ بھرے انداز میں اشمل خان کو دیکھا۔

Marfat.com

''اشمل خان! میں نے کبھی اس کی رہائش گاہ پر قدم نہیں رکھا۔'' اُس کی آنکھیں بھر آئیں۔ بڑے بڑے ہیرے جھلملا گئے۔

''نہیں ـــــ میرا مطلب یہ قطعاً نہیں ہے۔'' وہ لمحہ بھر کو گھبرا گیا۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی بات کا کوئی غلط مطلب اخذ کرے گی۔ شاید وہ اس وقت سخت زود رنج ہو رہی تھی۔ اپنے آپ کو مجرم اور گناہ گار محسوس کر رہی تھی۔ مگر وہ اس حد تک کبیدہ تھی، اس کا اسے اندازہ ہرگز نہیں تھا۔

وہ اس کی وضاحت سنے بغیر اچانک پلٹی اور تیز تیز قدموں سے ہوٹل کے بڑے سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اشمل خان نے لب بھینچے۔ اُسے دیکھا۔ ''ہشمینہ ابرار! تم تو بہت مختلف لڑکی نکلیں۔ میرے اندازے سے زیادہ احمق اور پاگل۔'' وہ اُسے جاتا دیکھتا رہا جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

+++

کتنے پیارے ہیں یہ مہمان جو گھر آتے ہیں،
میرے آنگن میں ستارے سے اُتر آتے ہیں

اس کی آواز اُسے عین کانوں کے نزدیک سنائی دی۔

''کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟'' وہ عقب سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُسے اپنے دل کی دھک دھک سے جیسے کانوں کے پردے لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ سانس یوں رکا جیسے دل کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا ہو۔ اسے دیکھ کر اس پر بے بسی کا غلبہ شدت سے طاری ہو گیا اور دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا۔ وہ یہاں نہیں آنا چاہتی تھی مگر آ چکی تھی۔ بہت بڑی غلطی کر چکی تھی۔ مگر باوجود خواہش کے پلٹ کر بھاگ نہیں سکتی تھی کہ اندیشوں کا ایک تند سیلاب اب اس کے ہمراہ تھا۔

''مجھے اعتبار بخشا۔ بے حد ممنون ہوں۔ اندر چل کر پلیز مجھے معتبر کر دو۔'' وہ گرم گرم سرگوشی اس کی سماعت پر پگھلے ہوئے سیسے کی طرح گری۔

''فف........ فضہ کہاں ہے؟'' اس نے چھوٹے سے لان کے اطراف نگاہیں دوڑائیں۔ وہ لان میں قدم رکھنے کے بعد ایک انچ بھی نہ ہلی تھی۔ اس کا خیال تھا فضہ ہی اس کا استقبال کرے گی اور وہ یہیں رک کر اس سے بات کر لے گی۔ دوٹوک بات ـــــ مگر اس مجنوں کے بچے کو دیکھ کر اس کا دل مارے وحشت کے بکھرنے لگا تھا۔

Marfat.com

موسم میں قدرے خنکی ہونے کے باوجود سیاہ چادر میں اس کا جسم پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

وہ آنکھوں میں وفور شوق کا جہاں آباد کئے اُسے دیکھ رہا تھا۔

عجیب وحشیانہ اور بھوکی چمک لئے۔

مکروہ مسکراہٹ اور یکدم ہی سب جیسے پا لینے کی خواہش۔

"پلیز ـــ فضہ کہاں ہے؟ بلا دیں اسے۔" اس نے خشک حلق میں تھوک نگلا۔

"ہوں ـــ فضہ اندر ہے۔ یہاں تک آ جانے کے بعد پھر یہ بے اعتباری کیوں؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور سحر گل کو لگا جیسے وہ پستی میں گرتی جا رہی ہو۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس پر اعتبار کر کے چلی آئی ہے۔ اس کی خوش فہمی پر اس کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"یہ کوئی کھیل نہیں ہے منصور صاحب!" اس کے منہ سے بے اختیار یہ دکھ بھرا جملہ پھسل پڑا۔

"خوب ـــ چلئے، میرے نام سے تو واقفیت ہوئی آپ کو۔" وہ مسکرا پڑا اور اس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے اس کے دل پر ایک اور تیر پیوست کر دیا۔ اچانک سامنے سے فضہ آتی نظر آئی۔ بے حد سنجیدہ چہرے کے ساتھ اس کی طرف بڑھی۔

"فضہ..... فضہ....." وہ اسے دیکھ کر خود بھی تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔ اور پھر دونوں ایک دوسرے کے مقابل رک گئیں۔

سحر گل کا دل شدت سے چاہا کہ وہ فضہ کا چہرہ نوچ لے یا اس کا گلا دبا دے کیونکہ اس نے اسے تباہی سے بچانے کی بجائے اس دلدل میں پھنسا دیا۔

"فضہ....... فضہ! یہ سب کیا ہے؟" بے اختیار اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ پڑا۔ فضہ نے اُسے دیکھا اور پھر ایک نظر سامنے کھڑے منصور پر ڈالی جو اب ناریل کے سڈول تنے سے ٹیک لگا کر سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف متوجہ تھا۔ مسکراتے لبوں سے نکلتے سگریٹ کے دھوئیں میں اس نے خفیف سا اشارہ کیا اور فضہ اُسے تھام کر اندر لے آئی۔

"فضہ! اسے کیا ہو گیا ہے؟" وہ سٹنگ روم کے کنارے والی کرسی پر ٹک کر نوکیلے لہجے میں بولی۔ "میں اس کی محبت کا اعتبار کر کے یہاں نہیں آئی۔ بلکہ اس قصے کو ختم کرنے آئی ہوں۔"

Marfat.com

''تم اس سے خود ہی بات کرلو۔'' فضہ نے سپاٹ لہجے میں کہا تو سحر گل کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

''فضہ — تم —'' اس کی آنکھوں میں بے یقینی لہرائی۔ وہ تو اس کی بے حد اچھی اور مخلص ہمیشہ سے دوست رہی تھی۔ مگر آج وہ اسے کیوں تنہا خطرے کی طرف دھکیلنے کے درپے ہے۔ یہ کیسی دوست تھی جو بجائے اس کی مشکل سہل کرنے کے اسے رسوائیوں کی طرف بھیج رہی تھی۔

''فضہ! چائے دو اپنی مہمان کو اور مجھے بھی۔'' وہ نہ جانے کب سے ان دونوں کے پیچھے چلتا ہوا سٹنگ روم کے دروازے پر رک گیا تھا۔ اس کی آواز پر وہ اُچھلی اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ فضہ کو دیکھنے لگی جو اس کے حکم کی تعمیل کے لئے سٹنگ روم سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ سگریٹ میز پر رکھی ایش ٹرے میں مسل کر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ کرتے شلوار میں وہ خوش شکل اور بظاہر مہذب شخص دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کی حرکتیں اُسے ایک بگڑا ہوا شخص ظاہر کر رہی تھیں۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اپنی اس بے پایاں مسرت کا اظہار کس طرح کروں؟ وہ ایک مصرعہ ہے نا کہ — ہم خوش ہوئے اتنے کہ پریشاں نظر آئے —'' یہ کہہ کر ہولے سے ہنس دیا۔ وہ دم سادھے اُسے غصہ اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

''ہاں تو سحر صاحبہ! ہم خوش اتنے ہیں کہ پریشان لگ رہے ہیں شاید — مگر تم اتنی پریشان کیوں ہو؟'' وہ اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مجھ پر اعتبار کرو۔ اتنا برا نہیں ہوں جتنا تم شاید خیال کر رہی ہو۔''

سگریٹ کے دھوئیں میں اس نے انتہائی نفرت سے اسے دیکھا اور اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

''میرا اور آپ کا کوئی تعلق نہیں منصور صاحب! اور آپ جو تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں یہ جبراً نہیں بن سکتا۔ اور میری نظر میں آپ جیسے شخص صرف آوارہ اور بدمعاش ہوتے ہیں۔'' اس نے اپنے اندر کا زہر باہر نکالا تو وہ کمال ڈھٹائی سے مسکرانے لگا۔

تپتے چہرے، شرارے برساتی آنکھوں والی اس لڑکی کا ایک لفظ بھی اُسے برا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس میدان کا ماہر کھلاڑی رہ چکا تھا۔ نیا شکار جال میں آنے سے پہلے پہل اسی طرح پھڑپھڑاتا اور مچلتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کے ساتھ ساتھ شکاری کے

Marfat.com

لئے نفرت اور غصہ ہوتا ہے مگر ـــــ پھر نفرت اور غصہ بے چارگی اور مجبوری کے تلے بالآخر دب جاتا ہے۔

''تمہیں دیکھ کر میرے اندر نئے احساسات سر اٹھانے لگے ہیں۔ کیا محبت کرنا جرم ہے؟ سحر گل! یہ تو لاشعوری عمل ہے، کب اور کیسے کون پسند آ جائے۔'' اُس نے جذبے لٹاتی نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تو سحر گل کا جسم پسینے کی یورش سے ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر اسے دیکھا، اتنی ذلت اٹھانے کا تو تصور بھی اس کے پاس نہ تھا۔

یہ کھلے اور بے باک جملے، یہ بھوکی نگاہیں اُسے اپنے وجود میں پیوست ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''میں آپ سے اس موضوع پر قطعی بات نہیں کرنے آئی۔ بلکہ کسی طرح کے موضوع پر نہیں۔ صرف یہ کہنے آئی تھی برائے مہربانی میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آپ کو کسی وقت کوئی اور پسند آ جائے گی۔ یقیناً آپ کے لئے یہ سب کچھ نیا ہرگز نہیں ہے۔'' وہ صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

اسی وقت فضہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی لوازمات کی ٹرے درمیانی ٹیبل پر رکھ دی۔

''فضہ! میں نے دوستی کے نام پر بہت بڑا دھوکا کھایا ہے۔'' اس نے فضہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ فضہ کے لئے اس کے اندر نفرت کا ایک تیز دھواں اٹھا۔ ''میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنی پستی میں بھی گر سکتی ہو۔ دوستی کی آڑ میں مجھے اتنا بڑا دھوکا دو گی۔ نفرت ہے مجھے تم سے۔ ایسے درندے تم جیسی لڑکیوں کی شہہ پر ہی پلتے ہیں۔'' اُس نے ایک قہر آلود نگاہ منصور پر ڈالی اور سٹنگ روم سے باہر بھاگی۔

''سحر ـــ سحر ـــ'' فضہ بے تابانہ اس کے پیچھے لپکی۔

''فضہ! اُسے روکو ـــــ جانے نہ پائے۔'' منصور کی تیز آواز اُسے اپنی پشت پر سنائی دی تو اس کے قدم اور بھی تیز ہو گئے۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی مین گیٹ سے باہر نکل کر گلی میں بھاگی۔ شام کا مدھم سورج ڈوبنے کو تھا۔ گلی میں مدھم تاریکی اور سناٹا تھا۔ مگر اس لمحے نہ اُسے گہری ہوتی تاریکی سے خوف تھا اور نہ اس ویرانے سے۔

خوف تھا تو صرف فضہ کے گھر سے۔

منصور کے عفریت سے۔

Marfat.com

اس کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے۔ تبھی اچانک سفید کار کے ٹائر اُس کے بے حد قریب چرچرائے۔ وہ اپنی جگہ کسی سنگین مجسمے کی طرح ساکت و جامد رہ گئی۔ لمبے بال ڈھیلی چوٹی سے نکل کر بکھر گئے تھے۔ آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئی تھیں اور بڑی سی چادر سر سے ڈھلک کر شانوں پر بے ترتیب سی پڑی تھی۔

اس وقت اس کا حلیہ کسی طرح بھی شریفانہ نہیں لگ رہا تھا۔

فروان نے بے حد غور سے اسے دیکھا۔

''فف...... فروان!'' اُس کے لب کپکپائے۔ مگر دوسرے ہی لمحے فروان کی سرخ انگارہ ہوتی آنکھوں نے اُسے سہا کر ایک قدم پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

منصور کی دہشت اس کے دل سے نکل گئی۔

اُسے اب اپنے اطراف آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔

اور اُس نے مجرموں کی طرح چہرہ جھکا لیا۔

+++

احسن کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ اس پر سخت کوفت سوار تھی۔ صبر اور انتظار کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے صفر تھا اور اب اشمل خان کا طویل انتظار اُسے جھنجھلائے دے رہا تھا۔ کسی نے اُسے بلایا تھا۔ کیوں بلایا تھا؟ اور اب تک وہ واپس کیوں نہیں آیا تھا؟ یہ سارے سوالات اس کے ذہن میں مچل رہے تھے اور اُسے پریشان کر رہے تھے۔ وہ شدت کے ساتھ اشمل خان کی واپسی کا منتظر تھا۔ اس کی بے قرار نگاہیں کبھی وال کلاک سے ٹکراتیں، کبھی کھلے دریچے سے سرمئی ہوتی شام کا جائزہ لیتیں تو کبھی رسٹ واچ کو خوامخواہ گھورنے لگتیں۔

اُس کی اس حد درجہ بے قراری میں اس وقت کمی ہوئی جب اشمل خان کمرے میں داخل ہوا۔ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا وہ احسن کی جانب بڑھا اور اس کی طرف دیکھ کر بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

''کیا میرے جانے کے بعد سے ابھی تک یونہی گشت میں مصروف ہو؟''

''تم سا بے مروت دوست میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ لگتا تھا واپس ہی نہیں آنا تمہیں۔ خدانخواستہ۔'' وہ خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ ''دیکھ لو سُوکھی ٹہنیوں کی طرف ـــــ مت پوچھو انتظار کیا ہے۔'' اُس نے گلدان میں سجے پھولوں سے ایک ٹنڈ منڈ ٹہنی نکال کر اس کے آگے لہرائی۔ ''بس اس سے مختلف حال میرا نہیں

Marfat.com

ہے۔ حد ہوتی ہے انتظار کی بھی۔ لگتا تھا کسی حسین دوشیزہ نے تمہیں ڈنر پر مدعو کیا تھا۔''
اس نے کہا تو اشمل خان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اُس نے احسن کو شانوں سے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

''اتنا غصہ صحت کے لئے خراب ہوتا ہے۔''

''بہت غصہ آ رہا ہے مجھے ـــــ اتنا غصہ تو مجھے اپنی منگیتر کی ناراضگی پر بھی نہیں آتا۔ اچھا بتاؤ مجھے تفصیل کے ساتھ، بغیر تمہید کے۔''

''احسن!'' اُس نے یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے احسن کو دیکھا۔ سر حیدر کا اغواء کرنے والا ریحان پراچہ ہے۔''

''کیا..... آ......'' احسن اُچھلا۔

''ہاں ـــــ ہمارے شک پر یقین کی مہر ثبت ہوگئی ہے۔''

''پوچھ سکتا ہوں یہ مہر کس نے ثبت کی ہے؟'' احسن ابھی تک حیران تھا۔

''نہیں ـــــ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ اور پھر یہ جاننا تمہارے لئے ضروری نہیں ہے۔ بس ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ سر حیدر کا کڈنیپر ریحان پراچہ ہی ہے۔ اور اب ہمیں اس سے مقابلہ کرنا ہے۔'' وہ قطعیت سے کہہ کر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

احسن اُلجھا اُلجھا اس کے پیچھے لپکا۔

''اچھے دوست ہو تم ـــــ مجھے اتنا بے اعتبار سمجھتے ہو۔''

''احسن! مجبوری ہے۔ بات اعتبار کی نہیں وعدے کی ہے جو میں نے اس سے کیا ہے۔ اور ویسے بھی میں خود بھی اس کی تشہیر نہیں چاہتا۔'' اس نے پلٹ کر احسن کو دیکھا جو برے برے منہ بنا رہا تھا۔

''او کے باس! وعدے کی بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ مگر یار! حیرت ہے، اگر وہ پراچہ کی پارٹی کا ہے تو بہت بے وفا نکلا اور اگر اس کا دشمن ہے تو بڑا شاطر ہے۔''

''احسن..... احسن..... اس معاملے کو طول دینے سے فائدہ؟ اب آگے کی سوچو۔ بلکہ میرا تو خیال ہے اس موضوع کو ابھی یہیں رہنے دو۔ صبح ڈسکس کریں گے۔''

''تھک گئے ہو کیا؟'' احسن نے اسے بغور دیکھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر نفی میں ہلایا اور دریچے سے باہر جھانکنے لگا۔

سورج مدھم ہوتا ہوا اپنی تابناکی کے ساتھ غروب ہو رہا تھا اور اس کے سامنے پہاڑوں کے اوپر ہولے ہولے شفق پھیل رہی تھی۔

Marfat.com

وہ شاید اتنے عرصے میں پہلی بار اتنے انہماک سے دریچے میں کھڑے ہو کر ڈوبتے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے اس کے چہرے سے ٹکرا کر ایک عجیب سی طراوت اس کے اندر پیدا کر رہے تھے۔

احسن بے حد حیرت اور غور سے اس کے اس خلاف معمول رویے کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ اشمل خان اتنے انہماک سے نیچر کی خوبصورتیوں کا مطالعہ کرے۔

''تمہاری پُرسکون جھیل میں کسی نے پتھر تو نہیں پھینک دیا؟'' احسن سے مزید نہ رہا گیا۔ اس کا شوخ جملہ اشمل کو چونکا گیا۔

''آں ــــ'' وہ پلٹا اور پھر احسن کی مسکراتی نگاہوں سے ایک لمحہ کے لئے گڑبڑا گیا۔

''یہ سارے انداز تو دل کے موسم کے بدلنے پر ہوتے ہیں۔ نظاروں کو اتنے غور سے دیکھا جا رہا ہے جیسے ان میں کسی کا عکس تلاش کر رہے ہو۔ کسی کی مسکراہٹ ڈھونڈ رہے ہو اور پھر اس سے اپنے دل کو ــــ''

''احسن! فار گاڈ سیک۔'' اشمل خان نے جلدی سے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اس سے زیادہ فضول باتیں میں نے آج تک نہیں سنیں اور نہ مجھے محبت پر تمہارا بے لاگ تبصرہ سننا ہے۔'' وہ اسے گھور کر باتھ روم کی جانب بڑھا۔

''چہ، خوب۔'' احسن زور سے ہنسا۔ ''تمہیں کس نے کہا کہ یہ سارے انداز محبت کے ہوتے ہیں۔''

''اُف ــــ'' اشمل خان کا چہرہ گہرا گلابی ہو گیا۔ احسن اسے ہر طرف سے گھیرنے کے موڈ میں تھا اور وہ خوب تاڑنے والی نگاہیں رکھتا تھا۔ وہ اس کے سامنے مزید رکنا عبث سمجھ کر باتھ روم میں جا گھسا۔

''ہوں...... اس کا مطلب ہے کہ کوئی بات ہے ضرور ــــ ورنہ تم یہ فرار کا راستہ نہ چنتے۔'' اس نے باتھ روم کے بند دروازے کو گھورا اور پھر برا سا منہ بنا کر اپنے بیڈ پر آ گیا۔

دوسری صبح یوتھ فیڈریشن کے تمام اراکین کے علم میں یہ بات آ چکی تھی۔

اشمل خان کے پہنچنے سے پہلے ہی احسن نے اپنا بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔ شہزاد تو حسب عادت مشتعل ہو گیا۔

''مجھے تو پہلے ہی یقین تھا۔ مگر اشمل خان نے میری بات سنی نہیں۔''

Marfat.com

''ٹھیک ہی تو ہے۔۔۔۔۔ بغیر ثبوت کے ہم کسی پر الزام تو لگانے سے رہے۔'' افتخار نے اُسے ڈانٹا۔ اس کا یوں بھڑکنا اسے ناگوار گزرا تھا۔

''اونہہ۔۔۔۔۔ یہاں ثبوت کے لئے کون خوار ہوتا ہے؟''

''ہر اچھا آدمی۔'' احسن کا جملہ برجستہ تھا۔ وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ تبھی اشمل خان اندر آیا۔ اس کے ہمراہ نعیم جان بھی تھا۔ وہ دونوں اسی موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔

''اشمل خان! میں نے پہلے ہی یقین سے کہا تھا کہ سر حیدر کے کیس میں سو فیصد ریحان ملوث ہے۔'' شہزاد کے جذباتی خون نے پھر جوش مارا تو سب بے اختیار مسکرائے۔

''ہاں شہزاد! تم یقیناً ذہین اور سمجھ دار لڑکے ہو۔ مگر سوسائٹی میں رہنے کے کچھ تقاضے اور ضوابط ہوتے ہیں اور ہر سمجھ دار اور شریف آدمی کو ان ضابطوں کی پابندی کرنی چاہئے۔ ہم کسی طرح بھی محض اپنے شک پر کوئی عملی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ میں تمہارے جذبوں کی قدر کرتا ہوں۔ تم نے اس فیڈریشن کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔'' اشمل خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپکی دی۔

''ہاں ٹانگ بھی تڑوائی ہے۔ یاد ہے۔'' احسن نے کہا تو نعیم جان کا بلند قہقہہ گونج اٹھا جبکہ شہزاد جھینپ گیا۔

''یار احسن! کبھی تو سنجیدہ اور خاموش ہو جایا کرو۔'' افتخار اس کی بے وقت کی شوخی پر سلگ اٹھا۔ ماحول کی سنجیدگی کو وہ برقرار رکھنا چاہتا تھا کیونکہ سر حیدر کا کڈنیپ مذاق نہیں تھا۔ یہ ایک سنجیدہ اور نازک مسئلہ تھا جس کا اب ان سب کو مل کر حل ڈھونڈنا تھا۔

ایف آئی آر درج ہو چکی تھی مگر پولیس اس سلسلے میں ابھی تک ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی۔

''ہمیں سب سے پہلے ریحان پراچہ کی رہائش گاہ تک پہنچنا ہے۔'' چند لمحے توقف کے بعد اشمل خان کی آواز اُبھری تو سب بیک وقت اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس نے افتخار پر نگاہیں ٹکاتے ہوئے کہا۔ ''جہاں تک یاد پڑتا ہے تم نے ریحان کا ذاتی بنگلہ دیکھا ہے۔''

''ہاں۔۔۔۔۔'' افتخار نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہم لوگ پولیس کی ہمراہی میں.....''

''نہیں۔ اتنی جلدی ہمیں اس معاملے میں پولیس کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔'' اشمل خان نے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ ''ضروری نہیں ہے کہ سر حیدر کو اس نے اپنی اسی رہائش گاہ

Marfat.com

پر رکھا ہو۔"

"میرے خیال سے تو ریحان پراچہ ان کاموں کا اتنا ماہر نہیں ہے کہ اس نے اس طرح کی اور جگہیں بنا رکھی ہوں۔" نعیم جان نے اپنا خیال پیش کیا۔

"مگر وہ اس میدان میں اتنا اناڑی بھی ہرگز نہیں۔" احسن اس کی بات سے متفق نہ ہوتے ہوئے بولا۔ پھر اشمل خان کے متفکر چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اشمل! یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ریحان پراچہ نے سر حیدر کو اگر اپنی رہائش گاہ کے کسی احاطے میں ہی رکھا ہے تو میں تصدیق کر لوں گا۔"

اس کی اس بات پر اشمل خان سمیت سب ہی نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جب احسن سنجیدگی کے ساتھ کسی معاملے کی ذمے داری محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے گہری سنجیدگی عیاں تھی۔

"بات جب استاد کی عزت اور اپنی غیرت کی آجائے تو سنجیدگی ایک فطری عمل ہوتا ہے۔ ایک جوکر بھی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ اور پھر صد شکر کہ میں تو ــــــ" اُس نے سب کی نگاہوں سے جھانکتے تحیر کو محسوس کرتے ہوئے کہا اور ہولے سے مسکرایا۔ "میں اس تنظیم میں محض مزاح کا رنگ بھرنے نہیں شامل ہوا ہوں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر وقت کی سنجیدگی سے خائف رہتا ہوں۔ کیا ہو جائے اگر بندہ کبھی کبھی اونچے اور بامقصد زناٹے دار قہقہے لگا لے۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے اشمل خان کے چہرے کو نگاہوں میں رکھا۔ اس کی بات پر اشمل نے اُسے مسکراتی نظروں سے گھورا۔

"بس کافی ہے اتنا۔" اس نے اسے مزید بولنے سے بھی روک دیا۔ وہ سنجیدگی سے پھر اوٹ پٹانگ موضوع کی طرف آ رہا تھا اور اسے یہیں روکنا بے حد ضروری تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی احسن کہ یہ کام تم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔" اشمل خان کو تو واقعی مسرت ہو گئی تھی۔

+++

ریحان پراچہ نے سر حیدر کیانی کو ابھی تک اپنی ذاتی رہائش گاہ پر ہی رکھا تھا۔ شاہنواز پراچہ اور مسز شاہنواز کو اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی ان کارروائیوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ رہائشی حصے سے ذرا فاصلے پر بنی انیکسی کی سرگرمیوں سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ یہ ساری سرگرمیاں ان کے بیٹے کی دلچسپیاں اور فارغ اوقات کے مشغلے ہیں۔ شاہنواز پراچہ نے اُسے بے تحاشا

Marfat.com

آزادیاں دے رکھی تھیں جو خطرناک صورت حال اختیار کر گئی تھیں۔ اکثر دہشت گردی کے کیسوں میں ریحان پراچہ کا نام موجود تھا مگر شاہنواز پراچہ کی سوسائٹی میں بنی مضبوط ساکھ اور وسیع تعلقات کے باعث وہ تمام کیسز سے خارج کر دیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے باپ سے صرف ایک ہی جملہ سنا تھا۔ ''جیو اور اپنے لئے جیو ــــ خوب عیش سے جیو۔'' لفظ ''جینے دو۔'' اس کے ذہن کی ڈکشنری میں نہیں لکھا گیا تھا۔ پھر وہ کیونکر ''جینے دو'' کے مقولے پر عمل پیرا ہوتا۔

اپنا مفاد، اپنی غرض، اور اپنی خواہشات کو اولیت دینا ہی اس کا نصب العین تھا۔

شاہنواز کی تھپکیوں نے اُسے بے حد نڈر بنا دیا تھا۔

کسی بھی منفی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اُسے زیادہ تردد نہیں کرنا پڑتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ ہتھکڑی سے ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ یہ زعم اُسے اس کے باپ نے ہی دیا تھا۔ ہاں البتہ بیگم شاہنواز کبھی کبھی بے حد خوفزدہ ہو جاتیں اور ایسے میں وہ شوہر ہی سے اُلجھ جاتیں۔

''خدا کے لئے اسے آپ ہی سمجھائیں۔ ہر غلط کام میں اس کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔ کبھی اسے کوئی آنچ نہ آ جائے۔ بہرکیف یہ آگ کے کھیل ہیں۔''

''اور آپ کے بیٹے کو کچھ نہیں ہوتا۔ یہ آگ اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔'' ریحان کے قہقہہ کے ہمراہ شاہنواز پراچہ کا بلند قہقہہ بھی شامل ہو جاتا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے بیگم! تم کیوں ڈرتی ہو؟ میں جو موجود ہوں۔ اور پھر یہ جوانی ہوتی ہی ایسی ہے ــــ اس میں جان کر آگ میں کودنا اچھا لگتا ہے۔''

اس طرح کے سارے جملے ریحان پراچہ کے لئے تقویت کا باعث بنتے۔

یونین کے انتخابات کے دوران شاہنواز پراچہ نے اس کے لئے خزانے کا منہ کھول دیا تھا مگر غیر متوقع نتائج پر وہ بھی نہ صرف حیران بلکہ مشتعل ہو گئے تھے۔

''تم اگر کہو تو میں اس لڑکے کو، کیا نام ہے، ہاں اشمل خان کو ٹھکانے لگا دوں؟'' بیٹے کا پژمردہ چہرہ بھلا وہ کب دیکھ سکتے تھے۔ اونچے اونچے قہقہے لگانے والا بیٹا آج کبیدہ دل اور ہزیمت کے احساس سے چور چور تھا۔ انہیں تڑپا ہی گیا تھا۔

''نہیں پاپا! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کی ساکھ بہت مضبوط ہے۔ ایک ہجوم ہے جو اسے پسند کرتا ہے۔ کئی بڑے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہیں۔ اس کی پارٹی کے ڈھونگ پر فریفتہ ہیں۔'' اس کی روح میں اپنی ہزیمت کا احساس اب تک سلگ رہا تھا۔

Marfat.com

اور سر حیدر کیانی کا اغواء اس کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا تھا۔ وہ اشمل خان کو جھکانے، اُسے نیچا دکھانے کے لئے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کی رگوں میں اس کی نفرت اُمڈی پڑ رہی تھی۔

''سر حیدر کو اس نے اپنی انیکسی میں ہی رکھا ہوا ہے۔ اور اب اسی شام انہیں کہیں اور منتقل کرنے کا ارادہ ہے۔'' احسن نے یہ اطلاع اشمل خان کو دی اور پھر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ دونوں نعیم جان کی رہائش گاہ میں آئے تھے۔ اس کے بے حد اصرار پر لنچ پر مدعو تھے۔

''اب کیا ہوگا؟'' احسن، اشمل خان کی مسلسل خاموشی پر بولا۔

''ذرا یہ فون دینا۔'' اشمل خان نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے نعیم جان سے کہا تو اس نے جلدی سے ریک پر رکھا فون اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ ڈی۔ ایس۔ پی منظور احمد کا فون نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

''ہیلو ــــ'' رابطہ ملتے ہی منظور احمد کی آواز اُبھری۔

''ہیلو ــــ اشمل اسپیکنگ سر!''

''اوہ ینگ مین ــــ کیسے ہو؟'' منظور احمد کی پُر جوش آواز اُبھری۔

''ٹھیک ہوں۔ سر حیدر کیانی کے کڈنیپ کے سلسلے میں ہی فون کیا ہے۔'' اس نے وضاحت کی۔

''ہوں ــــ میں بھی اسی کیس کے سلسلے میں مصروف ہوں۔ کئی اسٹوڈنٹس کو اریسٹ تو کیا ہے ــــ دیکھو۔''

''اور جو اس کیس میں ملوث ہیں وہ تو آزاد ہیں سر! ابھی تک۔'' اشمل خان نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال سے تم ریحان پراچہ نامی لڑکے کی بات کر رہے ہو۔ شک ہے تمہیں اس پر؟''

''شک تھا ــــ مگر اب یقین سے کہہ رہا ہوں۔''

''دیکھو ینگ بوائے! شاہنواز پراچہ ایک بہت بڑا صنعت کار اور معزز شخص ہے۔ ہمیں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑ جاتی ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا؟'' وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسے۔ اشمل خان کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

''پولیس کو اتنا اختیار ہوتا ہے سر! کہ وہ شک پر بھی تفتیش کر سکتی ہے۔ یہاں پر تو بات

Marfat.com

یقین کی ہے ــــ شاہنواز پراچہ نے اس ملک کو خرید نہیں لیا ہے۔ نہ کوئی بھی صنعت کار یا جاگیردار اپنے کندھوں پر اس ملک کو رکھے چلا رہے ہیں۔ یہاں بلا امتیاز آپ کو کارروائی کرنی چاہئے۔''

''تم جذباتی ہو رہے ہو۔''

''ایک محترم استاد کی تذلیل پر جذباتی ہونا فطری عمل ہے سر! آپ کیا چاہتے ہیں کہ ہم سب محض تماشائی بنے رہیں؟ آنکھوں دیکھے ظلم پر مہر بہ لب رہیں اور چند روپوں کے عوض بڑے بڑے لوگ اس ملک کا بگاڑ کرتے رہے؟ اپنے وقتی کھیل میں عزت دار لوگوں کا مذاق بناتے رہیں؟ ــــ میں سب جانتا ہوں سر! آپ ڈرتے ہیں، محض اپنی نوکری جانے سے۔ یا شاید بے حس ہیں اس قانون، اس نظام کی طرح جو ہمیشہ سے صاحب اقتدار کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا ہے۔ جو مظلوموں کے لئے بظاہر بنایا گیا ہے مگر مجرموں کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔ بزدل اور مفاد پرست لوگوں کو یہ دردیاں نہیں سجتیں سر!'' وہ سخت برافروختہ ہو رہا تھا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں سارے جہاں کی نفرت گھل گئی تھی۔

ڈی۔ایس۔پی کی ہچکچاہٹ اسے سب کچھ سمجھائے دے رہی تھی۔

''یہ قانون کے سائے میں لاقانونیت کا ناقابل برداشت کھیل کب تک جاری رہے گا ــــ کسی کو تو آگے بڑھنا ہے سر!''

''میں تمہارے جذبوں کی قدر کرتا ہوں ینگ مین! مجھے شرمندہ مت کرو۔ تم جانتے ہو بیٹا! کچھ اختیارات ہمیں سونپے جاتے ہیں اور کچھ بڑے اختیارات بڑے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔''

''آپ اپنا فرض پورا کریں سر! آگے دیکھا جائے گا۔'' اس نے قدرے سنبھل کر کہا تو ڈی ایس پی منظور احمد چند لمحے گہری سوچ میں گم ہو گیا پھر دھیرے سے بولا۔

''بات یہ ہے کہ اگر ریحان پراچہ اس میں انوالو ہے تو میں مانے لیتا ہوں۔ لیکن اگر اس کی رہائش گاہ سے سر حیدر بازیاب نہ ہوئے تو؟''

''نہیں ــــ یہ ناممکن ہے۔ میں یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اس وقت سر حیدر، ریحان پراچہ کی انیکسی میں موجود ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے سر! آپ کارروائی تو کیجئے۔ اور بالفرض ایسا نہ ہوا تو بے شک مجھے الزام دہی کے کیس میں اریسٹ کر لیجئے گا ــــ میں تیار ہوں۔''

''اشمل ــــ'' احسن نے اس کے آخری جملے پر گھبرا کر اس کا بازو دبایا۔ مگر اشمل

Marfat.com

خان اپنے جلال میں تھا۔

''او کے ــــــ پھر میں ابھی متعلقہ افراد کو ہدایت جاری کرتا ہوں۔ بلکہ میں خود بھی شاہنواز پراچہ کی رہائش گاہ پر روانہ ہو رہا ہوں۔ او کے ینگ مین! اب تو خوش ہو؟''

''اوہ تھینک یو سر!'' اشمل خان کھل اٹھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی منظور احمد نے ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی تھی اور آج بھی اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا تو احسن جلدی سے بولا۔

''اشمل خان! اگر ریحان پراچہ نے سر حیدر کو کہیں اور منتقل کر دیا تو؟'' اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ اُس کے اس خوف نے اشمل خان کو مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''اگر ایسا ہی ہوا پھر ــــــ؟'' احسن کے خوفزدہ چہرے سے محظوظ ہوتے ہوئے اس نے کہا۔

''تو شاہنواز پراچہ تم پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کر دے گا اور پھر تم نے خود ہی کہہ دیا کہ اس الزام پر.......''

''احسن! یہ تو پھر اپنے مفاد کے گرد چکرانے والی بات ہوئی نا۔ میں اپنے آپ کو بچانے کے لئے منہ چھپا کر بیٹھ جاؤں اور بچتا رہوں۔ نہیں احسن! میں صرف اسی جامعہ کو ہی نہیں اس پورے معاشرے کو بدلنے کے خواب دیکھتا ہوں۔ بے حسی، بے راہ روی، جبر اور ظلم کے خلاف میں نے آواز اٹھائی ہے تو محض شو آف کے لئے نہیں۔ ٹیک اِٹ اِیزی۔'' اس نے احسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسے بٹھا دیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی منظور احمد ہمیں کوئی اچھی نوید ہی دے گا۔'' اس کے لہجے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں بھی یقین کے ڈھیروں جگنو چمک رہے تھے۔

اس نے خود کو دوبارہ کرسی پر گرا لیا۔ ''کیوں نعیم!'' اس نے نعیم جان کو دیکھا۔

''ناؤ ویٹ اینڈ ــــــ سی وہاٹ ہیپن۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''ہی ول ٹیک پازیٹو اسٹیپ۔ (مجھے یقین ہے وہ کوئی مثبت قدم اٹھائیں گے۔)'' اشمل خان کا لہجہ بدستور پُر اعتماد رہا۔

+++

اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ زمین میں گڑتی چلی جا رہی ہو۔ اندر ہی اندر اس کی روح اس کے جسم سے کھنچتی چلی جا رہی ہو۔ اُسے اپنی سانس بند ہوتی محسوس ہوئی۔

فروان گاڑی سے اُتر کر اس کے قریب آیا۔ اپنے انہی احساسات اور کھولتے ذہن

Marfat.com

کے ساتھ۔

''فف...... فروآ......ن......'' اُس کے لب کپکپا گئے۔ اسے کچھ بولنے یا سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ فروان کے مضبوط ہاتھ اس کے رخساروں پر لگاتار پڑتے گئے اور پھر اس نے اچانک اسے گھسیٹا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا۔

''ماہی آپی کا گڈو پچھلی سیٹ پر آئس کریم کھا رہا تھا۔ اس حملے پر سہم کر دروازے سے چپک گیا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یوں امی پاپا کی عزت کو گلیوں میں رولتی پھرو گی۔ کس منہ سے تم نے پھر گھر کی جانب قدم بڑھائے تھے ـــــ بولو۔'' اس نے پلٹ کر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

سحر گل چکرا کر رہ گئی۔ ''نہیں، نہیں فروان! تم جو سمجھ رہے ہو با خدا ایسا نہیں ہے۔ میں تو ماں باپ کی عزت کا پاس رکھنے کے لئے گئی تھی۔'' اس کا دل چیخ اٹھا۔ احتجاج کی پُرزور لہریں دل سے اٹھیں مگر اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئیں۔ آنکھیں بے اختیار برسنے لگیں۔

''میں کئی دنوں سے تمہیں نوٹ کر رہا تھا۔ مگر اتنا اندازہ نہیں تھا سحر! کہ تم ـــــ تم اس قدر پستی میں بھی گر سکتی ہو۔'' وہ غصے اور بے بسی کے مشترکہ احساس کے ساتھ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مار کر چیخا۔ ''امی کی تربیت میں کہاں چوک رہ گئی؟''

''نہیں...... نہیں فروان!'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ ڈھیر سارے آنسو باہر اُبل پڑے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر بلک اٹھی۔

گاڑی گھر کے سامنے رکی تو وہ غصے سے کھولتا نیچے اُترا۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں شوٹ کر دوں۔'' اس کی طرف کا دروازہ کھول کر اسے باہر کھینچا۔ ''بولو سحر! تم نے یہ سب کیوں کیا ـــــ کیوں کیا؟''

''فف...... فروان...... مم...... میں بے قصور ہوں۔'' وہ فروان کے مضبوط ہاتھوں میں کسی ٹوٹی ڈالی کی طرح ڈول رہی تھی۔

''اونہہ...... بے قصور۔'' اس نے خون آشام نظروں سے اسے دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اسے گاڑی کی پشت پر دھکیل دیا۔ خود بڑے بڑے قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

ماہی آپی کچن سے باہر نکلیں تو فروان کو دیکھ کر ٹھٹکیں۔ لال بھبوکا چہرہ اور غصے سے بڑے بڑے قدم اٹھاتا وہ کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ حیران رہ گئیں۔ ابھی کوئی ایک

Marfat.com

گھنٹہ پہلے تو وہ مسکراتا ہوا گڈو کو ان کے پاس سے اٹھا کر لے گیا تھا آئس کریم کھلانے۔ انہوں نے کتنا منع کیا تھا کہ گڈو کو زکام ہے، آئس کریم نہ کھلانا۔ مگر وہ ان کی بات نظر انداز کرتا گڈو کو کاندھے پر ڈال کر پورچ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور اب اتنے بدلے بدلے موڈ میں اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ گھبرا کر تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں۔

''فروان! کیا ہوا؟'' وہ دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔ فروان جوتوں سمیت صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آئیں۔

''آپی! یہ ...... یہ سحر نے کیا کر دیا؟'' اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ سرخ سرخ انگارہ آنکھیں۔ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ یا الٰہی! خیر، اب کوئی نیا امتحان۔

''س س...... سحر نے کیا، کیا ہے فرو؟'' ان کی آواز کانپ کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے اندر ہی کتنے وہم ذہن کی دہلیز پر دستک دینے چلے آئے۔ وہ خوفزدہ سی نظر آنے لگیں۔

''بتاؤ نا فروان ــــ کیا ہوا سحر کو ــــ کیا کر دیا اُس نے؟'' انہوں نے باقاعدہ فروان کو جھنجھوڑ دیا۔

''آپی! سحر کے قدم بہت غلط راستے کی طرف اٹھے ہیں۔ خدایا، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ممی جیسی عورت سے تربیت پانے والی سحر اتنی پست اور گری ہوئی حرکت کرے گی۔ اُس نے ہم سب کی عزت کو روند ڈالا ہے۔ ہاں آپی! اُسے کہئے کہ وہ کہیں اور چلی جائے خدا کے لئے ــــ اس گھر سے دور۔ ورنہ ــــ ورنہ میں۔'' وہ یکدم جنونی ہو گیا۔

اُس کا ایک ایک لفظ ماہ گل کے جسم و جاں میں ترازو ہو گیا۔ انہیں لگا جیسے ان کے دل کو تیز خنجر کے لبوں نے چھو لیا ہو یا دفعتہً کسی نے پھانسی کا پھندا ان کے گلے میں ڈال دیا ہو۔ ان کا سارا وجود سن ہو گیا۔

''میں نے اسے پچھلی گلی کے کنارے سے پکڑا ہے۔ اسے پوچھئے وہ کہاں گئی تھی۔ کسی شخص نے اُسے......''

''نن ...... نہیں فروان!'' ماہ گل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی آواز دبا دی۔ ''خدا کے لئے کہو یہ سب جھوٹ ہے ــــ ہاں فروان! ایسا نہیں ہو سکتا۔''

''ایسا ہو گیا ہے آپی! اور اگر ایسا نہیں ہوا تو اب اس کے ہونے میں کسر باقی نہیں رہی ــــ'' وہ ماہ گل کا ہاتھ جھٹک کر تلخی سے بولا اور صوفے سے اٹھ کر اضطرابی انداز میں ٹہلنے لگا ــــ اس کی شریانوں میں خون اُبل رہا تھا اور ذہن کی طنابیں تنی جا رہی

Marfat.com

تھیں۔ ''میں اُسے کئی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا ـــــ اُس کے یہ قدم جان کر اٹھے ہیں۔ کسی مجبوری......''

''خدا کے لئے فروان! چپ ہو جاؤ۔'' وہ اس الزام پر تھرا اُٹھیں۔ اُن کی نگاہوں تلے وہ منظر گھوم گیا۔ اس لڑکے کا سحر گل کے پیچھے آنا۔ پھر محبت نامہ دینا۔ اُف، تو کیا سحر اُس کے دام میں گرفتار ہو گئی جان کر؟ ـــــ نہیں ـــــ اُن کا دل اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ مگر فروان اُسے جس حالت میں گھر لایا ہے، اسے بھی وہ کیسے نظر انداز کر دیں۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسے شوٹ کر دوں آپی! اور خود کو بھی۔'' وہ از حد روہانسا ہو گیا۔ کرسی پر ڈھے گیا جیسے پیروں میں مزید جان نہ رہی ہو۔

ماہ گل نے اُسے دیکھا۔ اس کا بھی تو کچھ قصور نہ تھا۔ اُس کا یہ غصہ، یہ جنون، یہ ہیجان فطری تھا۔ کوئی غیرت مند بھائی یہ حرکت تو کجا بہنوں کے منہ سے کوئی ایسی غلط بات بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں اور بہنیں ان کی عزت۔ پھر بھلا وہ اس عزت کی حفاظت کیونکر نہ کریں؟ ـــــ اور ایسے میں عزت پر آنچ لانے والوں کے ہاتھ جڑ سے کاٹ دینے میں تامل نہیں کرتے۔ مگر جب بہن بھی شامل ہو تو کچھ بعید نہیں ہوتا کہ دوہرے قتل کے مرتکب ہو جائیں۔

یا اللہ ـــــ یہ ان کے گھر میں کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں؟ کہاں، کب اور کیسا جرم اس گھر کے مکینوں سے سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں نہ ختم ہونے والی سزائیں نازل ہو رہی ہیں۔'' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا دل تھام لیا۔ اور پھر فروان پر ایک نگاہ ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ان کے تھکے ہوئے قدم اب سحر گل کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

+ + +

''خان زادی! بابا، راول کو وادی کے سکول میں داخل کرانا چاہتے ہیں پر بی بی جان راضی نہیں ہوتیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس کو پڑھا کر کیا حویلی میں شاہ خانم کا منشی لگوانا ہے۔ کھی، کھی ـــــ''

وہ نوراں کی چھوٹی بیٹی تھی۔ اپنی بی بی جان کے سے انداز میں بول کر زور زور سے ہنسنے لگی۔ اشتارا کو بھی ہنسی آ گئی۔

''تم نے کہا نہیں انہیں کہ پڑھ لکھ کر منشی نہیں ڈاکٹر بنے گا راول۔'' اس نے اسے

Marfat.com

اپنے قریب کھینچ کر بٹھا لیا۔ اُسے لطف آ رہا تھا نوراں کی بیٹی چمن گل سے باتیں سن کر۔

''نہیں، راول ڈاکٹر نہیں بن سکے گا۔''

''ارے کیوں بھئی؟'' وہ حیران ہوئی۔

''اس لئے کہ وہ ڈاکٹر کی دوائی کبھی پیتا ہی نہیں ہے۔ بابا کہتے ہیں کہ جو بیماری میں دوائی نہ پیئے گا وہ دُبلا ہو جائے گا ـــــ اور دُبلے ڈاکٹر نہیں ہوتے نا۔ راول کا ڈاکٹر بھی تو اناں موٹا سا ہے اور ہمارا راول تو بہت دُبلا ہے۔''

''ہا، ہا ـــــ تو دُبلے منشی ہوتے ہیں۔'' وہ ہنستی چلی گئی۔ اُسے چمن گل کی معصومیت پر بے تحاشا ہنسی آ رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ چمن گل کو اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔ ''تم تو خوب موٹی تازی ہو ـــــ تم تو ڈاکٹر بن سکتی ہو۔'' اس نے مسکرا کر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں جھانکا۔ اور شرارت اور محبت سے اس کے موٹے موٹے رخسار چھوئے۔

گلابی لبوں سے پھوٹتی ہنسی، سنہری آنکھوں کی بھرپور توانائیاں اور رخساروں پر بکھری شگفتگی کو ذولین خان اپنی انیکسی کے دریچے سے لگا دیکھ رہا تھا۔ نوراں کی بیٹی کے ساتھ بیٹھی بات بات پر ہنستی وہ اُسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اُسے خاصا تعجب ہوا۔

'کیا میری محبت، میرے التفات نے اسے یہ ہنستا مسکراتا رنگ بخشا ہے؟' اُس نے تحیر سے سوچا۔ بھلا جو خود تشنگی کا سوکھا میدان رہا ہو، وہ کسی اور کو کیا سرشار کر سکے گا۔'

'نہیں اشتارا مہروز! میں تو خود تم سے سیراب ہوا ہوں ـــــ تم تو خود آب جو ہو۔ نرم اور محبت کی بے شمار بوندوں سے بھری ندی ـــــ تمہارے قریب آ کر میں نے اپنا آپ پایا ہے۔ دوڑتی بھاگتی، بے رونق زندگی میں جیسے یک دم خوش کن ٹھہراؤ آ گیا ہو۔'

وہ بے حد محبت اور دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔ یہ سنہری بالوں اور سنہری آنکھوں والی لڑکی اس کے لئے یکدم کتنی اہم ہو گئی تھی۔ دل اور زندگی کے لئے کتنی ضروری۔ اُسے پا لینے کا تصور ہی خوش آئند تھا۔

وہ تالاب کے کنارے کھڑی ہو گئی تھی۔ زیبل اُسے شاہ خانم کے بلاوے کا پیغام دے گئی تھی۔ اس نے سر ہلا کر زیبل کو جواب دے دیا اور پھر چمن گل کو گود سے اُتار کر پلٹی تو معاً اُس کی نگاہیں اس جانب اُٹھیں جہاں بزنگینوں کی محویت اور عنابی لبوں پر پھوٹتی مسکراہٹ کا ایک جہاں آباد تھا۔ ایک شرمیلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

ذولین خان دریچے سے ہٹ کر انیکسی کے برانڈے کی ریلنگ کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ اشتارا اس کی طرف آئی۔ اس کی انگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی جس نے اشتارا کو

Marfat.com

متعجب کر دیا۔ اس سے پہلے اس نے ذولین خان کو کبھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا۔

''آپ سگریٹ پیتے ہیں؟'' اس کا لہجہ حیرت آمیز تھا۔

''ہوں ــــ جب بہت اُداس یا خوش ہوتا ہوں تب پی لیتا ہوں۔'' اس نے سگریٹ کا کونا لبوں میں دبا کر چھوڑ دیا اور ہلکا دھواں فضا کے سپرد کیا۔

''تو آج کس احساس نے سگریٹ پینے پر اُکسایا ہے؟'' وہ مسکرائی۔ سفید براق کرتے شلوار میں آستینیں کہنی تک فولڈ کئے، دھیرے دھیرے سگریٹ پیتا وہ اُسے بے حد مختلف اور بہت خوبصورت لگا تھا۔ سبز آنکھوں کی جھل جھل روشنیاں اس کے دل تک کو منور کر گئیں۔ اسے کب اتنا یقین تھا کہ زندگی کے سارے خوبصورت لمحے اس کی ہتھیلیوں پر اُتر آئیں گے۔ ''سنا ہے کہ عورت تو چاہنے والے کی خوشبو تک بے کراں انبوہ میں پہچان لیتی ہے۔ دل کے احساسات سمجھنا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ جبکہ چہرہ اور نگاہیں اس کی ترجمان ہوں۔'' اُس نے قدرے جھک کر اشتارا کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُس کا مہکتا لہجہ پُرشوق تھا اور نگاہیں محبت کا ایک خزانہ لٹائے دے رہی تھیں۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔ اشتارا نے سوچا۔ خود اس کے چہرے پر محبت پا لینے کا نشہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرا ہوا تھا اور آنکھیں ایسی آب جو محسوس ہوئیں جن میں آس پاس کے رنگین اور دلکش سبزہ زار کے بے شمار رنگوں کا عکس تھا۔ اس کی سیاہی مائل سرخ پلکیں رخساروں پر جھک گئیں۔

''ٹھیک کہا تم نے ذولین خان! مگر کبھی وہم سا جاگتا ہے کہ ہم جو محسوس کر رہے ہیں، محض ہماری خوش فہمی نہ ہو۔ دل تو ویسے بھی وہ خوش فہم ہوتا ہے کہ ایک ساعت میں ہزاروں امیدیں باندھ بیٹھتا ہے۔''

''کیا اب بھی یہ وہم دامن گیر ہے؟'' اس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ پگھل گئی۔

''اب میں چلوں گی۔ شاہ خانم نے مجھے بلایا ہے۔'' اس نے جلدی سے پلکوں کی باڑھ جھکا لی۔

''سوری۔ میری موجودگی نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔'' وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''وہ تو ہمیشہ سے کرتی آئی ہے۔'' اس نے مسکرا کر پلٹ کر کہا اور اس کے چہرے کی گہری ہوتی مسکراہٹ کو دیکھے بغیر رہائشی حصے کی جانب بھاگ لی۔

شاہ خانم اپنے کمرے میں تھیں اور دیوار سے لگی الماری کے قریب بیٹھی تھیں۔ اُسے اندر آتا دیکھ کر ان کے جڑے لبوں سے مسکراہٹ بکھر گئی۔

Marfat.com

''کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟'' وہ ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس کا اشارہ ان کے زکام کی طرف تھا۔

''ہاں اللہ کا شکر ہے ـــــ تم بیٹھو۔'' اُنہوں نے اپنے قریب ایک اور کرسی کھینچ دی جس پر وہ بیٹھ گئی۔

''کہاں ہوتی ہو؟ ـــــ سارا سارا دن غائب رہتی ہو۔ اپنی صورت دکھانا چھوڑ دی ہے مجھے۔'' انہوں نے خلافِ عادت اسے نرمی سے ڈانٹا۔ ''گل بی بی کے گھر گئی تھیں تم؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''وہ بابا خان سے اجازت ـــــ''

''ہاں مجھے پتہ ہے۔ کیسی طبیعت ہے گل بی بی کی؟'' انہوں نے اس کا جملہ کاٹ دیا اور گل بی بی کی خیریت پوچھی تو وہ ایک لمحہ کے لئے عالم تحیر میں گھر گئی۔ یہ آج شاہ خانم اتنی مختلف کیوں محسوس ہو رہی تھیں؟ کیا یہ بیماری کا اثر ہے یا پھر موسم کا ـــــ یا کوئی نرم گداز گوشہ جاگ اٹھا تھا؟ اُسے حیرت کے ساتھ خوشی ہوئی۔ ایک میٹھا میٹھا احساس دل کی سطح پر لہرا کر رہ گیا۔

''ہاں ـــــ گل بی بی آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔ وہ شاندانہ کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔''

''اچھا ـــــ کب ہو رہی ہے شان کی شادی؟'' شاہ خانم نے چونک کر پوچھا۔

''ابھی تو نہیں ـــــ ان کی نند کی بیٹی ہشمینہ ہے نا، اس کی چھٹیاں جب آئیں گی تب۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اسے وادی آنے کا بہت شوق ہے اور شاندانہ کی شادی اس کے آنے کا اچھا بہانہ ہے۔'' اس نے پوری تفصیل کے ساتھ بتایا۔

''ہوں ـــــ اچھا ہے۔ اولاد کے فرض سے تو جتنی جلدی ہو سکے سبکدوش ہو جانا چاہئے۔'' ان کی آواز قدرے دھیمی تھی۔ آنکھیں بظاہر اشتارا کے چہرے پر جمی تھیں مگر آنکھوں میں سوچ کے ڈھیروں رنگ تھے۔

''یہ کیا ہے شاہ خانم؟'' اشتارا کی نگاہ ان کی گود میں رکھے سرخ مخملی ڈبوں پر پڑی تو اس نے پوچھا۔

''ہاں، ہاں ـــــ'' وہ اُس کی آواز پر چونکیں۔ ''ہاں، یہ دیکھو۔'' انہوں نے اوپر رکھا بڑا سا ڈبہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''الماری ایسے ہی آج کھول کر صفائی کرنے لگی تو یاد آیا یہ ڈبہ تو عرصہ ہوا کھولا ہی نہیں ہے۔ میرے جہیز کے زیور ہیں۔ یہ سیٹ تمہارے لئے

Marfat.com

نکالا ہے۔"

"آخاہ ___ اتنا پیارا ___ سچ شاہ خانم! اتنا خوبصورت ___ کسی ماہر جیولر نے ہی بنایا ہے۔"

شاہ خانم مسکرائیں۔ "پسند آیا تمہیں؟"

"بہت، بہت پیارا ہے۔ میں اسے پہن کر دیکھوں؟" اس نے بے حد معصومیت سے اجازت چاہی۔

"ہاں، ہاں ___ تمہارے لئے ہی تو نکالا ہے۔ اسے ذرا پہن کر دکھاؤ۔" انہوں نے کہا تو اشتارا نے احتیاط سے اسے ڈبے سے نکال کر اپنی شفاف سفید گردن پر رکھا تو جیسے روشنی، چاندی سے ٹکرائی تھی۔ شاہ خانم نے اپنی ہی نظر لگ جانے کے ڈر سے پلکیں جھپک دیں۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" اُس نے شاہ خانم پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اٹھ کر ڈریسنگ کے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا، پھر دلکشی سے مسکرائی۔

پتہ نہیں کیسا لگ رہا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

"ماشاء اللہ ___ بہت پیارا لگ رہا ہے۔" شاہ خانم نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ پھر دوسرا ڈبہ کھول کر بولیں۔ "یہ دیکھو ___ یہ میں نے اشمل خان کی دلہن کے لئے رکھا ہے۔ یہ بری کا ہے میرا۔ تمہاری بی جان نے مجھے پہنایا تھا۔"

"کیا ___ اشمل لالہ کی دلہن؟" وہ چونکی۔ جملہ کتنا نیا نیا مگر خوش آئند تھا۔ ابھی تک اس حویلی میں ایسا کوئی جملہ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے ان کے قریب آئی۔ اشمل لالہ کی شادی، ان کی دُلہن ___ کیسا گدگدانے والا احساس تھا۔

"کب ...... کب ہوگی شاہ خانم! اشمل لالہ کی شادی ___ اور کس سے؟" اس نے بے تابانہ انداز میں پوچھا تو شاہ خانم ہنس دیں۔

"ارے پاگل! ابھی کہاں۔ وہ لڑکا تو حویلی میں ہوا کے گھوڑے پر سوار آتا ہے۔ مگر ہاں، لڑکی میں نے ڈھونڈ رکھی ہے۔" یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کی آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی جل اٹھی۔

"سحر گل اچھی لڑکی ہے نا؟" انہوں نے پوچھا۔

"کیا ___ سحر ___ اپنی سحر گل؟" مارے خوشی کے اشتارا کی آواز ہلکی چیخ کی صورت میں نکلی۔

Marfat.com

+++

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہماری آنکھیں بلکہ ہمارا پورا وجود بصارت کا روپ دھارے روشنی میں ایک ہی نکتے کے گرد چکراتا رہتا ہے۔

مگر کبھی بالکل اچانک یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے پیچھے روشنیوں کا ایک انبار چلا آ رہا ہے ــــ اور ہم کم فہم صرف آگے منہ کئے ایک معمولی نکتے کے گرد گھومتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر پھر بھی پیچھے پلٹ کر دیکھنے سے خوفزدہ۔

یہ واہمہ کہ پیچھے پلٹتے ہی وہ روشنی کا انبار جادوئی دھوئیں کے غول کی طرح غائب ہو جائے گا۔ اور ہم اس روشنی کی معمولی لکیر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ بس ایسے ہی واہے، ایسے ہی خوف کبھی ہمیں ڈھیروں روشنیوں سے دور کر دیتے ہیں اور ہم اسی نکتے کے گرد ساری عمر یا اپنے قیمتی لمحے گزار دیتے ہیں۔ قانع ہو جاتے ہیں کہ یہی ہمارا نصیب ہے ــــ بس اتنا ــــ اس سے آگے وہم یا کم فہمی کی چادر ہمیں نکلنے نہیں دیتی۔"

ہاں، اشمل خان بھی خلوص، محبت اور نیکی کا ایسا ہی روشن مینارہ تھا جو میرے پیچھے پیچھے تھا اور میں اسے بھی اپنا واہمہ سمجھی اور غلط پارٹی میں آ گئی۔ یہ سوچ کر کہ یہیں اس نکتے میں میرے شوق کی تکمیل ہے۔ مگر کہاں؟"

اب پیچھے مڑتی ہوں تو ڈھیر ساری شرمندگی اور خفت سر اٹھانے نہیں دیتی۔ اور وہ نکتہ تو ظاہر ہی تھا جو دھوئیں سے بھی کم تر تھا۔

اب نہ میرے آگے روشنی ہے اور نہ پیچھے پلٹنے پر کوئی پُر تپاک خیر مقدم۔

آہ...... میری کم فہمی نے مجھے تباہ کر ڈالا۔

یا...... اشمل خان! تمہاری نیک نیتی اور خلوص نے مار ڈالا۔

اس کی آنکھوں میں دُکھ کی کائی دبیز ہو گئی۔

اشمل خان سے ملنے کے بعد اس کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ ایک نا آشنا سی دھند اس کے دل و دماغ پر چھائی جا رہی تھی۔ وہ بہت بجھے بجھے دل کے ساتھ یونیورسٹی آئی۔ ندرت نے اُسے جامعہ کی سڑک پر ہی گھیر لیا۔

"ایک زبردست نیوز ــــ جس کو سننے کے لئے تمہیں یقیناً دل، گردے، کلیجے، پھیپھڑے وغیرہ سب سنبھالنے ہوں گے۔" وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسی۔

"کیا مطلب؟" مشمینہ نے اُسے دیکھا اور پھر ایک طائرانہ نگاہ جامعہ کے اندر تک ڈالی۔ ایک عجیب افراتفری اُسے بھی محسوس ہوئی۔ کوئی انوکھا یا کوئی بے حد اہم مسئلہ نمودار

Marfat.com

ہوا تھا شاید۔

''تمہیں تو دکھ ہوگا۔ مگر سچی، مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ ایمان سے، دل بلیوں اچھل رہا ہے۔'' وہ اس کے قریب منہ کر کے بولی۔

ہشمینہ نے اُسے گھورا۔

''اب بتا بھی دو ___ مجھے کیا دُکھ مل رہا ہے؟ اب تو شاید کوئی کسر نہیں رہی۔'' اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سر حیدر کیانی بازیاب ہو چکے ہیں اور ریحان پراچہ اریسٹ کر لیا گیا ہے۔ موصوف کو رنگے ہاتھوں پکڑا جا چکا ہے۔ اس کی رہائش گاہ پر اجمل خان کے کہنے پر چھاپہ پڑا تھا۔'' ندرت نے اُسے پوری تفصیل بتا ڈالی تو وہ اپنی جگہ سُن سی رہ گئی۔

''سراج اور کوئی دو اور لڑکے بھی تھے۔ سارے کے سارے اندر کر لئے گئے ہیں۔ ایمان سے، ہے نا زبردست نیوز؟'' مارے خوشی کے ندرت کی مسکراہٹ تھم نہ رہی تھی۔

ہشمینہ ابرار کی آنکھوں کی پتلیوں میں کتنے ہی لمحے سوائے حیرت کے کچھ نہ اُبھرا۔

''تمہیں یقیناً دکھ ہوا ہوگا۔ بلکہ گہرا صدمہ۔ آخر تمہاری پارٹی کے لیڈر کی ایسی درگت جو بنی ہے۔''

''نہیں۔'' اس نے چونک کر جلدی سے کہا۔ ''بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے ندرت! تم نے تو واقعی میری ساری اُداسی دُور کر دی۔ ریحان پراچہ اب اپنی صحیح جگہ پہنچا ہے۔ اسے تو بہت پہلے وہاں پہنچا دینا چاہئے تھا۔'' اُس کی آواز اور اس کے لہجے میں سچی مسرت تھرک رہی تھی۔

''کیا ___ تت ___ تم ___ بھی؟'' ندرت کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ وہ منہ کھولے ہونق بنی اسے دیکھنے لگی مگر وہ آگے بڑھ گئی۔ اُسے اسی حیرانگی میں چھوڑ کر۔

Marfat.com

''ہشمینہ!۔۔۔ کیا کہا تم نے ابھی؟'' ندرت اس کے پیچھے لپکی اور پھر اس کے سامنے آ کر منہ اٹھا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اُسے ہشمینہ کی دماغی حالت پر شک گزرا ہو یا پھر اپنی سماعت پر۔

''ہوں۔۔۔ وہی جو تم نے سنا۔ بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔'' وہ پہلی بار دھیرے سے مسکرائی۔

''یا اللہ۔۔۔ یہ انقلاب کب رونما ہوا؟ تم تو ریحان پراچہ کی برائی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اب یہ یکا یک۔۔۔ کیا بھید ہے اس میں؟'' ندرت پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ کھوجتی نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

''یاد ہے ایک بار تم ہی نے کہا تھا مجھ سے کہ ریحان پراچہ نے اتنا بڑا اور چکا چوند عہدہ دے کر مجھے درحقیقت الجھا دیا ہے۔ ورنہ ینگ فیڈریشن میں میرے لئے کوئی چارم نہیں ہے۔ اور میں دل سے اشمل خان کی خوبیوں کی معترف ہو چکی ہوں۔'' اس نے چلتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''تو بس ریحان پراچہ کی اصلیت میرے سامنے کھل چکی ہے اور اشمل خان کی خوبیوں نے اپنا لوہا منوا لیا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی لانبی، گداز پلکوں کی باڑھ رخساروں پر جھک گئی۔

''یا اللہ۔۔۔'' ندرت کا ہاتھ بے ساختہ دل پر آ ٹھہرا۔ ''اتنا بڑا انکشاف۔ اُف..... ویسے کہیں یہ چڑھتے سورج کے پجاری والی بات تو نہیں؟'' ہشمینہ اس کی بات پر بھڑکی۔

''تم مجھے اتنی پست اور فضول سی لڑکی سمجھتی ہو۔۔۔ بولو۔۔۔ کیوں کہی تم نے اتنی غلط بات؟'' وہ برہم ہو گئی۔

''اچھا.......اچھا........ بابا غلطی ہو گئی۔ مانا کہ ریحان پراچہ کی حرکتوں نے آپ کی آنکھیں کھول دیں اور اشمل خان نے اپنی خوبیوں سے اپنا لوہا منوا لیا۔'' وہ یہ کہہ کر ایک لمحہ رکی اور پھر شوخ نظروں سے اس کے سامنے آ کر مسکرا کر بولی۔

Marfat.com

''اور کیا کیا منوالیا آپ سے اُس نے؟''

''ندرت کی بچی ـــــ'' اُس کا چہرہ تپ اٹھا۔ اس نے غصے سے اسے گھورنا چاہا مگر نہ جانے کیوں وہ اُس کی شریر آنکھوں میں زیادہ دیر تک نہ جھانک سکی۔ اس کی دھڑکنیں عجیب سے انداز میں تیز ہو گئیں۔ اور ندرت تو پاتال سے گوہر نکالنے والی ہستی تھی۔ اس نے اس کے دل میں جھانک کر ان نئی آہٹوں کو سن لیا جنہیں ہشمینہ اپنے آپ سے بھی چھپانا چاہتی تھی۔

''ہوں ـــــ آج ان کی خوبیوں نے آپ کو متاثر کیا ہے۔ کل اس کی آنکھوں نے، پھر اس بن ادھوری محسوس کرتے ہوئے اسے اپنا سب کچھ........''

''تم نہایت فضول اور بے کار لڑکی ہو۔'' وہ اسے دھکیل کر آگے بھاگی۔ ''بس تم ہر بات کا ایک ہی مطلب لینا۔''

''ویسے ایمان سے یہ بھی بڑی زبردست نیوز ہے۔'' ندرت دھکا کھا کر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ مگر ہشمینہ سنی ان سنی کرتی دوسری جانب نکل گئی۔

سر حیدر کے آفس سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک گئی۔ اشمل خان ان کے آفس سے نکل رہا تھا۔ وہ بھی اس کے سامنے رک گیا۔

''بہت مبارک ہو۔'' وہ اس کے مقابل آ کر رکنے پر بولی۔

''کس بات کی؟'' اس نے دانستہ حیرانی ظاہر کی۔

''سر حیدر کو بازیاب کرانے کا سہرا تو آپ کے سر ہے۔''

''اوہ ـــــ'' وہ دلکشی سے مسکرایا۔ ''مگر اس میں زیادہ کریڈٹ تو تمہیں جاتا ہے۔'' وہ پُر شوق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے؟''

''میرے شک کو یقین تم نے بخشا تھا۔''

''ارے ـــــ'' وہ جھینپ سی گئی۔ سرمئی چادر کے ہالے میں دمکتا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''سر حیدر تو خیریت سے ہیں نا؟'' وہ سوچ کر جلدی سے بولی۔

''ہاں ـــــ شکر ہے ـــــ بس کچھ کمزوری ہو گئے ہیں اور قدرے دُکھی بھی ہیں۔ آخر اپنے ہی شاگرد کی اس حرکت پر ملول ہونا تو فطری بات ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔ یہ موضوع ہی اتنا نازک تھا۔

''ریحان پراچہ کا جرم ناقابل معافی ہے۔ اسے اس کی سخت سزا ملنی چاہئے۔ اور پھر

Marfat.com

اس پر تو کئی اور کیس بنتے ہیں جامعہ سے ہٹ کر بھی دہشت گردی کے۔"

"بہت دکھ ہوتا ہے اشمل خان! جب ایک اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور متمول گھرانے کے لڑکے ایسی اوچھی حرکت کرتے ہیں۔ صحت مند ذہن اور صحت مند جسم تو اس ملک کے مسائل حل کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ انہیں کوئی ذاتی مسائل درپیش نہیں ہوتے۔ انہیں تو بڑھ چڑھ کر ملکی ترقی کے کاموں میں حصہ لینا چاہئے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے۔ تمام مسائل سے بے فکرے نوجوان اصلاحی کاموں کی بجائے تخریب کاری میں ملوث نظر آتے ہیں ـــــ یہ المیہ ہے آج کا۔" وہ قدرے متاسف ہو کر بولی۔

"بالکل ٹھیک کہتی ہو تم ہشمینہ! یہ سب کچھ اتنا بڑھ چکا ہے، ان کے پیچھے اتنے مضبوط ہاتھوں کی سپورٹ ہے کہ انہیں گرانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔"

"اشمل! کال ہے تمہاری۔" نعیم جان تیزی سے اس کے قریب آیا۔ اس کی اطلاع پر وہ دونوں چونکے۔

"میری کال؟"

"ہاں، ڈی ایس پی منظور احمد کی ہے۔"

"اچھا......اچھا...... میں آتا ہوں۔" اس نے سر ہلایا اور نعیم جان کو جواب دے کر ہشمینہ کی طرف مڑا۔ "پلیز تم میرے آفس میں بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں...... ضروری باتیں۔" اس نے آخری لفظ پر زور دیا۔ وہ جو جانے کے لئے پلٹی تھی اس کی بات پر رکی اور قدرے حیران ہوئی۔

"جی ـــــ معافیاں مانگنی ہیں نا۔ کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ کہے ہوئے جملوں کی۔" وہ کھل کر مسکرایا۔ اپنی اسی دلکشی اور بے پناہ شگفتگی کے ساتھ۔

"پلیز!" وہ اُسے گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر بولا تو وہ ہولے سے مسکرا دی اور اپنے اسی اعتماد کے ساتھ چلتی ہوئی آفس کی جانب بڑھ گئی۔

احسن اُسے آفس میں داخل ہوتے دیکھ کر بری طرح چونکا اور قدرے ششدر ہو کر ہشمینہ ابرار کو گھورنے لگا۔

یہ پہلی بار ہوا تھا کہ تنے تنے چہرے والی ہشمینہ بے حد شائستگی اور نرم چہرے کے ساتھ قدم اٹھاتی ان کے آفس آئی تھی۔

"مجھے ویلکم نہیں کہیں گے؟" اُسے احسن کے ہونق چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنسی آئی

Marfat.com

مگراس نے بہ وقت تمام اسے لبوں پر پھیلنے سے روک لیا۔

''کک...... کیوں نہیں...... موسٹ ویلکم۔'' وہ جلدی سے چونکا اور کرسی کھینچ کر اسے پیش کی۔ ''پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کی اور اشمل کی دوستی کو کتنے گھنٹے گزرے ہیں؟'' اس کے تجسس نے سر ابھارا۔ ''سنا ہے آپ کی اشمل خان سے کچھ رشتہ داری بھی نمودار ہوئی ہے۔ مگر یہ دوستی اس رشتہ سے ہرگز نہیں لگتی۔ بلکہ یہ تو صرف چند گھنٹے پیشتر کا انقلاب لگتا ہے۔''

''آپ کیا اس آفس کی چوکیداری ہی کرتے رہتے ہیں؟ کوئی پیریڈ اٹینڈ نہیں کرتے؟'' اس نے بڑی خوبصورتی سے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

''کسی نہ کسی کو تو چوکیداری کرنا ہی ہے نا۔ یہاں کے ہلڑ باز لڑکے سارے سامان کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔'' اس نے کہا تو ہشمینہ مسکرا دی۔

''خوب ــــــ ہلڑ باز گروپس کو آپ تنہا کیسے قابو میں کر سکتے ہیں؟ جبکہ اسلحہ سے آپ لوگ گریزاں ہیں۔'' اس کے لہجے میں شرارت آمیز طنز تھا۔

احسن بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

''تو گویا ہشمینہ صاحبہ! آپ نے ہماری اس خوبی کا اعتراف کر لیا۔'' احسن اُسے گھیرنا چاہتا تھا۔ وہ گھما پھرا کر اشمل خان سے اس کی دوستی کی باز پرس کرنا چاہتا تھا۔

''صداقت اپنا آپ منوا لیتی ہے۔'' اس نے کھلے دل سے اشمل خان کو سراہا تو احسن متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہشمینہ ابرار اس حد تک بدل چکی ہے ــــــ یہ اشمل خان کی سحر انگیز شخصیت کا کمال تھا یا پھر ریحان پراچہ کی حرکتوں نے اُسے ینگ فیڈریشن سے متنفر کر دیا ہے۔ اس نے اپنی اس سوچ کو سوال کا روپ دے دیا۔

''ریحان پراچہ کی غلط ریپوٹیشن نمایاں ہونے کے باعث آپ نے وہ راستہ بدل دیا ہے یا...... اشمل...... میرا مطلب ہے ہماری پارٹی کی صداقت نے آپ کو رائے بدلنے پر مجبور کر دیا ہے؟''

احسن کی بات پر وہ ٹپٹا گئی۔ مگر ابھی کوئی جواب دینے نہ پائی تھی کہ اشمل خان آفس میں داخل ہوا۔ سرخ سرخ چہرے کے ساتھ۔ اس کی ستواں ناک کے نتھنے غصے سے پھول رہے تھے۔ اس کے ساتھ نعیم جان بھی تھا۔

اس نے زور سے دروازے کو اپنے پشاوری چپل کی نوک سے دھکیلا تھا۔ ''اتنا بے بس ہے یہ قانون ــــــ صاحب عشرت لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔'' اس کا

Marfat.com

لہجہ آگ بھرا ہوا تھا۔

''کیا ہوا اشمل خان؟'' احسن گھبرا کر کرسی چھوڑ کر اس کی طرف بڑھا۔

''وہی!جو ہوتا آیا ہے اور شاید ہوتا رہے گا۔ اس لئے کہ مفاد پرست لوگوں نے قانون کی وردیاں پہن لی ہیں۔''

''کیا ریحان پراچہ کو رہا کر دیا گیا ہے؟'' ہشمینہ اس کے جملوں سے صحیح نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بولی تو اشمل خان نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر زور سے لب بھینچ لئے۔

احسن سناٹے میں رہ گیا۔ ''مگر اشمل! ڈی ایس پی منظور احمد نے تو ہمیں یقین.....''

''اونہہ! ڈی ایس پی منظور ــــــ اُس سے اوپر کے لوگوں نے اپنا ضمیر بیچ دیا ہے۔'' اُس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور پھر خود کو کرسی پر گرا لیا۔

اس لمحے اُسے اپنا آپ سخت بے بس اور بے کار محسوس ہو رہا تھا۔ استادوں کی عزت سرِ عام اچھالنے والوں، معاشرے میں بگاڑ پیدا کر کے جامعہ کا نظام درہم برہم کرنے والوں کے لئے کسی قسم کی زنجیریں نہیں ہیں۔ کیسا نظام ہے یہ ــــــ کیسے سدھرے گا یہ معاشرہ؟ ــــــ کیسے تعلیمی ماحول اُمن میں سانس لے گا؟ ــــــ قانون نے اپنا وقار بیچ دیا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں زنجیریں پہنانے والوں نے خود ان کی دولت اور ان کے اثر و رسوخ کی زنجیریں اپنے ہاتھوں اور پیروں میں ڈال لی ہیں۔''

وہ سخت دل گرفتہ ہو رہا تھا۔ بھوری بھوری آنکھوں میں دُکھ ہلکورے لینے لگا۔

''اشمل خان! آپ اتنی جلدی مایوس ہو گئے۔'' ہشمینہ کے دل پر گھونسا سا لگا۔ اتنا مضبوط شخص اتنی جلدی ڈھے جائے، اُسے یہ کب گوارا تھا۔ ''نہیں اشمل خان! آپ جیسے بلند حوصلہ اور مضبوط کردار کے انسان کو اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو اچھائی اور پارسائی کی راہ میں آنے والی معمولی رکاوٹیں ہیں۔ برائی ایک نقطہ ہوتی ہے مگر جلد ہی اس کا دائرہ بڑا ہو جاتا ہے۔ مگر سچائی کے دائرے کو وسیع کرنے کے لئے بہت وقت درکار ہوتا ہے اور بہت ہمت، حوصلہ۔ آپ میں یہ ساری خوبیاں ہیں۔ آپ ہی پہلی چوٹ میں ہمت ہار دیں گے تو ان لوگوں کا کیا ہو گا جنہوں نے آپ سے ڈھیروں امیدیں باندھ رکھی ہیں؟ اور جو جامعہ کے مستقبل کا خوش آئند تصور محض آپ کے توسط سے دیکھ رہے ہیں۔''

وہ اس کے سامنے کھڑی اس کا عزم تازہ کر رہی تھی ــــــ اس کے گرفتہ دل کو تھپک

Marfat.com

رہی تھی۔

اشمل خان نے اپنی بھاری پلکیں اٹھا کر اس نازک سی مگر باہمت لڑکی کو دیکھا۔ اس لمحے وہ اسے اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی۔

''آپ کے چہرے پر مایوسی کی ہلکی دھند بھی نہیں ہونی چاہئے اشمل خان! اس لئے کہ آپ تو خود شفاف اور روشن راستہ دکھانے والے ہیں۔'' وہ نگاہیں ملنے پر دھیرے سے مسکرائی تو اشمل خان کے لبوں پر بھی دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اوکے ـــــ ٹھیک کہتی ہو تم۔ مجھے اتنی جلدی اپ سیٹ نہیں ہونا چاہئے تھا۔'' وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے تھے۔ رگوں میں کھولتا خون پھر متوازن ہو گیا۔

''احسن! تم تو بے کار ہی میرے دوست بنے ہو ـــــ دوست تو دیکھو، ہشمینہ جیسی ہونی چاہئے۔'' اس نے اپنی جگہ گم صم کھڑے احسن پر چوٹ کی اور پھر ہشمینہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جانے کیسے رنگ تھے کہ ہشمینہ کی دراز پلکیں سحر انگیز آنکھوں پر سایہ فگن ہو گئیں۔

''ہاں، ہاں بھئی۔ جب نئے دوست بنتے ہیں تو پرانوں میں سو کیڑے نظر آتے ہیں۔'' احسن کھسیاہٹ اور قدرے ناراضگی سے اشمل خان کو گھورنے لگا۔

نعیم جان زور سے ہنس پڑا۔

''دیکھیں ـــــ دیکھیں مس ہشمینہ! حاسدوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے احسن کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی ہنسی بمشکل روکی۔ ''ابھی سے آپ سے جیلس ہو گیا۔''

''تو اس میں جیلس ہونے کی کیا بات ہے؟'' احسن جلدی سے بولا۔ ''میری جو حیثیت اشمل کے دل میں ہے، وہ مقدم ہے۔ اور مس ہشمینہ کی حیثیت وہ نہیں، جو میری ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں تو اس کا دوست ہوں اور یہ......''

''احسن!'' اشمل خان نے بالکل اچانک قدرے تیز آواز میں اس کا جملہ کاٹ دیا۔

احسن کی معنی خیز مسکراہٹ نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ آگے کیا کہنے والا تھا۔

''میرا شاید پیریڈ شروع ہو گیا ہوگا۔ میں چلتی ہوں۔'' ہشمینہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے دل کی رفتار یک دم غیر ہموار سی ہو گئی تھی۔ وہ بہرحال اتنی کم فہم، سادہ لوح ہرگز نہ تھی کہ احسن کے معنی خیز تبسم اور اس کے ادھورے جملے کا مفہوم نہ

Marfat.com

سمجھ پاتی۔

اس کے جاتے ہی نعیم جان بھی اپنا پیریڈ لینے چلا گیا جبکہ اشمل بگڑے تیوروں کے ساتھ احسن کی طرف بڑھا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے فضول انسان ہو احسن! ___ کم از کم کچھ کہنے سے پہلے سوچ تو لیا کرو۔ ورنہ خاموش ہی رہو۔''

''ارے واہ ___ میں کیوں فضول ہونے لگا؟ صرف اس لئے کہ تمہارے دل کے اندر تک جھانک آیا ہوں یا اس لئے کہ.......''

''نہیں ___ اس لئے کہ تم ساری غلط بکواس کرتے ہو۔ سراسر فضول اور بے کار باتیں جو کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

''ہا...... ہا.....'' احسن کا قہقہہ چھت کو پھاڑے دے رہا تھا۔ اشمل خان نے لب بھینچ کر غصے سے اسے دیکھا۔

''ارے یار! محبت تو آنکھوں، لہجے، مسکراہٹ اور انداز سے پہچان لی جاتی ہے۔ کس کس پر پردہ ڈالو گے؟ مسکراہٹیں چھپا لو گے، لہجہ بدل لو گے۔ مگر ڈیئر! آنکھیں کہاں چھپاؤ گے جو ہر راز طشت از بام کرنے پر تلی ہوئی ہیں؟''

احسن کی بات پر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

'کیا احسن واقعی ٹھیک کہہ رہا ہے؟ ___ اس کی آنکھیں کیا اس کے دل کی بدلتی حالت کی غمازی کر رہی ہیں؟ ___ کیا ہشمینہ ابرار کو دیکھ کر رگوں میں مچلتے خون میں جو تیزی آ جاتی ہے اس کو یہ آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں؟ ___ اگر نہیں تو پھر یہ احسن ___ اُف خدایا ___' اُس نے جلدی سے رُخ موڑ لیا اور الماری کی طرف بڑھ گیا۔

''احسن! اس وقت میں تمہاری فضول بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ پلیز، میں بے حد سیریس ہوں۔'' اس نے ترشی سے کہا۔ ''ریحان پراچہ اور اس کے ساتھیوں کی رہائی نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔'' اس نے یہی ہتھیار استعمال کر کے احسن کی زبان کو لگام دے دی۔

''ہاں واقعی ___ مسئلہ تو ذرا ٹیڑھا ہے۔ اگر ریحان پراچہ اس طرح کے کام کر کے رہا ہو جاتا ہے تو جامعہ کے امن و امان کے لئے سنگین خطرہ ہے۔''

''ریحان پراچہ نے سر حیدر کے کڈنیپ کے منصوبے سے پہلے ہی ہشمینہ کو آگاہ کر دیا تھا۔'' اس نے چند فائلیں میز پر رکھ کر احسن کی طرف دیکھا۔

Marfat.com

''کیا ـــــ'' احسن اچھل پڑا۔

''ہاں۔ وہ اس کی سیکرٹری تھی اور مجھے ہشمینہ ہی نے بتایا تھا۔ ہمارے شک کو یقین میں بدلا تھا۔ مگر اب یہ مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔ احسن تو کئی لمحے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

جس وقت مجھے ہشمینہ نے یہ بات بتائی تھی، اس وقت سکندر، لالہ زار میں اپنی فیملی کے ہمراہ آیا تھا اور میرے خیال میں ہم دونوں کو اس نے دیکھ لیا تھا۔''

''کیا..... کیا...... یعنی تم اس دن لالہ زار میں ہشمینہ سے ملنے گئے تھے؟'' احسن پر تو یکے بعد دیگرے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے گئے۔

''ہاں ـــــ'' اشمل کے لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ بکھری اور پھر جلد ہی سمٹ گئی۔ ''میں بہت پریشان ہوں۔ اگر ریحان پراچہ کے علم میں یہ بات آ گئی کہ مجھ سے ملاقات میں ہشمینہ نے اس کے منصوبے سے آگاہ کر دیا ہے تو پھر۔''

احسن بھی پریشان سا ہو گیا۔

''وہ ہشمینہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ اس سے کچھ بعید نہیں احسن! اُس کی شہرت اس معاملے میں کوئی اچھی نہیں ہے۔'' اس کی کشادہ پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں ہشمینہ کے آفس سے نکلتے ہی در آئی تھی اور وہ پریشان سا ہو گیا تھا۔ اس نے یہ کہہ کر احسن کی جانب دیکھا جو گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

''کیوں نہ ہم قبل از وقت ہشمینہ کو باخبر کر دیں۔'' اس نے کچھ توقف کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

''ارے نہیں ـــــ محض ایک وہم پر اُسے پریشان کیا کرنا۔'' اشمل خان نے اس کی تجویز کی نفی کر دی اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔ ''خیر چھوڑو۔ ارے ہاں، کامران نیازی میرے پاس آیا تھا۔ جانتے ہو نا تم اُسے؟ ـــــ ایم اے کا خاصا ہونہار لڑکا ہے۔''

''ہاں ـــــ'' احسن نے سر ہلایا۔

''اس کی کچھ مالی پریشانی ہے۔ یہ فائل لو اور اس کا نام درج کر لو اور خود ہی اس سے مل کر اس کی فیس وغیرہ کا مسئلہ حل کر دینا۔'' وہ احسن کو تاکید کرتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔ تبھی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے کوریڈور میں اُسے پروفیسر محجوب مل گئے۔

Marfat.com

''کہاں ہوتے ہو ینگ بوائے؟ نظر ہی نہیں آتے۔'' اس کے سلام کے جواب میں پروفیسر محبوب کے ہونٹوں پر شفیق مسکراہٹ بکھر گئی۔

''سر......بس کچھ مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضری نہیں دے سکا۔ سر حیدر کے اغواء نے بہت ڈسٹرب کر دیا تھا۔''

''ہاں، ہاں ـــــ یہ حیدر کے ساتھ بہت برا ہوا۔ دیکھ لو، یہ معلمی کا پیشہ بھی اب جان جوکھوں کا کام ہو کر رہ گیا ہے۔'' پروفیسر محبوب کے لہجے میں تاسف تھا۔ ''لیکن بیٹا! اچھے لوگوں کو ہمت نہیں ہارنا چاہئے۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔ اب تم نے بالکل ٹھیک جگہ سنبھال لی ہے۔ اگر چند لڑکے تم جیسے اور مل جائیں تو جامعہ کا ماحول ایک بار پھر بہتر ہو جائے۔ بس خدا تمہیں پریشانیوں سے بچائے رکھے۔''

''سر! مسائل تو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ بس دعا کریں کہ ہم میں ان سے نبرد آزما ہونے کی ہمت برقرار رہے۔''

''اوہ، یس ـــــ وائے ناٹ۔ آئی وِش یُو گڈ لک۔ ارے ہاں ـــــ میں تمہیں ایک مسئلے سے آگاہ کرتا ہوں۔ لڑکوں نے حامد عثمانی کی کلاس کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ بھئی اس بگڑی ہوئی صورتِ حال کو سب سے پہلے کنٹرول کرو۔''

''جی سر! ـــــ میں نے بھی اس بارے میں سنا تو ہے۔ مگر سر! میرا خیال ہے یہ اتنا غلط بھی نہیں ہے۔ میں سر حامد عثمانی کی بے حد عزت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ ہمارے محترم استاد ہیں۔ لیکن سر! گستاخی معاف، فلاسفی ایک مشکل اور اہم سبجیکٹ ہے۔ میں مانتا ہوں سر حامد عثمانی بے حد ذہین استاد ہیں۔ مگر میرے خیال میں نہ تو وہ اس سبجیکٹ پر محنت کر رہے ہیں نہ ہی اسٹوڈنٹس کو صحیح ٹائم دے رہے ہیں۔ جو اسٹوڈنٹس پڑھنا چاہتے ہیں انہیں یقیناً ان کی خواہش کے مطابق استاد ملنا چاہئے جو انہیں مطمئن کر سکے۔'' اس نے بے حد دلیرانہ انداز میں حق بات کہہ دی تو پروفیسر محبوب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''تم واقعی دلیر اور مضبوط لیڈر ہو ـــــ تم جیسے حق بات کہہ دینے والے نوجوانوں کی ہی ہمارے ملک کو ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے، میں یہ مسئلہ وائس چانسلر تک پہنچا دوں گا۔ ویسے مجھے امید ہے اب یہ مسئلہ ضرور حل ہو جائے گا۔ یونین کے دباؤ پر۔'' سر محبوب نے آخری جملہ مسکرا کر کہا۔

''ہمارا مطلب کسی استاد کی دل آزاری کرنا ہرگز نہیں ہے سر! مگر یہ ضرورت ہے اسٹوڈنٹس کی۔ اور پھر یہ تو خوش آئند بات ہے کہ وہ اپنی پڑھائی کے بارے میں کافی

Marfat.com

سنجیدہ ہیں۔ پھر استاد کو بھی شاگردوں کے لئے اپنے قلب میں تھوڑی وسعت پیدا کر لینی چاہئے۔'' اس نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

''بالکل ___ مجھے یقین ہے کہ عثمانی اس بات کو زیادہ مائنڈ نہیں کریں گے۔'' سر محبوب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یقیناً سر! ___ اچھا سر! اب اجازت دیجئے۔'' اس نے سر تسلیم خم کر کے مسکرا کر پروفیسر محبوب کو پہلے آگے بڑھنے کا راستہ دیا اور پھر خود دوسری طرف مُڑ گیا۔

+ + +

وہ اپنے آپ کو بمشکل گھسیٹتی ہوئی کمرے تک لائی تھی۔ پورا بدن پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ اس نے چھت کے پنکھے کو ایک نظر دیکھا۔ اسی لمحے اس کا جی چاہا، وہ دوپٹہ باندھ کر لٹک جائے۔ اُف...... ایسی رسوائی...... اتنی بے اعتباری۔ اس حد تک نامعتبر ٹھہرا دی گئی تھی وہ۔ مر کیوں نہ گئی اسی لمحے جب فروان کی آنکھوں میں اجنبیت کا پہلا تاثر اُبھرا تھا۔ اور اب ماہی آپی سوالیہ نظروں سے اُسے تک رہی تھیں۔ مگر اُسے لگ رہا تھا جیسے ان کی نگاہیں تلوار بن گئی ہوں اور سیدھی اس کے دل کے آر پار ہو رہی ہوں۔ اُس نے اپنی لال لال درد سے تپتی آنکھیں اوپر اٹھائیں اور پھر جھکا دیں۔

''فروان نے جو کچھ...... آ...... آپ سے کہا ہے بخدا وہ سب کچھ غلط ہے۔''

''میں صرف تمہارے منہ سے سننے آئی ہوں۔ فروان نے مجھے جو کچھ بتایا ہے اس میں کتنی صداقت ہے، یہی پوچھنے آئی ہوں۔'' ماہ گل کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح حلاوت نہ تھی بلکہ بے حد اجنبیت اور کٹھور پن تھا۔ سحر گل کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔

''آپی......'' اُس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر چکرا کر دوبارہ لڑھک گئی۔

''سحر! کیا تم اتنی پستی میں گر سکتی ہو؟ تمہارے قدم اتنے کمزور تھے کہ غلط راستوں پر اٹھ گئے؟ نہیں سحر! میرا دل نہ جانے کیوں یقین کرنے کو تیار نہیں ہو رہا۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''آ..... پی! اس دل کو یقین کرنے بھی مت دیجئے گا خدارا۔ آپ کے علاوہ اور کون ہے جو میری بے گناہی کی گواہی دے گا۔'' وہ بے اختیار اس کے شانے پر سر رکھ کر سسک اٹھی۔ ماہ گل نے اُسے رونے دیا۔ پھر دھیرے سے بولی۔

''مجھے سب کچھ بتا دو سحر ___ سب کچھ۔ مگر بالکل سچ سچ۔ ایک حرف بھی جھوٹ نہ ہو۔ بتاؤ سحر!'' ماہی آپی نے اس کا سر ہولے سے تھپکا۔ ''تم نے آج تک مجھ سے جھوٹ

Marfat.com

نہیں بولا۔ آج بھی میرے اس اعتماد اور اعتبار کا بھرم رکھ کر بتاتا۔"

اُس نے اپنی سرخ آنکھیں اٹھا کر اپنی شفیق اور محبت کرنے والی آپی کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر دھیرے دھیرے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ منصور کا کہا ہوا ایک ایک لفظ۔ فضہ کا دھوکا ـــــ اور اپنی حماقت ـــــ اُس نے سب کچھ کھول کر ماہی آپی کے سامنے رکھ دیا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں آپی! میں نے تو اس گھر کی عزت کی خاطر قدم باہر نکالا تھا کہ اس شخص کو واسطہ دے کر میں ایسی حرکتوں سے باز رکھ سکوں۔ یقین جانئے، میرا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔" وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

ماہ گل دُکھ کے گہرے احساس کے ساتھ کتنے ہی لمحے گم صم اُسے دیکھتی رہ گئیں۔ ان کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت رہ گئیں۔ ایک گہری تھکن ان کی نس نس میں سرایت کر گئی۔

"یہ..... یہ کیا کہہ دیا سحر! تُو نے۔ اس قدر بے وقوف ہو تم ـــــ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ کیوں چھپایا تم نے یہ سب کچھ مجھ سے؟" انہوں نے بے بسی سے لب کاٹتے ہوئے کہا اور پھر بیڈ کے کنارے سے اٹھ کر اضطرابی انداز میں اپنے ہاتھ مسلتی ہوئی اسے دیکھنے لگیں۔

"تم نے اپنے آپ کیسے اخذ کر لیا کہ میرے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ اور تمہارا یہ اقدام کون سا اچھا حل ہے بے وقوف لڑکی!" انہیں اب غصہ آ گیا۔ "سچ پوچھو تو سحر! میں نے آج تک اتنی احمق لڑکی نہیں دیکھی۔ فرض کرو، اگر خدانخواستہ اس گھر کی عزت پر حرف آ جاتا، تمہاری یہ نادانی تمہیں لے ڈوبتی پھر؟"

"خدا نہ کرے آپی!" سحر تڑپ اٹھی۔ "اب کیا ہوگا آپی! ـــــ" وہ مایوس ہونے لگی اور پھر نڈھال سی ہو کر گھٹنے پر سر رکھ دیا۔ "کتنی نامعتبر ہو گئی ہوں آپی! ناکردہ جرم نے مجھے کتنا رُسوا کر ڈالا ـــــ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار ہوئی ہوں۔ کون کرے گا اب میری پارسائی کا یقین۔ کیسے فروان کی نگاہوں کا سامنا کر سکوں گی؟ اس کے دل نے تو مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بے اعتبار بنا ڈالا۔ کاش ـــــ کاش موت آ جائے ابھی اور اسی وقت۔" وہ رو دی۔

"سحر ـــــ!" ماہ گل کا دل خون ہو گیا۔ اس نے اس کے قریب بیٹھ کر اُسے گلے سے بھینچ لیا۔ یہ اس کی چھوٹی اور معصوم بہن جو فرشتوں جیسی پاکیزہ ہے، اس کے شفاف دامن پر کیوں کر حرف آئے۔ اسے ناکردہ جرم کی سزا کیوں ملے۔ ابھی تو اس نے زندگی کی رنگینی میں قدم رکھا ہے۔ ابھی تو اس نے خوشیوں کی تتلیوں کو چھونا ہی سیکھا ہے، قید نہیں

Marfat.com

کیا۔ پھر ابھی سے کیوں اس کے مقدر میں ایسے دُکھ رقم ہو جائیں۔ یہ تو بے گناہ ہے۔ پھر اسے کیونکر تاریکیاں ملیں۔

''نہیں ــــ نہیں سحر! فروان تو جذباتی ہے۔ اُس کی آنکھوں پر صرف غلط فہمی کا پردہ آ پڑا ہے جو اُتر جائے گا۔'' ماہی نے اُسے محبت سے تسلی دی۔

''سچ آپی! کیا فروان میری بے گناہی کا یقین کر لے گا؟'' اس نے بے یقینی سے ماہ گل کو دیکھا۔

''ہوں...... بالکل...... اُسے یقین کرنا پڑے گا۔ اُسے یہ ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ تمہارے معصوم وجود پر کوئی شبہ بھی دل میں لائے۔ وہ ابھی نادان ہے، چھوٹا ہے۔ یہ جو بھائی ہوتے ہیں نا سحر! یہ بہنوں کو اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ غیرت مند ہوتے ہیں اس لئے ایسے معاملوں میں بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ معاشرے کی کوئی غلاظت ان کی دہلیز کو نہ چھو پائے۔ محافظ ہوتے ہیں نا بہنوں کے۔ تم دل چھوٹا مت کرو ــــ میں اُسے سمجھاؤں گی۔ تمہیں تو وہ بہت چاہتا ہے۔ بہت پیار کرتا ہے تم سے۔ پھر بھلا کیسے تمہاری بے گناہی کا یقین نہ آئے گا۔'' ماہ گل نے اُسے دیکھا اور پھر نم رخساروں کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔

''آئندہ ایسی نادانی کبھی مت کرنا ــــ تم آگ کی طرف بڑھی تھیں۔ صد شکر کہ جلنے سے بچ گئیں۔ یہ مرد ہوتے ہی ایسے ہیں۔ چالاک، عیار۔ خوبصورت لفظوں کی ان کے پاس کمی نہیں ہوتی۔ اور ایسے لڑکے تو لہجوں اور نگاہوں سے نادان لڑکیوں کو اسیر کرنا جانتے ہیں۔ اور جب کوئی معصوم مگر مضبوط کردار کی لڑکی سے مقابلہ ہوتا ہے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آتے ہیں اور بلیک میل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ بڑوں کو ضرور آگاہ کرنا چاہئے۔ کمزوری کا کوئی پہلو انہیں نہیں دکھانا چاہئے۔ تم نے مجھے نہ بتا کر بڑی غلطی کر دی۔ مگر خیر، آئندہ خیال رکھنا۔''

''ماہی آپی! بس فروان کی نگاہوں اور دل میں میرے لئے وہی اعتبار، وہی پیار لوٹا دیں۔ میری وہی پارسائی......'' فروان کی سلگتی نگاہوں کا تصور کر کے وہ ایک بار پھر بکھرنے لگی۔

ماہ گل نے اس کے بوجھ کو کسی حد تک کم کر دیا تھا۔ مگر فروان تو قتلِ عمد پر تیار تھا۔ اس نے ماہ گل کو ملتجی نظروں سے دیکھا۔

''آ......آپ فروان سے......''

Marfat.com

''میں نے کہا نا ـــــ وہ کیونکر تمہاری بے گناہی کا یقین نہیں کرے گا۔ اب تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ دیکھو، ابھی گھر کے دوسرے افراد جو ابھی تک لاعلم ہیں ایسا نہ ہو کہ بات پھیل جائے اور پھر فرداً فرداً سب کو مطمئن کرنا پڑے۔'' ماہ گل نے کہا تو سحر گل سہم گئی اور دوپٹے کے کنارے سے جلدی جلدی بھیگا چہرہ رگڑنے لگی۔ اُسے تو یہ خیال ہی نہ رہا تھا کہ اس گھر میں دوسرے افراد بھی ہیں۔ اور پھر ایسی باتیں تو تند و تیز ہوا میں نازک تنکے کی طرح ہوتی ہیں جو اُڑ کر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہیں۔

ماہی آپی نے اس کے زخموں پر بہت نرمی سے مرہم رکھا تھا۔ وہ جان لیوا دکھ جو کچھ دیر قبل اُسے خودکشی پر اُکسا چکا تھا، کتنا ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اس کے بے قرار دل کو کتنی تقویت ملی تھی۔ اتھل پتھل دل میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ مگر اب بھی ایک تھکن تھی، ایک خوف سینے کی تہہ سے آزاد نہ ہو رہا تھا۔

'نہ جانے فروان، ماہی آپی کی بات پر یقین لاتا بھی ہے یا نہیں۔' اُس نے آپی کو باہر جاتے دیکھ کر سوچا۔

ماہ گل اس کے کمرے سے نکل کر فروان کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ مگر کمرہ خالی تھا۔ فروان گھر میں موجود نہیں تھا۔

''فروان دیر سے آنے کا کہہ کر گیا ہے ـــــ شاید اُسے کوئی ضروری کام تھا۔'' شاردا بھابی نے اُسے بتایا اور وہ سوچ کر رہ گئی کہ یقیناً وہ اتنا اپ سیٹ ہے کہ فرار کی راہ ڈھونڈ رہا ہے۔ 'مگر فروان! تمہیں اب سکون اس وقت ملے گا جب دل کا بوجھ ہلکا ہو گا۔ اور یہ بوجھ اصل حالات جان کر ہلکا ہو گا۔'

''کوئی ضروری کام تھا فروان سے؟'' بھابی نے اُسے منتظر دیکھ کر کچن کی طرف جاتے جاتے رک کر پوچھا تو وہ چونک گئیں۔

''آں .... ہاں ......نہیں، کوئی خاص کام تو نہیں۔ بس گڈو کو زکام ہو گیا ہے۔ وہ ہوتا تو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا۔'' اس نے شاردا بھابی کی کھوجتی نگاہوں کو دیکھ کر جلدی سے بہانہ بنایا۔

''ہاں ـــــ آئس کریم بھی بہت کھاتا ہے نا۔ کل زمان بھی لے گئے تھے۔ میں نے منع بھی کیا کہ ماہی نے اسے آئس کریم کھانے کو منع کیا ہے پر وہ نہیں مانے۔ موسم بھی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ میں جوشاندہ بنا دوں؟'' انہوں نے جلدی سے پیش کش بھی کر دی۔ انہیں اپنے بھائی مسعود شاہ کا بیٹا دل و جان سے عزیز تھا۔ اور وہ تو تھا بھی اتنا پیارا،

Marfat.com

خوبصورت، صحت مند اور خوب شرارتی۔ اور پھر شاردا بھابی خود اولاد جیسی نعمت سے ابھی محروم تھیں۔ بلکہ انہیں محروم رہنے کی سزا دے دی تھی زمان خان نے۔

''میں ابھی بنا دیتی ہوں جوشاندہ۔ یوں چٹکی بجاتے ہی زکام غائب ہو جائے گا۔'' وہ ماہ گل کو خاموش پا کر بولیں اور ان کا جواب سنے بغیر کچن میں چلی گئیں۔ ماہ گل نے کوئی تردّد نہیں کیا۔ وہ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ تھی۔ اور اس کا ذہن فروان ہی میں الجھا ہوا تھا۔ وہ اتنے غصے میں اور منتشر ذہن کے ساتھ نکلا ہے باہر —— خدا اُسے خیر سے رکھے۔

رات کو ڈنر پر بھی فروان نہیں آیا۔ ماہ گل بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ پھر نہ جانے کتنی رات ہو گئی۔ رات کے کوئی بارہ بجے کے قریب وہ گھر واپس آیا۔ ماہ گل لان میں ہی بیٹھی تھی۔ فروان نے لان کے راستے اندر بڑھنا چاہا تو ٹھٹک گیا۔

''آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟'' وہ ان کے قریب آیا۔

''ہاں —— تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف بڑھیں۔

''میرا انتظار؟'' وہ متعجب ہوا۔

''ہاں —— مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ کس موضوع پر، یہ تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔'' فروان کے لب بھنچ گئے۔

''میں اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔'' اس نے تند لہجے میں کہا اور پلٹ کر اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

''فروان —— '' ماہ گل کا لہجہ تیز اور تحکم آمیز ہو گیا۔ ''بہنیں اگر بڑی بھی ہوں تو بھائیوں کے اونچے قد کے سامنے، ان کے رُتبہ کے سامنے چھوٹی لگتی ہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ ان کی باتیں اس قابل نہ ہوں کہ سنی نہ جائیں۔''

''آپی —— '' وہ زچ ہو گیا۔ ''میں بہت تھک گیا ہوں۔ اور میں سونا چاہتا ہوں۔''

''نہیں —— میں جانتی ہوں تمہیں اس وقت نیند نہیں آئے گی۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا جہاں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ''یہ جو تم اپنے دل پر بوجھ لئے فرار کی راہ ڈھونڈنے کی سعی میں ہو، ذہن پر چھائے اس عفریت سے نجات پانے کی کوشش میں ہو۔ مگر اس پریشانی کا حل نہ گھر سے باہر ہے نہ سڑکوں پر۔ اس کا حل یہیں، اسی گھر میں ہے۔ میری باتوں میں ہے۔ اگر تم توجہ سے سنو تو۔ آؤ میرے ساتھ کمرے

Marfat.com

میں۔'' ماہ گل نے کہا اور آگے بڑھ گئی تو وہ بھی بادلِ نخواستہ ان کے پیچھے چلا آیا۔
ماہ گل اپنے کمرے میں آئیں تو بیڈ کے کنارے پر گڈو گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس نے ٹیبل لیمپ آن کر دیا اور فروان کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود پلنگ کی پائتی پر بیٹھ گئی۔
''فروان! تمہارا غصہ اپنی جگہ درست تھا۔ تمہاری یہ پریشانی بجا ہے۔ مگر تم نے جو نتیجہ اخذ کر لیا ہے وہ ہرگز نہیں ہے۔ سحر گل اتنی قصوروار نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔ خدا نے ہماری عزت کی لاج رکھ لی ہے فروان!'' انہوں نے رات کے سکوت کا احساس کرتے ہوئے آواز کو قدرے آہستہ رکھتے ہوئے کہا۔
''میں سمجھتا ہوں کہ آپ سچ کہنے کے لئے......''
''ہاں ــــ میں نے صرف سچ کہنے کے لئے تمہیں بلایا ہے اور تمہیں سننا ہے ہر حال میں۔'' ماہ گل نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ ''فروان! تمہیں یہ حق ہرگز نہیں کہ تم بغیر ثبوت کے اتنا رکیک الزام لگا دو۔ تمہیں پہلے پوری صورتِ حال کو جاننا چاہئے کہ معاملہ کیا ہے۔'' وہ ایک لمحے کو رک گئیں۔
فروان دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کئے مضطرب سا بیٹھا تھا، یکدم کھڑا ہو گیا۔
''تو پھر مجھے بتائیے وہ کہاں گئی تھی اور کہاں سے بھاگ کر نکلی تھی؟ ــــ کیوں وہ اتنی خوفزدہ تھی؟ ــــ کیوں اس نے میری کسی بات کو رد نہیں کیا؟ ــــ صفائی میں ایک لفظ نہ بول پائی۔''
''آہستہ فروان!'' انہوں نے جلدی سے اُسے وقت کی نزاکت کا احساس دلایا۔ ''میں نہیں چاہتی کہ یہ بے بنیاد بات زیادہ پھیلے۔'' ان کے لہجے میں برہمی تھی۔ فروان نے اُلجھ کر انہیں دیکھا۔
''فروان! اگر کسی انسان پر کوئی غیر متوقع الزام لگا دیا جائے، ایسا الزام جو اس شخص کے لئے بے پناہ اذیت کا باعث ہو تو سارے لفظ گرفت سے نکل جاتے ہیں۔ زبان ایسے حادثے میں گنگ رہ جاتی ہے اور قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔ خاص کر جب الزام لگانے والا اس کا سگا ہو۔ اور پھر حالات بھی خودبخود ایسے ہو جائیں کہ اس کی باتوں کو غیر یقینی بنا دیں تو خاموش رہنا مجبوری ہو جاتی ہے۔ سحر بھی اپنی صفائی میں تم سے اس لئے کوئی لفظ نہ کہہ سکی تھی کہ اس وقت جو حالات تھے انہوں نے اس کے حق میں

Marfat.com

سارے لفظوں کو بے حیثیت بنا دیا تھا۔ اُس کی اپنی قوت گویائی بھی تمہارے غصہ اوراچانک عمل نے سلب کر دی۔ جانتے ہو، وہ تو اس گھر کی عزت کو بچانے کے لئے نکلی تھی۔ مگرتم نے اُسے گناہ گار بنا ڈالا۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ــــ پلیز کھل کر کہیے۔'' فروان کے پلے کچھ بھی نہ پڑ رہا تھا۔ وہ اور بھی اُلجھ رہا تھا۔

''پہلے میری ایک بات سن لو فروان! بہنیں اس لئے بھائیوں کو کبھی اپنے راز میں شریک نہیں کرتیں کہ وہ کمزور پر ہی اُلٹ پڑتے ہیں۔ نام نہاد غیرت وحمیت کے جوش میں مجرم کے ساتھ ملزم کو بھی پیٹ ڈالتے ہیں۔'' ماہ گل کا لہجہ کڑوا ہوگیا۔ اسی لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے مسعود شاہ کا سراپا لہرایا جو اپنی نام نہاد غیرت کے زعم میں اُسے روند گیا تھا۔

''میں سب جانتی تھی۔ منصور ہے اُس لڑکے کا نام جو سحر گل کو کافی عرصے سے پریشان کرتا آ رہا ہے۔''

''کیا ــــ کون؟ ــــ آپ نے مجھے نہیں بتایا۔'' فروان ایک دم اُچھل پڑا۔

''سنو پہلے میری بات۔'' ماہی نے اُسے روک دیا۔ ''وہ بات آئی گئی ہو گئی تھی۔ سحر نے گھبرا کر مجھے بتا دیا تھا۔ اس لڑکے نے فضول سا خط جبراً اُسے دے دیا تھا مگر سحر ا یگزام ہو جانے کے بعد گھر میں مقید ہوگئی تو ہم دونوں مطمئن ہو گئے کہ اب وہ بلا خود بخود ٹل جائے گی۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔ وہ لڑکا گھر تک آ گیا اور سحر نے مارے خوف کے مجھے یہ بات نہیں بتائی کہ اس لڑکے نے دھمکی دے کر ملاقات کی فرمائش کی ہے۔ خود اس کی دوست فضہ کے گھر پر۔ بس یہی اس سے سب سے بڑی غلطی سرزد ہوگئی۔ جانتے ہو فروان! اُس نے مجھ سے کیوں چھپایا؟'' انہوں نے فروان کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں دُکھ کے جالے دبیز ہو گئے۔

''اس خوف سے کہ اس کا تدارک میں فروان یا زمان بھائی کے ہاتھوں کروں گی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ بات بھائیوں کے علم میں آئے۔ یہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے فروان! کہ بھائی یوں تو بہنوں کے محافظ بنتے ہیں مگر جہاں کہیں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں وہ سدا بہنوں کو قصوروار جان کر ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بہن بے قصور ہے۔ یہ دنیا مردوں کی ہے۔ مرد ہزار چالیں چل کر معصوم لڑکیوں کو نہ جانے کیسے کیسے لفظوں میں اسیر کرتے ہیں۔ اگر مرد اپنی اونچی چھت سے لڑکی

Marfat.com

کوتا کتا ہے تو قصور تو مرد ہی کا ہوا نا۔ جبکہ تم بھائی اس شخص کی آنکھیں پھوڑنے کی بجائے بہنوں پر پابندیاں شدید کر دیتے ہو۔ ان کے آگے ہزار پردے ڈال دو گے کہ وہ خود اپنی نظروں میں مجرم بن جائیں گی۔ سارا مسئلہ یہیں سے شروع ہوتا ہے فروان!'' ماہ گل کی آواز رندھ گئی۔ اُنہوں نے چہرہ جھکا لیا۔

''اس گھر میں عورت کو مرد کے ہاتھوں دُکھ مل رہے ہیں۔ یہ عورت کا المیہ نہیں تو کیا ہے۔'' انہوں نے سر اٹھا کر فروان کو دیکھا۔ وہ مضطرب سا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

''سحر کو بھی اسی خوف نے یہ غلط قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ وہ اس لڑکے کو اس حرکت سے باز رہنے کا واسطہ دینے گئی مگر پھر اسے آگے بڑھتے دیکھ کر فرار چاہا۔ اُسے وہاں سے تو فرار مل گیا مگر گلی میں نکلتے ہی تم نے اس کے اپنے ہوتے ہوئے بھی اس کی راہیں مسدود کر دیں۔ اُسے ایک نئے کرب میں ڈال دیا۔ بجائے اس کے کہ مجرم کو سزا دیتے، تم اسے ہی ختم کر دینے لگے۔ پھر بھائیوں پر کیسا مان، تحفظ کا کیسا احساس جاگے جب تم بغیر تحقیق ہی اُسے مرنے مارنے پر تل گئے۔ اُسے گھر کی چھت کے نیچے ہی رسوا کرنے کے درپے ہو گئے۔''

''آپی! سحر واقعی بے قصور ہے؟'' فروان کی کیفیت عجیب سی ہو گئی۔ وہ ماہ گل کے قریب آ کر اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ کر انہیں بے یقینی کے سے انداز میں دیکھتا رہا۔

''ہاں...... ہاں فروان! نہ صرف بے قصور ہے بلکہ فرشتوں جیسی پاک اور معصوم۔ اُسے تو تم پر بڑا مان ہے۔ اُسے تو ہمیشہ سے یہ زعم رہا تھا کہ تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ ذہنی ہم آہنگی ہے۔ ایک ساتھ کھیل کود کر بڑے ہوئے ہو۔ وہ تو ہمیشہ یہ کہتی تھی کہ مجھے کوئی سمجھے نہ سمجھے، فرو مجھے سمجھتا ہے۔ ہم دونوں کچھ کہے بنا بھی ایک دوسرے کی بات سمجھ لیتے ہیں۔ پھر ــــ پھر فروان! تم نے اس کو کیوں اتنی اذیت دی؟'' انہوں نے اس کے ریشمی بالوں میں ہاتھ پھیرا اور بے آواز رو دیں۔

''اوہ خدایا ــــ مجھے یہ سب خبر ہوتی تو بخدا میں ایسی حرکت کا مرتکب ہرگز نہ ہوتا۔ مجھے معاف کر دیں آپی ــــ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں۔'' وہ بچوں کی طرح بلک اٹھا۔

''ارے پاگل ہو تم تو ــــ چلو اُٹھو۔'' ماہ گل اس کے یوں رونے پر بے قرار ہو گئی اور اُسے کندھوں سے تھام کر کھڑا کیا۔

''آپی! میں ابھی سحر سے معافی مانگتا ہوں۔'' وہ پلٹ کر کمرے سے نکلنے لگا تو ماہ گل

Marfat.com

نے اُسے روک دیا۔ اس کے دل سے اتنی وزنی سل لڑھکتی چلی گئی۔ فروان کے چہرے پر چھائی ندامت انہیں مسرور کر گئی۔ ان کی معصوم بہن پھر با اعتبار ہو گئی تھی۔

''غلطیاں تو انسان سے ہی ہوتی ہیں فروان! ہم دونوں مل کر پھر اُسے منا لیں گے۔ وہ بہت خوش ہو گی۔''

''ہاں آپی! مجھے یقین ہے وہ مجھے معاف کر دے گی۔ وہ زیادہ دیر مجھ سے خفا ہی نہیں رہ سکتی۔ میں اُسے جانتا ہوں۔'' فروان بھاری لہجے میں بولا اور پھر تیزی سے کمرے کا پردہ اُٹھا کر نکل گیا۔

+++

ناشتے کے دوران بابا خان حسب معمول اخبار پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے وہ بدستور نگاہیں اخبار پر جمائے ہوئے تھے۔ اچانک وہ چونکے۔

''توبہ ہے ـــــ آپ تو چائے کے ساتھ اخبار بھی گھول کر پی لیا کیجئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کاغذوں کے بغیر آپ نے ناشتہ کیا ہوا'' شاہ خانم جھنجلا گئیں۔ ان کے آگے پراٹھے رکھے تھے جنہیں مہروز خان نے ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''کیا کوئی بہت اہم خبر ہے بابا؟'' اشتارا نے پوچھا۔

''آں ...... ارے یہ اشمل بھی پاگل ہوا ہے۔ کیا ضرورت ہے اُسے ان بکھیڑوں میں اُلجھنے کی۔'' انہوں نے جیسے اشتارا یا شاہ خانم کی آواز ہی نہیں سنی تھی۔

''ایں ...... اشمل ...... خدا خیر کرے، یہ اشمل کا کیا ذکر آیا ہے؟'' شاہ خانم، اشمل کے نام پر چونکیں۔ اشتارا بھی متوجہ ہو گئی۔ بابا خان نے اخبار شاہ خانم کی طرف بڑھایا۔

''موصوف یونین کے صدر بن گئے ہیں۔ مخالف گروپ نے کسی پروفیسر کو اغوا کر لیا تھا۔ اشمل خان کی مدد سے پولیس نے انہیں بازیاب کرا لیا۔ لڑکے گرفتار ہو گئے ہیں۔ کسی بڑے صنعت کار کا بیٹا بھی ملوث ہے۔'' انہوں نے شاہ خانم کے آگے اخبار رکھتے ہوئے پوری تفصیل بتائی۔ ''اب بتاؤ کیوں یہ دشمنیاں مول لے رہا ہے؟ یہ اسٹوڈنٹ یونین کے جھگڑے تو بہت خطرناک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ اور وہ ویسے بھی جذباتی ہے۔'' مہروز خان کو فکر پڑ گئی۔ شاہ خانم بھی خوفزدہ ہو گئیں۔

''کون سمجھائے اسے ـــــ میری تو سنتا ہی نہیں ہے۔'' شاہ خانم نے اخبار رول کر کے ناراضگی کے انداز میں دور پھینک دیا۔

Marfat.com

''اشتارا بیٹا! ذرا اس کے ہوسٹل کا فون نمبر تو دینا۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔'' وہ از حد پریشان ہو گئے۔ اولاد کے معاملے میں وہ بزدل بن گئے۔ حالانکہ ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ یونیورسٹی میں اس دور سے نہ گزرے تھے۔ وہ خود بھی اپنے طالب علمی کے زمانے میں ایکٹیو گروپس کے ساتھ پیش پیش ہوتے تھے۔ مگر اب اولاد ـــــ وہ بھی آنکھوں سے دُور ہو تو نڈر اور جری مرد کا دل بھی چڑیا جتنا ہو جاتا ہے۔

انہوں نے اٹھ کر جلدی سے ہاسٹل کا نمبر رنگ کیا۔ شاہ خانم نے انہیں دیکھا۔

''فضول ہے آپ کا فون کرنا۔ وہ کب مانے گا۔''

''مگر اُسے تاکید تو کر سکتا ہوں ان جھگڑوں سے دور رہنے کی۔'' انہوں نے نمبر ملاتے ہوئے کہا اور پھر نمبر ملتے ہی بولے۔

''ہیلو ـــــ مجھے اشمل سے بات کرنی ہے۔ اشمل خان خل زئی۔''

تھوڑی دیر بعد اشمل خان کی آواز اُبھری۔

''ہیلو ـــــ کون صاحب بول رہے ہیں؟''

''میں، مہروز۔''

''اوہ ـــــ بابا خان! آپ کیسے ہیں؟ اور یہ صبح صبح فون کرنا ـــــ خیریت تو ہے؟ میں ابھی یونیورسٹی جانے کے لئے نکل ہی رہا تھا۔'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔

''ہاں ـــــ اخبار پڑھا ہے آج؟ یہ کیا کرتے پھر رہے ہو تم؟''

''جی ـــــ خیریت ـــــ مجھ سے کیا قصور سرزد ہو گیا بابا خان! کہ اخبار تک میں خبر آ گئی۔'' وہ واقعی قدرے متحیر تھا۔

''اشمل! یہ لڑکے جو شر پسند لڑکے ہوتے ہیں نا، ان سے دور ہی رہنا چاہئے۔ اور پھر یہ بڑے باپ کے بیٹے جب الیکشن میں ہارتے ہیں تو یہ تند و تیز طوفان ہوتے ہیں، ان سے......''

''اوہ ـــــ آئی سی ـــــ تو یہ بات ہے۔'' وہ سمجھ گیا۔ آج صبح ہی صبح اخبار میں پروفیسر حیدر کیانی کے اغوا اور ان کی بازیابی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ احسن نے بھی اُسے پڑھ کر سنائی تھی۔

''ان بکھیڑوں میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں؟ سیدھے سادھے پڑھائی کرو اور واپس وادی میں آ جاؤ۔'' ان کے لہجے میں بلا کی تشویش تھی۔ ''میں ذولین کو بھیجوں گا تمہارے پاس۔ تمہیں تو آنا نہیں ہے۔ کم از کم مجھے ہی وہاں کے حالات سے باخبر

Marfat.com

کرے۔ یونین کا صدر بننا خدشوں سے خالی نہیں ہوتا۔ آج کی اس خبر نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ خون خرابے والے عہدے......"

"ارے، ارے ـــــ بابا خان! آپ تو بس سیریس ہو گئے۔ بائی گاڈ، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے آس پاس لوگ بہت اچھے ہیں۔ سارے امن کے خواہاں ہیں۔" اس نے بابا خان کو اتنا پریشان محسوس کر کے انہیں تسلی دینی چاہی مگر بابا خان کو تسلی کب ہوئی تھی۔ نگاہوں سے اتنی دور وہ انہیں بہلا رہا تھا۔

"دیکھو اشمل! شاہ بھی بہت پریشان ہے۔ اگر تمہیں کچھ ہوا نا تو میری خیر نہیں ہے۔" انہوں نے قریب آ کھڑی ہوئیں شاہ خانم کو دیکھا تو وہ لاپرواہی سے ہنس دیا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا بابا خان! کسی نہ کسی کو تو یونین کا صدر بننا ہی تھا۔ مجھ سے پہلے بھی کتنے لوگ یہ عہدہ سنبھال چکے ہیں۔ مگر بابا خان! میں نے بہت نیک ارادوں کے ساتھ یہ عہدہ سنبھالا ہے۔ آپ اور شاہ خانم میرے لئے دستِ دعا دراز رکھیں۔"

"جانتا ہوں تمہارے ارادے۔ مگر بیٹا! یہ سب سوچنا آسان ہے، ارادے باندھنا آسان ہے۔ عملاً یہ ناممکن سا ہو گیا ہے......"

"نہیں بابا! اسے ناممکن ہم لوگوں نے ہی بنا رکھا ہے۔ ان حالات کو انسانوں نے ہی بگاڑا ہے تو پھر سنوارنے والے بھی انسان ہی ہوں گے نا۔" اس نے بابا خان کی بات کاٹ کر پُرعزم لہجے میں کہا۔ "آپ دیکھئے گا، تعلیمی اداروں میں کیسے امن پھیلتا ہے۔ برائی کا نکتہ تیزی سے پھیلتا ہے مگر نیکی اور اچھائی کے نکتے کو پھیلانے کے لئے کچھ وقت اور محنت درکار ہوتی ہے۔ اور مجھے بھی کچھ وقت درکار ہے اپنی محنت کو بروئے کار لانے کے لئے۔ اور پھر میں تنہا نہیں ہوں۔ اس سفر میں میرے ہمراہ کئی اور بھی ہیں۔"

"ہاں ـــــ دیوانے ہیں۔" بابا خان پہلی بار ہنسے تو وہ بھی ہنس دیا۔

"جو بھی کہہ لیں۔ ویسے یہ مت بھولیں بابا خان! کہ چچا فیروز بھی اپنے وقت میں یونین کے صدر رہ چکے ہیں۔ آپ ہی نے بتایا تھا مجھے اور آپ خود بھی ان کے گروپ میں شامل تھے۔"

"خوب ـــــ تو مجھے ٹریپ کر رہے ہو۔"

"ارے توبہ کیجئے، میں کیونکر ایسی گستاخی کر سکتا ہوں۔ بس آپ کو مطمئن کر رہا ہوں۔" وہ زور سے ہنس دیا۔

"بس بیٹا! ہر کام یہ سوچ کر کرنا کہ تمہاری زندگی ہم سب کے لئے بے حد اہم ہے۔

Marfat.com

تمہارے جسم کا ایک زخم بھی یہاں بہت سے دلوں کو تڑپا دے گا۔‘‘
’’اگر زخم فتح کے ہوں تو وہ زخم نہیں تحفہ ہوتے ہیں۔ ان میں تکلیف نہیں ایک عجیب طرح کی راحت ہوتی ہے۔‘‘
’’مجھے تم پر فخر ہے بیٹا! مگر بات اس دل کی ہے جو اولاد کے معاملے میں کچھ بے قرار واقع ہوا ہے۔ میں تمہاری راہ میں اپنے کسی حکم کی رکاوٹ نہیں ڈالنا چاہتا۔‘‘ بابا خان نے محبت سے کہا۔
’’تھینک یو بابا خان!‘‘ وہ کھل اٹھا۔ ’’گھر میں سب کیسے ہیں؟ —— سب کو میرا اسلام کہیے گا بابا۔‘‘
’’ہاں، ہاں —— ٹھیک ہیں۔‘‘
’’اچھا مجھے اجازت دیجیے —— خاصا لیٹ ہو گیا ہوں۔ پیریڈ مس ہو گیا تو مجھے بے حد افسوس رہے گا۔‘‘ اس نے رسٹ واچ کو دیکھا۔
’’ہاں —— ہاں —— ضرور —— اچھا خدا حافظ بیٹا!‘‘ بابا خان نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔
’’کیا ہوا؟‘‘ اشتارا ان کے ریسیور رکھتے ہی ان کی طرف بڑھی۔ ’’انہوں نے یقیناً آپ کو تسلی دی ہوگی۔‘‘ وہ مسکرائی۔
بھلا وہ اپنے بھائی کو کیسے نہ جانتی۔ اس کا مزاج، اس کے بلند حوصلے اور اپنی بات پر ڈٹ جانے والا بابا خان کے حکم پر اپنے سارے ارادوں کو کیسے چھوڑ کر پیچھے پلٹ آتا۔ چٹانی عزم لے کر آگے بڑھنے والے کبھی پیچھے نہیں ہٹا کرتے۔ اس نے اپنی وادی کے نوجوانوں کو ایسا ہی جری دیکھا تھا جن میں اس کا بھائی سرِ فہرست تھا۔
’’ہوں —— خدا اُسے اپنی امان میں رکھے۔‘‘ بابا خان اٹھ کر دوبارہ ناشتے کی میز پر آئے مگر ناشتہ کرنے کی بجائے شاہ خانم کی طرف دیکھ کر بولے۔
’’اب میں زمینوں کی طرف جاؤں گا —— پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ اس لڑکے نے تو مجھے الجھا کر رکھ دیا ہے —— اُلٹا مجھے قائل کر دیا۔‘‘ ان کے لہجے میں پدرانہ شفقت بھری تھی۔
’’اور ناشتہ؟‘‘ شاہ خانم نے انہیں دیکھا۔
’’نہیں —— بس دودھ پی لیتا ہوں۔‘‘ انہوں نے انکار کر دیا اور گلاس میں رکھا دودھ پی کر قابل نواز کے ہمراہ باہر نکل گئے۔

Marfat.com

''لو بھلا اب ایسی بھی کیا جلدی تھی۔'' شاہ خانم برہمی سے بڑبڑائیں۔ انڈہ اور پراٹھا یونہی پلیٹ میں دیکھ کر انہیں غصہ آ گیا اور بڑبڑاتی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئیں۔ اشتارا کو ہنسی آ گئی۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ تو شاہ خانم کی ستواں ناک پر جما رہتا تھا۔

''کیا بات ہے خان زادی ــــ صبح ہی صبح بہت چہک رہی ہو۔'' زیبل اندر آئی تو اُسے اکیلے میں مسکراتا دیکھ کر بولی۔ ''صبح صبح کس کی صورت دیکھ لی؟''

''آئینہ ہی دیکھا تھا صبح منہ دھوتے وقت۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولی تو زیبل زور سے ہنس دی۔

''ارے ہاں زیبے!'' اشتارا یک بیک سنجیدہ ہوتے ہوئے زیبل کے قریب آئی۔ ''میں نے رات کو خواب میں زری کو دیکھا تھا۔''

''کیا اپنی زرسانگہ کو؟'' زیبل آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں زیبے! اُس نے بہت جگمگ کرتے کپڑے پہن رکھے تھے۔ میں اس کے پاس بیٹھی تھی مگر وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔ بس ہنس رہی تھی۔ اس کے خوبصورت لب بے تحاشا مسکراہٹ بکھیر رہے تھے۔

''اشتارا بی بی! یہ ــــ یہ تو بہت پیارا خواب ہے۔ زرسانگہ بہت خوش ہے۔ دنیا کے جھنجھٹ سے آزاد ہو گئی ہے وہ۔'' زیبل کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اشتارا کے دل پر بھی بھاری پن آ گیا۔ ''کبھی کبھی وہ مجھے بہت یاد آتی ہے زیبے! کیا وہ ہمیں یاد کرتی ہو گی؟'' اس نے پوچھا تو زیبل بولی۔

''اب کہاں اشتارا بی بی! وہ تو جنت کے گلشن میں کھیل رہی ہو گی۔ ہمیں کیونکر یاد کرے گی۔ یاد تو اسے نیچے زمین والے کر رہے ہیں۔'' زیبل گہری سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

''ہاں ــــ ٹھیک کہتی ہو تم۔'' اشتارا نے بھی سر ہلایا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو وہ چونکی۔

''ارے یہ صبح صبح کس کا فون آ گیا؟'' وہ جلدی سے فون کی طرف لپکی۔

''ہیلو!''

''ہیلو ــــ کون، اشتارا بیٹی! میں تمہاری ممانی بول رہی ہوں۔''

''ارے ممانی جان! آپ ــــ کیسی ہیں؟ یہ صبح صبح فون ــــ خیریت ــــ؟'' وہ کھل اٹھی۔

''ہاں خیریت ہی ہے۔ بس اطلاع دینی تھی کہ ہم انشاء اللہ کل حویلی آ رہے ہیں سب

Marfat.com

لوگ۔"

"کیا۔۔۔ سچ؟" وہ خوشی سے چیخ اٹھی۔

"ہاں۔۔۔ شاہ خانم کو ذرا فون دینا۔ جاگ رہی ہیں اس وقت؟"

"ہاں، ہاں۔۔۔ وہ ناشتہ کر کے اپنے کمرے میں گئی ہیں۔ میں ابھی انہیں بلا دیتی ہوں۔ ویسے خوش کر دیا ممانی جان! آپ نے یہ خبر سنا کر۔ دیکھئے سب کو لے کر آیئے گا۔ ماہی، سحر، شاردا بھابی، سب کو۔۔۔" وہ جلدی سے بولی اور پھر ریسیور رکھ کر شاہ خانم کو خود ہی بلانے ان کے کمرے کی طرف بھاگی۔

+++

دلِ وحشت زدہ کے ہاتھوں پر یہ عجیب گلاب رقم ہوئے ہیں
جس کی خوشبو حریم جاں کو اپنے گھیرے میں لے رہی ہے
یہ کیسا منظر نظر میں پھیلا
جو نا آشنا ہے
جو اجنبی ہے مگر لہو کے اندر مچل رہا ہے
جو اپنا رنگ بکھیر رہا ہے
کڑکتی دھوپ ہے یکلخت میں جیسے سائے میں آ گئی ہوں
یہ گہری رنگیں دھند جو میری بصارتوں میں
سمٹ رہی ہے
یہ نامانوس رنگ سارے، جو میری جانب بڑھ رہے ہیں
میں اس کے گھیرے میں آ کے جیسے
سکون کی منزل پا رہی ہوں
خدایا! میں جسے یاد کر رہی ہوں
سنہری آنکھوں کے دھندلکوں میں ہولے ہولے اتر رہی ہوں
میں جیسے خود سے بچھڑ رہی ہوں
شہرِ دل کی ساری وحشت قطرہ قطرہ پگھل رہی ہے
میں اس اجنبی خوشبو میں خود کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہی ہوں
میں سوچ رہی ہوں
یہی ہے شاید میری آخری شکست

Marfat.com

کہ جس کے بعد نہ کوئی جنگ کی صورت

یہی ہے ساحل کہ اب اس سے آگے

نہ میری راہیں نہ میری منزل

وہ ایک ہی زاویے سے جامعہ کے بغلی لان کے سبز فرش پر بیٹھی تھی۔ بظاہر اس کی نگاہیں گلاب کی کیاری کی طرف اٹھی ہوئی تھیں مگر دھیان کی ہوائیں اور ہی سمت اُڑ رہی تھیں۔ ایک عجیب سا احساس اس کے ذہن و دل میں ہلکورے لے رہا تھا۔

شوریدہ سر جذبے رگوں میں طوفان اٹھائے ہوئے تھے۔ اور وہ اس طوفان میں بہہ رہی تھی۔ اس نے اپنی ہستیٔ دل کو بچانے کی کوئی ترکیب بھی نہ سوچی ـــــ شاید بچاؤ کے سارے ہتھیار بے کار ہو چکے تھے۔

وہ ان شوریدہ سر جذ ا س کے رنگ پہچان رہی تھی۔

اور تصور میں بنتی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

معاً تصویر مکمل ہو گئی اور اُسے لگا جیسے اس کے اطراف ہر پھول میں ـــــ ہر ٹہنی میں ایک ہی صورت سمٹ گئی ہو۔

ہر شے پر ایک ہی رنگ بکھر گیا ہو۔

'اُف خدایا ـــــ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟' اچانک ہی جیسے وہ عالمِ مدہوشی سے عالمِ خود شناسی میں آ گئی۔

اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر چہرے پر لانا چاہا تو رک گئی۔ کئی تنکے اس کی مٹھی میں پھسل پڑے۔

پسینے کے قطرے لہروں کی صورت میں اس کی ہتھیلیوں سے بہہ رہے تھے۔

'بہت ڈسٹرب کر دینے والی شخصیت ہے تمہاری اشمل خان!' اس نے لبوں کو دانتوں میں دبا کر ایک گہری سانس کھینچی اور سر کو جھکا کر گھٹنوں پر رکھ دیا جیسے ایک ہاری ہوئی فوج کا سربراہ، فاتح لیڈر کے قدموں میں اپنے سارے ہتھیار رکھ دے۔ اور پھر سر جھکا کر ہر طرح کی سزا کے لئے تیار ہو جائے۔

''ارے ہشمینہ! کیا ہوا ـــــ گھر نہیں جانا کیا؟'' نگہت بیگ یہاں سے گزریں تو اُسے سر گھٹنوں میں دیئے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ ''کیا بات ہے ـــــ تم نے لاسٹ پیریڈ بھی اٹینڈ نہیں کیا۔''

''آں ...... کیا......؟'' وہ چونکی اور جلدی سے چادر کے کناروں سے چہرہ رگڑنے لگی

Marfat.com

جو ننھے ننھے قطروں سے چمک اٹھا تھا۔ سفید رنگت گہری گلابی ہو گئی تھی اور آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پھیل گئی تھی۔

''اب تو خیر سے آخری پیریڈ ختم ہوئے بھی بیس منٹ ہو گئے ہیں۔ میں تو گھر جا رہی ہوں۔ تمہیں نہیں جانا کیا؟''

''ہاں ــــ بس میں ابھی اٹھنے ہی والی تھی۔ موسم اچھا ہو رہا تھا سو یہیں بیٹھ گئی اور وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔'' وہ مسکرائی اور کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔ نگہت جواباً مسکرا کر جامعہ کی سڑک کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جاتے ہی ہشمینہ نے خود کو سنبھالا اور چادر کو سر پر ڈال کر بیگ اٹھالیا اور پھر ایک لمحہ رک کر خود سے بولی۔

'ٹھیک ہے اشمل خان! کہ میں تم سے ہار گئی ہوں۔ مگر میں تمہارے سامنے اپنی شکست کا اعتراف نہیں کر سکوں گی، نہ کرنا چاہوں گی۔ اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ یہ یکطرفہ سفر میری خواری ہی ہو گا ــــ میرے لئے اذیت کا باعث۔ اور میں اذیت میں اضافہ نہیں چاہتی۔ شکست کا یہ کرب بھی بہت ہے اشمل خان! جو تمہارے وجود، تمہاری آنکھوں اور تمہاری مکمل ذات نے مجھے بخش دیا ہے۔'

وہ کرب سے لب دانتوں میں دبائے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔

جامعہ کی سڑک کی رونقیں ماند ہو گئی تھیں۔ موٹر سائیکلوں سے بھری سڑک خالی تھی۔ چند گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف آئی۔ اور اچانک ہی سفید ہنڈا سوک کے بریک پوری قوت سے اس کے قریب چرچرائے ــــ اور اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، مضبوط ہاتھوں نے اُسے گاڑی کے اندر کھینچ لیا ــــ اور دوسرے ہی لمحے کار فراٹے بھرنے لگی ــــ!

وہ اس اچانک حملے کے لئے قطعاً تیار نہ تھی۔ آندھی وطوفان کی طرح آنے والی اس گاڑی کے بریک نے ہی اُسے بوکھلا دیا تھا کہ وہ فوراً اپنے بچاؤ کے لئے کسی طرح کی کوشش نہ کر سکی۔ البتہ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے چیخنا چاہا مگر مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ پیر مار کر اس آہنی پنجے کو پیچھے ہٹانے کی سعی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

اس نے اس جدوجہد کے دوران آنکھیں اٹھا کر گاڑی میں بیٹھے ہوؤں کو دیکھا تو

Marfat.com

جیسے دل دھڑکنا بھول گیا۔ اس کے بے حد قریب تو ریحان پراچہ بیٹھا تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں اس کا نازک وجود بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر کوئی اجنبی چہرہ تھا۔ وہ پوری رفتار سے گاڑی بھگا رہا تھا۔ نا معلوم، نا آشنا راستوں کی جانب ___ سرمئی دیواروں اور سفید گیٹ والی عمارت کے سامنے پہنچ کر اس نے زور زور سے ہارن دیا۔ اسی لمحے گیٹ کھلا اور گاڑی اندر داخل ہو گئی ___!

Marfat.com

''اشش......مل......اشمل خان!......اشمل خان!''

نعیم کی بے ربط آواز بے حد تیز تھی۔ اس نے آفس کا دروازہ بھی اتنے زور سے کھولا تھا کہ دروازہ دھم سے دیوار سے جا لگا تھا۔ اشمل خان، شہزاد اور افتخار کے ساتھ فائلیں کھولے کسی اہم مسئلے میں الجھا ہوا تھا۔ نعیم جان کے اس انداز نے بیک وقت تینوں کو چونکا دیا تھا۔

''کیا ہوا نعیم؟'' اشمل کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''وہ ہشمینہ کو...... ریحان پراچہ نے ابھی...... اسی وقت...... جامعہ کی سڑک سے کڈنیپ کیا ہے۔ م...... میں۔ نے...... خود دیکھا۔'' وہ ہانپ گیا۔

''کیا___'' اشمل خان کا اونچا لمبا وجود ایک لمحے کے لئے لرزا۔ ''ہشمینہ کو ریحان پراچہ......'' اس کے مضبوط اعصاب کو جھٹکا لگا۔

''ہاں___ ابھی چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے۔ وہ اپنی سفید ہنڈا اکارڈ میں تھا۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے بھی لڑکے......'' نعیم جان کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ اشمل خان تیزی سے آفس کے دروازے سے باہر نکلا۔

''اشمل خان! ہم بھی آ رہے ہیں۔'' افتخار اس کے پیچھے لپکا۔

''نہیں، تم لوگ آفس کو بند کر دو۔ یہ لو چابی۔'' اس نے جلدی سے آفس کی چابی اچھال دی۔ ''اور دیکھو، یہ بات پھیلنی نہیں چاہئے۔''

''مگر ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ تمہارا تنہا جانا خطرناک ہے۔'' نعیم جان بضد تھا۔ لیکن اشمل خان اس کی بات سنی ان سنی کرتا آندھی طوفان کی طرح اپنی گاڑی تک جا پہنچا اور دوسرے ہی لمحے گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر نکال لے گیا۔ اس خبر نے اس کے اعصاب سن کر کے رکھ دیئے تھے۔ ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ آگے پیچھے آنے والی گاڑیوں کو وہ مستقل اوور ٹیک کر رہا تھا تاکہ وہ ریحان پراچہ کی رہائش گاہ پر جلد از جلد پہنچ سکے۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ہشمینہ کو اسی جگہ لے کر گیا ہو گا۔

Marfat.com

ریحان پراچہ کی اس حرکت نے اس کے اندر آگ بھر دی تھی۔ ہوٹل میں سکندر کو دیکھ کر اس کے دل میں تشویش نے پہلے ہی پر پھیلا دیئے تھے۔ مگر اندیشے اور وہم کو حقیقت کے اس روپ میں دیکھنے کا گمان تک نہ تھا۔ ریحان پراچہ اس کی دشمنی میں ہشمینہ کو ہتھیار بنائے گا، اُسے اتنا اندازہ ہرگز نہ تھا۔

اُس کی گاڑی سرمئی عمارت کے سامنے رکی تو اس کی شریانوں میں خون اُبلنے لگا۔

''ریحان پراچہ! اگر تم نے ہشمینہ کو غلط ارادے سے چھوا تک بھی ہوگا تو آج تم میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچو گے۔'' اس نے غصہ کی شدت سے لب بھینچے اور گاڑی کھلے ہوئے گیٹ میں داخل کر دی۔

+++

کتنے ہی لمحے وہ بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی اور اپنے سامنے کھڑے ریحان پراچہ کو دیکھتی رہی جس کی آنکھوں میں ہوس اور لبوں پر مکروہ مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ اس کا دماغ گھومنے لگا۔ وہ کتنی ہی دیر کچھ سوچنے کے قابل نہ رہی۔

''تم.....تم.....ذلیل انسان......'' اچانک ہی وہ پھٹ پڑی۔ ''کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟ــــ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔'' اس کی آنکھیں شعلہ ہو گئیں اور ریحان پراچہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اشمل خان مجھے سلاخوں کے پیچھے دیکھنے کا خواہش مند ہےــــ اُسے شاید میری حیثیت کا علم نہیں ہے۔ نہ تمہیں۔'' وہ قدرے اس کی جانب جھکا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''تت.....تم نے اشمل کی دشمنی میں مجھے......''

''نہ......نہ......نہیں ہشمینہ صاحبہ!'' اس نے فوراً اس کا جملہ کاٹ دیا۔ ''تم نے مجھے دھوکا دیا۔ میری پارٹی سے نکل کر اشمل خان کو میرے منصوبے سے آگاہ کرنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہوٹلوں میں بیٹھ کر میرے خلاف بولنے لگیں۔ تمہیں شاید میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے سویٹ ہارٹ! میں وہ نہیں ہوں جو نظر آتا ہوں۔'' اس نے جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنے قریب کھینچا۔

''تمــــ ذلیل انسان! تم نے صرف اور صرف اپنی ہوس کے لئے مجھ سے پارٹی ریلیشن استوار کئے ہوئے تھے۔'' ہشمینہ نے ایک جھٹکے سے خود کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔ ''میرے قریب مت آنا ریحان ورنہــــ''

اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔

Marfat.com

ریحان کے بڑھتے قدم اس کا خون خشک کیے دے رہے تھے۔
بے بسی اور غصے سے اس کا بدن کانپنے لگا تھا۔
''میں نے تمہیں چاہا ہے ہشمینہ ابرار! اور جسے چاہا جاتا ہے اسے پانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ تم نے میرے جذبوں کی اہانت کی تھی۔ یاد ہوگا تمہیں۔ اب میرے پاس یہی طریقہ رہ جاتا ہے۔ سارے حساب اسی طرح بے باق ہو سکتے ہیں۔''
''تم ایسی گھناؤنی حرکت نہ کرنا۔'' وہ بلک اٹھی۔
''ہا، ہا، ہا۔۔۔ کہاں گئی وہ تنی ہوئی گردن۔۔۔ وہ فخر و غرور؟۔۔۔ یہ سب خاک میں ملا دوں گا۔ ابھی چند منٹوں میں ریزہ ریزہ کر دوں گا وہ غرور۔۔۔ اس کے بعد تم کبھی یہ خوبصورت گردن تان کر نہیں چل سکو گی۔ پھر کسی ریحان پراچہ کو نہ جھڑک سکو گی۔ یہ پارسائی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔''
''قہر نازل ہوگا تم پر کمینے انسان!'' وہ اپنی ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے دھاڑی۔ ''اگر تم نے مجھے چھوا بھی۔''
''تو۔۔۔۔۔ تو کیا کر لو گی۔۔۔۔۔ ہا، ہا، ہا۔۔۔ بس یہی غرور تو توڑنا ہے مجھے۔ یہی تنتنا جو کبھی مجھے اچھا لگتا تھا، مگر اب نفرت ہے مجھے۔''
ہشمینہ کو اپنی سانسیں گھٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ بے بسی کا غلبہ شدت سے اس پر طاری ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت جہاں ہے وہاں دور دور تک اس کا کوئی مددگار نہیں ہے۔۔۔ اس کی عصمت و عزت کی حفاظت صرف اور صرف خدا کے اختیار میں ہے۔
''خدایا! تُو رحم کر۔۔۔'' اُس کا دل بلک اٹھا۔ اُس نے عجیب بے بسی اور بے اختیاری سے کمرے کے دروازے کی جانب دیکھا اور اسی لمحے دروازہ دھڑ سے کھل کر دیوار سے جا لگا۔
''ریحان! پیچھے ہٹ جاؤ۔'' اشمل خان کی آواز میں غراہٹ تھی۔ اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔ پہلی بار اس کے ہاتھوں میں ریوالور چمک رہا تھا جس کی نال ریحان پراچہ کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔
''تم یہاں کیسے آ گئے؟'' ریحان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اشمل خان کو اپنے سامنے ریوالور لئے کھڑے دیکھ کر وہ نہ صرف حیران ہوا تھا بلکہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔
''تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟''
''اونہہ۔۔۔۔۔ مجھے کون روک سکتا تھا۔ جب تم ہشمینہ کو یہاں تک لانے کی جسارت کر

Marfat.com

سکتے ہو تو پھر مجھے یہاں آنے پر کون روکنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ ذلیل شخص! آج تم نے اپنی اوقات دکھا دی۔ تم نے اپنا مکروہ روپ بالآخر دکھا دیا۔'' وہ اسی نفرت اور غصہ سے اس کے قریب آ گیا۔

ہشمینہ بے حس و حرکت دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس کی سانسیں تیز رفتاری سے چل رہی تھیں۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود اسی زمین پر ڈھیر ہو جائے گا۔ غم و غصہ اور بے بسی کی کیفیت طاری ہوتے ہوتے یہ اتنی بڑی خوشی اُس سے سنبھل نہ پا رہی تھی۔ اس کی عصمت کی حفاظت کرنے اشمل خان آ چکا تھا ـــــ اُس کے لئے رحمت کا فرشتہ بن کر۔

''اشمل! شاید تمہیں احساس نہیں ہے کہ تم اس وقت میری کوٹھی کی انیکسی میں ہو۔'' ریحان پراچہ نے تھوک نگلتے ہوئے اُسے خوف دلانے کی کوشش کی۔ ''میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ورنہ.......''

''ورنہ کیا تم میری جان لے لو گے؟ ـــــ نہیں ریحان پراچہ! جان تو آج میں تمہاری لوں گا کہ تمہارے ناپاک ہاتھ ایک شریف لڑکی کی جانب بڑھے تھے۔''

اس نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور ریحان پراچہ کو گریبان سے پکڑ کر کئی جھٹکے دیئے۔

''تم جیسا ناپاک وجود اس زمین کے لئے وبال ہے۔ اس زمین پر بوجھ ہے۔ اسے ختم ہو جانا چاہئے۔ ابھی اور اسی وقت۔'' وہ جنونی سا ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ ریحان پراچہ کی گردن کے گرد جم گئے اور وہ پوری قوت سے اس پر دباؤ ڈالنے لگا۔

''اشمل.....اشمل پلیز! مجھے چھوڑ دو۔'' ریحان پراچہ کی دبی دبی چیخیں حلق سے نکلنے لگیں۔

''کیسے چھوڑ دوں تمہیں ذلیل انسان! کیسے چھوڑ دوں ـــــ تم جیسے غلیظ اور بے غیرت شخص کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔''

اشمل خان غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ ریحان اس کی مضبوط گرفت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا اور بے بسی سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

''اش.......مل! یہ....... یہ کیا کر رہے ہو؟'' اچانک ہشمینہ آگے بڑھی اور اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس کا بازو تھام لیا۔ ''یہ مر جائے گا ـــــ اسے چھوڑ دو اشمل!''

''اسے مرنا ہی چاہئے ـــــ ہٹ جاؤ تم۔'' وہ دھاڑا۔

''خدا کے لئے اشمل!'' ہشمینہ پریشان ہو گئی۔ ریحان پراچہ کی اُبلتی آنکھیں اس

Marfat.com

کے اندر دہشت بھر رہی تھیں۔

اگر ریحان پراچہ، اشمل خان کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تو وہ پھر سزا سے کیسے بچ سکے گا؟۔۔۔ وہ قاتل ہو جائے، محض اس کے لئے۔ یہ ہشمینہ کیسے گوارا کر لیتی۔ اُسے اس اقدام سے ہر حال میں اُسے باز رکھنا تھا۔

"میری جان کی قسم اشمل خان! اسے چھوڑ دیں۔۔۔ چھوڑ دیں۔" وہ اس کا بازو تھام کر بے اختیار رو دی۔ "یہ قتل ہو جائے گا۔۔۔ اور میں نہیں چاہتی کہ اس کا ناپاک خون آپ کی گردن پر ہو۔ اسے ابھی جیل میں سڑنا ہے۔۔۔ اسے اتنی جلدی مت ماریں۔" وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

اشمل خان کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ریحان پراچہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کے سانسوں کی رفتار بے حد دھیمی ہو گئی تھی۔ اشمل خان نے جھک کر اس کی نبض دیکھی پھر قدرے مطمئن ہو کر اٹھ کر ہشمینہ کی طرف مڑا جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک رہی تھی۔

وہ چند ثانیے لب بھینچے اُسے دیکھتا رہا پھر اس کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا انیکسی سے باہر نکال لایا۔

سامنے افتخار اور نعیم جان کھڑے تھے۔ وہ دونوں انیکسی کی طرف ہی بڑھ رہے تھے۔ ہشمینہ اور اشمل خان کو دیکھ کر چونکے۔

"اشمل! وہ ریحان۔۔۔" نعیم جان تیزی سے آگے بڑھا مگر پھر رک گیا۔ اشمل خان اسے نظر انداز کرتے ہوئے ہشمینہ کو لئے اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ وہ ہنوز اسی رفتار سے رو رہی تھی۔ اس صدمے نے اس کی جان تک نکال دی تھی۔ موت نے اسے کبھی خوفزدہ نہیں کیا تھا مگر اپنی رسوائی کے خوف نے اسے نیم جان کر دیا تھا۔

اشمل خان کے سامنے وہ کتنی بے وقعت اور بے حیثیت ہو گئی تھی۔ اگر وہ فرشتہ بن کر نہ آتا تو وہ ریحان پراچہ کے ہاتھوں رسوا ہو گئی ہوتی۔

اُف۔۔۔ وہ مر کیوں نہ گئی؟

"ہشمینہ!" اشمل خان نے آہستگی سے اس کے شانے کو چھوا تو وہ بے قرار ہو کر اس کے ہاتھ پر چہرہ ٹکا کر رونے لگی۔

"مجھے کہیں سے زہر لا دیں اشمل! میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ میرا مان ٹوٹ گیا۔۔۔ میری ساری انا مجروح ہو گئی۔ اب جی کر کیا کرنا ہے۔"

Marfat.com

''بے وقوف لڑکی! تم اب بھی ان چھوئی کلی ہو۔ پھر رونا کس بات کا؟ عزت، مان سب کچھ تو سلامت ہے۔'' اس کے یوں تڑپ تڑپ کر رونے پر اشمل خان کے دل پر گھونسہ لگا تھا۔ اتنی مضبوط، اتنی پیاری لڑکی کو بکھرتے ہوئے وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''آپ کو مجھ سے نفرت تو نہیں ہو گئی؟'' اس نے آنسوؤں سے بھری پلکیں اٹھا کر پوچھا۔

''ہشت...... پاگل......نفرت کے قابل تم نہیں، ریحان پراچہ ہے۔ بھلا تم سے کیونکر نفرت ہو گی۔ کم آن ہشمینہ!'' اس نے اس کا کانپتا ہاتھ تھپتھپایا۔ ''اس واقعہ کا خوف اپنے اوپر طاری مت ہونے دو۔ جو ہو گیا اسے کوئی بھیانک خواب سمجھ کر بھلانے کی کوشش کرو۔'' اس نے شفقت اور محبت سے اس کی بھیگی بھیگی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں تمہیں وہی مغرور و مضبوط اور نڈر ہشمینہ دیکھنا چاہتا ہوں جس نے مجھے اسیر کر لیا ہے۔''

اس کے لفظ ہشمینہ ابرار کے دل کو تسلی دے رہے تھے۔ اس کے آخری جملے پر وہ چونکی۔ اُسے لگا جیسے اشمل خان نے اس کی سماعتوں پر خوشبو بکھیر دی ہو۔ وہ یقین اور بے یقینی کی سی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی۔ اور چونکی اس وقت جب گاڑی ایک پارک کے سامنے رک گئی۔

''تم خود کو نارمل کر لو ـــــ اس طرح تمہیں گھر ڈراپ کرنا سب کو مشکوک کر سکتا ہے۔'' وہ اس کے متوحش چہرے اور ریشمی رخسار پر ایک نگاہ ڈال کر دھیرے سے بولا تو وہ جیسے پوری طرح سے عالم خود شناسی میں آ گئی اور جلدی سے شانوں سے ڈھلکتی چادر کو سر پر ڈال لیا اور بے قراری سے لب کاٹتے ہوئے دھیرے سے سر اٹھایا تو ساری ہستی ڈول گئی۔

وہ سحر انگیز آنکھیں سچی اور پُر خلوص محبت کا ایک جہاں آباد کئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ لبوں پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔ اس نے پلکیں جھکا دیں اور عارضوں پر ڈھلکے آنسوؤں کو چادر کے کناروں سے پونچھنے لگی۔

''ضروری نہیں کہ ہم جس طرح سوچتے ہیں، جو سوچتے ہیں وہ سب کچھ اسی انداز سے ہو اور بالکل ہماری منشاء کے مطابق ہمارے ارادوں کی تکمیل اور خوابوں کی تعبیر ہو۔''

''مگر اشمل خان! اپنے ارادوں کا اتنا بھیانک انجام، خواب کی اتنی دہشت ناک تعبیر۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔ ابھی تک یہ دکھ اس کی روح میں شعلے کی طرح جل رہا تھا۔

Marfat.com

اس کی ہمدردی پر اور بھی حوصلہ ہار رہی تھی۔

جب سہارے کے لئے دیوار نظر آ جائے تو انسان اس لمحے سارے حوصلے ہار کر دیوار کا سہارا لینا چاہتا ہے۔ وہ بھی ایک ساتھ سارے دکھ، ساری تھکاوٹ اتار دینا چاہتی تھی ——— سارے آنسو بہا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لینا چاہتی تھی۔ اشمل خان اس وقت اس کے لئے ایک مضبوط دیوار ہی تو ثابت ہوا تھا۔

''میں نے کہا ہشمینہ! کہ سب کچھ ہماری سوچوں اور ہمارے خیالوں کے مطابق نہیں ہوتا۔ اور پھر تمہیں تو تقدیر نے مات دی ہے۔ کبھی کبھی تو ہمیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم دل جیسی شے سے بھی مات کھا گئے ہیں۔ دراصل یہ ہمارے اندر دھڑکتے ہوئے دل کی شکست ہے۔ کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ خود کو بھی بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر سمجھنے والے تسخیر ہو جاتے ہیں۔'' اس نے ہشمینہ کی بڑی بڑی نم آنکھوں میں بس ایک لمحے کے لئے جھانک کر کہا تھا اور وہ اس لمحے کے سحر میں جکڑتی چلی گئی۔ ان بھوری بھوری آنکھوں کو حیرت سے دیکھتی رہی جو کسی آئینے کی طرح تھیں اور جن میں اس کا اپنا عکس بہت واضح تھا۔

''اشمل خان!'' اس کے لب کپکپا گئے اور چہرہ تمتما اٹھا۔

''ہاں ہشمینہ! اپنی ہار کا کھلا اعتراف کرنا بھی بہادری ہے۔'' اس کا لہجہ شگفتہ تھا اور آنکھیں اور لب دونوں ہی متبسم تھے ''تم نے تو یہاں بھی بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔'' وہ اس کے سرخ چہرے کو پُر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ بوکھلا گئی۔

'اُف ——— یہ شخص کیا دل میں جھانک لینے کے فن سے آگاہ ہے یا میری آنکھوں نے اُسے یہ راز سونپ دیا ہے؟'

اس کی پلکوں پر منوں بوجھ آ پڑا۔

''میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے نا۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ''دراصل تم مجھے غصہ میں اچھی لگتی تھیں۔ بلند حوصلہ رکھنے والی ——— پُر جوش ——— میرے لئے کبھی چیلنج بن جاتی تھیں۔''

''اور اسی چیلنج کو آپ نے قبول کر لیا۔'' وہ شرگیں لہجے میں بولی تو اشمل خان اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا۔

وہ دونوں نیچے اتر آئے۔

نرم نرم سبزے پر چلتے ہوئے اشمل خان نے اس کا نرم ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں

Marfat.com

تھام لیا۔

''میں خود کو بہت پریکٹیکل سمجھتا آ رہا تھا۔ مگر یہاں وہی بے وقوف سا، دیوانہ سا مجنوں بن گیا۔ بہت اچانک۔''

اُس نے بڑے سے درخت کے تنے پر ٹیک لگا کر اسے دیکھا اور کتنے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

ھشمینہ کو لگ رہا تھا جیسے کائنات کی حرکت رک گئی ہو۔

دل پر لپکتے شعلوں پر نرم نرم بوندیں گر رہی ہوں۔

یا ہر شے مسکرانے لگی ہو۔

یا وقت چلتے چلتے اچانک خوبصورت موڑ پر ٹھہر گیا ہو۔ سارے بھیانک اندیشے معدوم ہو گئے ہوں۔

اشمل خان اپنا نرم و مہربان سایہ لے کر اس کے قریب آ گیا تھا۔

اشمل خان نے اُسے یکطرفہ سفر کی اذیت سے یکدم ہی باہر نکال دیا تھا۔

اس کی ساعتوں پر خوشبو بکھیر دی تھی۔

اسے چاہے جانے کا فخر بخش دیا تھا۔

اور یہ احساس کتنا روح پرور ہوتا ہے کہ کوئی ہمیں چاہتا ہے۔

اس کے وجود نے اس کے وجود کو تسخیر کر لیا ہے۔

مسرت و انبساط کے احساسات کسی منظر کی طرح اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور وہ آگے بڑھ کر اس کی ساری رعنائیاں سمیٹ لینا چاہتی تھی کہ

یہی ہے شاید میری آخری شکست\
کہ جس کے بعد نہ کوئی جنگ کی صورت\
یہی ہے ساحل کہ اب اس سے آگے\
نہ میری راہیں\
نہ میری منزل

+++

اُس کی حالت ابھی سنبھلی نہیں تھی۔ اُس نے خود کو کمرے میں ہی مقید کر لیا تھا۔ شاردا بھابی بھی اس کے رویے پر پریشان ہو گئیں۔

''کیا ہو گیا ہے سحر! تجھے؟ کیوں اتنی دُبلی ہو گئی ہو؟'' شاردا بھابی نے پیار سے اس

Marfat.com

کے بال سہلائے تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کک...... کچھ نہیں۔ بس سر میں درد سا رہتا ہے۔'' اس نے بدقت خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ اُسے ماہ گل آپی کی تاکید یاد آ گئی۔ انہوں نے کتنی مرتبہ اس سے کہا تھا کہ وہ خود کو سنبھال لے۔ گھر میں ان دونوں کے علاوہ بھی کئی افراد ہیں جو مشکوک بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ کیا کرتی اس دل کا جو سب چیزوں سے یک دم ہی اُچاٹ ہو گیا تھا۔

اس واقعہ نے اُسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔

''ارے ہاں ـــــ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔ امی کہہ رہی تھیں تم وادی جاؤ گی نا ان کے ساتھ؟'' شاردا بھابی نے پوچھا تو اس نے سر جھکا لیا۔

''نہیں ـــــ میرا موڈ نہیں۔''

''ایں ـــــ کیوں؟ اشتارا تو تم سب کی آمد کا سن کر بہت خوش ہوئی ہے۔ تم سے تو اس کی بڑی دوستی ہے۔ تم نہیں جاؤ گی تو وہ برا مانے گی۔''

''کون کون جا رہا ہے؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ بالکل غائب دماغ ہو رہی تھی۔ حالانکہ چند دن پہلے اس کے سامنے ہی پروگرام بنا تھا۔ اور اب اُسے کچھ یاد نہیں تھا۔ ذہن کی ساری سوئیاں تو بس اس واقعہ کے گرد گھوم رہی تھیں۔

''سحر! تمہارا فون ہے۔'' زمان بھائی دروازے میں کھڑے اس سے کہہ رہے تھے۔

وہ پوری جان سے کانپ گئی۔

''میرا فون؟'' اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اپنے نام سے منسوب ہر آہٹ پر وہ خوف میں گھر جاتی۔

'خدایا اب کوئی نیا دکھ نہ ہو۔'

''ہاں ـــــ کوئی فضہ نامی لڑکی ہے۔'' زمان بھائی یہ کہہ کر الٹے قدموں واپس مڑ گئے۔ شاردا بھابی بھی باہر نکل گئی تھیں۔

''فضہ ـــــ'' یہ نام اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگا تھا۔

اُسے بدنامی میں دھکیلنے والی۔

اُسے زندہ درگور اسی لڑکی نے تو کیا تھا۔

فروان کے سامنے رسوا اسی کی وجہ سے تو ہو گئی تھی وہ۔

اب کیا رہ گیا تھا۔ وہ سلگتی سوچوں کے ہمراہ لاؤنج میں آئی اور پردہ کھینچ کر جلدی سے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔

Marfat.com

''ہیلو——''

''ہیلو سحر!'' فضہ کی آواز اُبھری اور اس کے ساتھ ہی سحر گل کی رگوں میں نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کا پور پور جلنے لگا۔

''کیوں کیا ہے فون —— اب کیا رہ جاتا ہے ذلیل لڑکی! تم نے میری زندگی میں کانٹے بھر دیئے فریبی لڑکی! اب کون سا ڈرامہ رچانا چاہتی ہو؟'' وہ پھٹ پڑی۔ دل میں چھپا ہوا لاوا بہہ نکلا۔

''نہیں، نہیں سحر! تم غلط سمجھی ہو۔ میں تو......''

''مجھے اب تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔'' اس نے نفرت سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''دوستی کی آڑ میں تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اپنے کزن کے لمحوں کو رنگین بنانے کے لئے میری ذات کو گھسیٹا۔''

''خدا کے لئے سحر! اتنے الزام مت دو۔ بائی گاڈ، میں یہ سب کچھ نہیں چاہتی تھی۔ ہاں قصور ہے تو اتنا کہ تمہیں بلوایا۔ مگر میری مجبوری بھی تو سمجھو۔ یہی کچھ تو بتانے کے لئے تمہیں فون کیا ہے۔ پلیز ٹھنڈے دل سے میری بات سنو، پھر چاہو تو مجھے کوئی بھی سزا دینا۔'' فضہ بے اختیار سسکنے لگی۔ ''اُس دن سے میں بھی لمحہ لمحہ مر رہی ہوں —— اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑی خود کو بہت بڑا مجرم سمجھ رہی ہوں۔''

''تم نے پھر یہ سب کچھ کیوں کیا فضہ! کیوں کیا؟'' سحر گل اس کے رونے پر پگھل سی گئی۔

''سحر! مجھ سے بہت پہلے ایک غلطی ہو گئی تھی۔ ایک ایسی غلطی جس کا خمیازہ اب اکثر و بیشتر مجھے بھگتنا پڑتا ہے۔ جانتی ہو وہ غلطی کون سی تھی؟'' وہ قدرے رکی مگر سحر خاموش رہی۔

''وہ غلطی ہے منصور سے محبت۔''

''کیا——؟'' سحر کو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ ''تت......تم منصور سے......''

''ہاں سحر! میں اس وقت عمر کے اس دور میں تھی جہاں آگ بھی بسا اوقات دمکتا ستارا محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حُسن اور رنگ میری آنکھوں میں اُتر آئے تھے۔ اس وقت منصور بھی دمکتا ستارا محسوس ہوا سحر! وہ اس وقت بہت آتا تھا ہمارے گھر۔ میں نے بتایا تھا نا تمہیں کہ تب ہم ان کے پڑوس میں ہی رہتے تھے۔''

''ہوں —— ہاں، بتایا تھا۔ پھر؟'' سحر بے قراری سے بولی۔ اس کی سانس فضہ کی

Marfat.com

آواز کے ساتھ کبھی تیز کبھی دھیمی ہو رہی تھی۔

''میں اُس کی خوبصورت باتوں کی اسیر ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں جھلکتے مکروہ جذبے مجھے ایسے دلکش خواب دکھا گئے کہ میں انہی میں گم ہو گئی۔ اور پھر کچھ پانے سے پہلے ہی سب کچھ کھو بیٹھی۔'' اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ ماضی کی غلطیوں کا دکھ اس کے لہجے میں گھلنے لگا۔

سحر کو لگا جیسے اس کا دل یکلخت کسی نے مٹھی میں دبا لیا ہو اور اسے بھینچ لیا ہو۔ فضہ کے دل کے اندر اتنی وحشت ناک کہانی چھپی تھی۔ جانے اس کا بوجھ وہ کب سے اٹھائے پھر رہی تھی۔ اس کا دل فضہ کے دُکھ پر پگھلنے لگا۔

''سحر! مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے کسی نے آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو اور میں عمیق تاریکیوں میں گم ہوئی جا رہی ہوں۔ میری ساری زندگی بکھر گئی جس طرح نازک کانچ اور سبک چوڑیاں ہاتھوں سے گر کر کرچی کرچی ہوتی ہے نا، اسی طرح میں بھی کرچی کرچی ہو گئی ہوں سحر!''

''فضہ! تم نے اس شخص کا گریبان نہیں پکڑا؟ اس بے غیرت کمینے انسان سے بدلہ نہیں لیا؟ کوئی احتجاج نہیں کیا؟'' سحر گل کو ایسا لگا جیسے یہ دُکھ فضہ کا نہیں، اس کا اپنا ہو۔

''ہاں —— مگر تم کہتیں بھی کس سے؟'' اس نے لب دانتوں میں دبا لئے۔ ''یہی تو ہمارا المیہ ہے کہ لٹ کر بھی ماتم نہیں کر سکتے۔ رسوا ہو جانے کے بعد بھی رسوائیاں ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔''

''ہاں سحر! ٹھیک کہتی ہو تم۔ میں برباد ہو کر بھی اس سے انتقام نہ لے سکی۔ الٹا اس کی محکوم بن گئی۔ مبادا یہ راز افشا نہ کر دے۔ مردوں کے اس معاشرے میں اس پر کون انگلی اٹھاتا —— سارا کیچڑ تو میرے ہی حصے میں آتا۔ سر تو بیٹیوں کے والدین کے ہی جھکتے ہیں۔''

''مگر فضہ! تم ——''

''سحر! تم نہیں جانتیں اس نے مجھے کس کس طرح بلیک میل کیا ہے۔ کئی لڑکیوں کو تباہ و برباد کرنے میں اس کے ساتھ میرا بھی ہاتھ شامل ہے۔ اور اب تمہیں بلانے پر بھی اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔ اسی حربے سے۔''

''تم نے اس سے شادی کے لئے کہا تھا؟'' سحر گل دھیرے دھیرے رندھے ہوئے لہجے میں بولی تو فضہ کی ایک تلخ سی ہنسی آزاد ہو گئی۔

Marfat.com

''شادی ــــ ارے بے وقوف لڑکی! عورت جب تک مردوں کی ہوس زدہ نگاہوں سے دور ہو، ہیرا ہوتی ہے۔ اسے ہیرے ہی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر جب عورت اس کے ہاتھوں کھلونا بن جائے تو پتھر ہوتی ہے اور پتھروں سے گھر نہیں سجائے جاتے۔ خیر اب تو اتنے برس بیت گئے۔ اس داغ کی کسک کبھی کبھی تیز ہو جاتی ہے تو چھپ کر رو لیتی ہوں۔ پلیز تم مجھے معاف کر دو ــــ خدا کے لئے میرا جرم معاف کر دو۔''

''نہیں، نہیں فضہ!'' اس نے جلدی سے کہا اور پھر شدتِ دکھ سے بلک اٹھی۔ ''اوہ فضہ! یہ سب کیا ہو گیا؟'' اس نے کرب سے لب دانتوں میں دبا لئے۔

''سحر! تم ماہ گل آپی کو سب کچھ بتا دینا۔ اس سے پہلے کہ منصور کچھ گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے تم سب کو اپنے اعتماد میں لے لینا۔''

''فضہ! مجھ پر قیامتیں ٹوٹی ہیں۔ میں بے قصور ہو کر بھی قصوروار ٹھہرائی گئی ہوں۔ فروان کی نظروں سے ایسی گری ہوں کہ دل چاہتا ہے پھندا ڈال کر مر جاؤں۔ روح کی موت جسم کو تا عمر اذیت دیتی ہے۔'' اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا غم جاوداں ہو گیا۔ وہ نیم جان سی ہو گئی۔

فضہ کا دکھ۔

منصور کا ناقابلِ معافی گناہ۔

اور خود اپنا کرب۔

اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے جالے دبیز ہو گئے۔

اس نے فون رکھا تو ڈھیروں تھکن اس کے وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ پلٹی تو سن سی ہو کر رہ گئی۔ فروان لاؤنج کا پردہ تھامے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بے اختیار جھک گئیں اور قدم من من بھر کے ہو گئے۔ وہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی جس کی نظروں سے چھپتی اور کتراتی پھر رہی تھی اب وہ اس کے بالکل سامنے تھا۔

''سحر!'' وہ اس کے قریب آ گیا۔ عجیب سا حزن اس کے چہرے پر ہلکورے لے رہا تھا۔ ''مجھے معاف کر دو ــــ میرے ناروا رویوں نے تمہیں بہت دکھی کر دیا ہے نا۔ میں اپنے کہے لفظوں اور خیالوں پر نادم ہوں۔'' اس نے خفت زدہ لہجے میں کہا تو سحر گل گرتے گرتے بچی۔ اس نے سر اٹھا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ یہ..... یہ فروان اس سے معافی مانگ رہا ہے۔

''سحر! میں نے بغیر سوچے سمجھے، تمہارا عذر سنے بغیر تمہیں نجانے کیا کچھ کہہ دیا ہے۔

Marfat.com

سوچتا ہوں تو خود ہی زمین میں گڑنے لگتا ہوں۔ پلیز سحر! میں سخت نادم ہوں۔'' اس نے بے قراری سے کفِ افسوس ملتے ہوئے اسے دیکھا جو عالم تحیر میں گم تھی۔

اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے فروان اس کی سماعتوں میں امرت اُنڈیل رہا ہو۔

اس کے دکھی دل کو تھپک رہا ہو۔

''فر......فروان......میرے بھائی!'' اس کا دل بھر آیا۔

''فر......وان.....'' اس نے تڑپ کر دیکھا اور پھر بے اختیار ہو کر اس کے شانے سے سر ٹکا کر بلک اٹھی۔

''پاگل لڑکی! تم نے سب کچھ ماہی آپی سے چھپایا۔ مجھے اتنا بے اختیار سمجھا اور خود تنہا آگ کو بجھانے کے لئے آگ میں ہی کود پڑیں۔'' اس نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''تم مجھے بتانا اس شخص کے بارے میں۔ میں اس ذلیل شخص کو اس کے انجام تک پہنچاؤں گا۔''

''نہ......نہ......نہیں فروان!'' وہ سہم گئی۔ ''وہ شخص آوارہ، بدمعاش ہے۔ اس نے بہت سے گھروں کو تباہ کیا ہے۔ ایسے شخص کو چھیڑنا نہیں چاہئے۔ نجانے وہ تمہیں کیا نقصان پہنچا دے۔''

''نہیں سحر!'' فروان کا چہرہ تن گیا۔ اس ان دیکھے شخص کے لئے اس کی آنکھوں میں نفرت کا ایک سمندر موجزن تھا۔

''گھروں کو اُجاڑنے والوں کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ اور بھی شیر ہو جاتے ہیں۔ ان سے خوفزدہ ہو کر انہیں بہادر بنا دیتے ہیں لوگ۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ناپاک قدم کسی اور دامن کی جانب بڑھائے، میں اسے......''

''فرو___ تم نے مجھ پر اعتماد کر لیا ہے نا؟'' اس نے اپنی سسکاری دباتے ہوئے اُسے دیکھا۔ بے تحاشہ آنسوؤں نے اس کا چہرہ بھگو دیا تھا۔

''ہم دونوں تو دوست ہیں۔ میرا اعتماد ٹوٹا تو نہ تھا۔ وہ بس میری ہی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا جو ماہی آپی نے اتار دیا۔ تم تو بالکل خاموش تھیں۔ کچھ تو کہتیں۔ شاید میرا رویہ بدل جاتا۔'' اس نے شفقت سے اس کے کانپتے وجود کو تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

''سنو___ اب تم اس واقعہ کے متعلق کچھ مت سوچنا اور نہ روؤ گی اب۔ سب ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا تو سحر گل پہلی بار کھل کر ہنس دی۔

ایک بھاری بوجھ شانوں سے اترا تھا

Marfat.com

دل پر جمی گرم ریت پر جیسے شبنم کے قطرے گرے تو ٹھنڈک سارے وجود میں پھیل گئی۔
''مجھے معاف تو کر دیا نا سحر! تم نے؟'' فروان اپنے اطمینان کے لئے پوچھ رہا تھا۔
سحر گل نے اسے محبت سے دیکھا۔

اس کا دوست، اس کا بھائی۔ بھلا وہ اس سے کیسے ناراض رہتی۔ جب اس نے اس کو معتبر کر دیا تھا۔ اس کے شانوں پر دھرے بوجھ کو اتار کر پھینک دیا تھا پھر بھلا اسے کیا شکوہ رہتا۔

''نہیں فرو! مجھے اب کسی سے شکوہ نہیں رہا بلکہ میرے دل پر اب کوئی بھی بوجھ نہیں رہا۔ تم نے مجھے معتبر کر دیا۔ مجھے اپنی اور خود میری نظروں میں اونچا کر دیا۔'' وہ کھلے دل کے ساتھ بولی تو فروان کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

+++

وہ بھابی کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جو اس کے فیصلے پر شدید حیران تھیں۔
''کیوں چھوڑ دی آخر تم نے یونیورسٹی؟ کم از کم ایم اے کا پریویس تو مکمل کر لیتی۔''
ان کی یہی گردان تھی مگر اس کے پاس ایسا کوئی جواب نہیں تھا جس سے بھابی مطمئن ہو سکتیں۔ اور اصل جواز وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

ریحان پراچہ کی حرکت نے اسے یونیورسٹی سے ایسا بد دل کیا تھا کہ وہ سہم کر رہ گئی تھی۔ اور پھر اشمل خان کو اس نے جب اپنا یہ فیصلہ سنایا تو اس نے قطعاً کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس کی آنکھوں میں طمانیت سی اتر آئی تھی اور اس نے اپنی اس طمانیت کا اظہار بھی بلا جھجک کیا تھا۔

''میں جامعہ چھوڑ رہی ہوں اشمل خان!'' اس نے کیفے کے پُر سکون گوشے میں بیٹھے ہوئے اُسے بتایا۔

''ہوں ــــ کچھ اُڑتی اُڑتی خبر مجھ تک پہنچی تو ہے شاید تمہاری فرینڈز کی طرف سے۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''وجہ نہیں پوچھیں گے؟'' وہ اس کے سکون پر حیران ہوئی تھی۔

''وجہ مجھے معلوم ہے۔ اور یقیناً تم نے بہتر سوچ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا۔'' اس نے اسے بغور دیکھا۔ ''ویسے تمہارا فیصلہ مجھے اچھا لگا۔ ایک بات کہوں ہشمینہ! میں خود چاہتا تھا کہ تم یونیورسٹی چھوڑ دو۔ اس تمام جھنجٹ سے نکل جاؤ۔ تم یہاں رہتیں تو یقیناً اپ سیٹ رہتیں۔ گزرے واقعات تمہارے لئے پریشانی کا سبب رہتے۔ اور پھر مجھے تم اتنی تعلیم یافتہ ہی

Marfat.com

کافی ہو۔ اس سے زیادہ میں تمہاری ڈگریوں اور ذہانت کا متحمل نہیں ہو سکوں گا۔ کیوں ـــــ کیا خیال ہے؟" اس کا آخری جملہ پُر مزاح تھا اور نگاہوں میں ایسی گرم جوشی تھی کہ ہشمینہ کے رخسار تپ اٹھے۔ اس نے ان بجل بجل نگاہوں کی محویت سے گھبرا کر اپنا سر جھکا لیا۔

"اشتارا کو بھی شہر میں آ کر پڑھنے کا بہت شوق تھا۔" اس نے کہا تو ہشمینہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اشتارا ـــــ ؟"

"ہاں ـــــ میری بہن ہے۔ بہت معصوم اور پیاری سی۔" اس کے لہجے میں ڈھیر ساری چاشنی گھل گئی تھی۔ اشتارا کا تصور ذہن میں آتے ہی وہ اسے شدت سے یاد آ گئی۔

"پھر اسے شہر کیوں نہیں لائے آپ؟" اس نے بے حد دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ اشمل خان کی بہن یقیناً اس جیسی ہی دلکش اور دل موہ لینے والی ہو گی۔ وادی کی معصوم، بھولی بھالی لڑکیاں تو اسے ہمیشہ سے ہی اچھی لگتی تھیں۔ خود اسے اپنی کزن شاندانہ دل و جان سے عزیز تھی۔

"اُسے اجازت نہیں ملی اور میں بھی نہیں چاہتا تھا۔ تم یہ مت سمجھنا کہ میں عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہوں۔ یا بیک ورڈ ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ کچھ ہمارے یہاں کی روایتیں اور کچھ اصول ہیں۔ اور پھر ہم مردوں کی پرورش اس انداز سے کی جاتی ہے کہ ہم اپنی ماں، بہن اور بیٹی کو اپنی بہت قیمتی شے سمجھتے ہیں۔ اپنے سر کی پگڑی، عزت سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح عزت اور کسی قیمتی شے کی حفاظت کی جاتی ہے نا، بس اسی طرح ہم اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسے سنبھال کر، دنیا کی نگاہوں سے چھپا کر، بچا کر۔ ہاں، مگر اتنے روشن خیال ضرور ہیں کہ انہیں ان کے حق سے محروم نہیں کرتے۔ انہیں بنیادی تعلیم ضرور حاصل کرنے دیتے ہیں۔ اشتارا نے بھی میٹرک کیا ہے۔ ہاں، اگر ہماری وادی یا قرب و جوار میں کوئی کالج ہوتا تو اسے ضرور اس کا شوق پورا کرنے دیا جاتا۔" اس نے پہلی بار اشتارا کے بارے میں اسے تفصیل سے بتایا۔ اپنے مزاج اور رواتوں کے بارے میں۔

"ہاں...... ابی نے بھی مجھے خاندان والوں کی ناراضگی مول لے کر یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوایا تھا۔ ایم۔ اے کرنا میرا خواب تھا۔" ہشمینہ نے کہا۔

"تھا ـــــ ؟" اُس نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

Marfat.com

''جی ___ تھا۔ کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں کہ گزرے واقعات اور بدلتے حالات ان کی تعبیر کے حصول کی شدت کو ختم کر دیتے ہیں اور پھر ان کے ٹوٹنے یا بکھرنے پر غم نہیں ہوتا۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے پلکیں جھپکا دیں۔

''کیا ہر خواب کے ساتھ یہ ہو سکتا ہے؟'' اشمل خان کا جملہ معنی خیز تھا۔

''ہو بھی سکتا ہے۔ مگر کچھ ہمارے اختیار میں بھی ہوتا ہے کہ ہم ایسے حالات ہونے ہی نہ دیں۔''

''مگر ہشمینہ ابرار! میں خواب نہیں دیکھتا۔ میں عزم رکھتا ہوں اور تمہیں بھی پانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جانتی ہو جو بہت شدت کے ساتھ کسی کو چاہتے ہیں وہ اسے پانے کے صرف خواب ہی نہیں دیکھتے، پا لینے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔ اور مجھے تو اپنی چیز حاصل کرنا ہی نہیں، چھین لینا بھی آتا ہے۔''

'اوہ ___ اشمل خان! یہاں تو تم وہی مغرور شخص بن گئے۔' وہ اُسے دیکھتی رہ گئی۔

اس کی آنکھوں میں محبت کا نشہ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔

ہشمینہ ابرار کو پا لینے کا عزم چمک رہا تھا۔

اس کی رگ رگ میں طمانیت انگیز ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

'تم تو اندر سے وہی پہاڑی نوجوان ہو اشمل خان! جس کے عزائم بھی پہاڑ جیسے ہوتے ہیں۔' اُس نے سوچا پھر دھیرے سے بولی۔

''خدا حافظ۔''

''میں تم سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے ملنے جامعہ میں آتی رہنا۔ اس لئے کہ مجھے بھی تمہاری عزت بے حد عزیز ہے ___ بہرکیف آواز کا رشتہ تو قائم رکھ سکتی ہو نا۔'' اس کا اشارہ فون کی طرف تھا۔ وہ ہنس دی۔ مگر ایک عجیب سی اداسی اس کے دل پر محیط ہونے لگی۔

اور پھر یہ اداسی یونیورسٹی چھوڑنے کے کئی دن بعد تک اس پر طاری رہی۔ کتنی شدتوں سے اشمل خان یاد آتا تھا مگر وہ اس سے ملنے جا کر رسوائیوں کے در اپنے لئے کیسے کھول لیتی۔

اُسے جامعہ چھوڑنے کا پچھتاوا ہرگز نہ تھا بلکہ وہ مطمئن تھی۔ اشمل خان نے اس کے فیصلے کو سراہا تھا۔ اپنی محبت کا کتنا مضبوط اظہار کیا تھا اس نے۔

کوئی خدشہ، کوئی واہمہ بھی تو پاس نہ تھا۔

Marfat.com

وہ کتنی مطمئن اور سرشار تھی۔ اس کی آنکھوں کے بدلتے، مہکتے رنگ بہت انوکھے اور نجیلے تھے۔ تو پھر بھابی کیونکر نہ چونکتیں۔ وہ زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکیں۔ اور بالآخر ہشمینہ نے انہیں اپنا رازداں بنالیا۔

دل کی سرزمین پر چلنے والی نئی ہواؤں کا انہیں شریک بنالیا۔

یہ سب بتاتے ہوئے اس کی بھونرا سی آنکھوں میں اشمل خان کے نام کے جذبے مہکنے لگے تھے۔ لبوں کی مسکراہٹ میں شرمیلا پن سمٹ آیا تھا۔

بھابی کتنے ہی لمحے ششدر رہیں ـــــ یہ انکشاف ان کے لئے کسی دھماکے سے کم تو نہ تھا۔

کہاں وہ اشمل خان کے نام سے الرجک تھی، اس کی حمایت میں بولنے والے کو مارنے پر تُل جاتی اور اب یہ عالم کہ اشمل خان کے نام سے چہرے پر بہاریں آ کر ٹھہر جاتیں۔

''ہائے ہشمینہ! میں اس بات پر ایمان لے آئی کہ محبت کا حملہ اچانک اور بالکل غیر متوقع ہوتا ہے۔ نہ پہلی نظر نہ دوسری ـــــ یہ تو بس اچانک دل کی زمین سے پھوٹ نکلتا ہے۔'' بھابی نے گہرے گہرے سانس لے کر صوفے کی پشت پر سر رکھ دیا پھر مسکرا کر نیم وا آنکھوں سے اس کے گل رنگ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''تو یونیورسٹی پھر تم نے بڑے غلط وقت پر چھوڑی۔''

''کیا مطلب؟'' وہ قطعی نہ سمجھتے ہوئے بھابی کو دیکھنے لگی۔ پھر جیسے ان کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تو جھینپ کر ان پر جھپٹی۔

''آپ ایسی لڑکی سمجھتی ہیں مجھے؟''

''ار...... ارے...... بھئی میں کہہ رہی تھی کہ اب بھلا تم دونوں ایک دوسرے سے کہاں مل سکو گے؟'' بھابی اس کے خطرناک ارادے بھانپ کر جلدی سے صوفے سے اٹھ کر دور بھاگیں۔

''یعنی آپ سمجھتی ہیں کہ میں ہر وقت اس کے ساتھ محبت بھری ملاقاتیں کرتی رہی تھی۔ یا اب جاؤں تو کروں۔'' وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ''نہیں بھابی! محبت تو بہت پاکیزہ جذبہ ہے، اسے رسوا نہیں کیا جاتا۔ یہ دل میں جتنی زیادہ رہے اتنی ہی مقدس رہتی ہے۔ اور پھر محبت کو پروان چڑھانے کے لئے خلوص کی ضرورت ہوتی ہے، ملاقاتوں کی نہیں۔'' وہ ناراض سی ہو گئی۔ بھابی گھبرا کر بولیں۔

Marfat.com

''ارے ـــــ تم تو مائنڈ کر گئی۔''

''ظاہر ہے۔ آپ نے بات ہی ایسی کی۔ محبت اپنی جگہ مگر درس گاہوں کی عزت اور وقار بہت اہم اور میری نظر میں مقدم ہے۔''

''اچھا بابا! معاف کر دو۔'' بھابی نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تو وہ بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی۔

''بہت بری ہیں آپ۔'' اس نے بھابی کو زور سے صوفے پر گرا لیا۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''دیکھ لو ـــــ شاید اشمل خان کا ہی فون ہو۔'' بھابی زور سے ہنسیں تو اس نے بھابی کو مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے فون اٹھایا۔

دوسری طرف ندرت تھی۔

''ہیلو ہشمینہ!''

''ہاں ندرت! کیا حال ہے؟'' وہ ندرت کی آواز پہچان کر بولی۔ ''یاد آ گئی میں؟''

''ہشمینہ! غضب ہو گیا۔'' ندرت اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ ہشمینہ کا دل لرز اٹھا۔

''کک......کیا ہو گیا؟''

''آج صبح ہی ریحان پراچہ اور اس کے ساتھیوں نے اشمل خان کے آفس میں پچھلی کھڑکی سے زبردست فائرنگ کی ہے۔ وہ سب کے سب اندر ہی تھے۔''

''کیا ـــــ ؟'' ہشمینہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا دیا ہو۔

''اشمل خان کو گولی لگی ہے اور ایک دوسرا لڑکا موقع پر ہی ہلاک ہو گیا ہے۔ اشمل خان کو احسن وغیرہ ہسپتال لے گئے ہیں۔'' ندرت اسے تفصیل بتا رہی تھی مگر اس کی سماعت اب کچھ سننے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

اشمل خان کو گولی لگی تھی ـــــ اُس کا دماغ اس خبر کو سہار ہی نہ سکا۔ وہ چکرا گئی اور لڑکھڑائی۔ بھابی نے جلدی سے اسے تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے لٹکتا ہوا ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو......ہیلو ندرت! کیا ہوا؟''

''وہ بھابی! اشمل خان کو گولی لگی ہے اور ان کا ایک ساتھی ہلاک ہو گیا ہے۔ کیا ہشمینہ بے ہوش ہو گئی ہے؟'' ندرت گھبرا گئی۔

''ہاں..... ہاں...... اوہ گاڈ! یہ سب کس طرح ہوا؟...... اچھا میں فون رکھ رہی

Marfat.com

ہوں۔" بھابی نے جلدی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک طرف ہشمینہ ان کے بازوؤں میں نیم بے ہوش تھی اور دوسری طرف ندرت نے انہیں ایک خوفناک خبر سنائی تھی کہ ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

+++

فیصل ماموں کی فیملی کے آجانے سے حویلی میں رونق سی ہوگئی تھی۔ شاہ خانم بھی خاصی خوش نظر آنے لگی تھیں اور اشتارا کی تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ ماہ گل آپی نے اسے خوب گلے سے لگا کر پیار کیا تھا اور سحر گل اور وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی ہی دیر تک چمٹی رہی تھیں۔ یہ تو فروان کے شوخ جملے نے انہیں سب کی موجودگی کا احساس دلایا۔

"میرا کیا قصور تھا؟" اس نے اشتارا کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ پلٹی۔

"بھئی سب کا اتنا پُر تپاک خیر مقدم کیا ہے اور میں بے چارہ—"

"توبہ—" فروان کے جملے نے اُسے سرخ کر ڈالا۔ "بڑے بدتمیز ہو۔ تمہیں تو سب سے پہلے سلام کیا تھا چونکہ تم ہی سب سے پہلے اندر تشریف لائے تھے۔"

"اوہ— اچھا— میں تو بھول ہی گیا کہ سب سے پہلے مجھے ہی سلامیاں دی گئی ہیں۔ بس سات توپوں کی سلامی رہ گئی تھی۔" وہ ہنستا ہوا شاہ خانم کے پاس جا بیٹھا۔

"کتنا اچھا لگتا ہے جب تم سب آتی ہو۔ اشتارا تو دن گنتی رہتی تھی کہ نہ جانے ممانی کب آئیں گی۔" شاہ خانم بولیں۔

"ہاں— اسے تو بس آنا ہی نہیں ہے۔ اور ادھر یہ اشمل بھی تو دیکھو کتنا اجنبی بنا بیٹھا ہے۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے مجال ہے جو ادھر آ نکلا ہو۔ بس فون ہی کھڑکا دیتا ہے کبھی کبھی۔" ممانی جان ہمیشہ کی طرح اشمل کا شکوہ بھی زبان پر لے آئیں تو سب مسکرا دیئے۔

"اب تو یونین کے صدر ہو گئے ہیں۔ اب تو آنا اور بھی ناممکن ہو گیا ہے۔" ماہ گل نے ہنس کر کہا۔

"ارے رہنے دو— ایک بار ملاقات تو ہو جائے۔ میں تو خوب کان کھینچوں گی اس کے۔ کیوں شاہے!" ممانی جان کی بات پر شاہ خانم نے سر ہلا دیا۔

"ویسے اشمل لالہ کے خلاف ڈھیر سارے شکوے جمع ہو گئے ہیں سب کے پاس۔ شاہ خانم تو پہلے ہی ان کے حویلی کم آنے پر خفا رہتی ہیں۔ ادھر آپ کے شکوے۔ اور اب تو

Marfat.com

بابا خان بھی ان کے یونین کے صدر بننے پر کچھ پریشان سے ہیں۔'' اشتارا نے مسکرا کر کہا تو فروان نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے ___ تم سے بھی خوب گلے ہیں ہم شہر والوں کو۔ تمہیں تو آنا ہی نہیں ہے۔ ویسے سوچا ہے اب کے ایک بار ہی پکڑ کر لے جائیں گے۔'' اس کا جملہ ذومعنی اور دھیما تھا جسے دور بیٹھی شاہ خانم اور ممانی جان نہ سن سکیں۔ البتہ ماہ گل اور سحر گل ہنس پڑیں جب کہ اشتارا نے اس کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''چلو گی نا؟'' اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارے رنگ اتر آئے اور اس سے پہلے کہ وہ اشتارا کے چہرے کو حصار میں رکھتے ہوئے کوئی اور ذومعنی جملہ کہتا، ماہ گل نے اسے گھورا۔

شام تک اشتارا نے سحر گل کے ہمراہ حویلی کے لان میں گھومتے ہوئے ڈھیر ساری باتیں کر لی تھیں۔ ماہ گل آپی بھی اپنے گڈو کے ساتھ ان دونوں کو ٹہلتے ہوئے اور ہنستے ہوئے دیکھتی رہیں۔

یہ سب کچھ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دل میں چھائی اُداسی کسی حد تک کم ہو گئی تھی۔ وہ یہاں خود کو ماضی سے نکال کر حال کی رنگینیوں میں اونچے اور لاپرواہ قہقہوں میں زندہ کرنے آئی تھی۔ اشتارا کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بہت سا پیار اتر آیا۔

سنہری سنہری آنکھوں والی یہ معصوم اور دلکش لڑکی اسے بے حد عزیز تھی۔ یقیناً اس کے اونچے لانبے بھائی فروان کے ہمراہ بہت جچے گی۔ فروان سے ایک سال بڑی ہونے کے باوجود وہ نازک سی لڑکی فروان کے مقابلے میں کتنی چھوٹی سی لگتی تھی۔ فروان ہرگز اس سے چھوٹا نہیں لگتا تھا۔ اور پھر فروان کی آنکھوں میں چمکتی محبت جو خالص اشتارا کے لئے تھی ان سے چھپی تو نہ تھی۔

آہ یہ محبت بہت خوبصورت حقیقت ہے۔

چاہے میاں بیوی کے درمیان ہو۔ بہن بھائی یا اولاد سے ہو۔ محبت کے دم سے ہی تو رشتوں میں خوبصورتی اور دلکشی پیدا ہوتی ہے۔

''کیا سوچ رہی ہیں آپی؟'' اشتارا اس کے قریب آ کر بیٹھی تو وہ چونکی اور پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''سوچ رہی ہوں کہ حُسن، معصومیت اور پیار بھرا دل اگر ایک شخصیت میں سما جائے تو وہ شخصیت واقعی چاہے جانے کے قابل ہو گی۔

Marfat.com

''آپی! بھلا ایسی شخصیت کس کی ہے؟'' اس نے گڈو کو ان کی گود سے لے کر دلچسپی سے پوچھا۔

''تمہاری۔''

''کیا ___؟'' وہ اُن کی اس تعریف پر بری طرح جھینپ گئی اور ہنس کر بولی۔

''آپ تو بے وقوف بنانا خوب جانتی ہیں آپی۔'' اس نے گڈو کے سر پر چہرہ ٹکاتے ہوئے جھینپے لہجے میں کہا تو ماہ گل زور سے ہنس دی۔

''قطعی نہیں ___ میں سچ بولتی ہوں۔ اور شاردا اسی عادت کی وجہ سے......'' وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔

''آپی! آپ اور شاردا بھابی بلاتقصیر سزا پا رہی ہیں۔ کیا اس کا حل نہیں ___ کتنی کمزور ہو گئی ہیں آپ؟'' اشتارا نے اسے غور سے دیکھا۔ اس کا دل کٹ سا گیا۔ اس کی پیاری، من موہنی سی آپی کس قدر مرجھا گئی تھیں۔

''ارے ___ یہ سحر کہاں چلی گئی؟ ابھی تو تمہارے ساتھ ٹہل رہی تھی۔'' اس نے جیسے اس کا جملہ نظر انداز کر دیا۔

''اُسے نیند آ رہی تھی، زبردست۔ دوپہر کو تو اسے میں نے سونے نہیں دیا۔ خوب جگا کر باتیں کیں۔ اب معاف کر دیا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر ہنس دی۔ ''باتیں تو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ میں نے کہا ابھی سو لو، رات کو خوب باتیں ہوں گی۔ آپ سے بھی خوب باتیں کرنی ہیں مجھے۔''

''ہاں ضرور ___ مگر اشتارا! مسعود شاہ کے متعلق کچھ مت پوچھنا مجھ سے۔ وہ سب کچھ بھول جانے کے لئے ہی یہاں آئی ہوں۔'' اس نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا پھر ان کی نگاہ اس کی گود میں بیٹھے گڈو پر پڑی تو وہ چونکی۔

''ارے دیکھو تو ذرا ___ کس قدر مزے سے تمہاری گود میں چڑھ کر بیٹھا ہے۔ مما کو اتنی جلدی بھول گیا۔ مانوس جو ہو گیا ہے تم سے شاید۔ تمہاری صورت پسند آ گئی ہے اسے۔'' ماہ گل نے اسے چھیڑا۔ اسی لمحے ان کی نظر اچانک انیکسی کے دروازے سے نکلتے ہوئے ذولین خان پر پڑی تو وہ چونکیں۔

''یہ شخص ___؟'' ماہ گل نے اشتارا کی سمت دیکھا تو اس کے خوبصورت لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ ذولین خان ہیں۔ فیروز چچا کے بیٹے۔ آیئے میں آپ کو ان سے ملواؤں۔'' وہ

Marfat.com

کھڑی ہو گئی اور جلدی سے گڈو کو اٹھا کر اس کا بازو پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ ماہ گل بھی بادل ناخواستہ اٹھی اور اس کے ساتھ چلی آئی۔

''ذولین خان!'' اشتارا نے اسے پکارا تو وہ رک گیا اور پلٹا۔ ماہ گل اسے دیکھ کر ایک لمحے کو مسحور ہوئے بنا نہ رہ سکی۔ سبز زمردیں آنکھیں قریب سے اور بھی حسین لگیں۔ وہ انہیں اشمل خان کی عمر کے لگ بھگ محسوس ہوا۔

''یہ ماہ گل آپی ہیں۔ میری ماموں زاد۔'' اشتارا نے تعارف کروایا تو اس نے سرسری انداز میں ماہ گل کو دیکھا اور سلام کیا۔ ماہ گل مسکرا دی۔

''کبھی دیکھا نہیں ہے آپ کو۔''

''ارے تو آپ کون سی یہاں روز آتی ہیں۔'' اشتارا جلدی سے بولی اور پھر ذولین کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''یہ ان کا بیٹا ہے۔ کتنا پیارا ہے نا ـــــ مجھ سے آتے ہی مانوس ہو گیا ہے۔'' اس کی معصومیت پر ذولین خان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور آنکھوں میں ایک پیاری سی چمک لہرا گئی۔

''پھر تو اسے دور ہی رکھنا خود سے۔'' اس کا جملہ بے ساختہ تھا اور نگاہیں اشتارا پر مرکوز، محبت کا ایک خزانہ لٹائے دے رہی تھیں۔ ماہ گل بری طرح چونکیں۔

''میرا خیال ہے مجھے اب جانا چاہئے۔ سوری! مجھے کچھ جلدی ہے ورنہ ـــــ'' ذولین خان نے کار کی چابی انگلی میں گھماتے ہوئے معذرتی لہجے میں کہا اور ایک بھرپور نظر اشتارا پر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔ اشتارا کا چہرہ ابھی تک سرخ ہو رہا تھا۔ وہ ذولین خان کو جاتا دیکھتی رہی، پھر بولی۔

''کیسا لگا آپی! ذولین خان؟'' اس نے ماہ گل سے پوچھا جو ابھی تک عجیب سے احساس میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ذولین خان کی آنکھوں میں پنہاں رنگ ان سے مخفی نہ رہے تھے اور اشتارا کی شرگیں مسکراہٹ تو اتنی واضح تھی کہ وہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ وہ کم فہم یا ناسمجھ تو ہرگز نہیں تھیں۔ ایسے جذبے تو کبھی ان کے دل میں بھی مچلے تھے۔ یہ نرم و نازک احساسات تو آنکھوں سے چھلکتے ہیں۔ مسکراہٹ میں گھلے ہوتے ہیں۔

''آپ مائنڈ مت کیجئے ـــــ وہ کچھ سنجیدہ سا ہے اور پھر زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہے۔''

''ہاں...... آں...... نہیں، نہیں بھئی۔'' اشتارا کی آواز پر جیسے وہ عالمِ خود شناسی میں آ گئیں۔ ''بھلا اس کا اور میرا کیا رشتہ ہے کہ وہ مجھ سے بے تکلفانہ باتیں کرتا۔ ویسے

Marfat.com

شاندار پرسنیلٹی ہے۔ تعریف نہ کرنا زیادتی ہو گی۔" انہوں نے یہ کہتے ہوئے اشتارا کو بغور دیکھا جیسے اس کے اندر جھانک لینا چاہتی ہوں کہ جو انہوں نے محسوس کیا تھا وہ ان کا وہم تو نہیں۔ مگر ذولین خان کی تعریف پر اشتارا کے چہرے کی بدلتی رنگت نے ان پر سب کچھ واضح کر دیا۔

انہوں نے ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے کھینچ کر آزاد کی۔

اب وہ اچھی طرح جان چکی تھیں کہ اشتارا اور ذولین خان کا آپس میں عم زاد کے علاوہ بھی ایک بہت خوبصورت اور رنگین رشتہ قائم ہے۔

دھیمی دھیمی لو دیتی محبت ـــــ جو دونوں پر پوری طرح قابض تھی۔

+++

یہ حملہ بالکل غیر متوقع اور شدید تھا۔ ان میں سے کسی کے گمان میں نہ تھا۔ وہ یوتھ فیڈریشن کے آفس میں دھرنا مارے بیٹھے تھے۔ اشمل خان نے سارے ممبرز کو بارہ بجے کا ٹائم دیا تھا۔ تمام درپیش مسائل کا وہ مل کر حل ڈھونڈنا چاہ رہے تھے۔ ان میں سرِ فہرست مسئلہ فلاسفی کی کلاس کا تھا۔ اسٹوڈنٹس سر عثمانی کے خلاف بائیکاٹ کئے ہوئے تھے اور ادھر سر عثمانی بھی اپنی ناک کا مسئلہ بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔

احسن تو گیارہ بجے سے ہی آفس میں آ بیٹھا تھا اور نعیم جان اور شہزاد اس بات پر ہنس رہے تھے۔

"ایمان سے یار! تم نہایت فضول انسان ہو۔ شرم کرو۔"

"ارے شرم ہی تو نہیں آتی۔" افتخار نے اس کے دونوں شانوں کو پکڑ کر دباؤ ڈالا۔

"دیکھ لو ـــــ پھر بھی اشمل خان کا منظورِ نظر ہوں۔" احسن نے اس کے دونوں ہاتھ جھٹک کر گویا نیا انکشاف کیا۔

"خوب ـــــ زبردستی مسلط ہو۔" نعیم جان نے زبردست قہقہے کے ساتھ کہا اور اس سے پہلے کہ احسن جوابی کارروائی کرتا، اشمل چند لڑکوں کے ہمراہ اندر داخل ہوا اور بالکل اسی لمحے آفس کی پچھلی کھڑکی سے زبردست فائرنگ ہوئی۔

وہ سب بوکھلا اٹھے۔

اشمل خان نے جھک کر خود کو بچانا چاہا مگر ریحان پراچہ کا نشانہ خطا نہ ہو سکا اور سنسناتی گولیاں اس کے دائیں بازو اور پیر کو روند گئیں۔

اس اچانک فائرنگ نے جامعہ میں ہلچل مچا دی۔ ایم اے پریولیس کا اسٹوڈنٹ شہباز

Marfat.com

خان، ریحان پراچہ کی گولی سے موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ وہ ابھی نیا نیا ہی یوتھ فیڈریشن میں شامل ہوا تھا اور اب اس کا جسم آفس کے فرش پر خون سے لت پت پڑا تھا۔

پانچ منٹ تک فائرنگ ہوئی اور وہ سب پچھلی طرف سے نکل گئے تھے۔

ریحان پراچہ سب کی نگاہوں کی زد میں آ گیا تھا مگر اس وقت کسی کو بھی اس کے پیچھے جانے کا ہوش نہ تھا۔ اشمل خان اور شہباز کی حالت نے سب کو ہراساں کر دیا تھا۔

نعیم جان اور احسن جلدی جلدی ان دونوں کو گاڑی میں ڈال کر ہسپتال کی جانب روانہ ہو گئے۔

یہ روح فرسا خبر ہشمینہ کو ندرت نے دے دی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر بھابی کے بازوؤں میں لپٹی روتی رہی۔ پھر بہ مشکل خود کو سنبھال کر کھڑا کیا اور ندرت کا فون نمبر ملا کر اس سے ہسپتال کا نام پوچھا۔ بھابی نے اُسے روکا مگر وہ نہ مانی۔

''بھابی! پلیز مجھے مت روکیے۔ نہ جانے اشمل خان کس حال میں ہوگا۔ میں ریحان پراچہ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ آنسو پیتی الماری سے اپنی چادر نکال کر اوڑھنے لگی۔

''دعا کیجیے گا بھابی۔۔۔۔'' اُس نے ریک سے چابی اٹھاتے ہوئے رندھے لہجے میں کہا اور گھر سے باہر بھاگی۔

دل سینے کی دیواریں توڑ کر باہر نکلنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔ دماغ کی رگیں چٹختی جا رہی تھیں۔

گاڑی کانپتے ہاتھوں سے بار بار پھسلتی بالآخر ہسپتال گیراج میں جا رکی۔ اسے زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی تھی۔ ایمرجنسی کو آئے چونکہ آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس کی جامعہ کے کئی اسٹوڈنٹس بھی راہداری میں نظر آ رہے تھے۔

شہباز خان موقع پر ہی دم توڑ چکا تھا۔ اس کی ڈیڈ بوڈی کو اسٹریچر پر رکھ کر کمرے سے باہر نکالا جا رہا تھا۔ سارے اسٹوڈنٹس اس کے پیچھے لپکے اور وہ دم سادھے راہداری کے کنارے کھڑی رہ گئی۔

ایک گہری خاموشی اور مہیب اُداسی پوری راہداری میں چھائی ہوئی تھی۔ صرف قدموں کی آوازیں تھیں جو اس کے قریب سے ہوتی ہوئی دور جا رہی تھیں۔۔۔۔ اچانک اُسے احسن نظر آیا جو ایک کمرے سے نکل کر اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''احسن۔۔۔۔''

Marfat.com

''ارے آپ——'' احسن اسے دیکھ کر رک گیا۔ پھر اس کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ایم اے پر پولیس کا شہباز خان ہے۔ ڈیتھ ہو گئی ہے اس کی۔ اکمل خان اس کمرے میں ہے۔'' اس نے اپنے دائیں طرف کے کنارے والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''شکر ہے وہ بچ گیا۔ اسے گولی پیر اور بازو پر لگی ہے۔''

''اُف خدایا! یہ سب کیسے؟''

''شش—— یہ وقت باتوں کا نہیں۔ آپ جائیں۔ وہ ہوش میں آ گیا ہے۔ میں ذرا شہباز کے گھر تک جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹہ تو لگ ہی جائے گا مجھے واپسی میں۔'' احسن یہ کہہ کر سرعت سے راہداری عبور کر گیا۔

وہ سینے میں سسکیاں دبائے احسن کے بتائے ہوئے کمرے میں آئی تو ضبط کا بندھن ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

Marfat.com

وہ بستر پر دراز تھا ـــــ دایاں پیر اور بایاں بازو سفید پٹیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ دائیں بازو سے خون چڑھ رہا تھا۔ وہ آنکھیں موندے ہوئے تھا۔ سرخ و سفید چہرہ اس وقت خطرناک حد تک پیلا ہو رہا تھا۔

''اش......مل...... یہ سب کیسے ہو گیا؟'' وہ اس کے قریب آئی تو ضبط کا یارا نہ رہا۔ آنکھیں آنسوؤں کا بوجھ نہ سہہ سکیں۔ وہ بلک اٹھی۔

اتنا بڑا سانحہ گزر گیا۔ سینے کی چار دیواری اس بوجھ کو برداشت نہ کر پا رہی تھی۔

وہ تو خوشگوار یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ کب گمان گزرا تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر ہی اشمل خان کو ایسی حالت میں دیکھے گی۔

اُف خدایا ـــــ

''ارے، رے...... ہشمینہ......'' اشمل خان بے پناہ تکلیف کو پرے دھکیل کر مسکرایا۔ ''یہ کیا بھئی ـــــ تم تو بہادر لڑکی ہو۔ یہ کس طرح کا مظاہرہ کر رہی ہو ـــــ بس۔'' اُس نے اُسے سرزنش کی۔ ہشمینہ نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اس کے ہنستے ہوئے چہرے کو دیکھا جہاں سرخی کی جگہ زردی پھیل گئی تھی۔ آنکھیں اور چہرہ اس تکلیف کا واضح ترجمان تھا جسے وہ چھپانے کی سعی کر کے جبراً مسکرا رہا تھا۔

''بیٹھو۔''

''اشمل ـــــ کیا یہ سب ریحان پراچہ ـــــ''

''ہاں ـــــ مگر ہشمینہ! دکھ تو شہباز خان کا ہے۔ وہ لڑتا ہوا موقع پر ہی ہلاک ہو گیا ہے۔ ریحان پراچہ نے میری دشمنی میں اُسے ضائع کر دیا۔ میں بہت دکھی ہوں اس کی موت پر۔'' شہباز خان کی موت پر اشمل خان سخت ملول ہو رہا تھا۔ اسے جب احسن نے بتایا کہ وہ بچ نہ سکا تو اس لمحے اسے اپنے سارے زخم بے حد معمولی لگے۔ ان کی ساری تکلیف زائل ہو کر صرف شہباز کا غم جسم و جان پر ہلکورے لینے لگا تھا۔

''اُسے ابھی زندہ رہنا تھا، بہت زیادہ۔ اُس کے خیالا،ت، اُس کے ارادے بہت

Marfat.com

اعلیٰ اور بلند تھے۔ مجھے تا عمر اس سرمائے کے ضائع جانے کا دکھ رہے گا۔ میں ریحان کو اب معاف نہیں کروں گا۔ اسے سزا سے بچنے نہیں دوں گا ہشمینہ! میں اس کے خلاف گواہی دوں گا۔ شہباز کے قاتل کو اب بچنا نہیں چاہئے۔ اگر وہ قانون سے بچ بھی گیا تو میرے ہاتھوں اُسے موت ملے گی۔'' اس کا لہجہ آگ ہو گیا تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں ریحان پراچہ کے خلاف نفرت ہی نفرت تھی۔

درد کی تپش ہشمینہ کو جھلسائے دے رہی تھی۔ مگر اس وقت اشمل خان کو ہر درد سے، ہر اذیت ناک سوچ سے دور رکھنے کی ضرورت تھی۔ اُسے ذہنی سکون کی ضرورت تھی۔ بے تحاشا خون بہنے کی وجہ سے وہ جسمانی طور پر کمزوری اور تھکن محسوس کر رہا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ لبوں سے اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا مگر چہرہ اس کی تکلیف کا غماز تھا۔

''اشمل پلیز ـــــ خود کو ریلیکس رکھئے۔'' اس نے اپنے بے آواز بہتے آنسوؤں کو بمشکل روکتے ہوئے کہا تو اشمل خان نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ از حد نڈھال اور پریشان تھی۔ چہرہ اندرونی جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اس نے اپنے قریب رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ بتاؤ تمہیں اس کی اطلاع کس نے دی ـــــ تم یونیورسٹی گئی تھیں؟''

''نہیں، ندرت نے مجھے فون پر بتایا۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب وہ خوبصورت جذبوں سے سجی آنکھوں کو جھکا کر بھابی کے سامنے وہ راز طشت از بام کر رہی تھی اور بھابی کس درجہ شرارت سے اسے دیکھ کر چھیڑ رہی تھیں۔

پھر اچانک وہ اشمل کے ہاتھوں پر چہرہ جھکا کر بلک اٹھی۔ آنسوؤں کا ایک سمندر تھا جو آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

''ارے بھئی ہشمینہ!'' اشمل خان اس کے رویے پر ایک دم گھبرا گیا۔

''اشمل خان! کاش ـــــ یہ سارے زخم آپ کے جسم پر لگنے کی بجائے میرے جسم پر لگتے۔ میں جانتی ہوں ریحان پراچہ نے اس دن کا بدلہ لیا ہے آپ سے۔ وہ مجھے اغواء کر کے بھی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اور یہ آپ کی وجہ سے ہوا تھا۔ میری وجہ سے وہ آپ کا جانی دشمن بن گیا ہے۔ صرف اور صرف میری ذات نے یہ ڈھیر سارا دُکھ اور تکلیف دی ہے۔ یہ ساری اذیت تو مجھے ملنی چاہئے، آپ کو تو نہیں۔'' ہشمینہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

Marfat.com

''بالکل پاگل ہو تم۔ یہ خود ساختہ سوچیں ہی تمہاری۔ سنو احمق! وہ صرف اور صرف مجرم ہے اور ایک دہشت گرد۔ اس کے لئے کسی جواز کی ضرورت نہیں۔ اور پھر وہ اپنی شکست کی آگ گا ہے بگاہے نکالتا رہا ہے اور اثر و رسوخ ہونے کی وجہ سے شیر ہو گیا ہے۔ اس میں تمہارا یا میرا، کسی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھر یہ تو معمولی زخم ہیں۔ اس میں تو تکلیف بھی نہیں ہے دیکھو۔'' اس نے آہستگی سے سر اونچا کیا تو ہشمینہ نے کرب سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''ہاں ـــــ میں جانتی ہوں، تم چٹان ہو۔ بے حد مضبوط اور بڑی سے بڑی تکلیف پر بھی اُف نہ کرنے والے۔ مگر بہر حال ایک انسان ہو گوشت پوست کے۔ ورنہ جسم اور دھڑکتا دل پتھر نہیں ہوتا۔ زخم لگنے پر تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ ہاں مگر تم میں کمال کا حوصلہ ہے۔''

''ارے یوں کیا منہ بنائے بیٹھی ہو ـــــ سچ کہہ رہا ہوں کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔ ہاں کچھ دیر پہلے ہو رہی تھی۔ مگر تم آ گئی ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے سارے زخموں پر مرہم لگ گیا ہو۔ ساری تکلیف زائل ہو گئی ہے۔'' وہ ہنسا تو ہشمینہ کھڑی ہو گئی۔

''پلیز اشمل!'' اس نے آنسو بہاتے ہوئے رخ موڑ لیا۔ پھر اچانک پلٹی اور بولی۔

''میں آپ کے لئے سُوپ وغیرہ لے کر آتی ہوں۔''

''نہیں، نہیں....... اس کی ضرورت نہیں...... یہاں ہاسپٹل میں.......''

''یہ آپ کی ضرورت نہ سہی مگر میری مجبوری سمجھ لیں۔ دل کی مجبوری۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے چہرہ جھکا لیا۔ اشمل خان کے گداز لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس لمحے اُسے واقعی اپنی ساری تکلیف کا احساس زائل ہوتا محسوس ہوا۔

''خود کو زیادہ متفکر مت کرو ہشمینہ!''

''جی ـــــ'' اُس نے جھکا ہوا سر ہلا دیا۔ اسی لمحے کوریڈور میں قدموں کی آواز اُبھری تو وہ قدرے سنبھل گئی۔

نعیم جان اور افتخار اندر داخل ہوئے تو ہشمینہ کو دیکھ کر دونوں بہ یک وقت ٹھٹکے۔

''آؤ...... آؤ نعیم جان!'' اشمل ان دونوں کو رُکتے دیکھ کر پکارا تو وہ دونوں قریب آ گئے۔

''شہباز کے باپ نے ایف آئی آر درج کرائی ہے ریحان پراچہ کے خلاف؟''

''ہاں یار! اس کی ماں تو رو رو کر پاگل ہو رہی ہے۔ ایک ہی بیٹا تھا اس کا۔'' افتخار

Marfat.com

اس کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہوں ـــــ بہت اچھا کیا۔ میں گواہی دوں گا ریحان کے خلاف۔ میں اُسے عدالت میں گھسیٹوں گا۔" اشمل خان نے غراتے ہوئے کہا۔ نعیم جان اور افتخار نے اُسے دیکھا۔

"وہ اس بار بھی بچ سکتا ہے۔"

"نہیں ـــــ اب میں اُسے نہیں بچنے دوں گا۔ وہ قاتل ہے اور پھر وہ اثر و رسوخ کا مالک ہے تو میں بھی ایک اسٹوڈنٹ سے ہٹ کر رئیس زادہ بن کر اس کے مقابل آؤں گا۔ تم نے ابھی صرف امن پھیلانے اور درگزر کرنے والے اشمل خان کو ہی دیکھا ہے۔"

اس نے چہرہ دریچے کی طرف کر لیا اور غصہ ضبط کرتے ہوئے لب بھینچ کر آنکھیں موند لیں۔ نفرت سے اس کی گردن کی رگیں پھول گئی تھیں اور آنکھوں میں خون اُترتا محسوس ہو رہا تھا۔

ہشمینہ چند ثانیے یہ سب دیکھتی اور سنتی رہی اور پھر آہستگی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

+ + +

یہ گہری اور مہیب تنہائی اُنہیں مارے دے رہی تھی۔ ان سب کے جانے سے گھر میں جیسے وحشت سی برسنے لگی تھی۔

فروان اور سحر گل کی شرارتیں ـــــ ماہ گل کی دھیمی مسکراہٹ اور گڈو کی موجودگی ـــــ سب ایک ساتھ ان کی نظروں سے محو ہوئے تھے۔ وہ متوحش سی ہو گئی تھیں۔

ابو صبح کے جاتے رات ہی کو آتے تھے اور زمان خان کا ہونا نہ ہونا ہمیشہ سے ان کے لئے برابر رہا تھا۔

زمان کا تصور بنتے ہی جیسے دل و ذہن پر وزنی بوجھ آن گرا۔ برداشت کی بھاری سل سرکنے لگی اور آنسو نہ جانے کہاں سے آنکھوں میں لہرانے لگے۔ زیست کے اس گزرتے عرصے میں وہ ٹھہر کر سوچتیں تو روح جیسے غم و اندوہ کے بوجھ تلے سسک کر رہ جاتی۔

پیچھے دیکھتیں تو ماتمی نوحے دل کو گرفت میں لینے لگتے اور آگے ڈھیر ساری ویرانی خوفناک منظر کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے بکھرتی جاتی تھی۔

وہ خالی ہاتھ تھیں۔

'زمان خان! عورت تو بس محبت اور توجہ کی خواہاں ہوتی ہے۔ تم نے دونوں ہی سے

Marfat.com

مجھے محروم کر رکھا ہے۔'

سات سال ــ یہ سات سال جیسے تپتے صحرا پر ننگے پیر چلتی رہی تھیں۔

'زمان ــــ تم نے مجھے تخت سے پتھریلی زمین پر لا پھینکا ہے۔ جہاں خاردار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی خوشگوار جھونکا نہیں ــــ ہر سمت ریت کا دریا دکھائی دیتا ہے ــــ مجھے کوئی بتائے کہ یہ ہولناک منظر اپنا رخ بدلے گا بھی کہ نہیں؟ ــــ کیا دُکھوں کے سمندر کا کوئی کنارا بھی ہے کہ نہیں؟ ــــ کیا میری زندگی صرف موج کی صورت ہے یا اس میں کسی ساحل کا آسرا بھی ہے؟

اب تو اُمید کی لویں بھی تھرتھرانے لگی ہیں۔'

انہوں نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ پھر کھولیں تو ٹھٹک گئیں۔ سامنے وہ دشمن جاں نہ جانے کب سے کھڑا تھا ــــ نگاہیں ملنے پر اس نے جلدی سے ٹپٹا کر رخ موڑ لیا تھا۔

یہ گہری خاموشی اور تنہائی دونوں ہی کو عجیب سے نا مانوس احساسات سے دوچار کر رہی تھی۔

''ایک کپ چائے بنا دینا۔'' وہ یہ کہہ کر قدم اٹھاتا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ ایسا اجنبی انداز تھا، ایسی بے اعتنائی کہ اس کی آنکھیں سلگ اٹھیں۔

دونوں ہی مجبور ہو گئے تھے ایک دوسرے کو مخاطب کرنے پر۔

گھر میں ان کے علاوہ اور کوئی تیسرا فرد نہ تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ ورنہ تو زمان خان چائے اور کپڑے استری کرنے اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں کے لئے سحر گل یا امی کو ہی پکارتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ شاردا ہی اس کے سارے کام انجام دیتی تھی۔ مگر مخاطب وہ نہ ہوتی تھیں۔ ہمیشہ پس منظر میں رہتیں۔ وہ زمان خان کے ناروا سلوک کے باعث خوفزدہ رہتیں۔ مگر اب چند دنوں سے وہ دونوں ہی الجھ گئے تھے۔ زمان خان کو ہر بار اُسے ہی مخاطب کرنا پڑتا تھا۔

وہ چائے بناتے ہوئے اسی کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ خود سے الجھ رہی تھیں اور تقدیر سے شکوہ کناں تھیں۔ اب تو درد شدید ہو گیا تھا۔ گڈو، ماہ گل اور سب کی موجودگی میں ذہن بٹا رہتا تھا۔ کوئی پُر درد لہر اُٹھتی بھی تو کسی کے جملوں، کسی کی مسکراہٹوں میں دب کر رہ جاتی۔ مگر اب تنہائی نے شدت پیدا کی ہوئی تھی اور زمان خان کے سامنے آنے اور اس کے اجنبی رویے پر زخم ہر بار تازہ ہو جاتا۔

وہ خاصی دیر بعد چائے بنا کر قدم اٹھاتی کمرے میں آئی تو وہ باتھ روم سے نہا کر نکلا

Marfat.com

تھا۔ شانے پر تولیہ رکھے آستین کو کہنی تک فولڈ کرتے ہوئے اُسے دیکھا۔ سیاہ اور گلابی پرنٹیڈ سوٹ میں وہ اُداس اُداس چہرے اور گہری گہری سنجیدگی کے ساتھ اندر آئی تھی اور کپ ایک تپائی پر رکھ دیا تھا۔

''کب تک آنے کا کہہ گئی ہیں امی؟'' اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور تولیہ شانے سے اتار کر بیڈ پر بے ترتیبی سے پھینک دیا۔

''دن مقرر تو نہیں ہیں۔'' اس نے بھی مبہم انداز میں جواب دیا اور بے ترتیب رکھا تولیہ اٹھالیا اور باتھ روم کا کھلا دروازہ بند کیا اور پھر اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے بولی۔

''آپ لنچ نہیں کریں گے؟''

''ہوں ......آں......نہیں، ہوٹل سے کھا کر آیا ہوں۔'' وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم ہو گیا تھا، اس کی بات پر چونکتے ہوئے بولا اور ایک بار نگاہ پھر اس کے چہرے کی جانب اٹھ گئی جہاں شکستگی کا دھواں پھیل گیا۔

''آج ہی پر کیا موقوف، کبھی بھی تو اس نے اس کے ہمراہ کھانا نہیں کھایا تھا اور وہی نادان، بے وقوف اس کی منتظر رہتی تھی۔ اس کا انتظار کرتی رہتی۔ حالانکہ ہمیشہ ہی اس طرح کے جواب ملتے تھے۔ انتظار کا صلہ کبھی اس سے مختلف تو نہ ملا تھا۔

''اخبار آج کا نہیں آیا تھا کیا___؟'' اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ وہ پلٹی مگر اسی خاموشی کے ساتھ اور آگے بڑھ کر ریک کی دراز سے رول کیا اخبار نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''صبح آپ کے جانے کے بعد دے گیا تھا۔''

اس حد تک وہ اس کا خیال رکھتی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے چونکا جیسے دل کو پکڑ کر کسی نے جھنجوڑا تھا مگر دوسرے لمحے بے حسی کی چادر تن گئی۔ اس نے رول کیا اخبار اس کے ہاتھ سے لے لیا اور پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔ گویا اب اخبار کا مطالعہ شروع ہو گیا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس فضا میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ خود کو ان اذیت بھری سوچوں سے چھٹکارا دلانے کی غرض سے کچن میں آ گئی اور بکھری چیزیں اٹھا اٹھا کر طریقے سے رکھنے لگی۔

''شاردا!'' وہ کچن کے دروازے تک آیا۔ وہ پلٹی۔ زمان خان قدرے پریشان سا دروازے میں ایستادہ تھا۔ اخبار کا پہلا صفحہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

''میں ذرا ہاسپٹل جا رہا ہوں۔''

Marfat.com

"جی ـــــ" وہ حیران رہ گئی۔ "ہاسپٹل؟"

"ہوں ـــــ مجھے تو خبر ہی نہ تھی۔ ابھی اخبار میں اس خبر پر نظر پڑی۔ یونیورسٹی فائرنگ میں ایک لڑکا ہلاک ہو گیا ہے اور اشمل شدید زخمی ہے۔ مائی گاڈ ـــــ یہ لڑکا یہاں اسی شہر کے ہاسپٹل میں ہے اور میں اتنا بے خبر ہوں۔" وہ یہ کہہ کر سرعت سے پلٹا۔ "چائے اٹھا لینا وہاں سے۔" وہ اخبار کچن کی سلیپ پر رکھ کر تیزی سے باہر کی جانب نکل گیا۔

وہ اخبار کو گھورتی رہی پھر تلخی سے ہنسی۔ 'تو زمان! تم اتنے ہمدرد بھی ہو۔'

اُس نے آگے بڑھ کر ہوا سے پھڑپھڑاتا اخبار اٹھا لیا۔

'تو تم صرف اور صرف میرے لئے بے حس اور ظالم ہو ـــــ اشمل خان کی چوٹوں نے تمہیں پریشان کر دیا مگر کبھی میرے زخموں کا احساس نہیں ہوا تمہیں ـــــ میں، جو اندر سے بالکل مر چکی ہوں۔ میری روح کے زخم ناسور بن رہے ہیں۔ مگر تمہیں احساس نہیں رہا ـــــ تم بے حس ہو تو صرف میرے لئے۔ ظالم ہو، جابر ہو صرف میرے لئے۔'

اُس نے زور زور سے چیخنا چاہا مگر ساری آوازیں اندر ہی دم توڑ گئیں۔ اس پر اچانک جنون سا چڑھ گیا۔ اس نے اخبار کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے فضا میں اچھال دیئے۔

"تم ...... ہمدرد ...... نہیں، تم کسی کے لئے بھی ہمدرد نہیں ہو۔ تم فرعون ہو۔" اس نے اپنے بال نوچ دیئے۔ "مجھے ایک بار ہی موت دے دو زمان خان! اب یہ اذیت ناقابل برداشت ہے میرے لئے۔"

وہ اچانک لڑکھڑائی۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ دائرے بننے لگے۔ پھر اس کے ہاتھ سہارے کے لئے دروازے کی طرف اٹھے مگر چند قدم پر موجود دروازہ اس کی آنکھوں میں مسلسل تاریکی میں گم ہو گیا ـــــ وہ لہرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی۔

اُسے نہ جانے کتنی دیر ہو چکی تھی ٹھنڈے فرش پر بے حس و حرکت پڑے۔ خود اُس کا وجود بھی یخ بستہ ہو رہا تھا۔

زمان خان نے جب گھر کے اندر قدم رکھا تو اس کی پہلی نگاہ شاردا کے بے ہوش وجود پر پڑی تھی اور وہ تیر کی طرح آگے بڑھا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہوا۔

"اُف خدایا ـــــ"

اُس کے جانے کے بعد وہ کب سے اس حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک گہرے

Marfat.com

تاسف نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس نے وقت ضائع کئے بغیر اُسے بیڈ پر لٹا کر ڈاکٹر ظفر ملک کا فون ملایا۔

ڈاکٹر ظفر ملک اس کا قریبی دوست تھا۔ ایک ساتھ وہ کالج میں پڑھتے رہے تھے اور اب بھی اکثر اس کے کلینک جانا ہوتا تھا ـــــ اس وقت وہ اپنے کلینک کی بجائے گھر میں تھا۔

ظفر ملک نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔ شاردا کی اچانک بے ہوشی کا اس نے جلدی سے بتایا۔ وہ فون اٹھا کر شاردا کی طرف بڑھا۔ اس کی بے ہوشی نے اُسے ذہنی طور پر گہرا شاک پہنچایا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ لانبی چوٹی سے بال کھل کر زرد چہرے پر بکھر گئے تھے۔ دراز پلکیں بالکل ساکن تھیں اور آنکھوں کے نیچے ابھی تک نمناکی تھی۔

یہ زرد زرد چہرہ جو چند سال قبل تک گلابی اور شگفتہ تھا، سیاہ آنکھوں کی روشنیاں کبھی کبھی اس کے بے حس دل کو جھنجھوڑنے لگتی مگر ہر بار وہ اپنے جذبوں پر مضبوط بند باندھ لیتا تھا اور احساسات کی لو نیچے کر لیتا تھا۔

اس لڑکی سے اُسے ذاتی دشمنی تو نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اس کی انا کو مجروح کرنے کا سبب تھی۔ شہلا اس کی زندگی میں آئی تھی مگر امی نے مسعود شاہ کی بہن کو اس کی زندگی میں جبراً داخل کر دیا۔ یہ فیصلہ صرف امی کا تھا جس پر وہ قطعی راضی نہ تھا بلکہ سراپا احتجاج تھا۔ مگر جیت شاردا حیات کی ہوئی اور وہ ڈھیروں ارمان، ڈھیروں خوبصورت خواب لے کر اس کے آنگن میں اتر آئی۔ اس کی ذاتیات میں شامل ہونے لگی تو وہ جیسے بھڑک اُٹھا ـــــ شہلا سے کئے ہوئے پیمان کے ٹوٹنے پر، اپنی انا کے مجروح ہونے پر وہ مشتعل ہو گیا۔

اس کے دل میں شاردا حیات کے خلاف اسی روز سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اس سے ہم کلام ہوئے بغیر اس کے وجود کو، اس کی ذات کو سمجھے بغیر اسے ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ امی اور ابو کو ان کے جبراً کئے گئے فیصلے کی گویا سزا دے رہا تھا۔ مگر سزا تو شاردا کو بھی مل رہی تھی یا پھر ماہ گل کو۔

اتنے برس بیت گئے۔ وہ خود بھی تو اس آگ میں مسلسل جلتا رہا تھا۔ شہلا ایوب تو اس کے دل سے، اس کے ذہن سے نہ جانے کب کی نکل چکی تھی۔ سارے جذبے ہی سرد پڑ گئے تھے۔ سارے زخم بھی مندمل ہو گئے تھے۔ لیکن اس پر بے حسی کی دبیز چادر تن گئی تھی جس سے نکل کر اس نے کبھی دیکھا اور سوچا ہی نہیں تھا۔

Marfat.com

شاردا کی سسکیاں۔

اس کی موہنی صورت۔

اس کی آنکھوں میں بکھرتے سپنوں کا عکس۔

اور نہ ماہ گل کی اُداسیاں!

اس نے جھک کر شاردا کو بہت قریب سے دیکھا جیسے یہ اس کے لئے کوئی نامانوس چہرہ ہو اور پہلی بار نظر آیا ہو۔

تکیے کی سفیدی میں سیاہ بالوں میں گھرا ہوا چہرہ زرد ہونے کے باوجود ایک عجیب سی جاذبیت لئے ہوئے تھا۔ اس کے دل کی دیواریں طوفان سے لرزنے لگیں۔ دل و دماغ الگ آپس میں الجھ رہے تھے۔ کوئی سرا بھی تو ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ ایک ہجوم تھا سوچوں کا۔ گزرے دنوں کے خیالات کا۔ اچانک وہ چونکا۔ کال بیل زور زور سے بج رہی تھی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو ظفر ملک کھڑا تھا۔

"یہ بھابی کو اچانک کیا ہو گیا؟"

"پتہ نہیں ــــ میں باہر سے آیا تو وہ کچن کے دروازے کے قریب فرش پر بے ہوش تھی۔ شاید گرمی کا اثر ہو۔" اس نے اپنے سارے مظالم مخفی رکھتے ہوئے خفیف سے انداز میں کہا۔

"مگر موسم تو خاصا ٹھنڈا ہے۔"

وہ چلتے ہوئے اس کمرے میں آ گئے جہاں بیڈ پر شاردا بے ہوش پڑی تھی۔ ظفر ملک کی نظر شاردا کے چہرے کی طرف اٹھی تو وہ بری طرح چونکا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے زرد چہرے نے اُسے بری طرح چونکا دیا تھا۔

"زمان!" وہ پلٹا۔ "یہ کب سے بیمار ہیں؟"

زمان خان سٹپٹا کر رہ گیا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ بس آدھے گھنٹے قبل ہی اچانک بے ہوش ہو گئی۔"

"مگر ان کا چہرہ تو...... خیر......" اُس نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا اور شاردا کا معائنہ کرنے لگا۔

"ہاسپٹل لے جانے کی ضرورت پڑے گی کیا؟" زمان خان کچھ متفکر سا ہونے لگا۔ ظفر ملک کے چہرے کے تاثرات نے اُسے ایک دم خوف زدہ کر دیا۔

اگر شاردا کو کچھ بھی ہوا تو اس کا ذمہ دار سراسر وہ خود ہو گا۔

Marfat.com

''نہیں، نہیں ـــــ میرے خیال سے ہوش آ جائے گا تو گھر میں ہی مکمل آرام کرنا ہو گا۔ زمان! میرے خیال میں تم بھابی کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو۔'' وہ زمان کی طرف پلٹا۔ ''یہ بے حد ویک ہیں اور چہرے سے بظاہر عرصے کی بیمار محسوس ہو رہی ہیں۔ یہ مینٹلی اپ سیٹ ہیں۔ اور ظاہر ہے یہ تمہاری جانب سے ہی ہے۔''

''ہاں ـــ ہمارا کلیش (جھگڑا) چل رہا ہے۔'' زمان نے قدرے جھجکتے ہوئے بتایا۔

''کیا ـــــ؟'' ظفر ملک ششدر رہ گیا۔ ''زمان ـــــ تم ـــــ''

''ظفر! یہ میرا پرسنل افیئر ہے۔ اور میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ پلیز، تم علاج بتاؤ۔'' اس نے سرد مہری سے ظفر ملک کی بات کاٹ دی۔ ظفر ملک حیران سا اس اونچے لمبے، پڑھے لکھے اور اچھے گھرانے کے زمان کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کا اتنا قریبی دوست گھریلو تنازعہ میں الجھا ہوا تھا اور وہ بے خبر تھا۔

''نہیں زمان ـــــ یہ عظیم گناہ ہے۔ تم ایک لڑکی کو اپنے گھر لا کر ـــــ کہیں تم اُس شہلا نامی لڑکی ـــــ''

''میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا اور نہ میں کسی شہلا ویلا کے عشق میں گرفتار ہوں۔ میرا مسئلہ کچھ اور ہے۔''

''اوکے....... ایز یو وِش..... مگر زمان! بھابی کی حالت مزید خطرناک ہو سکتی ہے اگر انہیں مینٹلی ریلیکس نہ ملا۔'' ظفر ملک اس رویے پر خاصا دل برداشتہ ہو کر بولا اور چند میڈیسن لکھ کر پرچہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

''میں صرف ڈاکٹر ہی نہیں، تمہارا دوست بھی ہوں۔ تمہارا رویہ میرے لئے بے حد اذیت کا باعث بنا۔ خدا حافظ۔'' وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

''ظفر! میں اس وقت سخت اپ سیٹ ہوں۔'' وہ اس کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے ندامت سے بولا۔ ''میں اپنے آپ سے جنگ کی حالت میں ہوں ـــــ کیا ایک اچھے شخص کو مزید ڈپریسڈ کرنا تم پسند کرو گے؟ ظفر! میں ماضی کے سارے باب بند کر کے کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ میں گزرے لمحوں کو زبان پر لانا نہیں چاہتا۔ ڈو یو انڈراسٹینڈ؟''

''ہوں ـــــ'' ظفر ملک نے اس کے پراگندہ چہرے پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے بولا۔ ''شاردا بھابی کی حالت نے اتنا تو مجھے سمجھا دیا ہے کہ قصور وار سراسر تم ہی ہو۔ مگر مجھے امید ہے اب تم آنے والے لمحوں کو ماضی کی اس گرد سے محفوظ رکھو گے۔ دِس اِز مائی ریکویسٹ ٹو یو۔ تم شاردا بھابی کو ان کا حق دو گے ـــــ ان کا خیال

Marfat.com

رکھنا زمان! زندگی کو محض ایک تلخ لمحے کی بھینٹ مت چڑھاؤ۔ اچھا خدا حافظ۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گیا مگر زمان خان کی سوچ کو ایک نیا انداز دے کر ___ اُس کی پریشان اور اُلجھی سوچوں کو سلجھا ہوا راستہ دے کر۔

اُسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی زندگی کسی زبردست انقلاب سے دوچار ہو رہی ہے۔ اس کے ذہن کی ساری تنی ہوئی طنابیں ڈھیلی ہو رہی ہیں۔ وہ ایک دم جیسے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

وہ پلٹا تو شاردا ہوش میں آ چکی تھی۔

+++

''وادی کا اتنا زبردست حُسن تو اچھے اچھوں کی عقلیں سلب کر لیتا ہے ماہی آپی!''

فروان مسلسل اشتارا کے چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لئے ہوئے بول رہا تھا۔ اشتارا، زیبل کے ہمراہ شام کی چائے اور لوازمات میز پر سجا رہی تھی۔ سحر بھی اس کے ہمراہ تھی۔

''اسی لئے تو میں تمہیں وادی نہیں لا رہی تھی۔ اتنی سی تو عقل ہے۔ وہ بھی گئی کام سے۔'' ماہی آپی سن رہی تھیں۔ اشتارا اور سحر گل اس طرف متوجہ تھیں۔

''اب کیا ہو گا فروان بھائی؟ ___ بغیر عقل کے ہی شہر واپس جانا ہے؟'' سحر گل نے اُسے چھیڑا۔

''ارے تم لوگ مذاق سمجھ رہی ہو ___ میں سنجیدہ ہوں۔'' فروان نے مصنوعی سنجیدگی سے سحر گل کو گھورا۔

''تو میں کب مذاق کر رہی ہوں۔'' سحر جلدی سے بولی۔

''ویسے پوچھ سکتی ہوں کس طرح کے حُسن نے تمہیں متاثر کیا ہے؟ یہاں تو صرف قدرتی حُسن ہے سیدھا سادا۔'' اشتارا پہلی بار گویا ہوئی اور فروان بھرپور انداز میں مسکرایا۔

''جناب! قدرتی حُسن ہی تو متاثر کرتا ہے۔ مصنوعی روشنیاں ہمیں تو متاثر نہیں کرتیں۔''

''پتہ نہیں ___ میں نے تو سنا ہے شہروں کی زندگی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔''

''ارے ___ ارے، یہ کس نے کہہ دیا۔'' فروان اٹھ کر میز کی طرف آ گیا۔ ''شہر کی زندگی تو بالکل پھیکی اور بے مزہ ہوتی ہے۔ ایسی شگفتگی، ایسی خوبصورتی اور سادگی کہاں۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ اس وادی میں آ جاؤں ہمیشہ کے لئے۔''

Marfat.com

''گھر داماد بن کر۔'' سحر گل سرگوشی کے انداز میں برجستہ بولی تو فروان نے پلٹ کر اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔

فروان کی جذبے لٹاتی آنکھیں سحر گل سے مخاطب تو نہ تھیں۔ ایک نئے اور اچھوتے رنگ لئے مسلسل اشتارا پر مرکوز تھیں اور اس پر ذومعنی جملے۔

اشتارا، ممانی جان اور شاہ خانم کو چائے کے لئے بلا لائی اور دونوں نہ جانے کس موضوع پر باتیں کر رہی تھیں۔ سٹنگ روم میں آتے ہوئے بھی سلسلہ ٹوٹا نہیں تھا۔

''امی! کیا خیال ہے پھر ـــــ ہمیشہ کے لئے اس وادی میں نہ رہ جائیں؟'' فروان نے میز پر رکھی پلیٹ سے چپس کھاتے ہوئے ممانی جان کو مخاطب کیا تو وہ چونکیں۔

''آں..... کیا، کہا؟''

''کیوں نہ ہم وادی میں رہ جائیں۔'' اس نے اپنا جملہ دہرایا۔

''ہاں، ہاں ـــــ کیوں نہیں؟ بس یہیں رہ جاؤ۔ اتنی بڑی حویلی تو ہے۔'' ممانی سے پہلے شاہ خانم جلدی سے بولیں۔

''اوں، ہوں..... حویلی میں نہیں ـــــ یہ میری غیرت گوارا نہیں کرے گی۔ کیوں ماہی آپی ـــــ؟'' اس نے شرارت سے ماہ گل کو دیکھا جو گڈو کو اٹھا کر اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔

''یہاں چھوٹا سا ایک گھر بناؤں اور......''

''چھوٹا سا کیوں ـــــ بڑا کیوں نہیں؟'' سحر گل درمیان میں ہی بول اٹھی۔

''چلو، ایک بڑا سا گھر بناؤں اور......''

''بڑا کیوں ـــــ درمیانہ کیوں نہیں بھئی۔ دو افراد کے لئے اتنے بڑے گھر کی کیا ضرورت ہو گی۔'' اب کے ماہ گل نے اسے چھیڑا تو وہ چپ ہو گیا اور پھر بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

''توبہ ہے تم لوگوں سے۔ اونگی بونگی ہانکتے رہتے ہو۔'' ممانی جان نے اپنے تینوں بچوں کو دیکھا اور پھر اشتارا کو دیکھ کر بولیں۔

''بیٹھو اشتارا! میرے پاس۔ دیکھا نا تم نے، بس شہر میں یہ لوگ ایسے ہی بے مقصد باتیں کرتے ہیں۔''

''ارے امی! اگر انسان ہر وقت اور ہر لحہ مقصدی گفتگو ہی کرتا رہے تو یہ زندگی میں مسکراہٹ، حُسن ہی ختم ہو جائے۔ کیوں بھئی اشتارا! ـــــ کیا وادی کے لوگ بے مقصد

Marfat.com

گفتگو سے پرہیز کرتے ہیں؟'' اس نے بے حد سکون سے سینڈوچ کا نوالہ حلق میں اتار کر اشتارا کو مخاطب کیا، جو ان کی باتوں سے محظوظ ہو کر مسکرا رہی تھی۔ اس کی بات پر اُسے بے ساختہ ذولین خان کا خیال آیا۔

بے حد کم گو، خاموش طبع اور سنجیدہ ___ مگر یہ خاموشی اس پر سجتی تھی۔ کچھ لوگ پیدائشی ہنسنے مسکرانے اور زیادہ بولنے والے ہوتے ہیں ___ فروان پر بھی ہنسنا اور بولنا سجتا تھا۔

اُس نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اپنے شوخ اور باتونی کزن کو دیکھا۔

''نہیں ___ وادی میں تم جیسے بھی رہتے ہیں اور زیادہ باتیں ناپسند کرنے والے بھی۔''

''اچھا، تو زیادہ باتیں اور شرارتیں ناپسند کرنے والوں سے مجھے ملواؤ تو سہی۔ میں بھی دیکھوں کہ وہ کیسے ہوتے ہیں۔'' فروان کا موڈ ازحد شگفتہ تھا۔

''اشتارا! ذولین خان سے ملوا دو اسے۔'' ماہ گل نے ہنس کر کہا تو فروان چونکا۔

''ذولین خان؟''

''ہوں ___ اشتارا کے کزن ہیں ___ چچا زاد۔ انیکسی میں رہتے ہیں۔ تنہائی پسند ہیں۔'' سحر گل نے تفصیل بتائی۔

شاہ خانم اور ممانی جان پھر سے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ اشتارا نے نظریں اٹھا کر شاہ خانم کی طرف دیکھا پھر قدرے مطمئن ہو کر بولی۔

''ضرور ملواؤں گی کسی دن۔''

''آں...... کسی دن کیوں ___ آج ہی، بلکہ ابھی دیدار ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔'' فروان ایک دم بے قرار ہو گیا اور اسی وقت کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''میرے خیال سے انیکسی کے راستے سے میں باخبر ہوں۔ کیا خیال ہے، خود نہ شرفِ ملاقات حاصل کر لوں؟''

''سنبھل کر جانا۔'' سحر گل ہنستے ہوئے بولی۔ ''وہاں بھوت بھی ہو سکتے ہیں۔''

''نہ ___ بھوت سے ڈرنے والا نہیں۔ مرد ہوں پورا۔ اور چڑیلیں ہوتیں تو کوئی بات بھی تھی ڈرنے کی۔'' اس نے کہا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا سٹنگ روم سے باہر نکل گیا اور وہ تینوں اس کی بے قراری اور جلد بازی دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

فروان نے انیکسی میں قدم رکھا تو چند لمحے مبہوت سا رہ گیا۔ ذولین خان کا شاندار سراپا اس کے عین سامنے تھا۔

Marfat.com

وہ بھی اپنی سبز سبز آنکھوں میں حیرانی لئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی رائیڈنگ سے واپس آیا تھا۔ سفید بیگی جرسی، سیاہ پینٹ اور لانگ شوز میں وہ دو گھنٹے کی مسلسل رائیڈنگ کے باوجود تر و تازہ تھا۔

''مجھے فروان کہتے ہیں۔'' وہ ذولین خان کے خوبصورت سراپے سے قدرے مرعوب ہوتے ہوئے بولا اور آگے بڑھ کر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''اشمل کے کزن ــــ'' ذولین کو پہچاننے میں وقت نہیں ہوئی۔ اشتارا نے ہی اسے بتایا تھا کہ اس کے ماموں کی فیملی آج کل حویلی میں آئی ہوئی ہے۔ اس نے بھی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

''اشمل کی غیر موجودگی میں تو آپ یقیناً بوریت محسوس کر رہے ہوں گے۔''

''اس لئے تو آپ کے پاس آ گیا۔'' فروان شگفتہ لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب ہے؟''

''کیا آپ مجھے کمپنی نہیں دے سکتے؟ ویسے اتنی شاندار کمپنی کا مجھے گمان نہیں تھا۔ اور آپ کا غائبانہ تعارف ہو چکا ہے کہ آپ بے حد کم گو ہیں اور زیادہ باتیں کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں ــــ مگر مجھے تو آپ کو چند دنوں تک برداشت کرنا پڑے گا۔ جبراً ہی سہی۔''

اس کی بات پر ذولین خان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے سوچا یقیناً اس کا تعارف اشتارا نے ہی کروایا ہو گا۔ وہ شاید اس کی کم گوئی سے خائف رہتی تھی۔ یہ سچ تھا، وہ تنہائی کا عادی تھا اور خاموش طبع تھا۔ مگر ابھی تک اسے ایسا ہمراز، ایسی کوئی شخصیت نہیں ملی تھی جس سے وہ بہت سی باتیں کرتا۔ وہ اشتارا سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ شاہ خانم کے خوف کو سر پر سوار کر کے اس سے ملتی اور ایسے میں کبھی کبھی اس کی بے قراری کو اور بھی شدید کر دیتی۔

''کیا میں کچھ توقع رکھ سکتا ہوں آپ سے؟'' فروان نے کہا۔

''پتہ نہیں، میں تمہاری توقعات پر پورا اتروں گا یا نہیں۔ بہر کیف اپنی سی کوشش کروں گا۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''میں آپ کا مشکور رہوں گا۔'' فروان نے اپنی ازلی شوخی سے سر خم کرتے ہوئے کہا تو ذولین خان ہنس دیا۔

''آپ شاید رائیڈنگ کر کے آئے ہیں۔'' وہ اب بے تکلفی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

Marfat.com

''ہاں ـــــ چچا جان نے مجھے تاکید کی ہے کہ سورج ڈھلنے سے پہلے ہی میں واپس آ جاؤں۔ انہیں بہت خوف رہتا ہے ان گہری کھائیوں سے۔'' اس نے خود کو کرسی پر گرا لیا اور لانگ شوز اتارنے لگا۔ ''تم گھڑسواری جانتے ہو؟''

''میں....... ہا..... ہا..... ہا......'' اُس کی بات پر فروان زور سے ہنسا۔ ''ارے شہر میں رہنے والے صرف گاڑی میں بیٹھنا جانتے ہیں، گھوڑے کی پشت پر نہیں۔ ویسے یہ میرا شوق ضرور ہے۔ کیا آپ کا گھوڑا مجھے اپنی پشت پر برداشت کر لے گا؟''

''کیوں نہیں ـــــ بس ذرا احتیاط برتنی ہو گی۔ ایک بار اشمل نے اس کی مرضی کے خلاف کسی سمت لے جانے کی سعی کی تھی لیکن پھر اشمل کو اسے قابو کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ تم ایسی غلطی نہیں کرو گے تو محفوظ رہو گے۔''

ذولین خان اپنے مشکی گھوڑے کا اکھڑ پن بے حد شان سے بتا رہا تھا اور فروان کا دل اُچھل کر رہ گیا۔

''اشمل بھائی کو قابو کرنا مشکل ہو گیا تو بابا! میری تو جان ہی نکل جائے گی۔ اور ویسے بھی مجھے ان کھائیوں سے بہت خوف آتا ہے۔''

''ارے ـــــ تم ڈر گئے۔'' ذولین خان نے اسے مسکرا کر دیکھا اور پھر بیسن پر ٹھنڈے پانی سے منہ دھوتے ہوئے بولا۔ ''تم چائے پیو گے؟''

''نہ ـــــ نہیں، میں چائے پی کر ہی آیا ہوں۔ اب میں چلوں گا۔ وہاں سب میرے منتظر ہوں گے۔ میں کل پھر آؤں گا آپ کو ڈسٹرب کرنے۔'' فروان کرسی سے کھڑا ہو گیا اور اسے خدا حافظ کہتا ہوا انیکسی سے باہر نکل گیا۔

ذولین خان تولیے سے منہ رگڑتے ہوئے فروان کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ یہ خوبرو اور باتونی لڑکا اُسے برا ہرگز نہیں لگا تھا۔ اس کے جملوں میں اُسے زندگی ہمکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اُسے اچانک اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا۔ کچھ لوگ شاید ہمیشہ تنہا ہی رہے ہیں۔

اُس نے تولیہ ہینگ کرتے ہوئے گولڈن فریم والے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھا اور بالوں پر ہاتھ پھیر کر پلٹا تو اشتارا کھڑی تھی۔

''وہ فروان آیا تھا نا یہاں؟''

''ہاں ـــــ چلا گیا۔''

''چلا گیا؟ ـــــ شاید دوسری طرف نکل گیا ہو گا۔''

Marfat.com

''اشتارا!'' ذولین نے اُسے دیکھا اور پھر لب بھینچ کر اس کے قریب آیا۔ ''اتنی شام انیکسی میں مت آیا کرو۔'' اس نے ڈھلتی شام کی گہری ہوتی رنگت کو محسوس کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا تو اشتارا مسکرا دی۔

''ذولین خان! مجھے آپ پر خود سے بھی زیادہ اعتبار ہے۔ پھر.......''

''بات اعتبار کی نہیں ہے۔'' اس نے تیزی سے اس کا جملہ کاٹ دیا۔ ''احتیاط کی ہے۔ اور پھر میں نہیں چاہتا کہ چچا خان کے دل میں میری طرف سے کسی طرح کا کوئی ایسا خوفزدہ کر دینے والا خیال آئے یا کوئی ایسی سوچ اُبھرے۔''

''نہیں ذولین! بابا خان کو آپ پر بے حد اعتماد ہے۔ بھلا وہ ایسا......''

''اشتارا! پلیز، سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے رخ پلٹ کر دیوار پر لگے لائٹ کے سوئچ آن کر دیئے۔ کمرہ ایک دم ہی روشنیوں میں نہا گیا۔ ''تم جاؤ۔''

اشتارا کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ ذولین خان کا یہ رویہ اس کا دل دکھا گیا۔ وہ پلٹی اور تقریباً بھاگ کر انیکسی سے باہر نکل گئی۔

''اشتارا ــــــ'' ذولین اس کے اس طرح بھاگنے پر پریشان ہو گیا۔ اس نے دریچے سے جھانکا تو وہ دور جا چکی تھی۔

'پاگل لڑکی! اس میں ہم دونوں کی ہی بھلائی ہے۔ ساری عمر میں نے اپنی انا، عزت کی حفاظت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ اب خوفزدہ ہوں کہ کوئی ہاتھ میری جانب نہ اٹھے کہ جس جو صرف میری ہی نہیں، تمہاری بھی ذات کے لئے اذیت کا باعث ہو۔'

اس کی ناراضگی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ مگر وہ خود ہی سوچ کر مسکرا دیا کہ وہ اسے موقع ملنے پر منا لے گا۔ وہ جانتا تھا کہ اشتارا مہروز بے حد معصوم لڑکی ہے۔ وہ اس سے زیادہ خفا نہ رہ سکے گی۔ بھلا جو لوگ دل سے بے حد قریب ہوتے ہوں وہ ناراض کب رہ سکتے ہیں۔ اس نے دریچے کا پردہ کھینچ لیا۔

+++

''آخر آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں ــــــ کچھ نہیں ہوتا مجھے۔ میں بس اس کوٹھی میں رہوں گا۔ مجھے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا بگاڑ لے گا قانون میرا۔ یہ کھلونا ہے کھلونا۔'' ریحان پراچہ کا لہجہ تکبرانہ تھا۔ ''کیا ہمارا اثر و رسوخ ختم ہو چکا ہے جو آپ اتنے فکرمند ہو رہے ہیں؟''

''بے وقوف ہو تم ــــــ بات معمولی نہیں ہے، قتل کا کیس ہے۔ ریحان! جانتے ہو تم

Marfat.com

قتل کسے کہتے ہیں؟"

شاہنواز پراچہ کی جان پر بن رہی تھی اور بیٹا تھا کہ قتل کرنے کے بعد بھی اسی سکون سے تھا۔ غلطی انہی کی تھی کہ ہمیشہ اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔ اسے خوفزدہ دیکھ کر تسلیاں دی تھیں ـــــ مگر آج خود انہیں کسی طرح بھی تسلی نہ ہو پا رہی تھی۔ بیگم شاہنواز بھی ہراساں تھیں۔

"بس اس دن سے ڈرتی تھی میں۔ یہ آگ کا کھیل ہے۔ یہ اسلحہ تباہ کر دیتا ہے اسے جو بھی اسے پکڑتا ہے۔ خدایا اب کیا ہوگا؟" وہ تو باقاعدہ رو رہی تھیں۔

"اوہو مما! آپ لوگ کیوں اتنے خوفزدہ ہیں؟"

"بس میں نے کہہ دیا نا کہ ریحان! تم ابھی اور اسی وقت فلیٹ میں منتقل ہو جاؤ۔ پولیس یہاں دوبارہ بھی آ سکتی ہے۔ شہباز کے باپ اور بھائیوں نے ایف آئی آر درج کرا دی ہے تمہارے خلاف۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ قتل کا کیس آسان بات نہیں ہے۔" شاہنواز پراچہ کے لہجے میں اُلجھن کے ساتھ سختی بھی تھی۔

انہیں اپنا اکلوتا بیٹا بے حد عزیز تھا۔ اور ہر حال میں وہ اس کی حفاظت اور سلامتی چاہتے تھے۔

"جاؤ ذرا فلیٹ کی چابیاں لے کر آؤ۔ میں نے بیڈ کی دراز میں ہی رکھی ہیں۔" شاہنواز پراچہ نے اپنی بیوی کو مخاطب کیا جو ابھی تک بے آواز رو رہی تھیں۔

"اوکم آن ماما! ـــــ اس سے پہلے بھی تو ایسا ہوا ہے۔ پولیس نے چھاپے مارے بلکہ مجھے گرفتار بھی کر چکی ہے۔ پھر کیا میں واپس نہیں آؤں گا؟ یہ پاپا کا وسیع ریلیشن اور پیسہ کس کام کا ہے؟" وہ لاپرواہ انداز میں ہنسا۔

"اس ریلیشن شپ اور پیسے نے تو تمہیں اس حال تک پہنچایا ہے۔" وہ دکھ سے بولیں اور کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

"تمہیں اتنا مطمئن رہنے کی ضرورت نہیں ہے ـــــ ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر بار اتنی آسانی سے بازی جیت جائیں۔" شاہنواز پراچہ کے لہجے میں ناگواری سمٹ آئی۔ بیٹے کا بے فکر انداز انہیں ایک آنکھ نہ بھایا۔

"وہ لڑکا اشمل خان کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے۔ اس کی بیک بے حد مضبوط ہے۔ اور وہ ڈپٹی منظور احمد بھی بہت خرانٹ آدمی ہے ـــــ اس بار بہت مشکل پیدا کر دے گا وہ اشمل کے ساتھ مل کر۔ اور پھر تم نے اُسے بھی گولی مار کر زخمی کر دیا ہے۔"

Marfat.com

''پاپا! آپ شہباز کے گھر والوں پر پریشر تو ڈالئے ـــــ انہیں منہ مانگی قیمت دیں۔ انہیں ایف آئی آر درج کرانے کیوں دی؟'' قدرے توقف کے بعد ریحان پراچہ نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ باپ کی پریشانی اب اس پر بھی لاحق ہونے لگی۔ اسے سنگینی کا احساس ہونے لگا۔

''اونہہ ـــــ وہ غریب لوگ بہت غیرت مند اور عزت دار بنتے ہیں۔ وہ لوگ خون کا بدلہ خون مانگتے ہیں..... بے وقوف لوگ......''

''آپ ان کے پاس گئے تھے؟''

''ہاں، گیا تھا۔ تم کیا سمجھتے ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں۔ ایک لاکھ روپیہ یوں ٹھکرا دیا جیسے دو روپے ہوں۔ پچھتائیں گے خود ہی۔ بیٹا تو گیا سو گیا۔ شاید بہت پُر اعتماد ہیں تمہاری گرفتاری اور سزا کے سلسلے میں۔''

ریحان پراچہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔ وہ منہ بناتا صوفے سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

بیگم شاہنواز چابیاں لے کر آئیں اور روٹھے ہوئے انداز میں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔

''کاش اشمل ہی مر جاتا اس کی بجائے۔'' وہ چابیوں کو ہتھیلی پر مارتے ہوئے نفرت سے بولا۔

''بکو مت زیادہ ـــــ چلو اب، پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔'' شاہنواز پراچہ نے اُسے ڈپٹ کر سرعت سے قدم باہر کی جانب بڑھائے۔

''میرا بچہ ـــــ خدا تجھے حفظ و امان میں رکھے۔ میں تو پہلے ہی ڈرتی تھی۔ کہتی رہتی تھی تمہارے پاپا کو کہ اولاد کو زیادہ ڈھیل دینا نقصان دہ ہو گا مگر ـــــ''

''اوہو شازیہ! یہ کیا بے وقوف عورتوں کی طرح رونا دھونا شروع کر رکھا ہے۔ ابھی ہمارے اختیار سے کچھ نہیں گیا۔'' شاہنواز پراچہ پلٹ کر تندی سے بولے۔ ''چلو ریحان! جلدی کرو۔''

''او کے ممی! آپ فکر مت کریں۔ میرا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اشمل خان ہو یا کوئی اس سے بھی بڑھ کر ـــــ اونہہ، ابھی تو آپ نے پاپا کی طاقت دیکھی ہی نہیں ممّا!''

''پاپا کی یا پیسے کی؟'' انہوں نے قدرے منہ بنا کر کہا تو ریحان زور سے ہنس دیا۔

''او کے ـــــ گڈ بائی ماما! میں آپ سے فون پر رابطہ رکھوں گا۔'' اس نے بیگم شاہنواز کے ہاتھ تھام کر تھپتھپائے۔

Marfat.com

''آؤ ــــــ میں تمہیں گاڑی تک ہی چھوڑ آؤں۔'' انہوں نے کہا تو وہ ہنس پڑا۔ وہ اسے گاڑی تک چھوڑنے آئیں تو سخت دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔

''بائے ــــــ'' خدا حافظ کہہ کر جیسے بکھر ہی گئیں۔ 'ایسا ہی اس کی ماں کا کلیجہ ہوگا۔ وہ بھی تو بیٹا تھا جو میرے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ نہ جانے اس کی ماں نے کیسے سنبھالا ہوگا خود کو۔'

گاڑی دور ہوتی گئی اور بیگم شاہنواز کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔ ان کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ایک دم اتر گیا تھا۔ وہ اب شوہر سے بھی خائف تھیں۔ وہ بیٹے کی حرکتوں کو معمولی کھیل سمجھتے ہیں۔ اور وہ خود بھی پارٹیوں اور فنکشن سے فارغ ہی نہیں ہوتیں۔

'یہ آزادی خود میرے لئے وبال بن گئی۔' وہ بلک اٹھیں۔

+++

نعیم جان اور افتخار ابھی ابھی اس کے پاس سے اٹھ کر گئے تھے۔ وہ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو تکیے کا سہارا لے کر نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

ہاسپٹل کی اُکتا دینے والی خاموشی اور تنہائی اس پر کوفت طاری کر رہی تھی۔ اتنی بے رونق اور بے کل زندگی کا تو تصور بھی نہیں رہا تھا اس کے پاس۔ اتنا بے بس اس نے کبھی خود کو محسوس نہیں کیا تھا۔ پٹیوں میں جکڑا وہ خود کو اس بے بس پرندے کی طرح محسوس کر رہا تھا جس سے اُس کی اُڑان چھین لی گئی ہو اور اس کے سامنے سے آسمان ہٹا کر ایک چھت تان دی گئی ہو۔

ایک ایک کر کے اُسے سب یاد آ رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی زمان خان بھی اس سے مل کر گیا تھا۔ اس کی لاپرواہی پر خفگی بھی ظاہر کر گیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا تھا۔ مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ پوری فیملی وادی گئی ہے۔ چند لمحوں کے لئے تو اسے اپنی وادی اور حویلی کتنی شدت سے یاد آئی تھی۔ وہ آنکھیں موندے گہری سوچوں میں غرق تھا کہ اچانک ہی اسے اپنے قریب کسی ذی روح کا احساس ہوا۔ ایک مانوس سی خوشبو کا جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

سامنے ہی وہ آشنا خوشبو میں بسا گلاب چہرہ تھا۔ آنکھوں میں اس کے لئے بے پناہ چاہت لئے۔ درد اور حزن کی آمیزش لئے۔ وہ اس کے چہرے کو اپنی آنکھوں کے حصار

Marfat.com

میں لئے ہوئے تھی۔
"کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا تو وہ چونکی۔ پھر اس کے زرد چہرے پر سے نگاہیں ہٹا کر بولی۔
"اشمل خان! میرا دل چاہتا ہے کہ میں ریحان پراچہ کو اپنے ہاتھوں سے شوٹ کر دوں۔ اُسے کوئی بہت ہی اذیت ناک سزا دوں۔ مگر......" اُس کا گلا رندھ گیا۔
"وہ شخص قانون کے ہاتھوں سے ہرگز نہ بچے گا ــــ یہ بتاؤ، کب آئیں تم؟" وہ قدرے اونچا ہو کر بیٹھ گیا۔
"پتہ نہیں، یہ قانون ان لوگوں کے لئے ہے یا نہیں۔" اُس نے رخ موڑ لیا۔ وہ سخت زود رنج ہو گئی تھی۔
اشمل خان کا زرد چہرہ اور پٹیوں میں جکڑا وجود کس قدر بے بسی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ایک منٹ نہ بیٹھنے والا، اپنے سینے میں درد رکھنے والا یہ لڑکا کتنی بے بسی سے بستر پر پڑا ہوا ہے۔ اس کی تکلیف و اذیت کی ترجمانی اس کی بھوری آنکھیں بخوبی کر رہی تھیں۔ یہ اور بات تھی کہ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تھا۔
"بہت چاہتی ہو مجھے ہشمینہ؟" اُس نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دلچسپی سے پوچھا تو اس کے رخساروں پر دھنک رنگ بکھر گئے۔ وہ ٹفن سائیڈ میز پر رکھ کر دوبارہ اس کی جانب رخ نہ کر سکی اور پیالے میں سُوپ بھرنے لگی۔
"جانتی ہو اظہار، محبت کو آسمان کی بلندیوں پر لے جاتا ہے اور دل کے لئے تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ ایک دو بار ہی سہی۔" وہ پُر زور انداز میں ہنسا تھا۔ اس کا جھینپا جھینپا انداز اُسے محظوظ کر گیا تھا۔
"اشمل خان! جب آنکھیں اور چہرہ دل کا ترجمان ہو تو پھر لفظوں کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔" اس نے سُوپ کا پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔
وہ نچلا ہونٹ ہموار دانتوں تلے دبائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"اگر آنکھیں اور چہرہ پڑھنے کی اجازت ہی نہ ہو تو پھر سماعت لفظوں کی منتظر رہتی ہے۔"
"آپ نے اپنے گھر اطلاع نہیں دی اس حادثے کی؟" وہ دور ہو کر کرسی پر بیٹھ کر دھیرے سے بولی۔ وہ اس نازک موضوع کو بڑھنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

Marfat.com

''نہیں ـــــ وہ سب پریشان ہو جائیں گے۔ بابا خان نے پہلے ہی وارننگ دے رکھی ہے۔''

''اخبار میں تو یہ خبر آئی ہے۔'' اس نے کہا تو اشمل خان کے چہرے پر تفکر کے رنگ پھیل گئے۔

''اوہ ـــــ یہ تو بہت برا ہوا۔ زمان لالہ بھی آئے تھے۔ بہت پریشان ہو رہے تھے۔ حالانکہ اب تو کافی ریکور کر رہا ہوں۔''

''یہی تو رشتوں کی اہمیت اور محبت ہے۔ خوشی اور غم میں شریک ہونا ہی تو اپنوں کی محبت کی نشانی ہے۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے غم میں لوگ پریشان ہوتے ہیں۔ کیا آپ ایسی شخصیت نہیں؟ ـــــ آپ کے لئے اسٹوڈنٹس بھی دُعا گو ہیں۔''

''حالانکہ میں تو بہت عام سا بندہ ہوں ہشمینہ! جس نے ابھی تک کسی کے لئے کچھ نہیں کیا ہے اور اگر کچھ کیا بھی ہے تو اتنے سارے لوگوں کا تعاون رہا ہے ساتھ۔'' وہ بے حد صاف گوئی سے بولا۔

''مجھے بس فکر ہے کہ یہ خبر بابا خان تک نہ پہنچے۔'' اس نے سُوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور (اخبار میں چھپی تھی یہ خبر) یہ بات اسے متفکر کر گئی تھی۔

'شاہ خانم، اشتارا خان سب اس کے لئے کتنے پریشان ہو جائیں گے ـــــ'

''ہو سکتا ہے ان کی نظروں سے یہ خبر نہ گزری ہو ورنہ ابھی تک تو وہ یہاں آ جاتے۔'' ہشمینہ نے اسے پریشان دیکھ کر دلاسہ دینا چاہا۔

''احسن سے تو بات ہوئی ہو گی نا آپ کی۔ کوئی کال نہیں آئی ہاسٹل میں ـــــ احسن نے تو کچھ نہیں بتایا؟'' ہشمینہ کی بات اس کے دل کو لگی۔ تبھی دروازے پر آہٹ ہوئی۔ وہ دونوں چونکے۔

کمرے میں داخل ہونے والا ذولین خان تھا۔ بالکل غیر متوقع ذولین کو دیکھ کر اشمل خان حیران رہ گیا۔

''ذولین ـــــ تم ـــــ'' اُس کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ بھی پریشان سا اس کی طرف بڑھا اور جھک کر اس سے بغل گیر ہو گیا۔

''تم نے تو اطلاع دینے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی۔ وہ تو اخبار والے مہربانی کر گئے۔'' ذولین نے اس کے وجود پر تشویش بھری نظر ڈالی اور قدرے خفگی سے کہا۔ ''یہ سب کیسے ہوا؟''

Marfat.com

''تم بیٹھو تو۔۔۔۔ آتے ہی غصہ نکالنے لگے یار!'' اشمل اس کی خفگی پر مسکرایا۔
ہشمینہ حیران کن نظروں سے ذولین کو تکتی رہی جو اس سے پہلے بالکل اجنبی تھا۔ نام تک سے واقفیت نہ تھی۔ وہ اشمل سے اس کی اتنی بے تکلفی پر حیران ہوئی جا رہی تھی۔
''بابا خان وغیرہ کو بھی خبر ہے؟'' وہ اپنا خدشہ زبان پر لے آیا۔
''نہیں۔۔۔۔ میں یہ خبر والا صفحہ گول کر گیا تھا۔ سوچا پہلے خود دیکھ آؤں کہ معاملہ کتنا سیریس ہے۔''
''تو دیکھ لو۔۔۔۔ زیادہ سیریس نہیں ہے۔'' اشمل خان نقاہت محسوس کرنے کے باوجود لہجے میں بشاشت طاری کرتے ہوئے بولا۔
''بکومت۔۔۔۔ زیادہ سیریس کسے کہتے ہیں؟'' ذولین خان کی سبز آنکھوں میں غصہ ہلکورے لینے لگا۔ ''میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ چھٹیوں میں تم غائب رہتے ہو۔ وادی کا چکر نہیں لگاتے۔۔۔۔ پولیٹکس کے چکروں میں ہوسٹل میں ہی پڑے رہتے ہو۔''
''اوکے۔۔۔۔ اوکے۔۔۔۔ یار! تم ذرا ٹھنڈے تو ہو لو۔'' اشمل خان نے کچھ اس طرح کہا کہ باہم جڑے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
''ارے ہشمینہ! ان سے ملو، یہ ذولین ہے۔ عم زاد ہے میرا۔ اور میرا بہترین دوست۔'' اس نے ہشمینہ کی سمت دیکھا تو وہ سیدھی ہو بیٹھی۔
ذولین نے بھی اس کی طرف دیکھا اور پھر قدرے چونکا۔ سیاہ چادر کے ہالے میں جگمگاتے چہرے اور سیاہ فسوں خیز آنکھوں والی اس لڑکی کے لئے اشمل خان کی آنکھوں میں انوکھے رنگ تھے۔
''میری کولیگ تو نہیں مگر۔۔۔۔'' اشمل کچھ جھجک سا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ذولین سے ہشمینہ کا تعارف کس طرح اور کس رشتے سے کرائے۔
''مگر کیا؟'' ذولین نے اُسے کھوجتی نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکا سا تبسم لہرا رہا تھا جس نے اشمل خان کو کچھ اور بھی خفیف کر دیا۔
''میرے خیال سے اب میں چلوں گی۔'' ہشمینہ، ذولین خان کی نگاہوں سے جھینپ کر جلدی سے بولی اور سرعت سے کمرے سے باہر چلی گئی۔
''تم نے وضاحت نہیں کی اشمل!'' ذولین اس کے کمرے سے جاتے ہی اشمل خان کی طرف پوری طور پر متوجہ ہو گیا۔ اُسے تجسس ہونے لگا۔ گو کہ کسی حد تک اس نے اندازہ تو لگا لیا تھا مگر وہ سب کچھ اشمل خان سے صاف لفظوں میں سننا چاہتا تھا۔

Marfat.com

''گل بی بی کی نند کی بیٹی ہے۔ ابرار انکل کی بیٹی۔'' وہ اُس کی سبز آنکھوں کی محویت سے جھینپ کر بولا۔

''یہ وضاحت تو نہیں تمہارے تعلق کی۔'' ذولین کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''بہت چالاک ہو یار! —— تم سے بچنا بہت مشکل ہے۔ یہ بتاؤ وادی میں سب کیسے ہیں؟ کسی کو اس حادثے کی اطلاع تو نہیں ہے؟'' اس نے بھی کمال خوبصورتی سے بات بدل دی جس پر ذولین مسکرا کر رہ گیا۔

''نہیں —— ابھی تک تو کسی کو خبر نہیں ہے۔ مگر میں جا کر ضرور سب کو باخبر کر دوں گا۔ آخر کیا دھندا پال رکھا ہے تم نے۔ دیکھو اشمل خان! تم چچا خان کو بہت عزیز ہو۔ خود کو ان بکھیڑوں میں مت اُلجھاؤ۔''

''یہ بکھیڑا نہیں ہے ذولین! نہ ہی میرا شوق ہے۔ یہ ضرورت ہے —— اچھے اور سازگار حالات کی ضرورت ہے تمام طلباء کو۔ ذولین! میں سب کچھ بدل دینا چاہتا ہوں۔ دھونس، نفرت اور دہشت گردی سے اس زمین، اس درس گاہ کو پاک کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جہاد ہے اور اس میں میرے ساتھ بہت سے لوگ شریک ہیں۔ میں تو بس ایک راستہ بنانا چاہتا ہوں۔ منزل گو کہ ابھی میرے اختیار سے بہت دور ہے۔ مگر میرے پیچھے آنے والے ان راستوں پر چل کر کبھی تو منزل پا لیں گے۔ آئی ایم ویری ہوپ فُل ذولین!''

اس کا لہجہ شدتِ جذبات سے بھاری ہو گیا۔ ذولین اپنے اس عم زاد اور دوست کو چند ساعت دیکھتا رہا جس کے چہرے پر عزم روشنی کی طرح چمک رہا تھا۔

''ہاں —— اگر صحیح راستے کا تعین ہر شخص کر لے تو پھر منزل دور نہیں۔ مگر اشمل! تم نے اس حادثے کی رپورٹ کروائی ہے ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے یہ فائرنگ کی ہے؟''

''ہاں —— ایک لڑکا ہلاک ہو گیا ہے شہباز نام کا۔ اس کے والدین نے ایف آئی آر درج تو کروائی ہے۔ بس ذولین! میرے زخموں کو ذرا بہتر ہو لینے دو۔ میں خود اس کے خلاف گواہی دوں گا۔ ریحان اب سلاخوں کے پیچھے مجھے نظر نہیں آیا تو میرا نام بھی اشمل خان نہ ہو گا۔''

''اشمل ——!'' ذولین نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ ''فی الحال تمہیں میرے ساتھ وادی چلنا ہے۔ ان عدالتوں کے چکر میں پڑو گے تو لمبا عرصہ گزر جائے گا۔ اور پھر چچا خان سے کچھ بھی مخفی نہ رہ سکے گا۔ جانتے ہو انہوں نے مجھے چند دن پہلے ہی کہا تھا کہ میں اشمل کے پاس ایک چکر لگا آؤں۔ اور اگر میں یہاں نہیں آتا تو وہ ضرور آ

Marfat.com

جاتے۔ اوراب تم میرے ساتھ نہ چلے تو کچھ بعید نہیں کہ چچا خان خود شہر آ ہی جائیں۔''
ذولین کی بات پر اس کے چہرے پر تردّد کے رنگ پھیل گئے۔

''مگر ذولین! ڈی ایس پی منظور احمد سے میری بات ہو چکی ہے۔ وہ خود اس کیس میں مصروف ہے اور عنقریب شہباز کا مقدمہ بھی پیش ہو جائے گا۔ اور ایسے میں میری ضرورت ہے۔''

''ٹھیک ہے ـــــ میں تمہیں گواہی دینے سے نہیں روک رہا۔ مجھے خوشی ہوئی ہے تمہاری باتیں سن کر۔ تمہاری ہمت و جرأت کی داد دیتا ہوں۔ مگر اشمل! صرف ایک ہفتے کی بات ہے۔ تم وادی چلو اور پھر واپس آ کر مقدمے کی سماعت کرو۔''

''اچھا، تم کب تک ہو یہاں؟'' اشمل خان نے جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

''میں یہاں دو دن مزید ہوں تمہارے پاس۔ اس عرصے میں کچھ زخم تو مندمل ہو جائیں گے۔ علاج تو اچھا ہو رہا ہے نا؟''

''ہاں۔''

''بس تو پھر کیا ہے ـــــ وہاں کہہ دیں گے کہ تمہاری کار کا حادثہ ہو گیا تھا۔ معمولی زخم آئے ہیں۔ جو یقیناً شاہ خانم اور اشتارا کی خدمت سے بہتر ہو جائیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے ذولین خان زور سے ہنسا تو اشمل خان بھی ہنس دیا۔

''پورا پلان بنا کر آئے ہو مجھے لے جانے کے لئے۔''

''ہوں ـــــ یہی سمجھ لو۔ اور پھر شاندانہ کی شادی بھی تو ہے۔''

''اچھا ـــــ کب؟''

''بس ابھی پندرہ بیس دنوں میں۔ تیاریاں تو زور و شور سے جاری ہیں۔ تم اٹینڈ کرتے ہی واپس آ جانا۔'' ذولین یہ کہتا ہوا اٹھ کر اس کے پیر کا زخم دیکھنے لگا۔

''ہاں ظاہر ہے، گل بی بی اس طرح جانے بھی کب دیں گی جب تک شاندانہ رخصت نہیں ہو جاتی۔'' وہ مسکرایا اور پھر سر تکیہ پر ڈال کر آنکھ موند کر بولا۔

''ذولین! ہشمینہ کیسی لگی تمہیں؟''

ذولین خان نے چونک کر اسے دیکھا پھر اس کے قریب آیا۔

''اچھی ہے ـــــ میں تمہاری پسند کی داد دیتا ہوں۔'' اس کے تصور میں سیاہ چادر کے ہالے میں جگمگاتا چہرہ اور فسوں خیز آنکھیں اُبھر آئیں۔

''ذولین! وہ لمحہ میرے اختیار سے باہر تھا جب میرا دل ہشمینہ ابرار کو چاہنے لگا۔

Marfat.com

ایک دم ہی وہ مجھے اپنے دل سے بہت قریب محسوس ہونے لگی۔ شاید وہ میری شکست کا لمحہ تھا۔ اور پتہ ہے ذولین! مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میری شکست ایک اچھے فاتح کے ہاتھوں ہوئی۔'' وہ آنکھیں کھول کر عجیب مخمور نگاہوں سے چھت کو دیکھنے لگا۔ ذہن کے پردوں میں نرم چہرے والی ہشمینہ ابرار جھانک رہی تھی۔ سیاہ فسوں خیز آنکھوں والی لڑکی کی محبت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے دل میں شدید ہو رہی تھی۔

''کیا اس شکست کی خبر چچا خان کو پہنچا دوں کہ آپ کا توانا، لائق و فائق بیٹا ایک کمزور لڑکی کے ہاتھوں.......''

''ارے، نن......نہیں۔ یہ ستم مت کرنا۔'' اشمل خان گھبرا کر اٹھ بیٹھا مگر دوسرے لمحے ذولین کی آنکھوں میں مہکتی شریر مسکراہٹ سے جھینپ گیا۔

''دل بڑے سے بڑے مضبوط فاتح کی دسترس سے بھی باہر ہوتا ہے ذولین!'' اس نے کہا اور سائیڈ ٹیبل سے پانی سے بھرا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

اس کی بات پر ذولین خان کو اپنی شکست یاد آ گئی جو اشتارا نے اسے ایسے ہی کسی کمزور لمحے میں دی تھی۔

''دیکھو، تم اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا۔'' اس نے تاکیدی نظروں سے ذولین کو دیکھا۔

''گل بی بی کو تو بتانا ہی پڑے گا۔ آخر تم نے ان کی نند کی بیٹی........''

''آخاہ، اشمل خان! آج بڑے تازہ تازہ لگ رہے ہو۔'' احسن کی بلند آواز پر ذولین خان نے اپنا بقیہ جملہ منہ میں ہی روک لیا۔

وہ اشمل کے مسکراتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ ذولین پر نگاہ اٹھی تو چونکا۔

''خوب ـــــ تعریف اس خدا کی جس نے یہ شاہکار بنایا۔ مگر پھر بھی آپ کی تعریف؟'' اس نے توصیفی نظروں سے ذولین خان کے دلکش سراپے کو دیکھا۔

''یہ ذولین ہے۔''

''اچھا، اچھا ـــــ غائبانہ تعارف تو ہوا ہے مگر دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے ـــــ کیا یہ لینز تو نہیں؟'' اس نے اچانک اس کی سبز کانچ سی آنکھوں کی سمت اشارہ کیا تو ذولین نے لب بھینچ کر اشمل کی سمت دیکھا۔ اُسے احسن کی دماغی حالت پر شک گزرا۔

''احسن! کیا فضول بک رہے ہو؟ ذولین! اس شخص کے پاس عقل کی کمی ہے۔'' اشمل مسکراہٹ کو دبا کر بولا۔

Marfat.com

''واللہ ــــ اگر آپ لڑکی ہوتے تو کچھ بعید نہ تھا کہ میری بچی کچی عقل بھی سلامت نہ رہتی۔'' وہ یہ کہہ کر زور سے ہنسا۔ ذولین اپنی اس تعریف پر جھینپ گیا۔

''ویسے اشمل کی برداشت کی داد دیتا ہوں جو نہایت اطمینان اور صبر سے آپ کی یہ باتیں ہضم کر جاتا ہے۔'' ذولین خان نے پہلی بار لب کشائی کی تو احسن سر کھجاتے ہوئے قدرے جلدی سے بولا۔

''خیر، اطمینان سے تو ہضم نہیں کرتا۔ خاصی کڑواہٹ، بے چینی اور ہمت کے ساتھ نوش فرماتا ہے۔''

''میرے خیال سے مجھے چلنا چاہئے۔ ہاں تو مسٹر ــــ''

''احسن۔''

''جی، مسٹر احسن! میں برداشت کے معاملے میں بالکل صفر ہوں۔ اس لئے خدا حافظ۔'' ذولین یہ کہہ کر سرعت سے نکل گیا۔ احسن کتنی ہی دیر بغلیں جھانکتا رہا۔

''ہر وقت تم بے تکی ہی ہانکنا۔'' اشمل اس کی کھسیاہٹ پر خاصا محظوظ ہوا۔

''ویسے زبردست پرسنیلٹی ہے۔ میں ہی کیا، کوئی اور بھی ہوتا تو دیوانہ ہو جاتا۔ مگر ایک افسوس رہ گیا۔''

''کس بات کا؟''

''کہ یہ لڑکی کیوں نہیں ــــ یا پھر میں صنفِ کرخت کیوں۔''

''توبہ، توبہ ــــ'' اشمل کا اپنا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

''اشمل خان! آپ سے کوئی شاہنواز پراچہ صاحب ملنا چاہتے ہیں۔'' نرس کی آواز پر دونوں چونکے۔

''کیا ــــ شاہنواز پراچہ؟'' احسن پلٹا۔

''جی ــــ نام تو انہوں نے یہی بتایا ہے۔''

''ٹھیک ہے ــــ انہیں اندر بھیج دو۔'' اشمل اپنی حیرت کو بہ دقت قابو کرتے ہوئے بولا تھا۔

Marfat.com

شاہنواز پراچہ نے مختلف فروٹز کے لفافے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے اور اشمل خان کی طرف آئے۔

''بہت دکھ ہوا ہے مجھے تمہاری یہ حالت دیکھ کر۔'' وہ اس کے قریب آ گئے۔

''مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' اشمل خان نے ان لفافوں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''جانتا ہوں ___ بس، یہ تو میرے دل کی خواہش تھی۔ تم میرے بیٹے کی طرح ہو۔'' انہوں نے لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر ان کی نگاہ احسن پر اٹھی تو وہ کچھ سوچ کر دھیرے سے بولے۔

''میں تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم.......''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کیا کہنے تشریف لائے ہیں۔ اور یہ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے۔'' اشمل خان نے ان کا جملہ کاٹ دیا۔

''بالکل۔'' احسن مسکرایا۔ اُس کا ڈھیروں خون بڑھ گیا تھا۔

''پھر بھی اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو.....'' وہ مصر تھے احسن کے چلے جانے پر۔

''ناگوار تو گزرے گا چچا! مگر ٹھیک ہے۔'' احسن نے شانے اچکائے اور کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چچا کہنے پر شاہنواز پراچہ کا منہ بن گیا تھا۔

''مگر یاد رکھیے گا ___ اشمل خان بکنے والا نہیں ہے۔'' اس نے جھک کر قدرے جلانے والے انداز میں کہا اور پلٹ کر سرعت سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

''دیکھو اشمل بیٹا! یہ یونین وغیرہ میں کھڑے ہونے والے لڑکے جذباتی ہوتے ہیں۔ اور پھر عمر بھی ایسی ہو تو غلطیاں سرزد ہو ہی جاتی ہیں۔'' احسن کے جانے کے بعد شاہنواز پراچہ نے کہنا شروع کیا۔ ''میں مانتا ہوں کہ ریحان سے غلطی سرزد ہو گئی ہے۔''

''غلطی نہیں، جرم۔ اور جرم معاف نہیں کیا جاتا۔ اس کی سزا ہوتی ہے۔'' اشمل کا چہرہ

Marfat.com

تن گیا۔ ''آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟ ــــ اصولاً تو شہباز کے گھر جانا چاہئے۔''

''ہاں، ان لوگوں نے مقدمہ دائر کیا ہے۔ مگر انہیں گواہی ملنا ناممکن ہے۔'' شاہنواز پراچہ نے نرم لہجے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے خصوصی متکبرانہ لہجے میں کہا تو اشمل نے اسے دیکھا۔

''ریحان کی یہ حرکت لوگوں سے چھپی نہیں ہے۔ اور پھر میں گواہی دے رہا ہوں۔'' اس کا لہجہ تند تھا۔

شاہنواز پراچہ نے اس کے سخت چہرے کو دیکھا۔

''ہاں ــــ جانتا ہوں۔ مگر ینگ مین! تم نہیں جانتے کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔'' انہوں نے اشمل خان کو سنگینی کا احساس دلایا اور حقیقت جتانی چاہی۔ ''تم میری پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں تمہیں اس غلطی سے رکنے کی تنبیہ کر سکتا ہوں۔ مجھے تمہاری جان عزیز ہے۔''

''شاہنواز پراچہ! ــــ اگر آپ انہی باتوں کے لئے آئے ہیں تو آپ اپنی سی کوشش کر ڈالئے۔ باقی اللہ نگہبان۔'' وہ یہ کہہ کر بستر پر دراز ہو گیا۔ گویا مزید اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے ــــ ابھی تم بچے ہو۔ سمجھنے میں دیر لگے گی۔ وقت تمہیں خود ہی سکھا دے گا سب کچھ۔'' وہ کھڑے ہو گئے۔

''اپنی یہ چیزیں لے جایئے گا۔''

''ہاں ــــ ان کی اب ریحان کو ضرورت ہو گی۔'' احسن اندر آ گیا۔

شاہنواز پراچہ نے کھا جانے والی نظروں سے احسن کو دیکھا اور لائے ہوئے لفافے اٹھا کر باہر نکل گئے۔

''کیوں آئے تھے یہ چچا؟''

''پلیز احسن! میں اب تنہائی چاہتا ہوں۔'' اشمل نے بگڑے لہجے میں کہا اور آنکھیں موند لیں۔ غصے سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔ شاہنواز پراچہ کی باتوں نے اس کا موڈ سخت خراب کر دیا تھا۔

احسن نے اس کے تنے چہرے اور بھنچے لبوں کو دیکھا اور خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔

+++

Marfat.com

کتنی ہی دیر تک وہ خالی خالی نظروں سے زمان خان کو تکتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ جیسے گزرے لمحے ذہن میں آنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے ہر پل لہرانے لگا۔

''اُف ـــــ'' ایک ٹیس سی اُٹھی اور سارے بدن میں پھیل گئی۔ اُس نے دُکھ سے بوجھل آنکھیں موند لیں۔

وہ شخص اس کے اتنا قریب تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے شاردا؟'' مانوس سی آواز مگر لہجہ نیا تھا۔ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''میں تو پریشان ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ابھی واپس گیا ہے۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''شکریہ اس نوازش کا۔'' وہ آنکھیں کھول کر اس کی سمت دیکھے بغیر اٹھنے لگی۔

''ہاں، ہاں ـــــ ابھی لیٹی رہو۔'' وہ اُٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

شاردا حیات کی ساری ہستی جیسے ڈول گئی۔ وہ سر اٹھا کر آنکھوں میں حیرت کا جہاں لئے اس بے حس کو دیکھنے لگی جسے جیتنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو توڑ دیا تھا۔

''نہیں ـــــ اب میں بہتر ہوں۔'' وہ مزید اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکی۔ عجیب سے احساسات میں گھر گئی تھی۔

زمان خان کا یہ بدلا ہوا لہجہ اور اتنی نرمی۔

بے حسی کی چادر سے جو چہرہ نکلا تھا وہ اس کے لئے یکسر اجنبی تھا۔ وہ اُلجھ سی گئی۔

''شاردا ـــــ'' اُس نے اس کی نازک کلائی تھام لی۔ ''تم کتنی بہتر ہو، یہ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہو گا؟'' اس کا لہجہ ذو معنی تھا۔ وہ تڑپ گئی۔

''پلیز...... زمان......'' وہ اس کے لمس سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

''تمہاری اس بیہوشی کی وجہ میں جانتا ہوں اور اس لئے نادم ہو رہا ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا اور بے چینی سے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچنے لگا۔ ڈھیر ساری باتیں تھیں جو وہ اس سے کرنا چاہتا تھا۔ ہر ہر لمحے کی معافی مانگنا چاہتا تھا مگر ـــــ ندامت سارے لفظوں کو جیسے نگل رہی تھی۔ وہ کس طرح اس معصوم لڑکی کے سامنے اپنے ڈھیر سارے گناہوں کی معافی طلب کرے۔ کیا وہ واقعی قابل معافی تھا؟

اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اسی زاویہ سے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی اور اُلجھی اُلجھی نگاہیں اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ کتنا سادہ، بے ریا چہرہ تھا۔

Marfat.com

''آپ کہنا کیا چاہتے تھے؟'' نظریں ملنے پر اس نے دھیرے سے پوچھا۔
''کیا کہوں ـــــ کوئی لفظ گرفت میں نہیں آ رہا ہے۔ اپنے جرم اور گناہوں کا اتنا بھاری بوجھ ہے میرے اوپر کہ دبا جا رہا ہوں۔ یہ کس طرح اترے گا ـــــ کون سا جملہ، کون سا لفظ اس بوجھ کو ہلکا کرے گا۔ کیا میں معافی مانگنے کے قابل ہوں؟'' وہ اُس کے قریب آیا۔ ''نہیں ہوں نا؟ ـــــ تمہارے اتنے خوبصورت سالوں کا میں نے گلا گھونٹ دیا۔ تمہارے خوابوں کا بھاری قرض ہے مجھ پر۔'' وہ کفِ افسوس ملنے لگا اور شاردا حیات کی آنکھیں حیرانیوں کے سمندر میں ڈوب گئیں۔ جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا۔

ہونٹ یکبارگی کانپ کر کھلے کے کھلے رہ گئے۔

وہ بے یقینی کے عالم میں زمان کو دیکھتی رہ گئی۔ اُسے اپنی سماعت پر اعتبار نہ آ رہا تھا۔ اُسے اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا تھا۔ وہ کیا دیکھتی ـــــ کیا سنتی۔ یہ جملے جو خوشبو میں بسے تھے اس کے دل کی دنیا میں طوفان اٹھا رہے تھے۔

''شاردا! میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ میری بے حسی اور کج روی نے تمہیں یقیناً بکھیر دیا ہے۔ کیا میں سمیٹنے کی کوشش کر سکتا ہوں؟ ـــــ؟'' وہ یہ کہہ کر اُسے دل آویز نظروں سے دیکھنے لگا۔

اور وہ تو پہلے ہی طوفان میں گھری ہوئی تھی۔ دل جیسے سینے کی دیواروں میں مچل رہا تھا۔ آنسوؤں نے آنکھوں کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

''میں تمہارے ان گزرے سالوں کو واپس تو نہیں لا سکتا۔ مگر آنے والے لمحوں کے عذاب سے تمہیں بچانے کا عہد کر رہا ہوں ـــــ میں تم سے معافی مانگتا ہوں شاردا! میرے عظیم جرم کو معاف کر دو۔'' اس نے اس کے شانوں پر اپنے دونوں مضبوط ہاتھ رکھ دیئے۔ ''سارے تلخ واقعات بھلا کر ماضی کی ساری گرد جھاڑ کر اب ہم اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔ میری تقصیر کی جو چاہو سزا دے دو، مجھے منظور ہے۔ مگر مجھے دل سے معاف کر دو۔ میرے ضمیر کا بوجھ ہلکا کر دو۔''

''ز...... ما...... ن....'' اس کے لب کانپ گئے۔ وہ بے اختیار ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ یہ اتنی بڑی خوشی اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔

اس کی زندگی انقلاب سے دوچار ہو گئی تھی۔ اسے گمان نہیں تھا کہ وہ دور نظر آتا صحرا ایک دم گلستان میں بدل جائے گا ـــــ یہ کب سوچا تھا۔ کیا یہ کہیں اس کی سماعت کا دھوکا

Marfat.com

تو نہیں تھا؟

اس نے پلکیں جھکا کر ایک بار پھر آنسوؤں سے بھاری ہوتی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

''زمان ...... خان...... میرا دل اتنے بڑے مذاق کا متحمل نہیں ہو سکے گا'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

زمان خان تڑپ گیا۔

وہ کتنا بے اعتبار ہو چکا تھا اس کی نظروں میں۔ گہرے ملال نے اسے آ گھیرا۔ بنجر زمین پر چلتے چلتے پاؤں اب اتنے کھردرے ہو چکے تھے کہ ٹھنڈے نرم فرش کا گداز محسوس نہیں کر سکتے تھے۔

''شاردا! ــــ میری زندگی! ــــ یہ مذاق نہیں۔ سچ ہے۔ میں اپنے جرم پر نادم ہوں اور تم سے معافی کا خواستگار۔ میں مانتا ہوں کہ اب تمہاری نظروں میں میرا اعتبار اٹھ چکا ہے۔ تمہارے دل میں شاید میرے لئے کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ میرے نام سے وابستہ ہونے کے بعد تم نے دُکھ ہی دُکھ اٹھائے ہیں۔ مگر اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے سارے زخموں پر مرہم رکھ دوں گا۔'' اس کا لہجہ ملتجی تھا۔

'تم تو میری روح کی پنہائیوں میں اب بھی جلوہ گر ہو زمان ــــ تمہیں دل سے نکال سکتی تو پھر تمہاری کج روی پر دُکھی کیوں ہوتی؟ چاہنے والے کی بے اعتنائی ہی تو آگ لگاتی ہے من میں۔ جس کے التفات کی منتظر ہو اسی کی بے اعتنائی ہی تو دکھ بھرتی ہے۔' وہ سوچے جا رہی تھی۔

''کچھ کہو شاردا! ــــ بیتے سالوں کا دکھ، میری نا انصافیوں اور کی گئی زیادتیوں کا حساب مانگو ــــ اتنی خاموش کیوں ہو؟'' وہ اس کے جھکے سر کو بے قرار نظروں سے دیکھنے لگا۔

''زمان! میں تو صرف ایک قطرے کی خواہاں تھی۔ تم نے تو ایک دم التفات اور محبت کے ڈھیر سارے دروازے کھول دیئے مجھ پر۔ یہ انعام نہیں تو اور کیا ہے رب العزت کا۔'' وہ لڑکھڑاتی بیڈ سے کھڑی ہو گئی۔

خوشی اس کے انگ انگ میں بھر گئی تھی۔ جیسے اچانک مسیحائی کے کواڑ کھلے تھے اور دستِ کرم آگے بڑھا تھا۔ وہ جو کہہ نہ سکی۔ اشک بن کر صفِ مژگاں پر رقم ہوتا چلا گیا۔

زمان خان نے اس کے کانپتے ہاتھ تھام لئے۔

''تم عورتیں بھی کیسے دل لے کر آتی ہو ــــ مرد کی برسوں کی زیادتیوں کو اس کی

Marfat.com

ایک مسکراہٹ، ایک نرم جملے پر بھلا دیتی ہو۔ میں اس عظیم دل کے آگے ہار گیا۔ شاردا حیات! مجھے اپنا وجود بالکل ہیچ محسوس ہو رہا ہے تمہارے وجود کے سامنے۔"

شاردا کی ذہنی تھکن پر روشن تازگی بج گئی۔

زمان خان کا ایک ایک جملہ اُسے اپنے بنجر سالوں کا ثمر محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے مچلتے وجود میں کیسی ٹھنڈک سی پڑی تھی۔

"اب ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آئیں گے شاردا! یہ ہونٹ اب صرف مسکراہٹوں سے سجیں گے۔" اس نے آگے بڑھ کر اسے محبت سے اپنے ساتھ لگا لیا اور اسے لئے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھکن زدہ فضا سے باہر ــــــ اس کے قدم ہرے بھرے لان کی جانب تھے۔

صبا نے جانے کیا کہا
کہ معجزہ سا ہو گیا
بکھر گئیں جو نکہتیں
کرن کرن سحر ہوئی
کلی کلی کے رنگ سے
حیات معتبر ہوئی
جو کم سخن نگاہ تھی
وہ داستاں طراز ہے
جو ترجمانِ آن تھی
وہ سلسبیل ناز ہے
دعا کے جو چراغ تھے
وہ سارے آفتاب ہیں
کہ دست شاخسار میں
گلاب ہی گلاب ہیں

+++

سفید سوٹ اور سفید بڑی سی چادر میں شاندانہ ایک جگہ سمٹ کر بیٹھ گئی تھی بلکہ اسے بٹھا دیا گیا تھا اور آتی جاتی عورتوں کی نصیحتیں سن سن کر وہ کبھی کبھی بیزار ہو جاتی۔

وہاں کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ شادی سے پہلے لڑکی کو بس ایک کمرے میں محدود کر دیا

Marfat.com

جاتا کہ کسی غیر مرد کی نظر بھی نہ پڑتی۔ بس عورتیں اور لڑکیاں اس کے پاس آتی جاتیں۔ اور شاندانہ بھی مارے ڈر کے ایک کمرے میں سمٹ تو گئی تھی مگر اس سے نچلا بیٹھا نہ جاتا۔ ذولین آتا تو لپک کر اس کے پاس جاتی اور باتیں کرنے لگتی۔ تب گل بی بی کا دھمو کا سیدھا پیٹھ پر لگتا۔

''ہزار دفعہ کہا ہے، نہ ملا کرتُو مردوں سے۔''

''تو ذولین لالہ کون سے غیر ہیں۔ بھائی ہیں میرے۔'' وہ بسورنے لگتی اور اشتارا خوب ہنستی اور شاندانہ کو بھی ایسے میں اشتارا کا دم غنیمت لگتا جو ہر روز اس کے پاس آ جاتی اور اس کے ساتھ ہی علاقے کی ڈھیر ساری لڑکیاں جو دیکھتے ہی دیکھتے خاموش گھر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیتیں۔

وادی کے اطراف کا سارا علاقہ گل بی بی کی خوشی میں شریک تھا۔ کھلتے چہرے اور کھنکتی سُریلی تانوں پر خوبصورت گیت اور ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ اشتارا کی آواز سب سے بلند ہوتی۔

آج بھی وہ سب کو جمع کئے گیت گا رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ سحر گل بہت خوبصورتی سے ڈھول بجا رہی تھی۔

''ارے لڑکیو! ابھی تو شادی میں کئی دن ہیں۔'' گل بی بی نے انہیں چھیڑا تو اشتارا جلدی سے بولی۔

''کہاں گل بی بی! شان کو جدا ہونے میں مجھے تو بہت تھوڑے دن لگتے ہیں۔''

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہے تُو۔'' اس کی بات پر گل بی بی آزردہ سی ہو گئیں۔ ان کی نگاہیں شاندانہ پر اٹھیں، پھر جھک گئیں۔

''ارے، میرا مطلب آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔'' اشتارا زور سے ہنسی۔ ''ابھی تو بہت دن ہیں گل بی بی! اور پھر میں جو آپ کی بیٹی ہوں، شان سے تو اچھی ہی ہوں۔''

''ہاں، ہاں ـــــ کیوں نہیں۔'' گل بی بی نے اسے پیار سے خود سے لپٹایا۔ پھر کچھ سوچ کر ماہ گل کی طرف پلٹیں۔

''تم لوگ شادی تک یہیں رہنا۔ شان کی شادی میں شریک ہو کر ہی واپس شہر جانا۔''

''ارے کہاں گل بی بی ـــــ ہم تو پرسوں ہی لوٹ کر جا رہے ہیں۔ یہاں آئے ہوئے پہلے ہی کئی دن ہو گئے ہیں۔'' ماہ گل نے متانت سے کہا تو سحر گل کا چہرہ اُتر گیا۔

''ہاں، شادی کو تو ابھی ہفتہ پڑا ہے۔ اتنے دن تو ہم نہیں رہ سکتے۔''

Marfat.com

اُسے شاندانہ کی شادی میں شرکت نہ کرنے کا بے حد دکھ تھا۔ وہ روز اشتارا کے ساتھ گل بی بی کے گھر آتی۔ شاندانہ سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔۔۔۔ اُسے گل بی بی کے گھر کی یہ رونقیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ اب شہر جانے کو اس کا بالکل جی نہ چاہ رہا تھا۔

''ارے۔۔۔ تم کیوں منہ لٹکائے بیٹھی ہو؟ ایک دن ہم تمہیں وادی میں لے آئیں گے پھر سے۔'' اشتارا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

اُسے یاد تھا شاہ خانم، سحر گل کو اشمل خان کی دُلہن بنانا چاہتی تھیں۔

''چھوڑ دیار۔۔۔ شہر جا کر واپس کب وادی آ سکوں گی۔ اور تم تو شہر آتی ہی نہیں ہو۔''

''اب آؤں گی شان سے۔'' وہ ابھی تک شریر نظروں سے اسے دیکھ کر ذو معنی لہجے میں بول رہی تھی۔

''اوں، ہوں۔۔۔ سحر!'' ماہ گل نے اس کا منہ دیکھ کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

''اوہو آپی! آپ ایک ہفتہ اور رہ لیں تو حرج تو نہیں ہے۔'' اشتارا کچھ سوچ کر ماہ گل سے ملتجی ہو کر بولی۔

''نہیں اشتارا!'' ماہ گل نے انکار کر دیا۔ ''تم تو جانتی ہو نا، گھر پر زمان بھائی اور بھابی شاردا ہیں۔ اور ان کا مسئلہ۔'' انہوں نے قدرے آہستگی سے کہا تو اشتارا چپ ہو گئی۔

''ارے، میں تو بھول ہی گئی۔ ڈرائیور کب کا آیا ہوا بیٹھا ہے۔ توبہ، باتوں میں کچھ بھی یاد نہیں رہا۔'' ماہ گل آپی کو جیسے ایک دم یاد آ گیا۔ وہ جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ سحر گل بھی ان کے ساتھ اٹھ گئی۔

''اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔ کچھ دیر اور بیٹھ جاتی بیٹی!'' گل بی بی اندر سے کمرے کا چکر لگا کر باہر نکلیں تو انہیں جانے کے لئے تیار دیکھ کر بولیں۔

''پہلے ہی اتنی دیر ہو گئی ہے۔ بیچارہ ڈرائیور سوکھ کے رہ گیا ہو گا۔''

''معمور جان تو خاصا تگڑا ہے آپی! اتنی جلدی سوکھے گا نہیں۔'' سحر گل بولی تو سب ہنسنے لگے۔

ماہ گل نے جاتے جاتے شاندانہ کو بہت پیار کیا۔

''تم سب لوگ ہمیں بہت یاد آؤ گے۔ خاص کر یہ خوبصورت وادی۔''

''جانے سے پہلے ایک بار پھر آنا ماہ گل!'' گل بی بی نے کہا تو وہ ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں نہ انکار تھا نہ اقرار۔

Marfat.com

شاندانہ نے اشتارا کو روک لیا تو وہ اس کے اصرار پر زیادہ انکار نہ کر سکی۔ پاس پڑوس کی لڑکیاں بھی گل بی بی اور شاندانہ سے اجازت لے کر جا رہی تھیں۔

''مہک! کل ضرور آنا'' شاندانہ نے جاتی ہوئی سہیلی سے کہا تو وہ پلٹی۔ پُرکشش سی، پیاری لڑکی تھی اور بے حد شریر۔

''کیوں؟''

''شان چاہتی ہے کہ روز ہم اس کی شادی کے گیت گائیں۔'' اشتارا نے اسے چھیڑا تو شاندانہ جھینپ گئی۔

''ہشت..... بدتمیز......اس لئے تھوڑی ہی کہہ رہی ہوں؟''

''اور پھر کس لئے کہہ رہی ہو؟'' مہک نے ٹھنک کر پوچھا۔

''میں تم سب کو بہت بار دیکھ لینا چاہتی ہوں۔ اپنے اندر اتار لینا چاہتی ہوں۔ ڈھیر ساری باتیں اور مسکراہٹوں کو یاد کے روپ میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے شاندانہ کی آنکھوں کے فرش گیلے ہو گئے۔

''چند دنوں کے بعد تو یہ سب میرے لئے اجنبی ہو کر رہ جائے گا۔''

''آں، آں......شان! یہ کیا پاگل پن ہے؟'' اشتارا نے جلدی سے اسے سنبھالا۔ ''بالکل پاگل ہو۔ شہباز بھائی تمہیں دوسرے گاؤں ہی تو لے جائیں گے۔ کسی دوسرے ملک میں تو نہیں نا۔ ارے روز آؤ گی، نت نئے کپڑے پہن کر۔ اور پھر جنابہ! ایک سال بعد ایک عدد چنو منو کو لے کر آؤ گی۔''

''ہائے بدتمیز ـــــ'' شاندانہ کا چہرہ تک سرخ ہو گیا۔ اس نے زور سے دھمو کا اشتارا کی پیٹھ پر دے مارا۔ ''کتنی بدتمیز ہو گئی ہے تُو۔''

مہک کھلکھلاتی باہر نکل گئی۔

''چل دفع ہو یہاں سے۔'' شاندانہ سرخ سرخ چہرے کے ساتھ اُسے پرے دھکیلنے لگی تو وہ زور سے ہنستی ہوئی اٹھ کر آگے بڑھی مگر اس کا اگلا قدم زمین نے جکڑ لیا۔

ذولین خان درمیانی دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ اس کی نگاہیں بھی اشتارا پر اٹھیں اور کتنی ہی ساعت وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پورے چار دن بعد وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ذولین خان کی آنکھوں میں تشنگی بکھری ہوئی تھی جبکہ اشتارا کی نگاہیں شکوؤں سے بھر گئیں۔

''ارے حور مینا ـــــ دیکھو تو شان! یہ حور مینا کدھر مر گئی۔ توبہ، سارا گھر اُلٹ پلٹ

Marfat.com

پڑا ہے۔ کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔" گل بی بی برہم برہم سی اپنے کمرے سے نکلیں تو وہ دونوں جیسے عالم خود شناسی میں آ گئے۔

"ارے ذولین! تم کب آئے شہر سے؟" گل بی بی کی نگاہیں ذولین پر اٹھیں۔ اشتارا جلدی سے پلٹی اور شاندانہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیا حال ہے آپ سب کا؟ اور بھئی، ابھی سے اپنی شادی کا ہنگامہ مچا رکھا ہے تم نے۔" ذولین شاندانہ کو دیکھ کر بولا تو وہ شرما گئی۔

"نہیں تو ___ میں نے تو نہیں مچایا۔" اس نے بے حد معصومیت سے برجستہ کہا تو وہ ہنس دیا۔

"اشمل بھی آیا ہے ___ ابھی میں نے اسے حویلی پر ڈراپ کیا ہے۔" اس نے کرسی پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے اطلاع فراہم کی۔

"ایں ___ اشمل آیا ہے؟" گل بی بی نے چونک کر پوچھا۔

"ہوں ___ یوں سمجھئے زبردستی کھینچ کر لایا ہوں ___ اُسے شان کی شادی کا علم ہی نہیں تھا۔"

"چلو، اب تو رہے گا نا یہیں پر۔"

"ہاں، ارادہ تو ہے۔" اس نے کہا پھر گل بی بی کو باورچی خانے کی طرف جاتے دیکھ کر شاندانہ کو مخاطب کیا۔

"اشتارا کب آئی؟"

"آئی تو صبح سے ہے مگر اب ایک گھنٹے بعد معمور خان آئے گا لینے اسے۔ ویسے خیریت ہے؟"

"اس سے کہو کہ میں واپس حویلی ہی جا رہا ہوں۔ چلنا ہے تو چلے میرے ساتھ۔" اس نے سرسری انداز میں کہا مگر نگاہیں اسی کمرے کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں جس کے اندر اشتارا گئی تھی۔

"آپ ہی پوچھ لیں اس سے۔" شاندانہ مسکراہٹ دبا کر لاپرواہی سے بولی۔

"ابھی کہاں جا رہے ہو ذولین! کھانا کھا کر ہی جانا۔" گل بی بی اس کے سامنے قہوہ رکھتے ہوئے بولیں۔ پھر شاندانہ کی طرف رخ موڑ کر بولیں۔ "جاؤ شان! اشتارا کو تو بلا لاؤ۔ وہ کیوں اندر بند ہو کر بیٹھ گئی ہے۔"

"میں اب چلوں گا گل بی بی!" وہ کھڑا ہو گیا۔

Marfat.com

''کیوں ـــــ قہوہ تو پی لو۔'' انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں ـــــ قہوہ تو پی لیتا ہوں۔ مگر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ تھکن بہت ہو رہی ہے۔ بس آپ کو سلام کرنے آ گیا تھا۔'' اس نے قہوے کی پیالی لبوں سے لگائی۔

''کیا ڈرائیور آیا ہے شان؟'' وہ شاندانہ کی آواز پر باہر نکلی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی جو اس کی ناراضگی کا واضح اظہار تھا۔

ذولین خان کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''ہاں ـــــ ڈرائیور ہی آیا ہے سمجھ لو۔'' شاندانہ ہنسی۔

''کیا مطلب؟''

''ذولین لالہ کہہ رہے ہیں وہ حویلی جا رہے ہیں۔ تمہیں اگر جانے کی جلدی ہے تو ان کے ساتھ ہی حویلی چلی جاؤ۔'' شاندانہ نے یہ کہتے ہوئے بھرپور نظروں سے دونوں کے چہرے کا جائزہ لیا۔

''نہیں ـــــ مجھے ابھی نہیں جانا۔'' اس نے قدرے خفگی سے کہہ کر رخ موڑ لیا اور اُداس کمرے میں جانے کو پلٹی تو گل بی بی نے اُسے پکارا۔

''ہاں ـــــ مت جاؤ۔ مگر اندر کمرے میں بند ہو کر کیوں رہ گئی ہو؟ بیٹھو یہاں ہمارے پاس۔ عجیب ہی لڑکی ہے۔ کہاں شام تک شرارتیں کئے جا رہی تھی اور اب دیکھو چہرہ بگاڑ لیا ہے۔ بیٹھو یہاں۔'' گل بی بی نے اُسے تھام کر بٹھا دیا۔

''شاید میرا چہرہ پسند نہیں آیا اسے گل بی بی!'' ذولین نے کہا تو اس نے تڑپ کر پلکیں اوپر اٹھائیں۔

بے حد مسکراتیں اور والہانہ نگاہیں تھیں۔ اس نے جلدی سے پلکوں کی گھنی باڑھ دوبارہ گرا لی۔

''اچھا گل بی بی! میں چلا۔'' اس نے قہوے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ ''خدا حافظ۔'' اس نے اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی اور پلٹ گیا۔ اشتارا کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔

ذرا بھی تو اصرار نہیں کیا تھا اس کو اپنے ساتھ لے جانے پر۔ نہ اس کی خیریت پوچھی۔

کتنا اجنبی انداز تھا۔

اس کے دل میں دھواں سا بھر گیا۔ خفا تو وہ اس سے پہلے ہی تھی، اب اس کا یہ رویہ

Marfat.com

دل اور بھی دُکھا گیا۔

+++

وہ گنگناتے ہوئے اپنا سفری بیگ بھر رہی تھی۔ جگمگ کرتے سوٹ، سادے سوٹ اور ان کی میچنگ جیولری، سب بھرتی جا رہی تھی۔ بھابی کی نگاہیں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''بڑی خوش ہو رہی ہو وادی جانے پر۔'' وہ پہلی بار گویا ہوئیں۔

''خوشی کی بات ہی تو ہے ــــ کتنے لمبے عرصے کے بعد جا رہی ہوں۔'' اس نے چہک کر کہا۔

''دیکھو، اب وہیں کی ہو کر نہ رہ جانا۔'' وہ اس کے قریب آ گئیں اور پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے جھک کر بولیں۔ ''اشمل خان بھی ہو گا وہاں؟'' اس استفسار پر ہشمینہ کا دل زور سے دھڑکا۔ جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا۔ ''ہو گا نا؟''

بھابی اس کے چہرے کی بدلتی رنگت سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنسنے لگیں۔

''ظاہر ہے ــــ اس کی کزن کی شادی ہے۔'' اس نے پلکیں جھکائے جھکائے کہا اور آگے بڑھ کر الماری سے بقیہ کپڑے نکالنے لگی۔

''اسی لئے کہہ رہی ہوں، وہیں کی مت ہو جانا۔'' بھابی کے ذومعنی جملے پر اس نے پلٹ کر انہیں گھورا۔

''آپ کو تو بتانا بڑا مہنگا پڑا مجھے۔'' اس نے چڑ کر کہا۔

''جنابہ! محبت مہنگی ہی ہوتی ہے اور اتنی آسان نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔ سنا نہیں، محبت کرنے والے ہزاروں نگاہوں کو برداشت کرتے ہیں۔ ظالم سماج سے ٹکراتے ہیں۔ ڈھیر ساری کڑوی کسیلی باتیں ہضم کرنی پڑتی ہیں تب کہیں جا کر محبت کرنے والے ایک دوسرے کو پاتے ہیں۔'' بھابی مسلسل شرارت کے موڈ میں تھیں۔

''بس، بس ــــ اب سب کچھ آپ ہی بنیں گی۔ میرے لئے ظالم سماج بھی بنیں گی۔'' اسے زور سے ہنسی آ گئی تھی۔

''نہ بابا! میں کیوں ظالم سماج بننے لگی۔ اس کے لئے سماج ہی کافی ہے۔''

''اچھا..... تو ابی کی لاڈلی، وادی کی سیر کو جا رہی ہے۔'' اشناس بھائی اندر آ گئے تو بھابی کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

''وادی کی سیر کو نہیں، شاندانہ کی شادی میں شرکت کرنے جا رہی ہوں۔'' اس نے

Marfat.com

برجستہ کہا تو اشناس بھائی مسکرا دیے۔

''چلو، شادی کے بعد وادی کی سیر بھی کر لینا۔کون سی پابندی ہوگی۔'' ان کی بات پر وہ اور بھابی مسکرانے لگیں۔

''ماموں جان انتظار کرتے کرتے اب بے زار ہو گئے ہیں۔ میں تمہیں یہی بات بتانے آیا ہوں۔ چلو فٹا فٹ۔'' اشناس بھائی نے کہا تو اس نے جلدی جلدی بیگ کی زپ بند کی۔

''چلیں ــــ میں بھی تیار ہوں۔'' اس نے پلنگ پر رکھا ہوا شولڈر بیگ اٹھایا اور ساتھ ہی چادر بھی اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اشناس بھائی اس کا دستی بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے باہر آ گئے۔

صبغت خان واقعی اب خاصے بیزار سے ہو گئے تھے۔ مگر ہشمینہ کو مکمل تیار دیکھ کر ان کی کیفیت بدل گئی۔

''تیار ہو؟''

''جی ــــ بالکل۔'' اس نے سرخم کر دیا تو وہ مسکرا کر کرسی سے کھڑے ہو گئے۔

''اچھا ابی، اور امی!'' وہ ابی سے مل کر امی کے قریب آئی تو امی نے محبت سے اسے گلے لگا لیا۔

''آپ لوگ اب کب آئیں گے؟'' صبغت خان نے پوچھا۔

''انشاء اللہ اسی ہفتے میں۔'' امی نے کہا۔

''اچھا ابرار بھائی! دعا کیجئے گا، سب خیریت سے نمٹ جائے۔ پہلی بیٹی کو بیاہ رہا ہوں۔ وہ بھی غیروں میں۔''

''ارے نہیں صبغت خان! سب بہتر ہی ہوگا۔ آپ دل پر بوجھ نہ رکھیں۔'' ابی نے انہیں متفکر دیکھ کر تسلی دی۔

''بیٹیاں تو ہوتی ہی پرایا دھن ہیں۔'' امی کی نگاہیں ہشمینہ پر اُٹھیں۔ ''شہباز تو تمہارے دوست کا بیٹا ہے۔ جانا پہچانا۔ پھر بھلا کیا گھبرانا۔ اور سچ بات تو یہ ہے بھائی! کہ بیٹیاں اپنے اپنے نصیب اپنے ساتھ لے کر آتی ہیں۔ دُکھ سُکھ تو نصیب کا مقدر ہے۔ انشاء اللہ شاندانہ بہت راج کرے گی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' امی کی بات پر صبغت خان نے کہا اور پھر سب کو خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

Marfat.com

ہشمینہ سب سے مل کر بھابی کے پاس آئی۔

''اچھا خدا حافظ ——— اب آپ لوگ جلدی آ جایئے گا۔''

''آ جائیں گے بابا! اور سچ پوچھو تو مجھے تو آنے کی بہت جلدی ہے۔ جانتی ہو کیوں؟'' بھابی کی شریر آنکھیں مسکرائیں۔

''جانتی ہوں۔'' وہ گلنار چہرے کو جھکا کر تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وادی جانے کی اسے بے انتہا خوشی تھی۔ ایک تو شاندانہ کی شادی اور پھر دوسرے اس سے ملنے کی۔ کتنا عرصہ بیت گیا تھا اُسے شاندانہ سے ملے ہوئے۔

وادی کا خوبصورت تصور ذہن و دل میں ہلچل مچا رہا تھا۔

''ماموں جان! شان کی شادی کی تو خوب رونق ہو گی وہاں پر۔'' اس نے پوچھا۔

''ارے بیٹی کی جدائی پر رونق کہاں۔'' صبغت خان کا دل بجھا بجھا سا تھا۔ پھر وہ جیسے چونک کر بولے۔ ''ہاں، ہاں ——— خاصی رونق ہے۔ اور اب تمہارے آنے سے اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ شاندانہ تو روز ہی کہتی تھی مجھے کہ آپ جا کر ہشمینہ کو لے آیئے۔ آج تمہیں اچانک دیکھ کر بہت خوش ہو گی۔''

''اچھا ——— آپ نے اسے نہیں بتایا؟'' اس کا چہرہ چمک اٹھا۔

''نہیں ——— بالکل اچانک میرا آج شہر آنا ہوا تھا۔ چلو اچھا ہے، خوش ہو جائے گی وہ۔''

ہشمینہ کی نگاہوں کے سامنے شاندانہ کا چہرہ لہرا گیا۔ اسے دیکھ کر وہ کتنی حیران ہو گی۔ پھر وہ بے تحاشا خوش ہو گی اور پھر اس سے لپٹ جائے گی۔ اور روئے گی اور پھر اس کے چھیڑنے پر سرخ ہو جائے گی اور ہنس دے گی۔

پیچھے کی طرف بھاگتے درختوں کی قطار پر نگاہیں جمائے وہ سوچتی جا رہی تھی۔ جیپ تیزی سے شہری حدود چھوڑ رہی تھی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اُسے وادی کی خوشبو سے بھری ہوئی لگ رہی تھیں۔ اونچے نیچے راستوں سے گزر کر جیپ وادی میں داخل ہو چکی تھی۔ شفتالو اور خوبانیوں کی خوشبو پوری فضا کو معطر کر رہی تھی۔

وہ وادی کی خوبصورتیوں میں جانے کب تک گم رہتی کہ اچانک جیپ ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔

''کیا ہم پہنچ گئے ماموں؟'' وہ خوشی سے چلائی۔

Marfat.com

''بالکل ـــــ یہ رہا سامنے گھر۔ کیا خوشی میں یاد ہی نہیں رہا گھر کا دروازہ؟'' صبغت خان ہنسے۔

وہ جیپ سے چھلانگ لگا کر اُتری اور بھاگ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کا چہرہ اندر کی خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔

ہائے، شان تو مجھے دیکھ کر کتنی پاگل ہو جائے گی۔

اُس نے بھڑا ہوا دروازہ کھول دیا۔ صبغت خان اُس کی معصوم دیوانگی پر مسکرا رہے تھے۔

''ہائے اللہ ـــــ ہشمینہ باجی! آپ؟'' حور مینا برآمدے میں ہی کھڑی تھی، اُسے دیکھ کر اپنی جگہ حیران رہ گئی۔ مگر وہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔

''ہاں میں ـــــ یہ بتاؤ شان کہاں ہے؟''

''آپی اندر ہیں ـــــ مگر آپ ـــــ'' وہ ابھی تک اس کی اچانک آمد پر حیران تھی۔ اندر داخل ہوتے ہوئے صبغت خان کو دیکھ کر جیسے سمجھ گئی۔

''اچھا تو آپ ابو کے ساتھ آئی ہیں۔'' اس کی ایک پریشانی رفع ہوئی تھی۔

ہشمینہ مسکراتی اندر آئی۔ تب زنان خانے کے دروازے پر ہی اُسے شاندانہ کھڑی نظر آئی جو کچھ ناراض ناراض سی لگی اور زنان خانے میں اس کی پڑوسنیں اور جاننے والی عورتیں تھیں جن سے وہ باتوں میں مصروف تھی۔ معاً اس کی نگاہیں ہشمینہ پر اُٹھیں تو اُسے جھٹکا سا لگا۔ پھر اچانک وہ چھلانگ لگا کر اس کی طرف بڑھی۔

''ارے ہش..... مینا ..... تُو ..... تُو اس طرح ..... ہائے، نہیں۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟'' وہ اس سے کچھ فاصلے پر رک کر حیرت آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں جناب! یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ میں ماموں کے ساتھ آئی ہوں۔'' ہشمینہ ہنستی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ دوسرے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

''توبہ۔ کتنا انتظار کرایا تُو نے۔ یقین نہیں آ رہا۔'' شاندانہ بے یقین سی ہو رہی تھی۔

''سرپرائز دیا نا تجھے؟''

''ہشمینہ! تم ـــــ'' وہ اچانک رونے لگی۔ زور زور سے۔ اُس کی آواز سن کر گل بی بی باہر نکلیں اور ہشمینہ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''ہائے میری چاند! تُو کب آئی؟''

''میں لایا ہوں ـــــ میرا اچانک شہر جانا ہوا تو سوچا ہشمینہ بیٹی کو بھی ساتھ لیتا

Marfat.com

جاؤں۔'' صبغت خان کی آواز پر شاندانہ اس سے الگ ہوئی اور ڈھلکا ہوا آنچل سر پر ڈال لیا۔

''پاگل ہی ہے ۔۔۔۔ یہ تو سب سے لپٹ کر رونے لگتی ہے۔'' گل بی بی، شاندانہ کے چہرے پر نظر ڈال کر بولیں۔

''اتنی خوشی تو مجھ سے بھی نہیں سنبھل رہی، بچی ماں! یہاں آ کر مارے خوشی کے میرا بھی رونے کو دل چاہ رہا ہے۔'' اس نے پھر شاندانہ کو خود سے قریب کر لیا۔

''بہت بدتمیز ہے ۔۔۔۔ آئی بھی تب ہے جب میرے جانے کے دن قریب ہیں۔'' وہ چادر کے کنارے سے آنکھیں رگڑتے ہوئے اُسے پیار سے دیکھنے لگی۔

''ارے واہ ۔۔۔۔ تو کون سا تم دوسری دنیا میں جا رہی ہو۔'' ہشمینہ زور سے ہنسی۔ ''شہباز بھائی جن تو ہرگز نہیں ہیں کہ تجھے قید کر کے رکھ لیں گے۔''

اس کی بات پر شاندانہ کا چہرہ کانپ اٹھا۔

ہشمینہ سب کے پاس خاصی دیر بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر شاندانہ کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔

''یہ تم میرے آنے سے پہلے منہ لٹکائے زنان خانے کے دروازے پر کیوں کھڑی تھیں؟'' اس نے تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے اس سے پوچھا تو شاندانہ کا منہ بن گیا۔

''ساری عورتیں امی سمیت میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہیں کہ ٹک کر میں نہیں بیٹھتی، یوں گھر میں دندناتی پھرتی ہوں، شادی میں چند دن رہ گئے ہیں۔ اب تم خود ہی بتاؤ ہشمینہ! جدا ہونے سے پہلے انسان سب سے جی بھر کے ملتا ہے نا۔ ڈھیروں ڈھیروں باتیں کرتا ہے نا؟''

''تو پھر نور کہاں سے آئے گا آپی کے چہرے پر؟'' حور مینا دروازے پر کھڑی تھی، ہنس کر بولی تو اس نے اسے گھورا۔

''اونہہ ۔۔۔۔ کوئی مجھے نور وور کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تو یادوں کی ضرورت ہے۔ خوشگوار یادوں کی جو میں اپنے ہمراہ سمیٹ کر لے جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہی تو کہتی ہیں۔ سب سے اوجھل نہیں بیٹھو گی تو خاک دُلہن لگو گی؟ اب میں آ گئی ہوں نا، اچھی طرح خبر لوں گی تیری۔''

''کیا آتے ہی تم بھی ۔۔۔۔'' شاندانہ نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو ہشمینہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

Marfat.com

''بالکل۔'' اس نے شانے اچکائے اور شاندانہ سر پکڑ کر بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

+++

شاہ خانم جہاں اشمل کے آنے پر خوش تھیں، وہاں اس کے زخموں پر متفکر بھی۔

''سچ سچ بتاؤ، یہ زخم تمہیں یونیورسٹی میں کسی جھگڑے میں آئے ہیں؟ مجھے تو نہیں لگتا کہ تمہاری کار کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔''

شاہ خانم بے حد تاڑنے والی نگاہیں رکھتی تھیں۔ مگر اشمل خان نے بھی کمال سے جھوٹ بول دیا تھا۔

''ارے نہیں شاہ خانم! بس یہاں آنے سے ایک دن پہلے ہی ہوا۔ میری کار سلپ ہو گئی تھی۔ اور یہ تو معمولی خراشیں ہیں۔ یوں منٹوں میں ٹھیک ہو جائیں گی۔ جس دن سے میں آیا ہوں، آپ کو تو بس میری فکر ہے۔''

''آپ ہی کی تو بس فکر ہے انہیں۔'' اشتارا نے دودھ سے بھرا ہوا گلاس تپائی پر رکھتے ہوئے عجیب دل گرفتہ لہجے میں کہا تو شاہ خانم نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اسے تقریباً خفگی سے گھورا۔

''کیا بات ہے اشتارا! تم اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہو؟ کیا شاندانہ کی شادی کو انجوائے نہیں کر رہی؟'' شاہ خانم کے کمرے سے نکل جانے کے بعد اشمل نے اسے مخاطب کیا۔

سفید شال میں وہ خاموش خاموش سی اُسے کچھ مضطرب سی نظر آئی۔

''ہاں، ہاں ـــــ کیوں نہیں۔ بہت رونق ہے شان کے پاس۔''

''ادھر آؤ اشتارا! میرے پاس۔'' اس نے اس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پکارا تو وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

''کیا بات ہے ـــــ شاہ خانم نے کس بات پر ڈانٹا ہے تمہیں؟'' اُس نے اُسے اپنے قریب صوفے پر بٹھا لیا۔ اُسے اشتارا دل و جان سے عزیز تھی۔

''نہیں ـــــ انہوں نے مجھے کبھی اس طرح ڈانٹا ہی نہیں لالہ! یہی تو غم ہے۔ جو ڈانٹتے ہیں نا، وہ پھر کسی دن گلے سے لگا کر بہت پیار بھی کر لیتے ہیں۔ مگر شاہ خانم نے تو مجھے کبھی......'' اُس کا گلا رندھ گیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔

اس کا دل بے حد پژمردہ ہو گیا تھا۔

ایک طرف ذولین خان کا خراب رویہ اور پھر آج صبح سے وہ جانے کتنی بار شاہ خانم کی تنبیہی نظریں سہہ چکی تھی۔ کتنی بار وہ اسے جھڑک چکی تھیں۔ گل بی بی کے گھر جانے کے

Marfat.com

نام سے۔

آج اشمل کی محبت اور استفسار پر اس کا دل پگھل گیا۔ صبح سے آنسو دبائے بیٹھی تھی، یکلخت اُمڈ آئے۔

اشمل نے اُسے پیار سے سینے سے لگالیا۔

"پاگل لڑکی ہو بالکل۔ معمولی باتوں کو دل پر لے بیٹھتی ہو۔" وہ پیار سے اس کا سر سہلانے لگا۔ "جانتی ہو، وہ دل کی بری نہیں ہیں۔ بس غصے کی ذرا تیز ہیں۔ اور پھر تم شاندانہ کی جدائی پر اتنی رنجیدہ ہو رہی ہو نا۔" اس نے جھک کر اس کا بھیگا بھیگا چہرہ اٹھایا۔ مگر وہ چپ رہی۔

"ممانی جان کی فیملی کے جانے کے بعد دراصل تم تنہا ہو گئی ہو اس لئے پریشان رہتی ہو۔ چلو شاباش، آنسو پونچھ لو۔"

"آپ گل بی بی کی طرف نہیں گئے؟" اس نے شال کے کنارے سے آنکھیں رگڑیں۔

"ہاں ـــــ آج جاؤں گا۔ طبیعت اب بہتر ہے نا۔ چلنا تم بھی میرے ساتھ۔ ویسے گل بی بی بہت خفا ہو رہی ہوں گی مجھ پر۔ ہے نا؟" وہ مسکرایا اور اس کے سنہری بال بکھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"تم مجھے بہت عزیز ہو اشتارا! جو بھی دل میں بوجھ ہو، میرے پاس بیٹھ کر ہلکا کر لیا کرو اور دل کو اتنا حساس مت رکھو۔ یہ دنیا ہے گڑیا! یہاں پریشانیاں، دکھ، رنج سب کو ملتا ہے۔ کسی کو پہلے غم اور پھر خوشی۔ اور یہ معمولی معمولی ناراضگیاں اور خفگیاں تو چلتی رہتی ہیں۔ دراصل یہ سب زندگی میں جمود کو توڑنے کے لئے ہوتی ہیں۔ تم نے تو اتنا چڑیا جتنا دل رکھا ہے۔" اشمل نے شفقت بھرے انداز میں اس کا سر ہلایا۔

اسی لمحے ذولین اندر داخل ہوا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ اشتارا بے آواز بہتے آنسو پونچھ رہی تھی اور سرخ چہرہ چادر سے رگڑ رگڑ کر اور بھی سرخ کر رہی تھی۔

"کیا کوئی پرابلم؟" وہ اندر آ گیا۔

اُس نے ذولین کی آواز سن کر سر اٹھایا تو ذولین کے دل پر گھونسا سا پڑا۔ یقیناً وہ اس کے رویے پر اس حد تک دل برداشتہ ہو رہی تھی۔

"نہیں، کوئی پرابلم نہیں۔ بس یوں ہی، پاگل سی لڑکی ہے۔" اشمل مسکرایا۔

"آؤ بیٹھو ـــــ کہیں جا رہے ہو کیا؟" اشمل نے اسے تیار دیکھ کر پوچھا۔

Marfat.com

''ہاں، ذرا زمینوں تک جا رہا ہوں۔ چچا خان نے بلایا تھا، اس لئے آیا تھا مگر وہ تو ہیں نہیں اس وقت۔'' اس نے جیب کی چابی سے کھیلتے ہوئے کہا۔

''میں بھی ذرا گل بی بی کی طرف جا رہا ہوں۔ تین دن ہو گئے ہیں، اب جا کر خوب گرم گرم ڈانٹ سنوں گا۔''

اشتارا خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اشتارا کو کیا ہوا تھا اشمل؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔ اس کا ذہن وہیں پر اٹک کر رہ گیا تھا۔

کوئی موقع بھی تو نہیں ملا تھا اُسے منانے کا۔ اور وہ تھی کہ اتنی دُکھی ہوئی جا رہی تھی۔

اشمل نے اُسے چونک کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔

''ارے نہیں، بس شان کی جدائی نے اسے ڈسٹرب کر دیا ہے۔ دل بھر آیا تھا تو میرے پاس بیٹھ کر رو دی۔ اب تو سوچا ہے کہ اس بار وادی آؤں گا تو اس موصوفہ کو بھی رخصت کرنے کا بندوبست کروں گا۔'' اس نے واسکٹ پہنتے ہوئے کہا اور ریک سے گاڑی کی چابی نکالی۔

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میرا خیال تو تم کرو گے نا اب۔'' اس نے پلٹ کر برجستہ کہا تو ذولین مسکرا کر رہ گیا۔

''اوکے ـــــ میں اب چلوں گا۔ تم جاؤ گل بی بی کی گرما گرم ڈش کھانے۔'' وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ راہداری میں اشتارا اسے نظر آئی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ پلٹ کر جانے لگی کہ وہ اس کی طرف بڑھا۔

''تم تو میرے اندازے سے کہیں زیادہ احمق لڑکی ہو۔'' اس کے لہجے میں مسکراہٹ گھلی ہوئی تھی۔ مگر وہ پلٹی نہیں۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ جیسے اس کی ناراضگی سے محظوظ ہوا تھا۔

'ہاں ذولین! انتہائی درجے کی احمق ہی تو ہوں جو تمہاری بے اعتنائی اور کج روی پر جلتی کڑھتی ہوں۔' اس نے تیزی سے قدم اشمل کے کمرے کی طرف بڑھا دیئے۔

اشمل، شاہ خانم سے اجازت لے کر اشتارا کو ساتھ لئے گل بی بی کے گھر کی طرف چلا آیا۔

Marfat.com

''ذولین کیسا ہے اشتارا؟'' اُس نے بالکل اچانک پوچھا تھا۔ شیشے کے باہر جھانکتی اشتارا کا دل دھک سے رہ گیا۔

''تم سے کچھ پوچھا ہے میں نے۔'' اس کی خاموشی پر اشمل خان نے اپنا سوال دہرایا تو وہ پہلو بدل کر دھیرے سے بولی۔

''آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں انہیں۔''

''ہاں ــــ مجھے تو بہت عزیز ہے وہ۔'' اس نے کن انکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ اس کے قریب بیٹھی تھی دونوں ہاتھ گود میں رکھے۔

''آپ کی تو ان سے دوستی ہے نا بچپن سے بہت۔'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ وہ قطعی نہ جان پا رہی تھی کہ اشمل یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہا تھا۔ یہ تو اس کے اندر کا چور ہی اسے ہولائے دے رہا تھا۔

''ہاں ــــ ہم نے مل کر بہت اچھے دن گزارے ہیں۔'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ قدرے کم کر دی اور اس کی سمت رخ کیا۔ ''اشتارا! بسا اوقات پابندیوں کے در جتنے مضبوط ہوتے جاتے ہیں بغاوت کے علم بھی اسی تیزی سے بلند ہونے لگتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ جس شے کے قریب جانے پر پابندی عائد ہو، انسان اسی شے میں دلچسپی لیتا ہے۔ شاہ خانم نے ہمیشہ تمہیں ذولین سے دور رہنے کی تاکید کی اپنی ذاتی نفرت کی وجہ سے۔'' وہ رک گیا اور اس کے تپتے ہوئے لال سرخ چہرے کو دیکھا۔

''پتہ نہیں، میں جو محسوس کر رہا ہوں وہ کس حد تک درست ہے۔ اشتارا! کیا تم ــــ''

''اشمل لالہ!'' اشتارا کے سینے کی چار دیواری جیسے پھٹنے کو تھی۔ اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ ''پلیز مجھ سے کوئی ایسا سوال مت پوچھئے گا جو میرا سر آپ کے سامنے ندامت سے جھکا دے۔''

اشمل نے اُسے دیکھا۔ وہ خود کو سنبھالتے ہوئے سرخ ہو رہی تھی۔ بے بسی سے لب دانتوں سے کچل رہی تھی۔

وہ جو پوچھنا چاہتا تھا سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔

''میں ڈرتا ہوں اشتارا! کہ تمہیں کوئی بڑا دکھ نہ مل جائے۔'' اس نے چہرہ ونڈ اسکرین کی طرف کر دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

''یہ بہت پُر پیچ راستے ہیں۔ اور یکطرفہ سفر ہو تو اور بھی اذیت ناک ہوتا ہے۔ اور پھر ہمارے حالات۔'' اس کا لہجہ شفیق اور نرم تھا۔

Marfat.com

اشتارا دونوں ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔
اس کے تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا بھائی اس راز سے واقف ہو چکا ہے جسے وہ چھپائے پھرتی تھی۔ مارے ندامت کے اس کا سر اٹھ نہ رہا تھا۔ پلکیں بھاری بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ اس کی حالت دیکھ کر اشمل نے کچھ سوچ کر موضوع بدل دیا۔

''یہ بتاؤ، گل بی بی کا کیا حال ہے؟ ان کے گھر خوب چہل پہل ہوگی۔''

''جی ــــ چہل پہل تو ہے مگر شان بہت روتی ہے۔ اور خود گل بی بی بھی۔'' اس کے دل کو ڈھارس سی ملی۔

وہ اس موضوع سے بچنا چاہتی تھی۔ اس نے خود ہی موضوع بدل دیا تھا۔
اس کے دل میں اشمل کے لئے ڈھیر ساری محبت سرایت کر گئی۔
گاڑی گل بی بی کے گھر کے سامنے رکی تو وہ نیچے اتر آئی۔

''ہائے اشتارا! تُو اب آئی ہے۔ شاندانہ تو کب سے تیرا انتظار کر رہی ہے۔'' مہک باہر ہی اُسے مل گئی۔

اشمل خان کو دیکھ کر اس نے چہرے پر نقاب ڈال لیا تھا۔

''تم کیوں واپس جا رہی ہو؟'' وہ اس کے قریب آ گئی۔

''ڈانٹ کھانے جا رہی ہوں۔'' مہک یہ کہہ کر ہنسی۔

''کیا مطلب؟''

''مجھے آئے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔ بی بی نے پیچھے سے شیر جان کو بھیجا، میں چولہے پر ہنڈیا چڑھا کر آئی تھی صرف شاندانہ کو یہ کہنے کہ شام کو دوبارہ آؤں گی۔ پر بیٹھی رہ گئی۔ ہائے، ہنڈیا جل کر راکھ ہوگئی اور بی بی بھی سمجھو، ہنڈیا جیسی ہی ہو گئیں۔''

اس کی بات پر اشتارا کو بھی بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''تیرے تو کام ہی نرالے ہیں۔''

''بی بی کہتی ہیں کہ آٹھ جماعتیں پڑھ کر تُو اور بھی نکمی ہوگئی ہے۔ ہا، ہا ــــ میں نے کہا دس پڑھ لیتی تو شاید کچھ سدھر جاتی۔''

اشمل، گل بی بی کے گھر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ دروازہ کھلا ہی ملا۔ وہ برآمدہ عبور کر کے اندر آیا تو جیسے اس کی آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

وہ سرخ، نرم شال سر پر اوڑھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی گا رہی تھی۔
اس کی آواز سب سے اونچی تھی۔ مارے جوش کے گلابی چہرہ تمتما رہا تھا۔ بڑی بڑی

Marfat.com

سیاہ آنکھوں میں خوشیوں اور طمانیت کے رنگ بھرے ہوئے تھے جو اُسے اور بھی دلکش بنا رہے تھے۔ کانوں میں بڑی بڑی سنہری بالیاں سرخ چادر کی اوٹ سے نکل کر لہراتیں اور اس کے رخساروں پر سنہرے رنگ بکھیر جاتیں۔

اشمل خان کی نگاہیں جیسے خیرہ ہو رہی تھیں۔ وہ کتنے مختلف اور انوکھے روپ میں اس کے سامنے آئی تھی۔ وہ دم بخود سا اُسے دیکھتا رہا۔ معاً کسی لڑکی کی نگاہ اس پر اٹھی تھی۔ اس نے سب کو متوجہ کر لیا اور سب غیر مرد کو دیکھ کر گھبرا کر اپنی اپنی چادریں سنبھالتی اٹھ کر بھاگیں۔ اس یکبارگی افراتفری نے اسے بھی چونکا دیا۔

ھشمینہ کی نگاہیں اشمل پر اٹھی تھیں تو اس کا سارا وجود مجسمہ کی طرح ساکت و جامد ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پلکیں جھپکے بنا اسے دیکھنے لگی۔ پھر جیسے اچانک اشمل خان کی سحر انگیز نگاہوں اور والہانہ مسکراہٹ نے اُسے شرما دیا۔ اس نے جلدی سے شانوں پر پھسلتی چادر کو سر پر ڈال لیا۔ اسے بے طرح شرم نے آ گھیرا۔ اپنے اس انداز میں اشمل خان کے آنے پر وہ کچھ محجوب سی ہو گئی۔ جلدی سے ڈھولکی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

اشمل کے لبوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا مگر اشتارا کو دیکھ کر رک گیا۔

اشتارا نے اشمل اور ھشمینہ کو ایک دوسرے کے سامنے بے خود سا ہوتے دیکھا۔

اشمل خان کا اس اجنبی لڑکی کو دیکھ کر رک جانا اور اس کا شرمانا اسے حیران کر گیا۔ مگر اس نے اپنی کسی حیرانی کو ظاہر نہ ہونے دیا اور اندر آ گئی۔

"دیکھو ذرا اشتارا! گل بی بی اندر ہیں کیا؟" اشمل نے خود کو سنبھالتے ہوئے اشتارا کو مخاطب کیا۔

ھشمینہ جھپاک سے اندر کسی کمرے میں گم ہو چکی تھی۔

اپنے دل کی دھک دھک سے اسے اپنے کانوں کے پردے لرزتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ اشمل خان ضرور آئے گا۔ مگر یوں اچانک اسے دیکھ کر اس کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔ مارے شرم اور خجالت کے وہ کتنی ہی دیر خالی کمرے میں تنہا بیٹھی رہی۔

باہر گل بی بی کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

دوسری ساری لڑکیاں شاندانہ کے کمرے میں تھیں۔

یہ محبت بھی کیا چیز ہے۔ شرم اور خوف ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کہاں وہ اشمل خان کو

Marfat.com

دیکھنے کو ترس گئی تھی اور اب یہ حالت کہ باہر نکلنے کا سوچ کر ہی بے طرح شرم محسوس کر رہی تھی۔ پاؤں جیسے من من بھر کے ہوتے جا رہے تھے۔

اچانک دروازہ کھلا اور شاندانہ اندر آئی۔ اس کے ساتھ اشتارا بھی تھی۔

''یہ تم یہاں اکیلی بند ہو کر کیوں بیٹھ گئی ہو؟'' وہ اس کے قریب آ گئی۔ ''اشتارا کو تم سے ملوانے لائی ہوں۔ اشتارا! یہ ہشمینہ ہے جس کا میں ذکر کرتی تھی نا تم سے۔''

ہشمینہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

معصوم اور نازک سی، بے تحاشا خوبصورت لڑکی کو اپنے روبرو دیکھ کر وہ چند ثانیے مبہوت سی رہی۔

سنہری آنکھوں اور سنہرے بالوں والی اس لڑکی کو دیکھ کر اسے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ اشمل خان کی بہن ہے جس کا ذکر وہ اس سے کئی بار کر چکا تھا۔ بے حد محبت اور شفقت کے ساتھ۔ اس کے ذہن میں جو خاکہ بنا تھا، اس سے کہیں زیادہ دلکش تھی۔

''ہشمینہ! یہ اشتارا ہے، شاہ خانم کی بیٹی۔'' شاندانہ نے تعارفی مرحلہ طے کیا تو اشتارا نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے ہشمینہ نے تھام لیا۔

''جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا۔'' اشتارا اس کی سیاہ بھوری سی دلکش آنکھوں کو دیکھ کر پوری سچائی سے بولی۔

''میرے بارے میں تو تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔'' ہشمینہ جھینپ کر ہنس دی۔ رخساروں کی رنگت ابھی تک تپ رہی تھی۔ سرخ شال کے ہالے میں اس کا چہرہ بے حد تاباں لگ رہا تھا۔

'اشمل کا ٹھٹک جانا کچھ غلط تو نہ تھا۔ وہ لگ ہی پیاری رہی تھی۔' اشتارا نے سوچا۔

''اب تم دونوں میرے ساتھ میرے کمرے میں آ جاؤ۔ بقیہ باتیں وہیں ہوں گی۔ اگر مجھے کسی نے یہاں دیکھ لیا نا تو خیر نہیں ہے۔'' شاندانہ نے گھبرا کر کہا۔

''ہونے والی دُلہن کو دیکھو، یہاں وہاں اُچھلتی کودتی پھرتی ہے۔'' اشتارا نے اسے چھیڑا تو وہ دونوں ہنس دیں۔

''ایمان سے اوجھل ہونا دنیا کا مشکل ترین کام ہے ___ بھلا مرد اوجھل بیٹھ کر دکھا دیں۔ یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ کھاؤ، وہ نہ کھاؤ۔ میرے تو کان پک گئے ہیں ایسی باتیں سن سن کر۔ ذولین لالہ سے مجھے کتنی صلواتیں سننی پڑی تھیں۔'' وہ دل کی بھڑاس نکالتی کمرے سے نکل کر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ وہ دونوں بھی ہنستی اس کے ساتھ ہی کمرے سے

Marfat.com

نکل گئیں۔

+++

ریحان پراچہ نے فون رکھا تو خوف اس کی نس نس میں اتر چکا تھا—— اسے اپنی آنکھوں کے سامنے سیاہ دائرے بنتے اور بگڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''ریحان! سراج کیا کہہ رہا تھا؟'' یاور نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا دل ریحان پراچہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھ کر دھڑک اٹھا تھا۔

''کسی نے خبر دی ہے پولیس کو کہ میں یہیں، اسی فلیٹ میں ہوں۔ سراج کہہ رہا تھا، ہو سکے تو وقت ضائع کئے بغیر یہ فلیٹ چھوڑ دوں۔'' وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا صوفے پر ڈھے گیا۔

''اوہ......'' یاور کے حلق میں جیسے سانس اٹک گئی۔ ''اب کیا ہوگا؟''

''مجھے خود کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ پتہ نہیں پاپا اپنا اثر و رسوخ استعمال کیوں نہیں کر رہے۔'' اس نے صوفے کے ہتھے پر زور سے مکا مارا۔ ''ایسا تو کبھی نہیں ہوا یاور!''

''ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا ہے پیارے۔ ہم اس کبھی کبھی میں پھنس گئے۔ خیر چھوڑو، وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے ہمیں۔ اُٹھو، چلو۔'' یاور یہ کہہ کر جلدی سے اندر کمرے میں غائب ہو گیا۔

ریحان کی نگاہیں دیوار کو گھورنے لگیں—— اُسے پھانسی کا پھندا بے حد قریب محسوس ہونے لگا۔ اس بار وہ بچ نہیں پائے گا—— اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبا دیا ہو۔

وہ تڑپ کر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

اس کے خلاف کارروائیاں تیز ہو رہی تھیں۔ پولیس جگہ جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ سراج اُسے لمحہ لمحہ کی خبریں پہنچاتا رہتا تھا اور وہ خود یہاں بند پڑا تھا۔

اس قید سے اُسے وحشت ہو رہی تھی۔ مگر موت کا خوف پھر بھی غالب تھا۔ یہ قید خانہ اسے غنیمت لگتا۔

وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر اچانک ٹیلی فون کی سمت لپکا۔

''کیا کر رہے ہو ریحان؟ تم وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''میں پاپا کو فون پر مطلع کر دوں۔'' وہ پلٹا۔ یاور کاندھے پر سیاہ چمڑے کا بیگ لٹکائے ہوئے تھا۔

Marfat.com

''تمہارے پاپا اس وقت گھر پر نہیں ہوتے۔ یہ جگہ تمہارے لئے خطرناک ہے۔ ہم محفوظ جگہ پر پہنچ کر بھی انہیں مطلع کر سکتے ہیں۔'' وہ یہ کہہ کر سرعت سے دروازے کی طرف بڑھا۔

''مگر اب ہم جائیں گے کہاں؟'' وہ بولایا بولایا اس کے پیچھے لپکا۔

''ظفری کے گھر میں۔''

''ظفری ـــــ'' ریحان نے اُسے دیکھا۔

''اوہو یار ـــــ دوست ہے میرا۔ بہت اچھے تعلقات ہیں اس سے میرے۔ پہلے بھی وہ ایسے موقعوں پر میرا ساتھ دے چکا ہے۔ اب سوچنے کا وقت نہیں ہے۔'' اس نے ریحان کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

ریحان نے جیسے خود کو سنبھال لیا تھا اور جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر یاور کی طرف بڑھا دی اور خود فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

یاور نے بھی اسی تیزی سے سیاہ بیگ بیک سیٹ پر اچھالا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

تھوڑی ہی دیر میں تارکول کی سیاہ سڑک پر گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔

''ارے ـــــ میرا ریوالور لیا یا نہیں؟'' ریحان کو اچانک یاد آیا۔

''لے لیا ہے یار ...... سب کچھ لے لیا ہے۔'' یاور ہنسا۔ ''تم تو بالکل بزدل ہو رہے ہو۔ حالانکہ اس میدان میں مجھ سے زیادہ ماہر ہو۔''

یہ سن کر ریحان کے لبوں پر پہلی بار مسکراہٹ پھیلی۔

''میں تو بس یہ سوچ رہا ہوں کہ پاپا نے کیا، کیا؟ ـــــ یہ ساری مصیبت ڈی ایس پی منظور احمد کی پھیلائی ہوئی ہے ـــــ خیر، میرا نام بھی ریحان ہے۔ اسے بھی سیدھا نہ کر دیا تو میرا نام بدل دینا۔''

گاڑی تیزی سے نا آشنا راستوں پر رواں دواں تھی

''یہ ظفری کرتا کیا ہے؟'' ریحان نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''ارے کرتا کیا ہے، بس ہم جیسوں کو پناہ دیتا ہے ـــــ اسی سے اس کا گھر بار چل رہا ہے۔''

''ہوں ـــــ اس کا مطلب ہے با اعتبار شخص ہے۔'' اُسے اطمینان ہوا۔

اچانک مخصوص سائرن کی آواز نے ان دونوں کو چونکا دیا۔

Marfat.com

''پولیس......'' یاور کے ہاتھوں سے گاڑی پھسلی۔
پولیس سائرن کی گونج تیزی سے قریب آ رہی تھی ـــــ جس نے ریحان پراچہ کے اندر دہشت بھر دی۔
''یاور! گاڑی دائیں طرف موڑ لو ـــــ'' وہ کچے راستوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زور سے چلایا۔

Marfat.com

گاڑی کچے راستوں پر جھٹکے کھاتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی ـــــ خوف اور دہشت ان دونوں کی رگوں میں بھرتا جا رہا تھا۔

''ریحان! آگے راستہ بہت خراب ہے ـــــ گاڑی چلانا مشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔'' یاور نے ریحان پراچہ کی سمت دیکھا۔''میرے خیال میں ہمیں یہیں رک جانا چاہئے۔''

''نہیں، نہیں ـــــ'' ریحان چلایا۔

''آگے گاڑی جانا مشکل ہے ریحان! اور پھر میرے خیال سے پولیس کسی اور راستے پر نکل گئی ہے۔'' اس نے فضا میں خاموشی محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے کہا اور گاڑی روک دی۔

ریحان پراچہ کے حلق سے جیسے کوئی اٹکی ہوئی وزنی شے اُتری تھی۔ اُس نے سینے سے ایک گہری سانس خارج کی۔

''واپس جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔'' اُس نے دُور تک فضا میں نگاہیں دوڑائیں۔

''تو واپس کون پاگل جانے کو کہہ رہا ہے۔''

''تو ـــــ کیا مطلب ہے تمہارا؟ آگے ہم جا نہیں سکتے، پیچھے پلٹ نہیں سکتے۔ تو کیا اس تپتی ریت پر مٹرگشت کریں گے؟'' اس نے یاور کو عجیب نظروں سے دیکھا۔

''لگتا ہے خوف نے عقل سلب کر لی ہے تمہاری۔'' یاور زور سے ہنس دیا۔''پولیس کو تو جُل دے ہی دیا ہے ہم نے۔ مگر پھر بھی کوئی بھروسہ نہیں، کب وہ یہاں تک آ جائے۔ میرا خیال ہے ہم گاڑی کو جھاڑیوں کے پیچھے چھپا کر پیدل آگے بڑھتے ہیں۔ آگے پکی آبادی ہے۔''

''ہوں ـــــ شام بھی اُتر رہی ہے۔'' ریحان پراچہ اس کی بات پر متفق ہو گیا۔

''ظفری کے پاس تو آج ہم پہنچ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ رات بھی یہیں کہیں بسر کرنا ہو گی۔'' یاور گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر کے اسے گھنی جھاڑیوں کے پیچھے لے آیا۔

Marfat.com

''کیا پوری رات ہمیں اس کچی آبادی میں بسر کرنا ہو گی؟'' ریحان پراچہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ''مائی فٹ ـــــ یہ دن بھی دیکھنا تھا مجھے۔'' اس نے گاڑی سے اتر کر دروازہ غصے سے بند کیا۔

''دن نہیں، رات ڈیئر!'' یاور ہنسا۔ ''تم تو عادی نہیں ہو نا۔ باپ کی تھپکیوں نے بچائے رکھا تھا ابھی تک۔ مجھ سے پوچھو، ایسی بلکہ اس سے بھی خوفناک راتیں کاٹ چکا ہوں۔ البتہ تمہارے لئے یہ نیا تجربہ ہے۔ بھٹی میں پک کر ہی کندن بنو گے پیارے۔'' اس نے گاڑی لاک کر کے چابی اس کی طرف اچھالی اور سیاہ چرمی بیگ کاندھے پر ڈال کر آگے بڑھا۔

''ایسے دھندوں میں یہ سب تو ہوتا ہے۔ اور سچ پوچھو تو وہ شہباز مرا تمہاری گولی سے تھا۔ میں تو صرف ہوائی فائرنگ میں پھنس گیا۔''

''تو اب پچھتا رہے ہو؟'' ریحان پراچہ نے اُسے دیکھا۔

''نہ..... نہیں ...... میں خوار ہو رہا ہوں۔'' اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر رخ موڑ کر بڑے بڑے قدم اٹھانے لگا۔

اونچے نیچے کئی ٹیلے عبور کر کے وہ دونوں کچی بستی کی جانب بڑھنے لگے۔

''ویسے یہ اشمل خان بڑا پاورفل لڑکا ہے۔ عدالت میں تمہیں نچا سکتا ہے۔''

''ہاں ـــــ افسوس رہ گیا کہ شہباز کی بجائے وہ کیوں نہ مارا گیا۔'' اشمل خان کے نام پر اس کے چہرے پر سختی آ گئی اور تن بدن میں آگ بھر گئی۔ اُسے اپنی وہ درگت یاد آ گئی جو ہشمینہ ابرار کے اغواء کے سلسلے میں اشمل نے بنائی تھی۔

اس خیال کے ساتھ ذہن کے پردوں پر ہشمینہ کا دلکش سراپا لہرایا اور دل میں آگ سی بھڑک اٹھی۔ ''ہمیشہ وہ میری راہ میں حائل رہا ہے۔'' اس نے نفرت سے سر جھٹکا۔

''ریحان!'' یاور اچانک چلایا۔ مخصوص سائرن کی گونج دار آواز نے اُسے دہلا دیا۔

ریحان پراچہ کی چلتی سانسیں بھی حلق میں اٹک کر رہ گئیں۔

''یہ ...... یہ بہت غلط ہو گیا ریحان!'' اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ''آؤ جلدی، بھاگو۔''

ان دونوں کے قدم بے اختیار حرکت میں آ گئے تھے۔ ریت کو اپنے مضبوط جوتوں سے روندتے ہوئے بھاگنے لگے۔

''اس طرف ...... اس طرف۔'' یاور نے اُسے اشارہ کیا تو وہ دونوں دائیں طرف

Marfat.com

آبادی والے حصے کی جانب بڑھے۔

تیز سائرن ساری فضا کو مرتعش کر رہا تھا۔ گزرتے مرد عورتیں اور بچے حیرت زدہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

''ہم بری طرح پھنس گئے ہیں ریحان!'' یاور ایک تپلی سی گلی میں داخل ہوتے ہوئے پھولی ہوئی سانس کے درمیان بولا۔

''ہماری گاڑی ــــــ''

''ہاں، اسی گاڑی نے ہمیں مروا دیا۔ وہ اسے پا چکے ہیں اور انہیں یقین ہو چکا ہے کہ ہم اسی طرف آئے ہیں۔'' یاور نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔ پھر اچانک اس نے بیگ سے ریوالور نکال لیا اور پھر ایک چھوٹے سے کچے پکے گھر میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے ریحان تھا۔ اس نے بھی اپنا ریوالور لوڈ کر لیا تھا۔

+++

دولہا والوں کے استقبال کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ آج دولہا والوں کی طرف سے لڑکیاں اور عورتیں شاندانہ کو مہندی لگانے آ رہی تھیں۔ یہ رسم سب سے پیاری تھی۔ لڑکیاں اس میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں۔ اور یہ دن دُلہن کے لئے سب سے بھاری تھا ــــ الوداعی گیت سن سن کر اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ رہا تھا۔

شاندانہ گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی اور لڑکیوں کو تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔ سبز جھلملاتے گھیر دار پشواز اور لمبے چوڑے جھلملاتے دوپٹے میں اشتارا قیامت ڈھا رہی تھی۔ چھنکتی ماتھا پٹی اور بھاری زیور میں اُس نے اپنا سراپا قد آدم آئینے میں دیکھا۔ پھر اچانک اُس کے رخسار تپ گئے۔ آئینے میں ہشمینہ کا مسکراتا چہرہ جھلک آیا۔ وہ پلٹی۔

''اتنا سارا حُسن اب تک کسی کے نام نہیں ہوا کیا؟'' وہ ہنسی تو اشتارا کے رخساروں پر لہو رنگ چھلک آیا۔

''ہے ــــ ذولین لالہ کے نام۔'' شاندانہ نے برجستہ کہا تو ہشمینہ ایڑیوں کے بل پلٹی۔

''کیا ــــ کون ہے وہ خوش نصیب؟''

''بکتی ہے یہ تو۔'' اشتارا نے شاندانہ کو اپنی قیامت خیز آنکھوں سے گھورا جس میں تنبیہہ تھی۔ مگر وہ اس کی نگاہوں کو نظر انداز کر گئی۔

Marfat.com

"ادھر آؤ، تمہیں بتاؤں۔" اُس نے شرارت آمیز نظریں اشتارا پر ڈالیں اور ہشمینہ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"بے شرم ــــ" اشتارا مارے حیا کے کچھ نہ بول پائی اور جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ہشمینہ اپنا زیور کا بکس اُٹھائے پُرتجسس سی اس کے قریب پلنگ پر ٹِک گئی، جیسے شاندانہ اُسے کوئی بہت ہی مزے دار کہانی سنانے والی تھی۔

"میں بھی سوچتی رہی کہ اتنی پیاری لڑکی ابھی تک آزاد کیسے ہے۔" وہ ہنسی اور بکس کھول کر اس میں سے اپنے زیورات نکال کر پہننے لگی۔

"آں، ہاں ــــ ابھی منگنی نہیں ہوئی۔" شاندانہ جلدی سے بولی۔ پھر اُسے ساری بات دھیرے دھیرے بتانے لگی۔

"یعنی جوڑی چاند، سورج کی کہہ سکتے ہیں۔"

"ہاں، بالکل ــــ ذبولین لالہ سورج کی طرح گرم گرم۔" شاندانہ ہنسی۔

"شان!" اچانک اشمل کی گاڑی کی آواز اُبھری تو شاندانہ چونک گئی اور پھر جلدی سے بولی۔

"اشمل لالہ! یہاں ...... یہاں مت آیئے۔" وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پلنگ سے نیچے اُتری۔ "میرا آپ سے پردہ ہے ــــ اور پھر یہاں میری سہیلی بھی ہے۔" وہ زور سے چلائی کہ کہیں وہ اندر ہی نہ آ جائے۔ مگر اشمل خان دروازہ عبور کر چکا تھا۔

ہشمینہ کا دل تیزی سے دھڑکا ــــ اس مانوس آواز نے اُس کی دھڑکنوں کو منتشر کر ڈالا تھا۔ اُس نے جلدی سے اپنے سیاہ کامدار سوٹ کا بڑا سا کام والا دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

"یہاں تو میرے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے ــــ ویسے میں تمہیں یہ گفٹ دینے آ رہا تھا جس کے بغیر یقیناً تم رخصت نہ ہوتیں۔ یا پھر مجھے بے حد برا کہتیں۔" اُس نے مخملیں ڈبہ شاندانہ کی طرف بڑھا دیا۔ لمحہ بھر کے لئے نگاہیں جھلملاتے دوپٹے سے جھانکتے تاباں چہرے کی جانب اُٹھیں تو اُس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"شان! تمہاری یہ سہیلی تو وادی آ کر مجھے بالکل بھول گئی ــــ شاید پہچانتی بھی نہیں اب تو۔"

"جی ...... جی ......" شاندانہ ہکا بکا رہ گئی۔ اُس نے آنکھیں پھاڑ کر اشمل کو دیکھا۔

Marfat.com

ہشمینہ کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ اشمل اس اطمینان بھرے انداز میں شاندانہ کے سامنے یہ راز طشت از بام کر دے گا۔ وہ بالکل غیر اختیاری طور پر پلٹی تھی اور اشمل خان مبہوت سا رہ گیا تھا جیسے بجلی کا جھماکا سا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔

دوپٹے میں سجے دمکتے ستاروں کا عکس اُس کے چہرے کو جگمگا گیا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور بڑے بڑے جھولتے آویزوں نے اُس کے چہرے پر عجیب طرح کا نکھار بھر دیا تھا۔ وہ بھرپور دلکشی کے ساتھ اُس کے سامنے تھی۔

انوکھے اور روپہلے روپ میں۔

''ہائے اشمل لالہ! ــــ آپ یہ کک...... کیا کہہ رہے ہیں؟'' شاندانہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس انکشاف نے اُسے کتنے ہی لمحے گنگ کئے رکھا۔

اشمل خان کا دل چاہا وہ اُس کے قریب آ جائے اور اُسے دیکھتا رہے۔ اس حُسن کی ساری رعنائیاں اپنے دل پر نقش کر لے۔ اُس کی والہانہ نگاہوں نے ہشمینہ کو سرخ کر ڈالا۔ وہ دفعتہً ہوش میں آ گئی اور جیسے ہی اپنی پوزیشن کا احساس ہوا خود کو سنبھالا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھپاک سے کھلے باتھ رُوم میں غائب ہو گئی۔

''اشمل لالہ...... یہ...... یہ کیا؟'' شاندانہ کے حواس پر تو بجلی سی گری اور اشمل کا یہ جملہ اور والہانہ نگاہوں سے ہشمینہ کو تکتے رہنا، یہ کسی انکشاف سے کم نہ تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ اُس کی حیرانگی کو رفع کئے بغیر تیزی سے اُس کے پیچھے لپکی۔

''آ...... آپ اور ہشمینہ کیا ایک دوسرے کو جان......'' ابھی وہ اپنی حیرت پر مکمل قابو نہ پا سکی تھی۔

''ہوں۔'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔ ''یہ بات تم اپنی سہیلی سے بھی پوچھ سکتی ہو۔''

''نہیں ــــ مجھے آپ بتائیے...... بتائیے نا۔'' اس نے اس کا بازو تھام لیا، مبادا وہ بھاگ نہ جائے۔

''ارے، ارے ــــ خود کو سنبھالو لڑکی! دولہا والے آئیں گے تو کیا سوچیں گے ایسی ہونق دُلہن کو دیکھ کر۔'' بات کو مذاق میں اُڑا کر وہ سرعت سے کمرے سے نکل گیا۔

''ہائے ہشمینہ! تم تو چھپی رستم نکلیں۔'' شاندانہ باتھ روم کی طرف بڑھی جہاں ہشمینہ خود کو شاندانہ کی نگاہوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر رہی تھی۔

+++

Marfat.com

اشتارا کو بے حد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

اُسے اب ہشمینہ سے شرم سی محسوس ہونے لگی اور شاندانہ پر غصہ ـــــ کیا ضرورت تھی اُسے کہ اُس کی محبت کی تشہیر کرتی پھرے۔

وہ تو اب بھی ہوا پر محل بنا رہی تھی۔ کیا خبر، کون سا جھونکا اس محل کو دھڑام سے گرا دے ـــــ شاہ خانم کا کون سا جملہ اُس کی محبت کے چراغ کو گل کر دے یا ذولین خان کی انا اُس کی آنکھوں سے سارے خواب چھین لے۔

اُس کا ذہن پھر منفی انداز میں سوچنے لگا۔ ذولین سے ناراضگی نے اُسے اندر سے بکھیر دیا تھا۔

وہ پھر رنجیدہ ہونے لگی تھی۔

دولہا والے مہندی کے بڑے بڑے تھال اُٹھائے اندر آ گئے تھے۔ عورتوں اور بچوں کا ایک بڑا سا ریلا سارے ماحول پر یکلخت چھا گیا تھا۔

لڑکے والوں کے چہروں پر مسرت کے رنگ ہلکورے لے رہے تھے۔ لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔

وہ فاتح ہی تو تھے ـــــ لڑکی لینے آئے تھے۔ اپنے گھر کی رونق بڑھانے۔

اور لڑکی والوں کے چہروں پر اُداسی ڈیرے ڈال رہی تھی۔ وہ اپنے گھر کی رونق کسی اور کی جھولی میں ڈال رہے تھے۔

گل بی بی کی تو آنکھیں رو رو کر سوج گئی تھیں۔ ساری عورتیں اُنہیں دلاسہ دے رہی تھیں۔

شاہ خانم بھی اس وقت عجیب سی کیفیت سے دوچار بیٹھی تھیں۔ ایک تو وہ گل بی بی کے گھر اتنے برس کے بعد آئی تھیں۔ اُن کی خود ساختہ ناراضگی نے اُنہیں ہمیشہ گل بی بی سے دُور رکھا۔ مگر آج بیٹی کی خوشیوں میں وہ شریک نہ ہوتیں تو زمانہ انہی پر تھوتھو کرتا۔ اُن کی ناراضگی، اُن کے دل کی جلن، وہ دُکھن دنیا والوں پر آشکارا تو نہ تھی۔ وہ اُن کے گھر آئیں تو گل بی بی بچھ بچھ گئیں۔ کوئی شکوہ، کوئی گلہ ـــــ غرض آنکھوں میں کسی رنجش کا رنگ بھی نہ لہرایا تھا۔ وہ تو بھر بھر کر محبت دینے والی ہستی تھیں۔ بدلے میں اُنہیں کیا ملا، انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ اور پھر شاہ خانم تو انہیں ہمیشہ سے عزیز تھیں۔ اُن کی سہیلی اور بھائی کی بیوی، اشتارا اور اشمل کی ماں۔ اتنے بہت سارے رشتوں نے انہیں اور بھی گداز دل بنا دیا تھا۔

Marfat.com

شاہ خانم اُن کی اس قدر اپنائیت اور محبت پر عجیب سے خلفشار کا شکار بیٹھی تھیں۔ مگر ان میں اس وقت اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اُٹھ کر روئی روئی گل بی بی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیتیں۔ اُن کی انا نے یہاں بھی ان کے قدم جکڑ لئے۔

مہک اور سلطانہ، اشتارا کو شاندانہ کے کمرے سے باہر پکڑ لائیں۔

''دیکھو تو ـــــ دولہا والے زبردست تیاریاں کر کے آئے ہیں۔''

''ہم تو لڑکی والے ہیں ـــــ یوں بھی ہارے ہی ہارے ہیں۔'' اشتارا کا دل شاندانہ کے آنسوؤں میں ابھی تک بہہ رہا تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے تمام لڑکیوں کے ساتھ ڈھولک سنبھال لی۔

''ارے لڑکی تو ہم ہار ہی چکے، کم از کم یہ مقابلہ نہیں ہاریں گے۔'' ہشمینہ ہنسی۔

''بالکل ـــــ'' مہک نے اُس کی تائید کی۔

شبہ ونگرژو جنکے
تمبل وہی نا غلق وا خوانا
پہ ودہ راغلی دینا
مابہ اُسس ڈولی وڑی

(مہندی کی رات ہے اور لڑکیاں تمبل بجا رہی ہیں۔ لوگ اُس طرف سے شادی میں آئے ہیں۔ مجھے ڈولی میں لے جائیں گے)

وہ مقابلے پر اُتر آئی تھی۔ سارا جوش و خروش اُمڈ آیا تھا۔ ہشمینہ بھی اُس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔

اُس نے اچانک ڈھول ہشمینہ کی طرف بڑھا دیا اور خود تالیاں بجانے لگی۔

پہ ودہ راغلی دینا
مابہ اُسس ڈولی وڑی

جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور دوسرے کمرے میں بیٹھے ذولین خان کا پسلیوں میں دبا دل جیسے مچل مچل کر باہر نکلنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ اُڑتے پردے کے پیچھے سے اُس کے تاباں چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی پردہ لہرا کر تیز جھونکے سے اوپر اٹھتا اُس کی آنکھیں اشتارا کی چمک سے خیرہ ہو جاتیں۔

اُس نے کچھ دیر قبل اُسے شاندانہ کے کمرے کے پاس ملول سا دیکھا تھا۔ تب اُس کی کندن رنگ آنکھوں میں اُس کا عطا کردہ دکھ تھا۔ مگر اس وقت وہ صرف اور صرف دلہن

Marfat.com

والوں کا پلہ بھاری کرنے کے لئے اپنی ساری اُداسی کو پسِ پشت ڈال کر پُر جوش انداز میں گیت گا رہی تھی۔ سب سے اونچی آواز اُس کی تھی اور یہ مترنم آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی

اچانک دولہا والوں میں سے کسی لڑکی نے اُس کی خوبصورت چوٹی ہلکے سے چھوتے ہوئے کہا۔

''بے کار تم لوگ اتنی محنت کر رہی ہو۔ دُلہن کو تو ہم جیت ہی چکے ہیں۔'' اُس کی آنکھوں میں فتح کا نشہ تھا۔ ہشمینہ جلدی سے بولی۔

''تو پھر یہ مقابلہ بھی جیت کر دکھا دو۔''

''نہ بابا ـــــ یہ تو اپنے بس کا نہیں رہا۔'' اُس نے اشتارا کو پُر شوق نظروں سے دیکھتے ہوئے برجستہ کہا تو وہ سب ہنسنے لگیں۔

گانے کا مقابلہ ختم گیا تھا۔ دُلہن والی عورتیں شاندانہ کی نرم ہتھیلی پر رکھے پتے پر مہندی لگانے لگیں۔ اس رسم کے شروع ہوتے ہی ساری لڑکیاں بھی اردگرد جمع ہو گئیں۔

رنگ و بُو کا ایک سیلاب تھا جو گل بی بی کے اس بڑے کمرے میں اُمڈ آیا تھا۔ لڑکیاں آپس میں ہنسی مذاق بھی کر رہی تھیں۔ لڑکیوں کے اس ٹولے سے عورتیں دُور ہی بیٹھی تھیں اور دُور سے اُن کی نوک جھونک اور رسم کی ادائیگی پر لطف اُٹھا رہی تھیں۔

ہشمینہ نے حنا رنگ مہندی کا ایک گولہ سا بنا کر مہک اور سلطانہ کی طرف اچھال دیا جو دونوں پر گرا تھا۔

''ہشمینہ کی بچی ـــــ'' مہک اس کی طرف جھپٹی اور رنگ دار مہندی اٹھا لی تو ہشمینہ چلائی۔

''اے، اے ـــــ دیکھو، یہ مت اُڑانا۔''

''تم نے اپنی مرضی سے پھینکی تھی۔ اب میری مرضی۔'' مہک اترائی۔

''اے ہے ـــــ لڑکیو! سنبھل کر۔ یہ رنگ دار مہندی تو مت اُڑاؤ۔ داغ چھوڑ جائے گی۔'' گل بی بی اس شرارتی ٹولے کو سمجھاتی ہوئی اشتارا کی طرف آئیں۔

''اشتارا بیٹی! ذرا دیکھنا، زہرہ سے معلوم کرو کہ کھانا آ گیا ہے یا نہیں؟ پتہ نہیں، نواز احمد کہاں رہ گیا ہے۔''

''جی اچھا ـــــ میں ابھی معلوم کرتی ہوں۔'' وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اُسے تو موقع چاہئے تھا اس کمرے سے فرار ہونے کا ـــــ اُسے ہشمینہ اور مہک

Marfat.com

سے ڈر لگ رہا تھا۔ نہ جانے کب وہ اس پر رنگ دار مہندی پھینک دیں۔ خود کو اُس نے کب سے عورتوں کی آڑ میں چھپا رکھا تھا۔ اور اب جونہی موقع ملا، جھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔

زہرہ بی بی اُسے باورچی خانے کی طرف جاتی نظر آئی تو وہ اُس کی طرف بڑھی۔

''زہرہ بی بی! ابھی تک نواز احمد نہیں آیا ہے؟ گل بی بی پوچھ رہی تھیں کھانے کا۔''

''اے نہیں خان زادی! وہ تو کب کا آچکا ہے۔'' زہرہ جلدی سے بولی۔ ''دیگیں تیار رکھی ہیں۔ کیا بڑے کمرے میں کھانے کا انتظام کریں؟''

''ہاں، ہاں بالکل۔ اب دیر نہیں ہونی چاہئے۔'' اشتارا یہ کہہ کر اُلٹے قدموں واپس مڑ گئی۔ اور ابھی راہداری عبور نہ کر سکی تھی کہ اُس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے۔

اپنے اسی دلکش سراپے اور تمکنت کے ساتھ ذولین خان اس کے سامنے تھا۔ اسی سکون کے ساتھ جو اس کا سکون تباہ کر دیتا تھا۔

اُس کی پلکیں اُٹھیں اور جھک گئیں۔

ذولین اُس کے فسوں خیز حُسن کے سامنے کتنے ہی ثانیے مسحور کھڑا رہا۔ 'اتنا ڈھیر سارا حُسن کہاں سے چرا لیا اشتارا مہروز! تم نے؟' اُس کے مضبوط سینے میں مقید دل میں جیسے طوفان سا بپا ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا اور بے اختیار اس کے نازک شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

اشتارا پوری جان سے کانپ گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے پور پور میں برقی لہریں سرایت کر گئی ہوں۔ وہ لمحہ بھر کے لئے اُس کی قربت سے بوکھلا گئی، پھر خود کو سنبھالتی تیزی سے پیچھے ہٹی۔

''احتیاط لازم ہے ذولین خان! کہیں بابا خان کے دل میں آپ کی طرف سے کوئی ایسا خوفزدہ خیال نہ آجائے۔ یا کوئی ایسی بات۔'' اس کا لہجہ طنز آمیز تھا۔

وہ اُس کے الفاظ اُسے لوٹا رہی تھی۔ ذولین کے لبوں کی تراش میں ایک دل فریب مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کہہ لو جی بھر کر جو کہنا ہے ـــــ میں تمہیں منانے ہی آیا ہوں۔'' اُس نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''اونہہ ـــــ آپ کو منانا ہی کب آتا ہے۔ روٹھنے والے منانا کب جانتے ہیں؟'' وہ ازحد دُکھی ہو رہی تھی۔ سنہری آنکھوں میں ڈھیر سارے شکوے مچل رہے تھے۔

Marfat.com

''نہیں ـــــ اب تو خاصی جانفشانی سے میدان میں اُترا ہوں۔'' وہ مخمور نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ روٹھی روٹھی برہم سی اشتارا اُسے اپنے دل سے بے حد قریب محسوس ہو رہی تھی۔

''اب دیکھو کتنا کامیاب ہوتا ہوں۔'' وہ ہنس دیا۔

اُس نے اپنی پلکوں کی باڑ اُٹھائی، پھر جھکا دی۔ 'اُف ـــــ تم مجھے ہر بار شکست دینے آتے ہو ذولین خان!' وہ اُس کے سبز نگینوں میں جیسے پھر ڈوبنے لگی تھی۔

''اشتارا! مجھے شاید محبت کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔'' اُس کی آواز اُبھری جس میں سنجیدگی مستور تھی۔ ''مجھے کبھی اتنی ڈھیر ساری چاہت ملی بھی تو نہیں ہے نا ـــــ جو محبت کے لمس سے سدا نا آشنا رہے ہوں، وہ شاید محبت کے تقاضے پورے کرنا نہیں جانتے۔ میں مانتا ہوں میرے رویوں نے تمہیں بے حد دُکھ پہنچایا ہے اشتارا! میں تمہیں کھل کر چاہتا ہوں۔ مگر میرے پاس اظہار کے کوئی طریقے نہیں۔ یا شاید کوئی الفاظ نہیں۔ تم بھی سوچتی ہو گی کہ کس پتھر سے سر ٹکرایا ہے۔'' اُس کے لہجے میں بے چارگی سمٹ آئی۔ اُس نے آہستگی سے سر اٹھایا تو اُس کا دل پگھلتا چلا گیا۔

وہ جتنا اکھڑ لگتا تھا اس سے کہیں زیادہ مہذب تھا۔

جتنا ظالم لگتا تھا اس سے کہیں زیادہ چاہنے والا محسوس ہوا تھا۔

وہ اُس کے چہرے کی نرمی میں کھوئی رہی۔

''میں بہت پیاسا ہوں اشتارا! بہت پیاسا۔ تمہاری بے کراں چاہت سے خود کو سیراب کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز مجھ سے خفا مت ہو۔ اگر ناراض ہو تو مجھ سے اُلجھو، مجھ سے لڑو۔ ایسی خاموشی اختیار مت کرو۔ مجھے خاموشی توڑنا بہت مشکل لگتا ہے۔'' اُس نے بے حد صاف گوئی سے اپنی کمزوریوں کا اعتراف کیا۔

وہ تو پہلے ہی گھائل تھی۔ آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

''اُں...... آں...... نہیں، نہیں۔'' اُس نے جلدی سے کہا۔ ''ان آنسوؤں سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ یہ بڑا خطرناک ہتھیار ہوتا ہے تم عورتوں کا۔ یہ سخت سے سخت چٹان کو بھی بہا لے جاتے ہیں۔'' وہ مسکرایا تو وہ روتے ہوئے ہنس دی۔

''کیا سمجھوں ناراضگی ختم؟'' وہ اُس کی ہنسی کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

''آپ کو تو منانا بھی نہیں آتا ذولین!'' اُس کی اُداسی زائل ہوتی چلی گئی۔ ''جو دل میں رہتے ہوں بھلا ان سے ناراضگی کب تک قائم رہ سکتی ہے۔'' اُس نے آنکھیں پونچھتے

Marfat.com

ہوئے سر جھکا کر کہا۔

''اور جو دل میں رہتے ہیں انہیں منانے کی ضرورت کب پیش آتی ہے۔'' اس نے آہستگی سے اُس کا سر اونچا کیا۔ ''تمہارا یہ پیارا چہرہ تو میری آنکھوں کی روشنی بنا ہوا ہے اشتارا! یہ معصوم اور سادہ حُسن تو مجھے دنیا کی ہر شے سے عزیز ہو گیا ہے۔'' وہ بے حد سچائی کے ساتھ اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اُس کی تعریف اور اتنی محبت پر اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

یہ جملے مثلِ آبِ حیات تھے جو اُس کی پور پور میں زندگی کا نیا رس بھر گئے۔ ذہنی تھکن پر روشن تازگی سج گئی۔

اُس کے نرم نرم ہاتھ ذولین کے مضبوط ہاتھوں کے حصار میں تھے۔ اُس نے لمحہ بھر آنکھیں موند کر محبتوں کی ہیشگی کی دعائیں مانگ ڈالیں۔

''اشتارا!'' ذولین کی آواز پر اُس نے آنکھیں کھول لیں۔

''شاندانہ کی شادی کے بعد میں چا چا خان سے تمہیں ہمیشہ کے لئے مانگ لوں گا۔'' اس کے لہجے میں محبت کا نشہ بکھرا ہوا تھا اور اُس کی چاہت کی تڑپ تھی۔ اُس کا چہرہ لوؤں تک گرم ہو گیا۔

''مم...... مجھے تو یاد ہی نہیں رہا، گل بی بی نے کام سے بھیجا تھا مجھے۔'' وہ اُس کی والہانہ نگاہوں سے گھبرا کر جلدی سے پیچھے ہٹی۔

''اس سے اہم کام اور کون سا ہو سکتا ہے؟'' وہ اُس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیا تو وہ تیزی سے بڑے کمرے کی جانب بھاگ لی۔

+++

اُسے اپنی سماعتوں اور بصارتوں پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

شاردا بھابی کے مسکراتے لب اور مطمئن چہرہ۔

زمان بھائی کا نرم روّیہ اور ___ اور ___ وہ سارے انداز جو اُس نے آج تک نہ دیکھے تھے نہ سوچے تھے۔

اتنا پیارا انقلاب شاردا اور زمان کی زندگی میں یوں ایک دم آ جائے گا۔

اب تو وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اُسے اُمید نہیں تھی۔ کسی معجزے کی منتظر بھی نہ رہی تھی۔ اور آج جیسے معجزہ ہی رونما ہو گیا تھا۔

''ماہی! سچ پوچھو تو میں اپنے خدا سے مایوس نہیں ہوئی تھی۔ دلوں کو بنانے والا دل کو

Marfat.com

پھیرنا بھی جانتا ہے۔"

وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں بغیر سانس لئے شاردا بھابی کو دیکھتی رہی۔ اُن کے چہرے پر محبت پا لینے کا خمار بکھرا ہوا تھا۔ اُن کے لہجے میں اُجلے موسموں کی خوشبو بسی تھی اور ہونٹوں پر ایسی صبیح مسکراہٹ جیسے پہلی بار لب مسکراہٹ سے آشنا ہوئے ہوں۔

وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اُٹھی اور وفورِ مسرت سے شاردا بھابی کے سینے سے لگ کر بلک اُٹھی۔

"یہ خواب ــــ میرا خواب آج تعبیر پا گیا کہ آپ اور زمان بھائی ایک ہو جائیں۔ ایک دوسرے کو پا لیں۔ صلح کر لیں۔" اُس کی آواز آنسوؤں کی یورش سے بھاری ہو گئی۔

امی الگ اپنے کمرے میں اس خوشی پر اپنے خدا کے حضور سربسجود تھیں۔

شاردا کے پُرسکون چہرے اور زمان کے دل کی اس تبدیلی نے انہیں سرشار کر دیا تھا۔

'اب ماہ گل بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔' یہ خوش آئند خیال ہی ان کے اندر توانائیاں بھر گیا۔

"ماہی!" شاردا بھابی نے اُسے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔ "تیرا میرا درد مشترک تھا۔ اب تم بھی اپنا میرے بھائی کے اُجڑے گھر کو آباد کر دو ــــ اُسے معاف کر دو۔" وہ یکلخت سوالی بن گئیں۔

ماہ گل کا دل تیزی سے دھڑکا اور پلکیں تھرتھرا کر رخساروں پر جھک گئیں۔ اُس کے خیال کے پردوں پر وہ مانوس سا چہرہ جھانکنے لگا تو وہ سارے درد جاگ اُٹھے۔ وہ سارے بیتے پل آنکھوں کے سامنے جاوداں ہو گئے۔

'آہ ــــ مسعود شاہ' ایک تیز سسکاری اُس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔

"ماہی! مسعود بھائی بے قصور ہیں۔ بس حالات نے ہی انہیں تمہارے سامنے مجرم بنا ڈالا۔ اُنہوں نے بہن کی محبت میں یہ سب کچھ کر ڈالا۔ ہاں ماہی! میرے دُکھی وجود نے انہیں یہ سب کرنے پر مجبور کیا تھا۔ قصوروار تو میں ہوئی نا۔ تم اپنے دُکھوں کا حساب مجھ سے مانگو۔"

"شاردا ــــ" ماہ گل نے تڑپ کر اُسے سینے سے لگا لیا۔ "کیسی اجنبیوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" اُس کا دل پگھل گیا۔ وہ اُٹھی اور سسکیاں بھرتی سرعت سے کمرے سے نکل گئی۔

"تم مسعود کو فون کر دینا شاردا!" اُس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد امی شاردا

Marfat.com

بھابی کے پاس آئیں۔

''نہیں امی! وہ خود کریں گے۔ انہوں نے کہا ہے مجھ سے۔'' شاردا بھابی آنسو پونچھتی کھڑی ہو گئیں۔

''شاردا! مجھے بڑا ڈر لگتا ہے اس لڑکی کے پاگل پن سے۔'' امی کے چہرے پر اضطراب سا پھیل گیا۔ وہ متفکر سی نظر آنے لگیں۔ شاردا بھابی نے اُنہیں دیکھا۔

''تم اُسے سمجھانا ــــ کہیں وہ جذبات میں آ کر کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھا لے جو تا عمر اس کے لئے پچھتاوا بن جائے۔''

''آپ فکر مت کریں امی! مسعود بھائی اُسے منا لیں گے۔'' شاردا نے انہیں تسلی دینی چاہی مگر نہ جانے کیوں اُنہیں تسلی نہ ہو پا رہی تھی۔

''جذبات میں کئے گئے فیصلے خود ہماری خوشیوں کے قاتل ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں نا، چیدہ چیدہ خوشیاں بھی ملیں تو انہیں سمیٹ لینا چاہئے۔ پھر ایسا نہ ہو کہ ہم انہیں ٹھکرا کر خوشیوں کے لئے ترستے رہ جائیں۔ یہ اس کی انا نہیں، بے وقوفی ہے۔'' امی اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلنے لگیں۔ ''بس شاردا! تم اُسے سمجھا دینا، اُسے قائل کر لینا۔ یہی دنیا ہے اور ہم اور وہ کوئی انوکھے یا اس دنیا سے الگ تو نہیں ہیں ــــ دُکھ، غم تو سب کے حصے میں آتے ہیں۔ بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر بھی بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرے ہیں۔ ابھی ہم نے تو وہ دُکھ نہیں اٹھائے ہیں۔''

''آپ تسلی رکھئے امی! مجھے یقین ہے مسعود بھائی ماہ گل کی کسی بھی حماقت کی پذیرائی نہیں کریں گے۔ وہ خود اُسے سمجھا لیں گے۔''

''ہاں ــــ خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' امی ایک گہری سانس لے کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

+++

''سحر! تمہیں اشتارا کیسی لگتی ہے؟'' فروان کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ سحر گل نے اُسے دیکھا اور پھر ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر پٹخ دی۔

''اے ون، زبردست، بہت پیاری۔'' وہ اُٹھ کر اُس کے قریب آئی اور پھر اُسے بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ ''کیا تمہیں بہت اچھی لگتی ہے؟''

''اوں، ہوں ــــ میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔'' وہ گھبرا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''نہ ...... دال میں کچھ کالا ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''ویسے امی نے شاہ خانم سے باتوں

Marfat.com

باتوں میں تمہارے رشتے کی بات کی ہے۔"

"کک......کیا؟" وہ اچھل پڑا۔"تمہیں کس نے بتایا؟" اُس نے سحر گل کو بے یقینی سے دیکھا۔

"بس پتہ چل گیا۔" وہ زور سے ہنسی۔"سچ فرو! وہ بہت پیاری ہے۔ کسی کے خوابوں میں آنے والی لڑکی سے بھی زیادہ دلکش۔" سحر گل شاعرانہ انداز میں بولی تو فروان کو ہنسی آ گئی۔ مگر وہ دل سے اُس کی بات کی تائید کر رہا تھا۔ اشتارا کا خوبصورت چہرہ اُس کے خیال کے پردوں پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔

"پتہ ہے فروان! شاہ خانم کو بھی کوئی انکار نہیں۔ ہاں، انہوں نے ابھی فائنل جواب تو نہیں دیا ہے مگر اُن کے انداز میں انکار بھی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے انکل مہروز سے بات کرنے کے بعد ہی وہ کوئی حتمی جواب دیں۔"

سحر گل کی یہ باتیں سن کر فروان کا سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

"تم تو بڑی کمال کی چیز ہو ــــ اور کیا کیا باتیں ہوئی تھیں امی اور شاہ آنٹی کے درمیان؟" وہ پوچھنے لگا تو سحر گل چونکی اور پھر کھڑی ہو کر دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔

"ارے واہ ــــ تم تو پھیلتے ہی جا رہے ہو۔ تم کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہو اشتارا مہروز میں۔ جبکہ تم کو......"

"اچھا بکو مت زیادہ ــــ جلدی جلدی بتاؤ۔" وہ دھونس جمانے لگا۔

"یعنی تم گئے کام سے۔"

"ہشت ــــ" فروان نے جلدی سے اُسے آنکھیں دکھا کر خاموش کر دیا۔ کیونکہ ماہ گل اندر داخل ہوئی تھی۔

وہ سخت ذہنی دباؤ میں تھی۔ بدلتے حالات نے اُسے عجیب سی اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ مسعود شاہ کے سابقہ رویوں اور اپنے دل کے فیصلے کے درمیان اُلجھی جا رہی تھی اور جب بہت تھک گئی تو سحر گل اور فروان کے پاس آ گئی۔

اُن کی ہلکی پھلکی باتوں اور مسکراہٹوں میں خود کو گم کرنے اور اس دباؤ سے نجات پانے کی سعی کی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی؟" وہ جبراً مسکرا کر اُن کے پاس آ بیٹھی۔

"اشتارا کی باتیں ہو رہی تھیں۔" سحر گل نے جلدی سے کہا تو ماہ گل کی بے اختیار نگاہیں فروان پر اُٹھیں جو کہ سحر گل کو گھور رہا تھا۔

Marfat.com

''اچھا ـــــ تو وادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔'' وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

''اوں، ہوں ـــــ وادی کے حُسن کی۔'' سحر گل پھر بولی اور ہنسنے لگی۔

''سحر! جاؤ، ماہی آپی کے لئے فٹا فٹ گرم گرم چائے بنا لاؤ۔'' فروان نے اُسے گھورتے ہوئے حکم دیا تو وہ بادلِ نخواستہ کھڑی ہو گئی۔ ''ماہی آپی کی طبیعت ویسے کچھ بہتر نہیں لگ رہی ہے۔ اور تمہاری اُوٹ پٹانگ باتیں انہیں اور بھی تھکا دیں گی۔ جاؤ بھاگو۔'' وہ اُسے یہاں سے بھیج دینا چاہتا تھا۔ وہ کھل کھلاتی جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

''فروان ـــــ!'' ماہ گل نے کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر اُسے نیم وا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پکارا۔

''جی ـــــ؟''

''کیا تم اشتارا کو بہت چاہتے ہو؟'' اُس کا جملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ فروان کچھ خفیف سا ہو گیا۔

''پتہ نہیں ـــــ کبھی پیمائش نہیں کی۔'' وہ سر کھجانے لگا۔ ''بس اچھی لگتی ہے۔'' وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اُسے ماہ گل سے نظریں ملانے سے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

''فروان! تم بہت سمجھ دار ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی بھی زمان بھائی کی طرح کسی المیے یا دُکھ سے دوچار ہو جائے۔'' انہوں نے فروان کو بہت غور سے دیکھا۔ آج وہ سب کچھ کہہ دینے کی ہمت پیدا کرنے لگیں خود میں۔

وہ فروان کو اندھیرے میں رکھ کر اشتارا کو یا فروان کو کسی بھی دُکھ سے ہمکنار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اُنہوں نے تو قدم قدم پر اشتارا کو جانچا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے ان سپنوں کو بغور دیکھا تھا۔ وہ ذولین کو چاہتی تھی اور اُس کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ چکی تھی کہ واپسی ناممکن تھی۔

''کیا بات ہے آپی؟'' فروان اُس کے متغیر چہرے کو دیکھ کر چونکا۔

''فروان! امی ایک اور غلط فیصلہ کرنے چل نکلی ہیں۔ تم ہی اُنہیں روک سکتے ہو۔ فروان! میرے بھائی! تم نہیں جانتے شادی کے بعد کی زندگی بے حد مشکل اور پُر پیچ ہوتی ہے۔ خاص کر عورت کے لئے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم یا اشتارا ساری عمر سمجھوتے کی زندگی گزارو۔''

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ـــــ میں سمجھا نہیں۔ پلیز آپی! کھل کر بتایئے نا۔'' فروان اُلجھ سا گیا۔ ماہ گل نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

Marfat.com

''فروان! تم اشتارا کو بھول جاؤ۔ بلکہ امی کو بھی اس اقدام سے باز رکھو۔ اشتارا، ذولین خان کے نصیب کا ستارہ ہے اور اسے اسی کے نام رہنے دو۔ وگرنہ وہ بکھر جائے گی۔''

''آپی!'' فروان کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ ''کیا اشتارا، ذولین سے......؟'' اُس کے بقیہ لفظ ٹوٹ گئے۔

''ہاں ـــــ'' اُس نے سر جھکا لیا۔ فروان کا متغیر چہرہ اُس کے لئے کرب کا باعث بنا۔ ''فرو! وہ بہت معصوم اور بے ضرر سی لڑکی ہے۔ شاہ خانم کے ہر فیصلے پر قربان ہو جائے گی۔ لیکن سوچو فرو! ایک ایسی لڑکی جس کا دل اور روح کسی اور کو چاہتی ہو، تم اُسے پا کر کیا کرو گے؟ ـــــ ایک خالی مکان جہاں صرف تمہیں اپنی آواز کی بازگشت ہی سنائی دے گی۔ تم بہت سمجھ دار اور حقیقت کو قبول کرنے والے لڑکے ہو۔ مجھے یقین ہے تم خود کو یا اشتارا کو آزمائش میں نہیں ڈالو گے۔'' اُس نے اُس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ اُس کا دل اندر سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس کے بس میں ہوتا تو وہ ڈھیر ساری خوشیاں کہیں سے لا کر فروان کے قدموں میں ڈال دیتی۔

''آپ نے پھر امی کو اسی وقت روک کیوں نہیں دیا جب وہ شاہ خانم سے بات کر رہی تھیں؟'' وہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی تھی اور آنکھوں میں یکلخت ہی اُداسی بھر گئی تھی۔

''امی کو تو تم جانتے ہو ـــــ انہوں نے کب کہا مانا ہے میرا؟ انہوں نے تو زمان بھائی کی بھی بات نہیں مانی تھی۔ اور شاردا بھابی نے سات سال تک کا طویل عرصہ بے پناہ اذیت میں گزارا ہے۔''

''اور آپ نے بھی تو۔'' فروان نے اسے دیکھا اور پھر اضطرابی انداز میں ہاتھ مسلنے لگا۔ پھر اچانک پلٹا اور پردہ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''میں جانتی ہوں فروان! تم ان راستوں پر اتنا آگے نہیں بڑھے ہو جتنا اشتارا اور ذولین خان۔ مجھے یقین ہے تم خود کو سنبھال لو گے اور واپس پلٹ آؤ گے ـــــ چند دنوں کی کسک، تا عمر کے دُکھ سے بہتر ہی تو ہوتی ہے۔'' اُس نے اپنے گرم گرم آنسو اندر ہی اُتار لئے۔

اُسی لمحے فون کی گھنٹی چیخ اُٹھی تھی اور وہ کرسی سے اُٹھی اور ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہیلو ـــــ!''

''ہیلو ـــــ میں مسعود بول رہا ہوں۔'' ماؤتھ پیس سے مانوس سی آواز اُبھری اور ماہ

Marfat.com

گل کا سارا بدن کانپ گیا۔

+ + +

گل بی بی کا بڑا سا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ــــ ایک شور تھا، ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ آج شادی کا دن تھا اس لئے افراتفری سی مچی ہوئی تھی۔ لڑکیاں اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔

ایک بڑے سے کھلے حصے میں شامیانے ڈال کر مہمانوں کے لئے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ پچھلے حصے میں بارات کے ساتھ آنے والے مردوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ عورتوں کے حصے میں ایک بڑا سا اسٹیج بنا دیا گیا تھا دُلہن کے لئے۔ یہ سارے کام ذولین اور اشمل اپنی پسند اور نگرانی میں کروا رہے تھے۔

''بارات تو میرے خیال میں عصر کے بعد تک پہنچ جائے گی۔'' ذولین کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ہوں ــــ دوسرے گاؤں سے آ رہی ہے۔ آنا تو جلدی ہی چاہئے۔''

''ایک تو میں اس عورت ذات سے عاجز آ گیا ہوں۔'' اشناس بھائی منہ بناتے ہوئے بولے اور کرسی پر بیٹھ گئے تو ذولین اور اشمل نے انہیں دیکھا۔

''خیریت؟''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی جگہ ہمارے لئے بھی ہے کہ نہیں ــــ جس طرف جاتا ہوں کوئی چیختا ہے کہ اے بھائی! یہ زنان خانہ ہے ــــ کسی دوسرے کمرے کی طرف بڑھتا ہوں تو وہاں لڑکیاں بالیاں بیٹھی ہیں۔ پورا گھر لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہم مردوں کے لئے لگتا ہے زمین تنگ ہوگئی ہے۔''

اُن کی بات پر وہ دونوں اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکے۔

''تو پھر آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ یہیں بیٹھے رہئے۔ ہمارے ہمراہ کچھ کام کر لیجئے۔'' ذولین نے مشورہ دیا۔

''بھائی! مجھے بھی تیار ہونا ہے۔ ایک وہ تمہاری بھابی نظر ہی نہیں آ رہی ہیں۔ وادی آ کر تو نگاہیں ہی بدل لی ہیں اُس نے بھی۔'' وہ سخت متوحش سے ہو رہے تھے۔

''انہیں تو آپ اب بھول ہی جایئے۔ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔'' اشمل نے میز پر رکھے ٹھنڈے پانی کے جگ سے ایک گلاس بھر کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ پیجئے اور سکون سے یہاں بیٹھے رہئے ــــ یہ شادی وغیرہ کے موقع پر تو سارے

Marfat.com

گھر پر عورتوں کی اجارہ داری ہوتی ہے ـــــ اسی لئے تو ہم بھی باہر باہر نظر آ رہے ہیں آپ کو۔"

اشناس نے پانی کا گلاس اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"تو گویا ان کی ایک دن کی بادشاہت قبول کرنا پڑے گی۔"

"بالکل ـــــ سو دن مرد کے، ایک دن عورت کا۔" اشمل مسکرایا تو اشناس بھائی نے منہ بنایا۔

"ویسے یہ ایک دن اُن کا سو دن پر بھاری ہوتا ہے۔ اب دیکھو، رخصت ایک لڑکی کو ہونا ہے مگر لگتا ہے علاقے کی ساری عورتیں اس کے ہمراہ روانہ ہونے کے لئے تیار ہیں۔ لڑکیوں نے تو پورا آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔" وہ شکوہ کناں ہو گئے۔ اُن کی ناراضگی بھی بجا تھی۔ نہ انہیں اپنے کپڑے استری کئے ملے تھے اور نہ کوئی باتھ روم مل رہا تھا کہ نہا کر تازہ دم ہو جائیں۔ ہر جگہ لڑکیاں ڈیرہ ڈالے بیٹھی تھیں۔ اپنی بیوی کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے مگر صبح سے اب تک کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے تھے۔

"ذولین! میں ذرا اوپر کا ایک چکر لگا آؤں۔ لائٹنگ وغیرہ دیکھ آؤں، کام پورا ہوا کہ نہیں۔ تم ذرا اشناس بھائی کو کمپنی دو۔ پھر بھابی کو ہی کہیں سے ڈھونڈ کر مجھے لانا پڑے گا۔" وہ اشناس کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہنس دیا اور پھر پلٹ کر سرعت سے اس حصہ سے باہر نکل گیا۔

+++

ہشمینہ اپنے کامدار، دوپٹے کو سنبھال کر پن لگا رہی تھی۔ اپنے لمبے سیاہ بالوں کو اُس نے کلپ میں جکڑ کر پونی ٹیل کی صورت دے دی تھی۔ وہ شاندانہ کے کمرے میں ہی تھی کہ گل بی بی اندر آئیں۔

"ہشمینہ بیٹی!"

"جی...... جی...... ممانی جان!" وہ جلدی سے پلٹی۔

"ایک کام کر دینا میری بچی! نہ جانے ساری لڑکیاں کہاں غائب ہو گئیں۔ اشتارا بھی حویلی گئی ہے کسی کام سے۔"

"آپ مجھ سے کہیے۔" وہ پن لگا کر اُن کے قریب آ گئی۔

"ماشاء اللہ ـــــ خدا نظر بد سے بچائے۔" گل بی بی کی نظریں اُس کے سراپا پر

Marfat.com

اُٹھیں تو وہ محبت سے اسے دیکھنے لگیں۔
ہشمینہ کے رخسار گلابی ہو گئے۔
''چھوڑیں ممانی جان! کیوں بنا رہی ہیں مجھے؟ــــ'' وہ ہنس دی۔ ''آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔''
''اے ہاں ــــ ذرا اوپر کے کمرے میں دیوار میں لگی الماری میں زیور کا بکس رکھا ہے، وہ لے کر آنا۔ میں چھوٹے کمرے میں ہوں۔ وہیں دے جانا مجھے۔'' انہیں اپنا کام یاد آ گیا تو بولیں اور پھر کمرے کا پردہ اُٹھا کر باہر نکل گئیں۔
ہشمینہ ڈریسنگ سے اپنے سنہرے آویزے اٹھا کر پہنتے ہوئے شاندانہ کی طرف پلٹی۔
''سنو ــــ میں ابھی آتی ہوں۔ بکس لے کر تم اندر سے دروازہ بند کر لو۔''
''جلدی آنا ــــ پتہ نہیں، اشتارا ابھی ابھی تک کیوں نہیں آئی۔'' شاندانہ بیڈ سے نیچے اُتر آئی اور ہشمینہ کے باہر نکل جانے پر آہستگی سے دروازہ بند کر دیا۔
ہشمینہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بھاگی تھی کہ اوپر سے نیچے آتے اشمل خان سے بری طرح ٹکرا گئی ــــ اور اُس کی کلائیوں میں چھنکتی گلابی اور سبز کانچ کی چوڑیاں ایک چھناکے سے ٹوٹ کر سیڑھیوں پر بکھر گئیں۔
''ہائے اللہ ــــ'' وہ اپنی پیشانی کی ضرب بھول کر چوڑیوں کی طرف لپکی۔
''اوہ، سوری ــــ ویری سوری۔'' اشمل اس اچانک تصادم پر بوکھلا گیا تھا۔ اُس کی نگاہیں بکھری چوڑیوں پر اُٹھیں تو اُسے واقعی ندامت ہوئی۔ اُس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں تو اس کے دلکش سراپے پر جم گئیں۔
''ہائے اللہ ــــ اتنی پیاری چوڑیاں ــــ ساری ہی ٹوٹ گئیں۔ اتنی محبت سے پہنائی تھیں۔'' اُس کا دم چوڑیوں میں اٹک گیا تھا۔ اُس نے ایک حسرت بھری نگاہ ٹوٹی چوڑیوں پر ڈالی جو اب صرف کانچ کے ریزے تھے۔ اور پھر پلکیں اوپر اٹھائیں۔ مگر پھر جلدی سے جھکا دیں۔
وہ شوق کا ایک جہاں لئے ہوئے اُسے دیکھ رہا تھا۔
''کس نے پہنائی تھیں؟''
''اشتارا نے ــــ ابھی صبح ہی تو پہنائی تھیں۔'' اُس کی نگاہوں کے سحر سے وہ پگھلنے لگی۔
''تو اور پہن لینا ــــ ویسے میں نے جان کر نہیں توڑیں۔''

Marfat.com

''اونہہ ـــــ اور کہاں سے پہن لوں؟ اُس نے کوئی دکان تھوڑی کھول رکھی ہے۔'' وہ کلائی سہلانے لگی جس میں صرف تین چوڑیاں اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھیں۔ باقی سیڑھیوں پر بکھر کر دم توڑ چکی تھیں۔

''کیا چوڑیوں کے ساتھ دل بھی ٹوٹ گیا ہے؟'' وہ اس کے پلکیں اٹھانے پر سیدھا اُس کی خوشنما آنکھوں میں جھانکا۔

''خدا نہ کرے ـــــ دل کیوں ٹوٹنے لگا۔ بس ایسے ہی دُکھ ہوا تھا۔'' وہ اُس کی مسکراتی آنکھوں سے شرما کر پیچھے ہوگئی۔ ''راستہ دیجئے ـــــ مجھے اوپر جانا ہے۔''

''تم وادی میں آ کر تو بالکل بدل گئی ہو۔'' وہ اُس کا جملہ نظر انداز کرتے ہوئے گویا ہوا تو اُس نے حیرانی سے آنکھیں جھپکیں۔

''کیا بدلی ہوں؟''

''پوری کی پوری۔'' اُس کی آنکھیں متبسم تھیں۔

''ہائے ـــــ نہیں تو۔'' وہ گھبرائی۔ ''میں تو وہی ہوں۔ ذرا بھی نہیں بدلی ہوں۔''

اُس کے اس انداز پر وہ خاصا محظوظ ہوا۔

''یہ بتاؤ تمہیں وادی کیسی لگی؟'' وہ ایک سیڑھی اُتر کر اُس کے قریب آ گیا۔

''ابھی آپ کی وادی کی سیر ہی کہاں کی ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرائی۔

''جانتی ہو، میری شدید خواہش تھی کہ تمہیں اپنی وادی میں دیکھوں کہ تم کیسی لگتی ہو۔''

''تو پھر کیسی لگی؟''

''بہت پیاری ـــــ تصور سے زیادہ دلکش۔'' اُس کے لہجے میں محبتوں کے گھنگھرو بج رہے تھے اور آنکھیں التفات کا ایک خزانہ لٹا رہی تھیں۔ وہ بری طرح شرما گئی۔

''آپ ایسے تو نہیں لگتے تھے اُڈل!'' وہ اُس کی قربت سے گھبرا کر پیچھے ہٹ کر ریلنگ سے جا لگی۔ ''خاصے اکھڑ اور خشک مزاج لگتے تھے۔''

اُس کی بات پر وہ پُرزور انداز میں ہنسا تھا۔

''خوب..... تمہارا کیا مطلب ہے ہر لڑکی سے اسی انداز میں بات کروں؟ پھر تمہیں ہی شکایت ہوتی۔ ویسے اب اجازت دے دو تو میں تمام لڑکیوں سے اسی انداز میں بات کروں گا جس طرح تم سے کرتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں ـــــ'' بے ساختہ جملہ اس کے لبوں سے پھسل گیا۔ پھر خود ہی جھینپ گئی۔

''اب آپ تشریف لے جائیں ـــــ کسی نے دیکھ لیا نا تو آپ کے ساتھ میری بھی

Marfat.com

عزت کا ستیاناس ہو جائے گا۔"

"تم واقعی بدل گئی ہو ـــــ" اُس نے منہ بنا کر اُسے دیکھا۔ "نہیں ہٹتا ـــــ کیا کر لو گی تم؟"

"اوفوہ ـــــ ممانی جان کا کام ہے نا، مجھے اوپر جانا ہے۔"

"تمہارے سارے راستے یہیں ختم ہوتے ہیں ہشمینہ ابرار صاحبہ ـــــ!" اُس نے اُسے چڑانے کے لئے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور مزید پھیل کر اُس کی راہیں مسدود کر دیں۔

+++

اشتارا حویلی میں ہی تھی اور اپنے کمرے میں تھی۔ تبھی زیبل اندر آئی۔

"ارے تم ابھی تک گئیں نہیں خان زادی؟"

"بھئی دوبارہ آئی ہوں۔ سنو ذرا، دیکھنا اس دراز میں سنہری بکس ہو گا۔ خدا جانے کہاں کھو گیا ہے۔ مل نہیں رہا ہے۔ اس میں میری جیولری ہے جو آج پہننی ہے۔"

"آج پہننا ضروری ہے کیا؟" زیبل ہنسی۔

"بالکل۔"

"بغیر زیورات کے بھی غضب ڈھا رہی ہو خان زادی!" زیبل اُس کے سراپا کو دیکھ کر بے حد سچائی سے بولی تو وہ شرما گئی۔

"باتیں بنانا تو کوئی تجھ سے سیکھے۔ اچھا سنو ـــــ بکس مل جائے تو تم معمور جان کے ساتھ بھیج دینا۔ میں چلتی ہوں۔" وہ چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور پھر کچھ سوچ کر شاہ خانم کے کمرے کی طرف بڑھی کہ ٹھٹک جانا پڑا۔ اندر بابا خان موجود تھے اور شاہ خانم ان سے باتوں میں معروف تھیں۔

"بس میں کہے دیتی ہوں، اشمل اب کے آیا ہے، میں اس سے ضرور بات کر لوں گی۔ سحر گل بہت اچھی لڑکی ہے۔ بھلا وہ کیونکر انکار کرے گا؟"

"ہاں ـــــ اگر اُسے انکار نہ ہو گا تو پھر مجھے کیا حرج ہے۔" بابا خان واسکٹ پہنتے ہوئے لاپرواہی سے بولے۔

"بس تو پھر میں کل اشمل سے بات کر لوں گی۔ میں جانتی ہوں اُسے، شاندانہ کی شادی کے دوسرے تیسرے دن ہی بھاگ لے گا شہر۔"

"بھئی میرا تو اب بھی یہی کہنا ہے کہ اسے پہلے پڑھ لینے دو ـــــ آخر تمہیں اتنی

Marfat.com

جلدی کیا ہے؟"

"تو کون سا پکڑ کر اس کی شادی کر رہی ہوں۔ صرف سحر گل کو اس کے نام کی انگوٹھی ہی تو پہنانی ہے مجھے۔"

"اچھا بابا! ابھی تو چلنے کی تیاری کرو گل کے گھر۔ بارات بھی آنے والی ہو گی۔ دوسرے گاؤں سے آ رہی ہے۔ جلدی آئے گی۔"

اشتارا گھبرا کر دروازے سے ہٹ گئی۔ مارے مسرت کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

'تو شان کی شادی کے بعد اشمل لالہ کی منگنی کی رونق ہو گی ـــــ ہائے، کتنا مزہ آئے گا ـــــ اشمل لالہ بھلا کیوں انکار کریں گے؟'

وہ خوشی سے مہکتے چہکتے دل کو سنبھالتی راہداری عبور کر گئی۔ تب زیبل اُسے نظر آئی۔ اُس کے ہاتھ میں سنہری بکس تھا۔

"لو ـــــ تم گئی نہیں۔ چلو اچھا ہے، تمہارا بکس مل گیا۔" اس نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں سے سنہری بکس لے لیا۔

"زیبے! اب ہمارے گھر میں ڈھیر ساری رونقیں اُتریں گی۔" وہ وفورِ مسرت سے چہکتے دل کے ساتھ بولی اور بکس اٹھا کر پلٹ کر بھاگ لی۔ زیبل حیرانی سے اُسے یوں بھاگتا دیکھتی رہی۔ اشتارا کو تو جیسے یہ بوجھ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اشمل خان کو ڈھونڈ کر اُسے بتا دینا چاہتی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی تُو نے۔" شاندانہ اُسے اندر آتے دیکھ کر بگڑی۔

"ہشمینہ کہاں ہے؟" اشتارا نے اُسے کمرے میں تنہا دیکھ کر پوچھا۔

"وہ تو نہ جانے کہاں دفع ہو گئی ہے ـــــ اور تُو بھی حویلی میں چپک کر رہ گئی۔" شاندانہ یہ کہہ کر رونے لگی۔ اشتارا گھبرا گئی۔ وہ جانتی تھی اس کے رونے کی وجہ۔ اب اُسے بات بات پر رونا آ رہا تھا۔

"دیکھو شان! ہشمینہ تمہیں بہت مارے گی اگر اب تم روئیں تو۔" اشتارا نے اُس کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا۔ اسی وقت گل بی بی اندر آئیں۔

"اشتارا! آ گئیں تم؟"

"جی گل بی بی!"

"ارے دیکھنا بیٹی! یہ ہشمینہ نہ جانے کدھر رہ گئی ہے۔ اُسے میں نے اوپر کمرے سے بکس لینے بھیجا تھا۔"

Marfat.com

''میں دیکھتی ہوں گل بی بی! آپ پریشان نہ ہوں۔'' اشتارا انہیں متفکر سی دیکھ کر جلدی سے بولی۔

اُن کے چہرے پر جیسے برسوں کی تھکن سمٹ آئی تھی۔ اُن کی نگاہیں شاندانہ پر اُٹھیں تو ڈبڈبا گئیں۔ وہ رُکی نہیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اشتارا اُس کے حکم کی بجا آوری کے لئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی مگر اس کی آنکھیں اور قدم جیسے ساکن ہو گئے ___ وہ ستون کے پیچھے ہی رہ گئی۔

ہشمینہ کا گلابی چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اشمل خان کی آنکھوں میں محبت کا ایک بیش بہا خزانہ تھا۔

''اشمل! بھابی آئی ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' ہشمینہ کہہ رہی تھی۔

''ہوں ___ غالباً میں اُن سے مل چکا ہوں۔''

''ہاں ___ مگر اس وقت جب آپ کا اور میرا جھگڑا چل رہا تھا۔''

''اور اب کیا چل رہا ہے؟'' اشمل کے جملے پر وہ لوؤں تک سرخ ہو گئی۔

''آپ مجھے باتوں میں اُلجھا رہے ہیں۔ ہٹیے، اب مجھے اوپر جانے دیں۔'' وہ اُس کی باتوں سے سخت ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ پھر اچانک وہ اُسے دھکیل کر اوپر سیڑھیاں پھلانگ گئی اور اشمل مسکراتا سیڑھیاں اُتر گیا۔

اشتارا جلدی سے پوری طرح ستون کی آڑ میں ہو گئی۔

اُس کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔

اُس نے جو دیکھا اس پر اُس کی آنکھیں یقین کرنے کو تیار نہ تھیں۔ اور وہ کتنے ہی لمحے خالی الذہن اپنی جگہ پر ایستادہ رہی۔

وہ تو اشمل کو یہ خوش خبری سنانے آ رہی تھی کہ شاہ خانم، سحر گل کو جلد از جلد بہو بنا کر حویلی میں لانا چاہ رہی تھیں۔ مگر اب یہ خوشخبری نہ رہی تھی۔ بس خبر دینا تھی جو یقیناً اشمل کے لئے پریشان کن خبر ہوتی۔

'آپ نے چپکے چپکے اپنے لئے لڑکی بھی پسند کر لی اشمل لالہ!' بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُسے ہشمینہ پہلی نظر میں ہی بہت پسند آئی تھی۔ اور وہ تھی بھی پسند کے قابل۔ اس نے سوچا کہ سحر گل نہ سہی، ہشمینہ ہی سہی۔ گل بی بی کی نند کی بیٹی جو سحر گل سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی اور سب سے بڑی بات اشمل لالہ کی پسند تھی اور

Marfat.com

اُسے تو بس اشمل کی پسند اور خوشی عزیز تھی۔

+++

اس مانوس آواز نے اُسے پھر اندر باہر سے بکھیر دیا تھا ـــ اُس نے اپنا کانپتا لہجہ سنبھالا۔

''ہاں ـــ میں ماہ گل بول رہی ہوں۔''

''میں نے کب نہیں پہچانا؟ ـــ یہ آواز تو لاکھوں آوازوں میں پہچان سکتا ہوں۔'' مسعود شاہ کی مدھم آواز اُبھری۔ ''شاردا بتا رہی تھی کہ...... تم وادی گئی تھیں۔ میں نے کئی بار تمہیں رنگ کیا تھا۔''

''ہاں...... خود کو تمام تر اذیت ناک سوچوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے۔'' اُس نے دھیرے سے کہا۔

''تو ملا چھٹکارا ـــ؟'' مسعود شاہ کے لہجے میں ہلکی کاٹ تھی۔ وہ تڑپ اٹھی۔

''مسعو......د......''

''ماہی! تمہارے اور میرے دُکھوں کا واحد مداوا یہی ہے کہ بس تم آ جاؤ اس گھر میں جو تمہارا اور میرا ہے ـــ جہاں کا آنگن تمہارے بن سُونا ہے۔''

''سُونا تو پہلے بھی تھا مسعود ـــ اب تمہیں یہ تنہائی......''

''ماہ گل ـــ'' مسعود نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم جانتی ہو اچھی طرح کہ میں نے صرف بھائی ہونے کا حق نبھایا ہے۔ اس میں تم کتنے نقصان میں رہیں، میں جانتا ہوں۔ مگر ماہی! میں خود غرض انسان نہیں بننا چاہتا تھا۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ اس میں سراسر ظلم تم پر ہی ہوا ہے؟ ـــ یہ سال کانٹوں پر صرف تم نے ہی بسر نہیں کیے ماہی! میں نے بھی...... میں نے بھی بہت دُکھ سہے ہیں۔ سات سال ایک مرد کے لئے بہت ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی اور بیٹے سے جدا رہے۔ مگر مجھے ان سات سالوں کے دُکھ کا پچھتاوا نہیں ہے۔ میں سرخرو ہوں ـــ میں اب اعتماد کے ساتھ اپنی بہن کا سامنا کر سکتا ہوں۔'' اُس کا لہجہ بے حد تیز تھا۔ وہ اپنے دل سے اٹھنے والی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے بری طرح ٹوٹ رہا تھا۔ ''اب صرف اور صرف تمہاری انا تمہیں مجھ سے بدظن کر رہی ہے۔ یہ یاد رکھو ماہ گل! کہ محبت اور انا میں ہمیشہ پرچم انا کا سربلند رہا ہے۔ انا نے ہمیشہ محبتوں کے گھر منہدم کیے ہیں۔''

''مسعود شاہ! میں محبت کی ایسی مسخ شدہ صورت نہیں چاہتی۔ مجھے تو اُجلی اُجلی، نکھری

Marfat.com

نکھری محبت کی ضرورت تھی۔'' اُس کا لہجہ رندھ گیا۔ ایک بار پھر سرکش آنسو لڑیوں کی صورت ٹوٹ ٹوٹ کر بہہ رہے تھے۔

''ماہ گل! ہماری محبت مسخ نہیں ہوگئی —— تم غور کرو، یہ اور بھی نکھر آئی ہے۔ تم نے دیکھا ہے برسات سے پہلے کتنی دُھند چھا جاتی ہے۔ کچھ بھی صاف نہیں دکھائی دیتا۔ اور پھر بارش ہوتی ہے بہت تیز تو بہت کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہے —— جب بارش رُکتی ہے تو مطلع کتنا صاف ہو جاتا ہے۔ ہر شے دُھل کر نکھر آتی ہے۔ اُجلی اُجلی اور نور نور روشنی ہو جاتی ہے —— ہاں ماہی! اب ہماری محبت بھی دکھوں کی بارش میں دھل کر اور بھی نکھر آئی ہے۔ تم دیکھو..... سوچو...... بہت اُجلا اُجلا ماحول ہو گیا ہے تمہارے اطراف۔ شاردا کی مسکراہٹ، زمان کا رویہ —— کیا یہ خوبصورتی نہیں؟ کیا یہ خوش آئند بات نہیں؟'' اُس سے تو بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

لمحہ لمحہ اذیت میں گزرنے والے دنوں کے تصور سے چھٹکارے کی صورت کو وہ محسوس کر رہی تھی۔

''ماہی! اب میں کوئی لمحہ بھی گنوانا نہیں چاہتا —— اب میں سارے پل، سارے لمحے سمیٹ لینا چاہتا ہوں۔ ساری خوشیاں، ساری مسکراہٹیں بڑھ کر اپنے دامن میں سمیٹ لینا چاہتا ہوں —— کیونکہ ان پر ہمارا پورا حق ہے۔ ہاں ماہی! —— اب اس کائنات کی ایک ایک خوشی، ایک ایک مسرت پر ہمارا حق ہے۔ کچھ بولو ماہی!'' اُس نے بے حد بھاری آواز میں اُسے پکارا۔

''کک..... کیا بولوں...... مسعود!.......'' وہ بمشکل اتنا کہہ پائی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنس گیا۔

''تم ان سات برسوں میں بہت روئی ہو ماہی! میں نے تمہیں صرف آنسو ہی دیئے ہیں۔ مگر اب ان آنکھوں میں صرف مسکراہٹیں بھر دوں گا ماہی! مجھے معاف کر دو۔''

''مسعود! نہیں...... نہیں مسعود..... !'' وہ اور بھی زور سے رونے لگی۔ ''تم کیوں معافی مانگ رہے ہو؟'' اُس کے دل میں جیسے خنجر سا اُتر گیا۔

اُس کا محبوب —— اُس کا شوہر —— اُسے اب بھی اسی طرح عزیز تھا۔ اُس کی ذات اُس کی سوچوں میں اب بھی اسی انداز میں تلاطم پیدا کر دیتی تھی۔

اس کا تصور اب بھی اس کی دھڑکنوں کو منتشر کر دیتا تھا۔ وہ اس کے خیال سے کٹ کر جی نہیں سکتی تھی۔ وہ خود جانتی تھی۔ ان سات برسوں میں جو فاصلے آ گئے تھے، ہجر کا جو تپتا

Marfat.com

موسم آ ٹھہرا تھا ـــــ اُس کے گزر جانے کے لئے اُس نے اپنے رب سے بہت سی دعائیں مانگی تھیں۔

اور اب اُس کی دعاؤں نے شرف قبولیت پالیا تھا تو وہ خوش تھی۔ بے انتہا خوش۔

ایک دکھ تھا ـــــ رنج تھا اور ایک انا جو اُسے بے چین کر رہی تھی۔ مگر آج مسعود شاہ کی وہی آواز جو اُس کے دل میں گھنگھرو سے بجا جاتی، وہ آواز سن کر وہ بے قرار ہو گئی تھی۔

وہ انا کے تخت سے نیچے اُتر آئی۔

وہ عورت تھی اور عورت ہی رہنا چاہتی تھی۔ اپنے محبوب، اپنے مجازی خدا کے خوبصورت لفظوں پر قربان ہونا چاہتی تھی اور وہ قربان ہو گئی۔

''ماہی! میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔'' مسعود شاہ نے فیصلہ سنا دیا۔ ''بس تم تیار ہو جاؤ۔ اور ہاں، مسکرا کر میرا استقبال کرنا ـــــ ماضی کی کوئی گرد ہمارے حال میں نہ آنے پائے۔''

اُس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اور جب ریسیور رکھا تو جیسے دل کی ساری تھکن آنسوؤں میں بہہ گئی تھی۔

ہر رنج، ہر اندیشہ اُس سیلاب میں بہہ گیا تھا ـــــ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت تھی جو اس کے پیروں کے سارے زخموں پر جیسے مرہم رکھ رہی تھی ـــــ بھیگے بھیگے چہرے پر چاندنی اُتر آئی۔

وہ ایک گہری سانس لے کر پلٹی تو سحر گل دروازے میں ایستادہ تھی۔

+++

شاندانہ کے آنسو تھم نہ پا رہے تھے ـــــ جیسے ایک سمندر اُتر آیا تھا اُس کی آنکھوں میں۔ ہشمینہ نے نفاست سے میک اپ کیا تھا، وہ سارا ڈھل گیا تھا ہشمینہ چیخ اُٹھی۔

''یہ...... یہ کیا پاگل پن ہے شان!'' وہ اپنی محنت یوں ضائع جانے پر تڑپ گئی۔

''کیا اس حلیے میں جاؤ گی؟ ـــــ شہباز لالہ تو ڈر جائیں گے۔'' مہک نے شرارت سے کہا۔

''بس اسی طرح جاؤں گی ـــــ قبول کریں تو کریں۔'' اُس کی ہچکی بندھ گئی۔

''تین بار قبول کر چکے ہیں۔ اب مجال ہے جو مکر پائیں۔ ادھر آؤ اب۔'' ہشمینہ نے اُسے کھینچ کر دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا اور میک اپ کرنے لگی۔ وہ نہ نہ کرتی رہی مگر ہشمینہ کے سامنے ایک نہ چلی۔ اس نے اب کی بار ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا۔

Marfat.com

سرخ کامدار پشواز میں ہلکے میک اپ میں وہ روئی روئی، مضمحل، بے پناہ دلکش لگ رہی تھی۔

اشتارا اپنے آنسو روکتی اُس کے قریب آئی اور اُس سے لپٹ کر بے آواز رو دی۔

سب کے چہرے غمگین تھے اور دل بوجھل ہو رہے تھے۔

گل بی بی کو تو ہشمینہ کی امی نے بمشکل سنبھالا تھا۔

بارات چونکہ دوسرے گاؤں سے آئی تھی اس لئے شام ہی کو روانہ ہو جانا تھا۔ اس لئے شاندانہ کی رخصتی جلدی کر دی گئی۔ وہ چلی گئی۔۔۔۔ سب کو اُداس اور ملول کر کے۔

اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود گھر جیسے بھائیں بھائیں کرنے لگا۔

گل بی بی کمرے میں بند ابھی تک اشک بہا رہی تھیں۔ اشتارا کو ہشمینہ نے زبردستی روک لیا تھا۔ شاندانہ کے جانے کے بعد وہ خود بھی بے کل سی ہو گئی تھی۔ اور خود اشتارا بھی گل بی بی کی حالت دیکھ کر رُک گئی تھی۔

ذولین، اشمل کے ہمراہ حویلی کی طرف آ گیا۔ شاندانہ کی رخصتی اور گل بی بی کی دل گرفتہ حالت نے دونوں پر اثر ڈالا تھا۔۔۔۔ دونوں کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

''یہ شان کو دیکھو، سب کو رُلا گئی۔'' آدھا راستہ طے ہوا تو اشمل دھیرے سے بولا۔

''گل بی بی بہت اپ سیٹ ہو گئی ہیں۔''

''ہوں۔'' ذولین چونکا۔ ''تمہارے اب کیا ارادے ہیں۔۔۔۔ کتنے دن ہو یہاں پر؟'' اُس نے رُخ اشمل کی طرف کر لیا۔

''پرسوں جا رہا ہوں۔ آج صبح ڈی ایس پی منظور احمد سے بات ہوئی تھی فون پر۔''

''اچھا۔۔۔۔ کیا بات ہوئی؟''

''ریحان پراچہ روپوش ہو گیا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے اس بار شاہنواز پراچہ کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہیں۔'' ذولین نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔۔۔ اب کی بار ریحان کو میں سلاخوں کے پیچھے ڈال کر رہوں گا۔ وہ قاتل ہے اور اس کی سزا بہر کیف عمر قید یا پھانسی ہے۔ وہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔۔۔۔ اس زمین اور اس آسمان کے نیچے ہی ہو گا نا۔'' اشمل کا چہرہ تن گیا۔ ذولین نے اُسے دیکھا۔

''ڈی ایس پی اچھا آدمی ہے۔''

Marfat.com

''ہاں ـــــ بے حد تعاون کر رہا ہے۔ خاصا محنتی بھی ہے۔ ریحان کو پولیس ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ اپنے کسی فلیٹ میں منتقل ہو گیا تھا۔ مگر اب وہاں سے بھی فرار ہو گیا ہے۔''
اشمل اُسے تفصیل بتا رہا تھا جو ڈی ایس پی منظور احمد نے اُسے دی تھی۔ وہ ایک ایک پل کی خبر رکھنا چاہتا تھا۔ اس بار وہ ریحان پراچہ کو ہر حالت میں اس کے انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

جیپ حویلی کے پورچ میں رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔

''اچھا پھر ـــــ خدا حافظ۔ اور ہاں، پرسوں مجھ سے ضرور مل کر جانا۔'' ذولین نے اشمل سے کہا اور پھر انیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

اشمل اپنی جگہ ایستادہ اُسے دیکھتا رہا۔

اُس کا اپنا خون، اُس کا عم زاد، اُس کا بھائی ـــــ مگر یہ درمیان کیسی دیواریں کھڑی تھیں؟ ـــــ اُس کے قدم انیکسی کی جانب اُٹھ رہے تھے۔ اشمل کے دل میں دھواں سا بھر گیا۔

'تم بہت مضبوط ہو ذولین! ـــــ بہت مضبوط۔'

وہ اچانک پلٹا اور اشمل کو اپنی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا پا کر مسکرایا اور ہاتھ ہلا دیا۔ اشمل بھی مسکرا دیا اور پھر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اندر آیا تو شاہ خانم بڑے کمرے میں تھیں۔ وہ خود بھی ابھی گل بی بی کے گھر سے واپس آئی تھیں۔ بھاری کپڑوں اور قیمتی زیورات میں ملبوس تھیں۔ اشمل کو دیکھ کر وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئیں۔

''مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''مجھ سے......؟'' وہ رک گیا۔ ''اس وقت تو میں بہت تھک گیا ہوں شاہ خانم! کیا بہت ضروری ہیں؟'' اس کے چہرے پر تھکن کے واضح رنگ پھیلے ہوئے تھے۔

''میری باتیں تمہاری تھکن میں اضافہ ہرگز نہیں کریں گی۔'' شاہ خانم مسکرانے لگیں۔

''اچھا ـــــ تو پھر ضرور کیجیے۔''

''ادھر آؤ، میرے کمرے میں۔''

''نہیں ـــــ میرا خیال ہے آپ میرے کمرے میں آ جائیے۔'' اُس نے کہا تو شاہ خانم نے زیادہ تردّد نہیں کیا اور اس کے ہمراہ اس کے کمرے میں آ گئیں۔

صوفے پر بیٹھ کر اشمل نے پیروں سے اپنے وزنی پشاوری چپل اُتارے۔ اتنی دیر

Marfat.com

میں شاہ خانم اُس کے وسیع بیڈ کے کنارے اُس کے بالکل سامنے بیٹھتے ہوئے کچھ سوچنے لگیں۔

''کیا کوئی پرابلم ہے؟'' اُس نے جوتوں کو پیروں سے صوفے کے نیچے دھکیلتے ہوئے شاہ خانم کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''آں ـــــ تم کب واپس جانے کا سوچ رہے ہو؟'' انہوں نے اُس کا جملہ سنا ہی نہیں یا پھر نظر انداز کر دیا۔

''پرسوں جا رہا ہوں ـــــ اگر آپ کہیں تو ایک دن اور رہ لوں؟'' اُس نے انہیں چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

''نہیں ـــــ اب اکٹھے ہی آنا'' وہ بغیر برا مانے بولیں۔ پھر ایک گہری طویل سانس سینے کی تہہ سے آزاد کرتے ہوئے بولیں۔

''میں چاہتی ہوں کہ کم از کم تمہاری منگنی کر دوں۔'' انہوں نے اپنا اصل مدعا بیان کیا۔ ''بات ابھی طے ہو جائے۔ پھر جب تمہاری پڑھائی مکمل ہو جائے گی، شادی کر دوں گی۔ بس اب کوئی خوشی ہو گھر میں۔'' وہ بیڈ کے کنارے سے اُٹھ کر ٹہلنے لگیں۔

اشمل خان کا اُٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''آپ فی الحال میری فکر چھوڑیں اور اشتارا کے بارے میں سوچئے۔'' اُس نے بے حد خوبصورتی سے بات گھمانے کی سعی کی۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔

''اشتارا کا ذکر کہاں سے آ گیا؟''

''اشتارا کا ذکر ہی ہونا چاہئے۔ پہلے بہن رخصت ہونی چاہئے۔ اس کی فکر کرنی چاہئے۔'' وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اپنی ذات کو اس موضوع سے بچانا چاہ رہا تھا۔

اُس کی پسند ہشمینہ ابرار تھی۔ اور وہ اس طرح کا کوئی ذکر کر کے اس معاملے کو سنگین نہیں بنانا چاہتا تھا۔

''اشتارا کا کیا ہے ـــــ وہ تو بیٹی ہے۔ کون سا اُس کی رضامندی لینی ہے۔'' شاہ خانم بولیں۔

''تو بھی پھر اُسے فٹافٹ رخصت کرنے کی تیاریاں کیجئے۔'' اس نے ہلکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

Marfat.com

"تمہاری ممانی نے بات کی ہے مجھ سے اشتارا کے سلسلے میں۔" شاہ خانم پھر بیڈ پر ٹِک گئیں۔

اشمل کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا۔

"ہاں، فروان کے سلسلے میں۔ گھر کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے۔ بس وہ لوگ تو میرے جواب کے منتظر ہیں۔"

"فروان اور اشتارا۔۔۔" اشمل کو اپنی سماعت پر جیسے یقین نہ آ رہا تھا۔ "آپ جانتی ہیں اشتارا اور فروان کی عمروں میں کتنا فرق ہے اور......"

"ہاں۔۔۔ ایک سال کا فرق ہے۔ وہ ایک سال چھوٹا ہے۔ بھلا کہیں سے لگتا ہے۔ کیسا اُونچا لانبا، گبھرو جوان ہے۔ اور پھر گھر کا لڑکا ہے۔" شاہ خانم کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔ "تمہیں اشتارا کے سلسلے میں فکر کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ مجھے کہ سحر گل کیسی لگتی ہے تمہیں؟ میں نے سوچا ہے اشتارا اور فروان کے ساتھ تمہاری اور سحر گل کی بھی منگنی کر دوں۔" یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب اس حویلی میں رونق ہونی چاہئے۔۔۔ تم نے سحر کو دیکھا ہے نا؟" انھوں نے پوچھا۔

اشمل کی سماعتوں پر برچھی سی لگی تھی۔

یہ شاہ خانم کیا کرنے چلی تھیں؟۔۔۔ وہ مارے تحیر کے اپنی جگہ دم بخود سا رہ گیا۔

Marfat.com

''تم نے بتایا نہیں، تمہیں سحر گل کیسی لگتی ہے؟ ___ بہت عرصہ ہو گیا ہے نا تم نے اُسے دیکھا نہیں ہے۔ اب دیکھو گے تو تمہیں یقیناً پسند آئے گی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے۔''

شاہ خانم کے لہجے میں سحر گل کے لئے مٹھاس کا دریا بہہ رہا تھا۔

اُس کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ ذہن ماؤف ہو گیا تھا۔ کتنے ہی ثانیے وہ خالی خالی نظروں سے شاہ خانم کو تکتا رہا۔

یہ فیصلے صادر کرنے والی شاہ خانم اُس سے اجازت طلب کر رہی تھیں یا اپنے ارادوں سے باخبر کر رہی تھیں؟ ___ یہ کیسے ممکن ہے؟ ___ اُس کے خیالوں کے نرم پردوں پر ہشمینہ ابرار کا چہرہ چمکنے لگا۔ نہیں...... وہ لاکھ شاہ خانم کی عزت کرتا ہے، اُن کا فرمانبردار ہے ___ مگر یہاں منافقت کا راستہ نہیں اپنائے گا۔

''میں جانتی ہوں، تمہیں بھلا کیا اعتراض ہو گا۔'' شاہ خانم کے لہجے میں یقین تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں تو وہ یک دم ہوش میں آ گیا۔

''میں آپ کو اس سلسلے میں کسی طرح کا بھی جواب نہیں دے سکتا۔'' اُس کا لہجہ سپاٹ تھا جس میں نہ انکار تھا اور نہ اقرار۔

''کیا مطلب؟'' شاہ خانم نے حیرت زدہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس نے خود کو بر وقت سنبھال لیا تھا۔ اُس کے شہر جانے میں صرف ایک دن رہ گیا تھا اور وہ جاتے وقت کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا نہ کسی طرح کا تنازعہ اُٹھانا چاہتا تھا۔

یہ تو صرف شاہ خانم کی خواہش ہی تھی۔ کون سا وہ ابھی عملی قدم اُٹھا رہی تھیں ___ اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اُس نے بے حد تدبر سے صورتحال کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''آپ جانتی ہیں، کل میں واپس ہاسٹل جا رہا ہوں۔ اور میں ذہنی طور پر اس چیز کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں صرف اور صرف اپنی پڑھائی مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ شادی کے لئے

Marfat.com

تو ایک عمر پڑی ہے۔'' وہ ہنس دیا۔

''میں جانتی تھی تمہارا جواب اتنا ہی فضول ہوگا۔'' شاہ خانم کا چہرہ تن گیا۔''اور پھر میں کون سا ابھی تمہاری شادی کر رہی ہوں۔ صرف منگنی۔''

''شاہ خانم! کیا ضرورت ہے ابھی کسی لڑکی کو بے کار رشتے میں باندھ دینا۔ بھئی جب شادی ہی ابھی نہیں کرنی تو یہ منگنی، یہ زبان دے دینا سب بے کار، بے معنی باتیں ہیں۔ ہو سکتا ہے اس دوران سحر گل کے لئے کوئی مجھ سے بہتر رشتہ مل جائے۔'' اُس نے شگفتہ انداز اختیار کیا۔

شاہ خانم کی پیشانی پر ڈھیر سارے بل پھیل گئے۔

''کچھ غلط کہا میں نے؟'' وہ پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔

''نہیں ـــ بہت ٹھیک کہا۔ تم باپ بیٹے تو ہر بات ہی درست کہتے ہو۔ غلط تو صرف میں سوچتی ہوں اور میں ہی بولتی ہوں۔''

''ارے، ارے ـــ آپ تو خفا ہو گئیں۔'' وہ اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا۔ پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''میں شادی سے انکاری تو نہیں ہوں۔ بس کچھ مہلت مانگ رہا ہوں۔''

''تو پھر سحر گل اچھی تو ہے نا؟''

''یقیناً ہو گی ـــ آپ اُسے بہتر جانتی ہوں گی۔''

شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔ وہ اس وقت اس موضوع پر بالکل سنجیدہ ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تھکن اور اُکتاہٹ اُس کی بھوری آنکھوں میں ہلکورے لے رہی تھی۔

''میرے خیال سے تم اس وقت آرام کر ہی لو۔'' انہوں نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ پھر رُک گئیں اور پلٹ کر بولیں۔ ''مگر یہ بات تمہاری پڑھائی ختم ہونے تک کے لئے ملتوی نہیں ہو گی۔ ہاں، اب کی بار تم آؤ گے تو پھر بات ہو گی اور حتمی ہو گی۔'' وہ یہ کہہ کر سرعت سے پردہ اٹھا کر باہر نکل گئیں۔

وہ ایک گہری سانس لے کر دوبارہ اپنے وسیع بیڈ پر دراز ہو گیا۔ اُسے شاہ خانم کی اس سوچ نے پریشان کر دیا تھا۔

''سحر گل۔''

اُس نے اپنے ذہن پر زور دے کر سحر گل کا تصور جمایا۔ پُرکشش سی لڑکی تھی۔ ہنستی، شرارتی۔ وہ اُسے عزیز تھی خونی رشتے کے ناطے۔

Marfat.com

'اُف، یہ شاہ خانم بھی کیا کرنے نکلی ہیں؟' اُس نے سر جھٹک دیا اور آنکھیں موندیں تو ہشمینہ کا دلکش سراپا آ ٹھہرا اور دل جیسے ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سے بھر گیا۔ سرخ شال میں گھبرائی گھبرائی وہ اُسے پہلی بار ڈھول بجاتی زور وشور سے شاندانہ کی شادی کے گیت گاتی کتنی مختلف لگی تھی۔ پھر وہ اُس سے ٹکرا گئی تھی اور ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ جانے پر کتنی خفا ہوئی تھی۔ مگر لمحہ بھر کے لئے۔

وہ آنکھیں موندے اُس کی رعنائیوں میں کھوتا جا رہا تھا۔

+++

شاندانہ کی شادی کے بعد گھر میں یکدم ہی جیسے سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ ایسے میں گل بی بی کا دل سخت بوجھل ہو رہا تھا۔ یہ تو ہشمینہ کا دم غنیمت تھا اور اُس نے بھابی اور اشناس بھائی کو زبردستی روک لیا تھا۔ ساتھ ہی اُس نے اشتارا کو بھی روک لیا تھا۔

''مجھے تمہاری ضرورت رہے گی نا۔''

''کیوں؟'' اشتارا نے اُسے شریر نظروں سے دیکھا۔

''بھئی اپنی وادی کی سیر نہیں کراؤ گی ہمیں؟'' اُس نے کہا تو اشتارا نے سر ہلا دیا اور پھر وہ اور بھابی، اشتارا کے ہمراہ وادی کی سیر کو نکل آئیں۔

''لگتا ہے یہاں تو بارہ مہینے سردی ہی رہتی ہے۔'' شام کا وقت تھا۔ ہشمینہ کو خنکی کا احساس ہوا۔ اُس نے شال اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لی۔

''تم عادی نہیں ہو نا، اس لئے تمہیں زیادہ سردی لگ رہی ہے۔ یہ موسم تو بہار کا ہے۔ اس موسم میں تو پوری فضا خوشبو سے بھر جاتی ہے اور ڈھیر سارے پھول کھلتے ہیں۔''

''دل کے؟'' بھابی نے شرارت سے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

''دل کے پھول کھلنے کے لئے کسی موسم کی قید نہیں ہوتی۔ وہ تو جون جولائی کی گرمیوں میں بھی کھل اٹھتے ہیں۔'' ہشمینہ اونچے اونچے پہاڑوں پر نگاہیں جمائے بولی۔

وہ تینوں ہلکی پھلکی گفتگو کرتی ہوئی، ماحول سے لطف اندوز ہوتیں ایک خوبصورت جگہ پر آ گئیں۔ یہ جگہ اونچے اونچے درختوں اور سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سامنے پہاڑوں سے شور مچاتا ہوا چشمہ بہہ کر مختلف پتھروں سے ٹکرا کر منقسم ہو جاتا اور ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار اردگرد کے پھولوں کو نہلا دیتی۔

''یہاں کتنا حُسن ہے۔'' ہشمینہ کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ بھابی بھی مسحور سی ہو گئیں۔

''آہ ___ ہم شہر والے اتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں۔ تم تو بڑی خوش قسمت ہو

Marfat.com

اشتارا!'' بھابی نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی یہیں رہ جائیں نا۔'' اشتارا نے کہا تو ہشمینہ بے ساختہ ہنس دی۔

''پھر اشناس بھائی کا کیا ہوگا؟ اُن کا بیڑا غرق......''

''ہشت ـــــ بدتمیز۔'' بھابی جھینپ گئیں اور آگے چلنے لگیں۔

''پھر ہشمینہ! تم یہاں آ جاؤ ہمیشہ کے لئے۔'' اشتارا نے پیار بھری مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھا تو وہ ٹپٹا گئی۔

''مم...... میں...... نہ، میں یہاں کیوں رہنے لگی؟''

''اب تو مجبوری ہے۔'' اُس کی ہنسی معنی خیز تھی۔ ہشمینہ نے پلکیں جھپک کر اُسے دیکھا۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ بھابی تو خاصی آگے نکل گئی تھیں۔

''اشمل لالہ کی خاطر تو رہنا پڑے گا نا۔ وہ تو وادی نہیں چھوڑ سکتے۔'' اُس نے اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور ہشمینہ بھونچکا سی رہ گئی۔

اشتارا کے اس واضح جملے نے اُسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا۔ یک بیک اُس کے رخسار سرخ ہوگئے اور پلکوں پر منوں بوجھ آن گرا۔

''وہ ـــــ میں تو ـــــ''

''آں...... آں......'' اشتارا نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے کچھ بولنے سے پہلے ہی روک دیا۔ ''جنابہ! مجھے ٹالنے کی کوشش مت کرنا۔ ویسے یہ اشمل لالہ بڑے چھپے رستم نکلے۔ اور تم اس سے بھی زیادہ۔ میرے بارے میں تو سب کچھ شاندانہ سے پوچھ لیا اور اپنا آپ اُس بیچاری سے بھی چھپا گئیں۔''

ہشمینہ کی پلکیں مارے خفت کے اُٹھ نہ رہی تھیں۔

اشتارا کے سامنے سب کچھ کھل چکا تھا۔ وہ نہ جانے کب سے جانتی آئی تھی۔

''کیا اشمل نے تمہیں......'' اُس نے بمشکل دل کو سنبھالتے ہوئے پوچھنا چاہا تو وہ زور سے ہنس دی۔

''میں نے کہا نا، وہ تو بڑے چھپے رستم ہیں ـــــ بھنک تک نہیں لگنے دی مجھے۔ ویسے ہشمینہ! بالکل سچ سچ بتاؤ، تمہیں اشمل لالہ کتنے اچھے لگے ہیں؟'' اُس نے پوچھا تو ہشمینہ کا چہرہ گرم ہوگیا۔ اُس کی پلکیں رخساروں پر کانپ کر رہ گئیں۔

کتنی شریر ہو رہی تھی اس وقت اشتارا ـــــ راز جو جان گئی تھی۔

اشتارا اُس کی حالت سے خوب محظوظ ہو رہی تھی۔

Marfat.com

''ارے تم دونوں وہیں اٹک گئیں۔'' بھابی نے پلٹ کر ان دونوں کو پکارا تو ہشمینہ پلٹ کر ان کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اشتارا کی شریر نگاہوں سے بے حد نروس ہو رہی تھی۔

''ہائے ہشمینہ! میں کیمرہ تو لانا ہی بھول گئی۔ تمہارے بیگ میں تو نہیں ہے کہیں؟'' بھابی اپنا بیگ ٹٹول کر بولیں۔

''نہیں ــــ میرے پاس تو نہیں ہے۔ آپ نے نکال کے تو رکھا تھا۔''

''ہاں، شاید وہیں میز پر رکھا رہ گیا۔ ٹھہرو ــــ میں ابھی جا کر لے آتی ہوں۔''

''ہائیں ــــ واپس جائیں گی آپ؟'' ہشمینہ نے انہیں دیکھا۔

''ہاں، تو کیا ہوا ــــ زیادہ دُور تو نہیں ہے ــــ کیوں اشتارا! سامنے ہی سے آئے ہیں نا؟''

''ہاں ــــ سامنے اُس پہاڑی سے اُتر کر دائیں طرف ہی تو گھر ہے۔'' اشتارا نے کہا تو وہ خوش ہو گئیں۔

''اتنی حسین جگہ کی تصویر میں نہ لوں گی تو تا عمر افسوس رہے گا۔'' وہ بھاگیں اور ہشمینہ اُن کی دیوانگی پر مسکرا کر رہ گئی۔

بھابی کے جانے کے بعد دونوں نے زیادہ آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور قریبی پتھر پر بیٹھ گئیں۔

''تم نے بتایا نہیں؟'' اشتارا نے اُسے دیکھا۔

''کیا؟''

''یہی کہ اشمل لالہ تمہیں کتنے اچھے لگتے ہیں؟'' اُس کی شوخی پھر عود کر آئی تو ہشمینہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اُسے دیکھا۔

''بتاؤں؟''

''ہاں بتاؤ۔''

''اتنا جتنا تمہیں ذولین خان اچھا لگتا ہے۔'' اُس کا جملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ اشتارا ساکت رہ گئی۔ سنہری آنکھوں پر سایہ فگن پلکیں جھک گئیں۔

''ہا، ہا، ہا ــــ اب بتاؤ کہ تمہیں ذولین کتنا اچھا لگتا ہے؟'' ہشمینہ اُس کی ساری شوخی کو شرم میں بدلتے دیکھ کر ہنسنے لگی۔

''بہت بری ہو تم۔'' وہ خفیف ہو گئی۔

''ارے واہ ــــ میں بری ہو گئی۔ میں نے تو صرف یہی پوچھا ہے جو تم مجھ سے

Marfat.com

پوچھ رہی تھیں۔"

اشتارا نے بس لمحہ بھر دیکھا اور پھر جھینپ کر پلکوں کی باڑھ دوبارہ گرا لی۔

اسی دم دونوں کی نگاہیں چھوٹی سڑک کی جانب اُٹھ گئیں جہاں سیاہ جیپ فراٹے بھرتی اسی طرف آ رہی تھی۔

"اشمل لالہ کی جیپ ہے یہ تو۔" اشتارا ایک دم کھڑی ہو گئی۔ "لگتا ہے انہیں علم ہو گیا ہے کہ ان کے بارے میں ہم باتیں کر رہے ہیں۔" وہ ہنسی۔ پھر ہشمینہ کو دیکھ کر بولی۔

"وہ ادھر ہی آ رہے ہیں، شاید تمہارا پیچھا کرتے ہوئے۔ گل بی بی کے گھر جو تم نہیں ملی ہو گی۔" اُس کی بات پر ہشمینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

اشتارا کا اندازہ درست تھا۔ جیپ سامنے رک گئی تھی اور اس میں سے اشمل خان اُتر رہا تھا۔

اُس کی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔ نہ جانے کیوں وادی میں ہر بار اُس کا سامنا کرنے پر اُس کی کیفیت ایسی ہی ہو جاتی۔ شاید رومان پرور ماحول کا اثر ہوتا تھا یا پھر اشمل خان کی بھوری آنکھوں میں ہلکورے لیتے رنگ میں ہی قیامت جھلکتی تھی۔ اُس کا دل پسلیوں میں بے قرار ہو کر مچل اُٹھتا۔

لبوں کی معنی خیز مسکراہٹ اُس کی رگوں میں مچلتے خون میں طوفان مچا دیتی۔ اُسے اشمل سے بے طرح شرم آنے لگتی۔

وہ ان دونوں کے قریب آ چکا تھا۔

سیاہ سوٹ اور سرخ شال میں وہ جھینپی جھینپی اپنے دل کی حالت کو سنبھالنے میں سرخ ہو رہی تھی۔ اُس کے لبوں پر وہی دل موہ لینے والی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ہشمینہ نے جلدی سے رخ موڑ لیا۔

"یہ تم کہاں کہاں گھومتی پھر رہی ہو؟" وہ اُسے نظر انداز کرتا اشتارا سے مخاطب ہوا جو ہشمینہ کی حالت سے خوب محظوظ ہو کر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

"مہمانوں کو اپنے علاقے کی سیر کرا رہی تھی ـــــ آپ نہیں جانتے انہیں، یہ گل بی بی کی خاص الخاص مہمان ہیں۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے ہشمینہ کی پشت کی طرف دیکھا۔ سرخ شال کے نیچے سے اُس کی لانبی چوٹی نظر آ رہی تھی۔

"اچھا ـــــ مگر گل بی بی کے تو سارے اہم اہم مہمان جا چکے ہیں۔ پھر یہ کیوں نہیں گئیں؟" وہ لاپرواہی سے بولا تو اشتارا کے لبوں پر مسکراہٹ چھلک آئی۔

Marfat.com

''میں نے کہا نا، یہ خاص الخاص ہیں۔ ارے ہشمینہ! ملو نا اشمل لالہ سے۔'' اُس نے بالکل اچانک اُس کا ہاتھ پکڑ کر رُخ اشمل کی جانب موڑ دیا۔ یہ جملہ بالکل غیر متوقع اور اچانک تھا۔ ہشمینہ سٹپٹا گئی۔

''اچھا ــــ تو یہ ہیں گل بی بی کی خاص مہمان۔'' اُس نے لبوں کا ایک گوشہ دانتوں میں دبا کر اُسے دیکھا۔

''جی ــــ یہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں آپ کی۔''

''پڑھتی ہیں یا پڑھتی تھیں؟'' اشمل کے منہ سے بے ساختہ جملہ پھسلا تھا۔

''تو آپ جانتے ہیں انہیں؟'' اشتارا نے حیرانی ظاہر کی تو اشمل گڑبڑا گیا۔

''م....... میں نہیں بھئی، میں انہیں کیسے جان سکتا ہوں؟''

''تو اب جان لیجئے نا۔ ویسے لالہ! وادی کے لوگ جھوٹ بولتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔'' وہ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ پھر اچانک بولی۔ ''میں بھابی کو دیکھتی ہوں۔ نہ جانے وہ کہاں رہ گئی ہیں۔'' وہ پلٹ کر بھاگی۔ اشمل اُس کے یوں بھاگنے پر حیران رہ گیا۔ ہشمینہ سمجھ گئی اس نے جان بوجھ کر ان دونوں کو بات کرنے کا موقع دیا ہے۔

وہ دونوں چند ثانیے ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے رہے۔ پھر اشمل خان دھیرے سے بولا۔

''یہ تم عورتیں کوئی راز، راز ہی نہیں رکھ سکتیں۔''

''کیا.......آپ کا مطلب ہے اسے میں نے کچھ بتایا ہے؟'' ہشمینہ نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

''میرا تو یہی خیال ہے۔'' اُس نے شانے اُچکائے تو ہشمینہ کا چہرہ تپ اُٹھا۔

''آپ کا خیال غلط ہے۔ وہ آپ کی بہن ہے۔ اور ظاہر ہے آپ کی جانب سے ہی اُسے.......'' اُس نے بادل نخواستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور لب بھینچ لئے۔

اشمل نے اُسے دیکھا وہ خفا سی ہو رہی تھی۔

''ویسے کہتے ہیں لوگ کہ عشق اور مشک چھپ نہیں سکتے۔ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔'' اُس نے اپنی سرمئی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اُسے بغور دیکھا۔ ''میں آج جا رہا ہوں واپس۔''

''اتنی جلدی؟'' وہ بے ساختہ بول اُٹھی۔ پھر جھینپ گئی۔ ''م...... میرا مطلب ہے کہ.......''

Marfat.com

''تو کیا تمہارا واپس شہر جانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' اُس نے اُس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے پوچھا تو وہ پلکیں اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگی اور ہولے سے مسکرا دی۔

''سچ کہوں اشمل! اتنا حُسن، اتنا خلوص اور اتنے پیارے لوگوں کے درمیان سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔'' اُس نے سچائی کے ساتھ کہا۔۔۔۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے گل بی بی، شاندانہ، اشتارا سب کے چہرے بنتے اور مٹتے گئے۔

''اس کا مطلب ہے اب جلد کچھ انتظام کرنا ہوگا۔'' وہ ہنسا۔

''اوہ، نہیں۔۔۔۔ میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔'' وہ گڑبڑا گئی۔

''آج کل شاہ خانم میری شادی کے لئے بے تاب ہو رہی ہیں۔'' اُس نے قدرے توقف کے بعد لاپرواہ سے انداز میں اُسے اطلاع دی۔

''تو پھر کر لیں۔۔۔۔ کس نے روکا ہے؟'' وہ پلٹ کر آگے چلنے لگی۔

''جانتی ہو انہوں نے لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔'' وہ اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ رک گئی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکا۔ ''سحر گل اچھی لڑکی ہے۔۔۔۔ فیصل ماموں کی بیٹی۔ میں نے سوچا کہ کم از کم منگنی ہی کر لوں۔ مگر پھر۔۔۔۔۔''

''اش۔۔۔۔۔مل۔۔۔۔۔'' وہ یکدم پلٹی۔ اُس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور لب کپکپا گئے۔ شاہ خانم نے اُس کی زندگی کا فیصلہ کر لیا تھا تو یقیناً اب اشمل اس سے سرتابی نہ کر پائے گا۔

''سحر گل۔۔۔۔''

یہ نام اُس کے سارے وجود کو ہلا گیا۔

''اشمل! وہ بہت اچھی لڑکی ہے کیا؟'' اُس کی سیاہ خوبصورت آنکھوں کے فرش گیلے ہو گئے تھے۔

''ارے ہشمینہ!'' اشمل اُس کی بدلتی حالت سے گھبرا کر اُس کی طرف بڑھا۔

''ارے بے وقوف لڑکی! یہ صرف مذاق ہے۔ تم نے سچ سمجھ لیا۔'' وہ مسکرانے لگا۔

''اشمل! یہ شاہ خانم کا فیصلہ۔۔۔۔۔''

''کم آن ہشمینہ! بی ایزی۔۔۔۔ میں نے کہا نا، یہ صرف ایک مذاق ہے بس۔''

''کیا واقعی؟'' اُس نے اپنی بھیگی پلکیں جھپکیں۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

اُس کے سارے اندیشے رفع ہونے لگے۔

اتنا خوفناک مذاق۔۔۔۔ اُس نے جھرجھری لے کر آنکھیں موند لیں۔ اشمل نے اُسے

Marfat.com

دیکھا۔ اُس کے رخساروں کی رنگت پھر لوٹ آئی تھی۔

''ہشمینہ! اتنی شدت سے چاہتی ہو مجھے؟'' اُس نے اُس کے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

اُس کے مذاق میں کہے جملوں نے اُسے لرزا ہی دیا تھا۔ اُس کی حالت کو یکسر بدل دیا تھا۔ وہ کسی معصوم بچے کی طرح بلکنے کو تیار تھی۔

''مجھ سے ایسا جان لیوا مذاق نہ کیجئے گا اشمل خان! میرے لئے تو کوئی ایسا خیال ہی بہت برا ہے۔'' اُس نے خود کو سنبھالا۔

''پاگل لڑکی! تمہیں اس پہاڑی شخص نے چاہا ہے جس کی محبت بھی ان پہاڑوں کی طرح مضبوط، اٹل اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ ہم اڑیل لوگ زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتے ہیں اور اپنی ساری زندگی اسی پر قربان کر دیتے ہیں۔''

اشمل کا لہجہ مضبوط تھا۔ ہشمینہ کی رگوں میں طمانیت انگیز ٹھنڈک سرایت کر گئی۔

+++

ماہ گل نے دیکھا، سحر گل کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ ایسی جیسے کوئی وزنی بوجھ اُتارنے کے بعد مزدور کے لبوں پر چھا جاتی ہے۔ ایک اطمینان ان سرخ، روئی روئی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔ دُکھ اور خوشی کے مشترکہ احساس سے اُس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور بے اختیار ماہ گل سے لپٹ گئی۔

''آپی! سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے خوش ہونا چاہئے یا دُکھی۔'' وہ رُندھی آواز میں بولی۔ ماہ گل اُسے تھام کر صوفے پر لے آئی۔ اُسے خیال گزرا کہ وہ شاید اُس کے اور مسعود کے تعلقات استوار ہو جانے پر خوش ہے اور اُس کے اب یہاں سے چلے جانے پر اُداس۔

وہ ہولے سے مسکرائی۔ ''کیوں سحر! کیا بات ہے؟'' اُس نے اس کا سر اونچا کیا۔

اُس کے آنسو اب خشک ہو گئے تھے اور چہرے پر گہری سنجیدگی آویزاں تھی۔

''آپی! فضہ آئی تھی۔'' اُس نے ٹھہر کر بتایا۔

''فضہ....... کیوں؟''

''آپی! منصور کا بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا___ منصور، وہی لڑکا جو......''

اُس نے بادلِ نخواستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ منصور کے ذکر پر اُسے جھجک نے آ گھیرا۔

Marfat.com

''ہاں، ہاں۔ یاد ہے۔'' ماہ گل نے سر ہلایا۔ ''کس طرح ہو گیا اُس کا ایکسیڈنٹ؟'' وہ پوری طرح متوجہ ہو گئی۔

''فضہ بتا رہی تھی کہ وہ کسی کالج گرل کے پیچھے آج کل چکر لگا رہا تھا اور اس دن اس کے پیچھے اسکوٹر بھگا رہا تھا کہ سامنے سے آتے ٹرک نے اُسے کچل دیا۔ اس حادثے میں اُس کی ایک ٹانگ بھی ضائع ہو گئی ہے۔''

''اُف، توبہ ـــــ'' ماہ گل کے دل کو دھچکا سا لگا۔ وہ صوفے سے اُٹھ گئی۔

''بہت بڑا حادثہ تھا ـــــ دوسرے بھی کئی گہرے زخم آئے تھے۔''

''ہاں ...... ایسا ہی ہوتا ہے ـــــ دوسروں کے گھروں میں آگ لگانے والے خدا کے عتاب سے دنیا میں بھی نہیں بچ سکتے۔ بہنوں، بیٹیوں کے سر سے ردا کھینچنے والے بھی نہ کبھی گرفت میں ضرور آتے ہیں۔'' ماہ گل کے لہجے میں تاسف تھا۔

''آپی! اُس کے ماں باپ نے تو اُسے پہلے ہی گھر سے نکال دیا تھا، جب فضہ کے والدین نے اُس کا علاج کروایا ہے۔ وہ اب فضہ کے گھر ہی رہ رہا ہے۔ آپی! وہ فضہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' سحر گل دھیرے سے بولی۔ ''میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا نا کہ اُس نے فضہ کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا کیا تھا۔ اور فضہ کی پیشانی کا داغ یہی منصور تھا...... اب وہ فضہ کے آگے گڑگڑاتا رہتا ہے۔ پتہ ہے آپی! اُس نے فضہ سے کہا کہ وہ مجھ سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔ بلکہ سب سے، جس جس کو اُس نے ستایا ہے۔''

سحر گل اُٹھ کر ماہ گل کے قریب آ گئی۔

''آپی! جب تک یہ مرد کسی بڑے سانحے سے نہیں گزرتے، خود ٹھوکر نہیں کھاتے، انہیں دوسروں کی زندگی کی اہمیت، اُن کی عزت کا احساس نہیں ہوتا۔ اب وہ بھی فضہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ اب وہ اپاہج ہو گیا ہے۔ اسے کوئی سہارا دینے والا نہیں۔ مگر جب تک وہ اس حال میں نہ پہنچا تھا، تندرست اور مکمل تھا، فضہ کی زندگی سے کھیل کر اُس کی بے بسی کا تماشہ دیکھتا رہا۔ فضہ اُس کی منتیں کرتی رہی، اُس کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنی زندگی کی بھیک مانگتی تھی، شادی کے لئے گڑگڑاتی تھی اور آج......'' سحر گل کی آواز جذبات کی یورش سے بھاری ہو گئی۔ ''آج فضہ بہت خوش تھی۔ اُس کی خاموشی اور صبر کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ اُس کے آگے روتا ہے۔ مگر آپی! عورت اتنی وسیع القلب کیوں ہوتی ہے؟ اتنا ہمدرد اور گداز دل کیوں رکھتی ہے؟ ـــــ آپی! اُس نے منصور سے شادی کی حامی بھر لی ہے۔''

Marfat.com

ماہ گل نے چونک کر اُسے دیکھا۔ ''اس لئے سحر جان! کہ اگر عورت بھی مرد کی طرح تنگ ذہن، تنگ دل اور بے حس ہو جائے تو خود اس کے لئے بھی دنیا تنگ ہو جائے گی۔ زندگی اُس کے لئے زہر بن جائے گی۔ اگر عورت بھی مرد کی طرح بے وفا ہو جائے تو یہ دنیا بہت بدصورت اور ہیبت ناک ہو جائے گی۔'' ماہ گل نے سحر کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

''سحر جان! اگر میں مسعود کو ٹھکرا دیتی، اپنی ضد پر قائم رہتی، اس طرح بے حس بنی رہتی تو جانتی ہو کیا ہوتا؟ ــــ وہ مرد ہے، جو زیادہ عرصہ تک اپنی انا کے تخت سے نیچے نہیں رہ سکتا۔ وہ پلٹ جاتا۔ اور اس گھر میں پھر اُداسیاں سمٹ آتیں۔ ماں باپ کا سر جھک جاتا۔ ہوسکتا ہے زمان، مسعود سے متنفر ہو کر شاردا سے پھر دور ہو جاتا۔ اس طرح ایک اور عورت دُکھوں سے ہمکنار ہو جاتی۔ یہ گھر جہنم بن جاتا ــــ سچ تو یہ ہے سحر! کہ عورت ہی سارے رشتوں کو نبھاتی ہے۔ ساری رواداریاں اپنے کندھوں پر اٹھاتی ہے ــــ مرد تو صرف اس وقت تک اس کے ہمراہ چلتا ہے جب تک اس میں یہ سب کرنے کا دم رہتا ہے۔''

''ہاں آپی! تم شاید ٹھیک کہتی ہو۔'' سحر گل اس سے الگ ہو کر دھیرے سے بولی۔

''اے، میں یہ کہاں کی باتیں لے بیٹھی۔ تم نے بتایا نہیں پھر کہ فضہ اُس سے شادی کب کر رہی ہے؟''

''ہاں ــــ اس ماہ کے آخر میں اس کی شادی ہے ــــ مسعود بھائی آ رہے ہیں نا آپ کو لینے؟'' اُسے اچانک یاد آ گیا تو ماہ گل بھی چونکی۔

''ہاں ــــ'' اُس نے سر ہلا دیا۔ اُس کے رخساروں کی رنگت گہری ہوگئی۔

مسعود شاہ کے نام پر اُس کا دل اب بھی ایسے ہی دھڑکتا تھا جیسے کسی اَن چھوئی کلی کو کوئی نرم گداز ہاتھ چھو لے۔

''ارے مجھے تو یاد ہی نہیں رہا ــــ ابھی تو تیار بھی ہونا ہے۔ وہ جلد آئیں گے۔ گڈو کہاں ہے؟'' اُسے یکدم اپنی تیاری کا خیال آ گیا۔

''وہ باہر کھیل رہا ہے۔ میں لے آؤں؟'' سحر گل جلدی سے بولی۔

''نہ..... نہیں، میں لے آتی ہوں۔ اُسے تیار بھی کرنا ہے۔'' وہ اُسے روک کر خود کمرے سے باہر نکل گئی۔

''خدا آپ کو بچی خوشیاں دے آپی! ــــ آپ کا گھر سدا ہنستا بستا رہے۔ آپ اور مسعود بھائی شاہراہ زندگی پر ہمیشہ ایک ساتھ خوشی سے چلتے رہیں۔'' اُس نے صدق دل سے دعا مانگی۔

Marfat.com

کتنے بوجھ ایک ساتھ اُترے تھے دل و دماغ سے۔
کتنی بہت سی خوشیاں ملی تھیں ایک ساتھ جنہیں سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔
شارادا بھابی کا خوش رنگ چہرہ۔
ماہ گل آپی کا ہنستا وجود۔
فضہ کی جیت۔
یہ سب کسی خوش آئند منظر کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ اُس نے خود کو صوفے پر گرالیا اور سرشار انداز میں آنکھیں موند لیں۔ تب امی کی آواز اُبھری۔
''سحر ـــــ!''
اُس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔
''ذرا شاہ خانم کا فون تو ملانا۔''
''کیوں ـــــ خیریت مما؟'' سحر گل حیران ہوئی۔
''کئی دن ہو گئے ہیں، بات نہیں ہوئی اُن سے۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔
''جی نہیں ـــــ کچھ اور بات ہے۔'' سحر گل مسکراتی ہوئی فون کی طرف بڑھی۔
''کہیں اشتارا کے سلسلے میں تو ـــــ؟'' اُس نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ امی بے ساختہ ہنس دیں۔
''آپ نے اُن سے بات تو کی تھی جب ہم حویلی گئے تھے۔ انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟''
''ہاں ـــــ اسی سلسلے میں تو پوچھنا ہے۔ اس وقت تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اُن کے انداز میں انکار ہرگز نہیں تھا۔ بس انہیں تو مہروز بھائی سے پوچھنا تھا۔'' امی اُٹھ کر اُس کے قریب آ گئیں۔ ''تم جلدی سے نمبر تو ملاؤ۔''
''نہیں امی! آپ شاہ خانم کو فون نہیں کریں گی۔'' فروان کی آواز دروازے سے اُبھری تو امی اور سحر گل ایک ساتھ پلٹیں۔
فروان کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔
''میرے اور اشتارا کے رشتے کے سلسلے میں آپ شاہ خانم سے کوئی بات نہیں کریں گی۔'' وہ اندر آ گیا۔ اُس کا لہجہ اٹل تھا۔ سحر گل کو جھٹکا لگا۔
''کیا کہہ رہے ہو فرو! ـــــ تم ہوش میں تو ہو؟'' امی استعجاب سے اُس کی طرف بڑھیں۔

Marfat.com

''آپ کو میرے لئے اتنی دُور سے لڑکی لانے کی کیا ضرورت ہے ـــــ کیا کوئی قریب قریب نظر نہیں آئی؟'' وہ یہ کہتے ہوئے اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گیا۔

''ہائے فروان! ـــــ یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' سحر گل نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ اُسے اُس کی دماغی حالت پر شک سا گزرا۔ کہاں وہ اشتارا کے قصیدے پڑھتے نہ تھکتا تھا، اُس کی آنکھوں کی چمک اور لبوں کی مسکراہٹ سحر گل سے چھپی تو نہ تھی۔ اور پھر وہ ذو معنی جملے۔ یہ سب مذاق تو ہرگز نہیں تھا۔ لاکھ وہ شوخ اور شرارتی تھا مگر اس قدر بھونڈے مذاق کی توقع فروان سے وہ نہیں کرسکتی تھی۔

''ہاں امی! میں اشتارا سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔'' اُس نے بے حد واضح الفاظ میں کہا تو امی کا منہ بن گیا۔

''یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔

''کیا ـــــ؟'' وہ اچھل پڑا۔ ''شادی میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ اور اس میں آپ کی پسند، ہرگز نہیں۔ زندگی مجھے گزارنی ہے امی! اور ظاہر ہے میں اپنی پسند کو اولیت دوں گا۔ یہ کوئی کھیل تو نہیں ہے۔'' وہ خطرناک حد تک سنجیدہ ہوگیا۔

''ہاں ـــــ میں بھی یہی کہتی ہوں کہ یہ کوئی کھیل نہیں ہے۔ میں شاہ خانم سے بات کرچکی ہوں۔ اور انہیں یقیناً کوئی انکار نہیں ہوگا۔ تم چاہتے ہو میں بات چھیڑ کر اب خود پہلو تہی کروں۔ ہرگز نہیں۔''

''تو آپ نے مجھ سے اس وقت کیوں نہیں پوچھا؟ ـــــ مجھ سے بلا اجازت رشتہ کی بات کیوں چھیڑ دی؟'' وہ برہم سا صوفے سے کھڑا ہوگیا اور امی کو شاک لگا۔

''تم ......تم ......فروان! تم بھی زمان کی طرح اب اُلجھ رہے ہو جب تیر کمان سے نکل گیا ہے ـــــ مجھے اپنی ہی نند کے سامنے رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہو؟'' وہ صوفے پر ڈھے گئیں۔

فروان کا تنا تنا چہرہ اور آنکھوں میں جھلکتی پتھر ضد اُنہیں اندر ہی اندر سے دہلا گئی۔ اُن کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ فروان بھی زمان کی طرح اُسی کے رنگ میں کھڑا ہوگا۔ وہی انداز، وہی پتھریلا لہجہ ـــــ یا الٰہی!

''امی ـــــ امی! آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں بھی زمان کی طرح اپنے قیمتی جواں سات سال اسی انداز میں گزار دوں ـــــ سرد رویوں اور منجمد جذبوں کے ساتھ؟ ـــــ اور شاردا بھابی کی طرح بے قصور ہوتے ہوئے بھی اشتارا سراسر

Marfat.com

قصور وار ٹھہرائی جائے؟ ــــ وہ بھی وہی دُکھ اُٹھائے جو ماہی آپی اور شاردا بھابی نے اُٹھائے ایک مرد کے ہاتھوں؟''

فروان کی آنکھوں میں گہری یاسیت سمٹ آئی۔ بہرکیف اس دکھ سے کہیں زیادہ اشتارا کو پالینے کا دکھ ہوتا اُسے۔ وہ اُس کی تھی ہی کب۔ اُس کا دل جب کسی اور کے نام پر دھڑکتا ہو تو وہ محض جسمانی طور پر اُسے پا بھی لے تو نا آسودہ ہی رہے گا۔

اُس نے بے چینی سے انگلیاں مسلتے ہوئے امی کو دیکھا جو ناگوار نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ پھر وہ اچانک کھڑی ہو گئیں۔

''اشتارا کو ناپسند کرنے کا جواز کیا ہے؟'' انہوں نے سیدھا فروان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ پلکیں جھکانے پر مجبور ہو گیا۔

''جو شخص ناپسند نہ ہو، ضروری نہیں کہ وہ پسند ہی ہو۔ بس میں اُسے اپنی کزن سمجھتا ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں۔'' اُس کا لہجہ قطعی تھا۔

''ایسی بے معنی باتیں مت کرو مجھ سے۔ میں جانتی ہوں تمہارے پاس انکار کا کوئی جواز نہیں۔ اور کان کھول کر سن لو ــــ اشتارا ہی میری بہو بنے گی۔ اور میں شاہ خانم سے بات چھیڑ چکی ہوں۔ اور میرا یہ فیصلہ پتھر کی لکیر سمجھ لو۔'' امی کا لہجہ از حد تلخ اور مضبوط تھا۔ وہ رُکیں نہیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

فروان نے بے چارگی سے اُنہیں جاتے دیکھا اور پھر لبوں کو دانتوں میں جکڑ لیا۔

''فرو! یہ تم یکایک اتنی بدلی بدلی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' سحر گل اُس کی طرف بڑھی۔ امی کی موجودگی میں وہ فون اسٹینڈ کے پاس دبکی کھڑی ہوئی تھی۔ فروان کی باتوں سے اُس کے اعصاب کو جھٹکا سا لگا تھا۔

''سحر! میں اشتارا کو منافقت کی زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتا۔ نہ ہی اتنا وسیع القلب اور اعلیٰ ظرف ہوں کہ کسی ایسی لڑکی کا شوہر کہلاؤں جو اپنے دل میں کوئی نرم اور روایتی جذبے نہ لا سکے۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا اور سحر گل کو حیران چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اُف خدایا!'' سحر گل نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کر کے خود کو سنبھالا۔ وہ اتنی کم فہم یا سادہ لوح ہرگز نہ تھی کہ فروان کے جملوں سے اُس کا مفہوم اخذ نہ کر پاتی۔ تو کیا اشتارا کسی اور کو پسند کرتی ہے؟'' اُس نے بے حد تحیر سے سوچا۔

+++

Marfat.com

مہروز خان کو گل بی بی نے خصوصی طور پر بلوایا تھا۔ وہ زمینوں سے واپسی پر گل بی بی ہی کی طرف چلے آئے۔ بیٹی کی شادی کے بعد صبغت خان کا مزاج بھی یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ انہوں نے مہروز خان کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور خاصی آؤ بھگت کی۔

''آپ تو بڑے لوگ ہیں۔۔۔۔ کبھی کبھار غریب خانے پر تشریف لاتے ہیں۔''

صبغت خان کے لبوں پر شکوہ مچل گیا۔ مگر اُن کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ شگفتہ تھا۔ مہروز خان مسکرا کر رہ گئے۔ وہ کافی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، پھر اپنے کام پر چلے گئے۔ تب گل بی بی بھائی کے پاس آ بیٹھیں۔

''شاندانہ کیسی ہے۔۔۔ خیریت سے تو ہے؟'' مہروز خان نے پوچھا۔

''ہاں، اللہ کا فضل ہے۔ اور پھر دن ہی کتنے ہوئے ہیں اُسے رخصت ہوئے۔'' گل بی بی نے ان کے سامنے گرم گرم قہوہ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر حور مینا کو آواز دینے لگی۔

''مینا! جاؤ باورچی خانے میں ٹرے رکھی ہے، وہ لے آؤ۔''

''ارے، ارے۔۔۔۔ گل! کچھ تکلف مت کرنا بھئی۔'' مہروز خان جلدی سے بولے۔

''شاندانہ کا باپ دے گیا ہے چیزیں۔ اُن کے مزاج کی تو آپ کو خبر ہے، جلدی برا مان جاتے ہیں۔'' گل بی بی مسکرائیں اور پھر حور مینا کے ہاتھ سے لوازمات سے سجی ٹرے لے کر مہروز خان کے سامنے رکھ دی۔

''تمہارے شہر کے مہمان چلے گئے؟''

''ہاں۔۔۔۔ بس نند کی بیٹی ہشمینہ ہے۔ اشتارا نے اُسے زبردستی روک لیا ہے اُسے۔ اپنے ساتھ حویلی لے کر گئی ہے۔'' گل بی بی نے بتایا۔ ''مہروز لالہ! آپ تو کچھ لے ہی نہیں رہے۔ اگر ٹرے یونہی سجی رہی نا تو شاندانہ کا باپ مجھ پر خفا ہو گا کہ ہم غریبوں کا شاید حویلی والوں کو کچھ پسند نہیں آتا۔'' گل بی بی کہہ کر مسکرائیں۔ مہروز خان بھی ہنس دیئے۔

''کیسی باتیں کرتی ہو گل!۔۔۔۔ اچھا، تم نے مجھے بلوایا تھا۔ کیا کوئی خاص بات ہے یا بس یہ ٹرے خالی کرنے کے لئے ہی بلایا تھا؟'' مہروز خان نے کہا تو گل بی بی گہری سوچ میں کھو گئیں۔

وہ الفاظ تلاش کرنے لگیں کہ بات کا آغاز کس طرح کریں۔ کل ذولین نے اُن سے جو کچھ کہا تھا وہ اُن کے لئے بے پایاں خوشی کا باعث تھا۔ مگر کیا خبر مہروز خان اسے کس

Marfat.com

رنگ میں لیں۔ اور پھر بات صرف مہروز خان تک تو ختم نہیں ہوتی، شاہ خانم کا کردار ہر فیصلہ میں بھرپور ہوتا تھا۔

انہوں نے متفکر سی نظر مہروز خاں پر ڈالی۔

''کیا بات ہے گل! تم کچھ پریشان ہو؟'' مہروز خان کو اُن کی خاموشی پر کچھ تشویش ہوئی۔

''بس لالہ! بات میری تو نہیں، مگر ایک طرح سے میری ہی ہے۔'' گل بی بی جیسے خود سے بولیں اور پھر سوچ کر کہنے لگیں۔ ''ذولین، فیروز لالہ کی نشانی ہے ___ اور میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں بے حد عزیز ہے۔ اشمل سے بھی زیادہ۔''

''کک...... کیا ہوا ذولین کو؟'' مہروز خان اُن کی ادھوری بات پر گھبرا گئے۔ یہ حقیقت تھی کہ ذولین ان کے خون میں بس رہا تھا۔ انہیں بے حد عزیز تھا۔

''نہیں لالہ! سب خیریت ہے۔'' گل بی بی جلدی سے بولیں۔ ''دراصل بات یہ ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ ذولین کی شادی اشتارا سے ___ میرا مطلب ہے کہ......''

''گل......'' مہروز خان نے اُس کی بات کاٹ دی اور سر جھکا کر بے چینی سے قہوہ کی پیالی پر انگلیاں پھیرنے لگے۔

''کیوں..... کیا تمہیں انکار ہوگا؟'' گل بی بی کا دل لرزا۔

''بات میرے انکار کی نہیں ___ اور پھر یہ تو تمہاری خواہش ہے گل! وہ مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس سے مجھے کبھی بھی انکار نہیں۔ لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ میں اس سے اپنی محبت کے بدلے یہ فیصلہ اس پر مسلط کر دوں۔ وہ عاقل بالغ ہے ___ اُسے پورا اختیار ہے۔ اور وہ اس معاملے میں بھی آزاد ہے۔''

''مہروز لالہ! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔'' گل بی بی زور سے ہنس دیں۔ اُن کے حلق میں اٹکی سانسیں پھر سے رواں ہوگئیں۔ انہوں نے ایک نظر مہروز خان پر ڈالی اور پھر آہستگی سے گویا ہوئیں۔

''یہ صرف میری خواہش ہی نہیں، خود ذولین کی بھی یہی خواہش ہے۔ اُس نے مجھ سے خود کہا ہے کہ وہ اشتارا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اور کہا کہ میں اس سلسلے میں آپ سے بات کروں۔''

''کیا ___ ذولین نے تم سے یہ کہا ہے؟'' مہروز خان بے یقینی کی سی کیفیت میں گل بی بی کو دیکھتے رہ گئے ___ بات صرف رشتے ہی کی نہیں، ذولین کی پسند کی بھی ہو

Marfat.com

رہی تھی۔

''ہاں ـــــ اور سچ پوچھو تو مہروز لالہ! ذولین تو ہیرا ہے۔ سچا ہیرا ـــــ اور پھر ہمارا اپنا خون ہے۔ اُس نے خود اشتارا کا ہاتھ مانگا ہے۔ پہلی بار ہی تو اُس نے کچھ مانگا ہے۔ اُسے مایوس مت کرنا لالہ! ـــــ اُسے عزت بخشنا۔'' گل بی بی کی آواز بھاری ہوگئی۔

ذولین کی خاطر تو وہ مہروز خان سے لڑ کر بھی اُس کی خواہش کا دم بھرنے کو تیار تھیں۔ کتنے چاؤ سے اُس نے کہا تھا ـــــ ''گل بی بی! میں اشتارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میں اس قابل ہوں؟'' اس لمحے اُس کی سبز آنکھوں میں کتنے ہیرے دمک رہے تھے۔ لبوں پر کتنی دلفریب مسکراہٹ سجی تھی۔ اور انہوں نے پیار سے اس کی فراخ پیشانی چوم لی تھی اور اسی لمحے سوچ لیا تھا کہ وہ اُس کی آنکھوں میں دمکتے یہ سپنے بکھرنے نہیں دیں گی۔

اُدھر مہروز خان کے دل میں اس نرم جملے نے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی جو بیک وقت انہیں سرشار بھی کر گئی اور ملول بھی۔ گل سچ ہی تو کہہ رہی تھی کہ اتنے برس گزر گئے، اس بن ماں باپ کے بچے نے اُن سے کچھ بھی تو نہیں مانگا تھا۔ محبت اور توجہ بھی نہیں۔ وہ تو خود ہی محبت لٹاتے آئے تھے اُس پر۔

کتنا صابر تھا وہ ـــــ اور وہ کتنے لاپرواہ ہوگئے تھے اُس سے ـــــ اتنا توانا جوان ہو گیا تھا ـــــ اور ابھی تک اُس کی شادی کا سوچا تک نہ تھا۔ شاہ خانم، اشمل کی شادی کے لئے کتنی بے چین تھیں۔ ماں تھیں اسی لئے جوان اولاد کی خوشیاں اور دُکھ نظر میں رکھتی تھیں۔ مگر ذولین؟

'نجانے میں نے اپنی ذمہ داری میں کہاں کہاں کوتاہیاں کی ہوں گی ـــــ کہاں کہاں ناانصافی کا مرتکب ہوا ہوں گا ـــــ' یہ خیال، یہ احساس اُن کے خون میں اب بھی سلگ رہا تھا۔

''تم نے کوئی جواب نہیں دیا لالہ!'' گل بی بی دھیرے سے بولیں۔

''آں .... ہاں .... کیا جواب دوں گل! ایسی خوشی، ایسا سرور تو دل نے کبھی محسوس نہیں کیا ـــــ یوں لگ رہا ہے جیسے سینکڑوں پھول میرے قلب میں مہک اُٹھے ہوں۔ میرے بیٹے نے مجھے بے پناہ مسرور کر دیا ہے ـــــ یہ صرف اُس کی خواہش تو نہیں، یہ تو میری تمنا تھی۔'' مارے خوشی کے ان کی آواز کانپ رہی تھی اور آنکھوں میں ڈھیر سارے جگنو چمکنے لگے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔

''ارے ـــــ آپ بیٹھیے تو۔'' گل بی بی انہیں اٹھتا دیکھ کر بولیں۔

Marfat.com

''نہ ــــ اب تو بیٹھا بھی نہیں جا رہا۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

''میں ذولین سے کیا کہوں لالہ؟'' گل بی بی بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ مہروز خان رُکے، پلٹے اور مبہم سے مسکرائے۔

''تو کیا اب بھی میرے کچھ کہنے کی ضرورت باقی رہتی ہے؟'' گل بی بی مسکرا دیں۔ اور پھر ان کے قریب آ کر بولیں۔''میں جانتی تھی ــــ میرا دل کہتا تھا کہ آپ کا جواب اقرار میں ہی ہو گا۔ آپ ذولین کے پیام کو ہرگز نہیں ٹھکرائیں گے ــــ مگر لالہ! ــــ شاہے تو یہ برداشت نہ کر پائے گی۔'' انہوں نے اپنے دل میں دھڑکتے خدشے کو زبان دے دی تو مہروز خان کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اُن کا چہرہ تن گیا۔

''اشتارا میری بیٹی ہے۔ اُس پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا شاہے کا ــــ اور آج تک اس نے جو چاہا وہی کیا ہے ......اب کچھ فیصلے اسے میرے بھی قبول کرنے ہوں گے۔'' وہ یہ کہہ کر سرعت سے باہر نکل گئے۔

گل بی بی کے گھر سے وہ سیدھے حویلی میں آ گئے۔ مگر رہائشی حصے کی طرف جانے کی بجائے ان کے قدم انیکسی کی طرف اُٹھ رہے تھے۔

حویلی کے بیرونی حصے اور لان کی بتیوں نے پوری حویلی کو جگمگا دیا تھا۔ ڈھلتی شام سے ہی حویلی کو روشنیوں سے نہلا دینے کا حکم شاہ خانم کا تھا۔

انیکسی کے کوریڈور کا بڑا سا بلب بھی روشن تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ذولین انیکسی میں موجود تھا۔ وہ اتنی مدت بعد انیکسی کی طرف آئے تھے، ورنہ ہمیشہ ذولین ہی ان کے پاس آتا تھا، کبھی سلام اور خیریت پوچھنے یا کبھی کسی ضروری کام کے سلسلے میں وہ رہائشی حصے کی طرف آتا تھا۔ ورنہ ان دونوں کی ملاقات زمینوں پر ہی ہوتی تھی۔ اُن کے قدم تیزی سے اُٹھ رہے تھے۔

اپنے بیڈ روم سے نکلتے ہوئے ذولین ٹھٹک گیا۔

''چچا خان ......آ ......آپ یہاں......'' اُس کی آنکھوں میں تحیر آمیز بے یقینی تھی۔

''ہاں ...... میں ...... کیا بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟'' مہروز خان مسکرائے تو وہ جلدی سے سنبھل گیا۔

''آں ...... ہاں ...... کیوں نہیں۔ پلیز، بیٹھیے نا۔'' اُس نے جلدی سے سٹنگ روم کا پردہ کھینچ کر کھولا تھا اور مہروز خان صوفے پر بیٹھ گئے۔

Marfat.com

''تمہاری یہ حیرانی بجا ہے ___ کبھی میں یہاں آیا جو نہیں ___ ہے نا؟'' انہوں نے محبت آمیز نظروں سے اُسے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

''آپ بیٹھئے ___ میں آپ کے لئے قہوہ بنا کر لاتا ہوں۔''

''نہیں ___ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔'' اُسے پلٹتے دیکھ کر مہروز خان صوفے سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''ذولین! آج میں بہت خوش ہوں۔'' انہوں نے ذولین کے مضبوط شانوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ ''تم نے مجھے سرخرو کر دیا ذولین! میرے سارے خدشوں کو تم نے دور کر دیا۔'' ان کے لہجے میں تشکر تھا ___ ذولین نے اشتارا کا ہاتھ مانگ کر انہیں فخر ہی تو بخش دیا تھا کہ وہ ذولین کی ذمہ داری سنبھالنے میں کامیاب رہے ہیں ___ وہ اُن سے، اُن کے خاندان سے خائف ہرگز نہیں ہے۔ اب ایک نیا رشتہ جوڑنا چاہتا ہے، اپنی خوشی سے۔

''میں سمجھا نہیں چچا خان!'' وہ ابھی تک حیران تھا۔

اُن کا انیکسی میں آنا۔

اُن کی آنکھوں کی جگمگاہٹ۔

اب یہ جملے ___

یہ سب اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔

''ارے میں نے تو تمہیں پریشان کر دیا۔'' مہروز خان اچانک پیچھے ہٹے اور مسکرائے۔ انہوں نے بروقت خود کو سنبھالا۔

''جاؤ، قہوہ بنا لاؤ ___ آج میں تمہارے پاس بہت دیر تک بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے پُرسکون انداز میں کہا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔ اور ذولین ان کے حکم کی بجا آوری کے لئے تیزی سے کچن کی سمت بڑھا۔ مگر پھر رک گیا۔ احمد جان تو اس وقت تھا نہیں۔ رات کا کھانا تیار کر کے وہ آج جلدی ہی چلا گیا تھا۔

وہ پلٹا اور بابا خان کے پاس آیا۔

''چچا خان! کیا میرے ہاتھ کا بنا قہوہ برداشت کر سکیں گے؟'' اُس نے کہا تو مہروز خان ہنس دیئے۔

''ہاں ___ تمہارے ہاتھ کا ہی پینا چاہتا ہوں۔''

''او کے......'' وہ واپس پلٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ قہوہ کے کپ اٹھائے سٹنگ روم میں آ گیا۔

Marfat.com

''ان کاموں میں بالکل اناڑی ہوں۔'' اُس نے ایک پیالی مہروز خان کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنی نا اہلی کا اعتراف کیا تو مہروز خان ایک شفیق مسکراہٹ سے اُسے دیکھنے لگے اور پھر دھیرے سے بولے۔

''میں گل کے گھر سے سیدھا یہیں آیا ہوں۔''

ذولین ساکت رہ گیا۔ قہوہ کی پیالی جیسے اُس کے لبوں پر چپک گئی___ 'تو پھر گل بی بی نے ضرور ان سے اشتارا کے بارے میں بات کی ہوگی۔ تو کیا ان کی خوشی کا سبب یہی بات ہے؟'

اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ مہروز خان کی طرف دیکھا جو پیالی پر نگاہیں ٹکائے کچھ سوچ رہے تھے۔

وہ دوبارہ اپنی سابقہ حالت میں آ گیا اور دھیرے دھیرے قہوہ پینے لگا۔ تب مہروز خان بولے۔

''ذولین بیٹے! مجھے ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ نجانے انصاف بھی کیا ہے کہ نہیں___ اپنی اولاد سے کم تو تمہیں نہیں چاہا، تمہارا دل میری محبت سے سیراب بھی ہوا ہوگا کہ نہیں؟'' انہوں نے پیالی میز پر رکھ دی۔

''یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں چچا خان! آپ ہی تو میرے لئے وہ مضبوط شجر ہیں جس نے مجھے بچپن سے اب تک بے سائبان نہیں ہونے دیا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''آپ کے یہ اتنے احسانات کیسے چکاؤں گا؟___ مقروض تو میں ہوں آپ کا چچا خان!''

''نہیں ...... نہیں ذولین!___ میرے بچے!'' مہروز خان کا دل بھاری ہو گیا۔ ''تم نے اشتارا کا ہاتھ مانگا ہے تو اس پر تمہارا ہی حق ہے۔ اشتارا میری بیٹی ہے اور تم میرے بھائی کے بیٹے___ میرا خون___ پھر بھلا مجھے کیونکر انکار ہوگا۔''

''چچا خان___'' ذولین ساکت رہ گیا۔

وہ کھڑے ہو گئے۔ اُن کے لبوں پر خود اعتمادی اور یقین سے بھرپور مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

وہ بے تابانہ اُن کی طرف بڑھا اور مہروز خان نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''چچا خان...... آ...... آپ نے مجھے......'' اُس نے بہت کچھ کہنا چاہا۔ تشکر بھرے جملے۔ مگر جذبات کی یورش نے اُس کی قوت گویائی جیسے سلب کر لی تھی۔

''تم تو ہمیشہ سے میرے بیٹے ہو۔'' بابا خان نے اُس کی کشادہ پیٹھ تھپکی اور اس سے

Marfat.com

الگ ہو کر محبت سے اسے دیکھا۔

مہروز خان کے یہ جملے مثل آبِ حیات تھے جو ذولین خان کی پور پور میں زندگی کا نیا رس گھول گئے۔

اُس سے یہ خوشی سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے یکلخت اُس کے اطراف ڈھیر سارے پھول کھل اُٹھے ہوں ـــــ ایسے پھول جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کی خوشبو بالکل مانوس سی تھی۔

اُس کی قسمت کی تحریر چمک اُٹھی تھی۔

آج مہروز خان نے اُس کے سارے اندیشوں کو غلط ثابت کر دیا تھا۔ اُس کے تمام وہموں اور خوف کی چادر کو کاٹ دیا تھا ـــــ اب اُس کی آنکھوں کے سامنے روشنی ہی روشنی تھی۔

مہروز خان جا چکے تھے ـــــ مگر وہ ابھی تک اسی سحر میں کھویا ہوا تھا اور کھویا رہنا چاہتا تھا۔

+++

اُن دونوں نے مکان کے تمام افراد کو اپنے ریوالور کی زد میں لیا ہوا تھا ـــــ

یہ پانچ افراد پر مشتمل گھرانہ ان دونوں اجنبیوں کے ریوالور سے بری طرح خوفزدہ تھا۔ سب سہمے ہوئے دیوار سے لگے کھڑے تھے۔

''اگر کسی نے بھی ہلنے کی یا کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں بے دریغ اُسے گولیوں سے چھلنی کر دوں گا'' ریحان پراچہ غرایا۔

''مم ...... مگر ہمارا قصور......؟'' آدمی منمنایا۔

''تم لوگ اگر ہمارا بھرپور ساتھ دو گے تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے ـــــ ہمیں بس تھوڑی دیر یہاں ٹھہرنا ہے۔ پولیس کہیں اور نکل جائے گی تو ہم بھی چلے جائیں گے۔'' یاور نے کہا اور پھر ریحان کی طرف دیکھا۔

''میرے خیال میں پولیس کہیں دوسری طرف نکل گئی ہے۔'' اُس نے کہا تو ریحان کھڑکی کی طرف بڑھا اور باہر کا جائزہ لیا۔ اُسے کچھ نظر نہ آیا تو جیسے اُس کی اٹکی سانسیں بحال ہوئیں۔ اُس کا ریوالور والا ہاتھ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ وہ پلٹا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ پولیس شاید آگے نکل گئی ہے۔'' وہ چلتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

''ہوں......'' یاور اُس سے باتیں کرتے ہوئے بھی ان پانچ نفوس سے غافل ہرگز

Marfat.com

نہیں تھا۔ مگر وہ کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھا۔

''ایسا کرو تم سب اس کمرے میں چلے جاؤ۔'' اُس نے ایک کمرے کے کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''کک...... کیوں جی؟'' عورت روہانسی تو پہلے ہی تھی، اب رو دی۔

''اوہو...... جو کہہ رہے ہیں وہ کرو۔'' ریحان دہاڑا۔ اور پھر ان سب کو کمرے میں دھکیل دیا اور باہر سے کنڈا لگا دیا۔

''اب ــــ''

''اب کچھ سوچنا ہے ــــ یعنی آگے کا لائحہ عمل۔''

''یاور...... یاور! اس طرح آخر کب تک......؟'' ریحان جھنجلا گیا اور سامنے رکھی ٹوٹی ہوئی میز کو پیروں سے دُور اُچھال دیا۔

''یار ــــ تم تو بالکل ناکارہ ہو ــــ صبر میرے شہزادے! ــــ یہ آگ کا کھیل ایسا ہی ہوتا ہے۔ صرف اس کھلونے کو چلانا کوئی کام نہیں۔'' یاور نے ریوالور کو اچھالا۔ وہ اُس کی بے بسی پر کھل کر ہنس رہا تھا۔ پھر وہ اسی کھڑکی کی طرف بڑھا۔ ''اب مل کر ہی کوئی حل سوچیں گے۔'' اُس نے یہ کہہ کر کھڑکی کا پٹ کھول دیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے دہشت سے پیچھے ہٹا۔

''ری...... حان...... ہم...... پ ہ...... پپ...... پولیس کے گھیرے میں ہیں۔'' اُس کی کپکپاتی آواز اُبھری جو ریحان کو دہلا گئی۔

''کک...... کیا......؟''

''ہاں۔'' اُس نے جلدی سے کھڑکی کے پٹ بند کر دیئے۔ ''اس مکان کے چاروں طرف پولیس ہے۔'' وہ پلٹ کر ریحان کے پاس آیا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف بھرا تھا۔

''ریحان!...... یہ بہت برا ہوا......''

اسی لمحے لاؤڈ اسپیکر پر بھاری آواز گونجی۔

''تم دونوں اپنے ہتھیار پھینک کر خود کو پولیس کے حوالے کر دو ــــ پولیس تمہیں چاروں طرف سے گھیر چکی ہے۔ اس لئے اب تمہاری ہر کوشش بے کار ہو گی۔'' یہ جملہ بار بار دہرایا جا رہا تھا ــــ اور وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل خاموش کھڑے تھے۔ پھر یاور بولا۔

''یار ریحان! اب خود کو پولیس کے حوالے کر دینا ہی بہتر ہے۔'' اُس نے یہ کہہ کر

Marfat.com

خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اُس کا ریوالور والا ہاتھ لٹک گیا۔

''نہیں ـــــ نہیں ـــــ'' ریحان چلایا۔ اُس کی آواز میں غراہٹ تھی۔ ''ہرگز نہیں۔''

''کیا ..... کیا کرو گے اب تم......؟'' یاور کو اُس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔

''فرار ـــــ'' اُس نے بدستور اسی انداز میں کہا تو یاور بے بسی سے ہنسنے لگا۔

''فرار ـــــ کس سے فرار؟ ـــــ پولیس چاروں طرف کھڑی ہے۔ اب کوئی راستہ نہیں ہے فرار کا۔''

''تو پھر اس طرح ہتھیار پھینک کر خود کو پولیس کے حوالے کر دینا گویا موت کو گلے لگانا ہی ہوا۔''

''نہیں ـــــ ہوسکتا ہے مقدمے میں کوئی بات بن جائے۔''

''نہیں ...... میں محسوس کر رہا ہوں اب آگے کوئی چانس نہیں۔ پاپا اگر کچھ کر سکتے تو اس وقت پولیس ہمارے تعاقب میں یوں بھیڑیوں کی طرح نہ نکلتی۔'' اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا ـــــ وہ چند لمحے گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ پھر اچانک کھڑکی کی سمت بھاگا۔

''ریحان! ...... یہ کیا کر رہے ہو؟'' یاور اُس کے ارادوں کو بھانپ گیا۔ مگر اس اثناء میں وہ کھڑکی سے چھلانگ لگا چکا تھا اور ساتھ ہی اپنے ریوالور سے فائرنگ کرتے ہوئے دوڑ لگا دی۔ اور پھر یکایک پولیس کی طرف سے جوابی فائرنگ ہونے لگی۔

''اوہ مائی گاڈ.......'' یاور نے خوفزدہ ہو کر کھڑکی پر سر ٹکا کر جیسے اس اندوہناک منظر سے بچنے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ''یہ .... یہ بہت برا کیا ریحان تم نے۔'' اُس کے سارے بدن پر کپکپی طاری ہونے لگی۔

''یہی بہر حال ہونا تھا'' ڈی ایس پی منظور احمد کی آواز گونجی تو وہ پلٹا۔ ''یہ ہتھیار پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔''

یاور نے ریوالور ڈی ایس پی کی طرف اُچھال دیا۔ ''اب اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے انسپکٹر!'' اُس کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

''بدی کا انجام یہی ہوتا ہے ـــــ دیر سویر ـــــ بدلہ ضرور ملتا ہے مسٹر یاور! ـــــ بزدل ہو یا بہادر، مجرم بہر حال کبھی نہ کبھی سزا ضرور پاتا ہے۔ اپنی بہادری اور چالاکی کی وجہ سے وہ زیادہ سے زیادہ چند ماہ یا چند سال قانون کی آنکھوں میں دُھول جھونک سکتا ہے مگر......''

Marfat.com

''وہ ...... ریحان ......'' یاور نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''وہی ہوا، جو ایک نادان دہشت گرد کا انجام ہوتا ہے۔''

''کیا ـــ'' یاور اُچھلا۔ اُس کی سمجھ میں قطعی کچھ نہیں آیا۔

سپاہی اُس کے ہتھکڑی لگا کر باہر لے آیا۔ تب یاور کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ خون سے لت پت ریحان کو پولیس کے سپاہی اُٹھائے جیپ میں ڈال رہے تھے۔

+++

شاہ خانم کی نگاہیں بار بار پھسل کر ہشمینہ کے چہرے پر اُٹھ جاتیں اور کتنی ہی دیر وہ بغیر پلکیں جھپکے اُسے تکے جاتیں۔ اُن کی بھوری بھوری آنکھوں میں نا مانوس سے رنگ چمکتے، پھر معدوم ہو جاتے۔

پیازی رنگ کے سوٹ میں دمکتی رنگت، سیاہ دراز چوٹی جو آگے جھول رہی تھی، ستواں ناک میں سرخ نگوں والی کیل ـــ وہ اس قدر دلکش لگ رہی تھی یا انہیں محسوس ہو رہی تھی۔

اور ادھر ہشمینہ، شاہ خانم کی نگاہوں کی محویت سے کبھی کبھار گھبرا جاتی۔ اشتارا اُسے زبردستی اپنے ہمراہ حویلی لائی تھی۔ وہ واپس شہر جانے والی تھی اور اشتارا اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اُسے اب ہشمینہ، اشمل کے حوالے سے اور بھی اپنے قریب محسوس ہو رہی تھی۔

وہ دونوں کبھی کمرے میں بیٹھ کر ہنسی مذاق کرتیں، کبھی سٹنگ روم کے صوفے پر ٹِک جاتیں تو کبھی باتیں کرتی ہوئی بغلی لان میں نکل جاتیں۔

شام ڈھلنے لگی۔ تب صبغت خان آئے تھے۔ ہشمینہ کو بلایا۔ تب وہ شاہ خانم سے پہلی بار مخاطب ہوئی۔

''اچھا آنٹی! اب میں جاؤں گی۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے شاہ خانم کی آنکھوں کو غور سے دیکھا جو بالکل اشمل کی آنکھوں سے مشابہہ تھیں۔

''شہر چلی جاؤ گی؟'' شاہ خانم نے پوچھا۔

''جی۔''

''کیوں ـــ اتنی جلدی؟'' شاہ خانم سنبھل کر کرسی پر بیٹھ گئیں ـــ وہ گل بی بی سے تعلق رکھنے کے باوجود انہیں اچھی لگی تھی ـــ وہ بہت متانت سے اس سے بات کر رہی تھیں۔

Marfat.com

''بس ـــــ بہت رہ لیا۔'' وہ ہنسی۔ ''اب تو شان بھی چلی گئی ہے۔''

''وادی میں شاندانہ سے زیادہ بھی ایک اہم شخصیت ہے۔'' اشتارا آہستگی سے بولی اور پھر ہنسنے لگی۔ وہ جھینپ گئی۔ اور اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

اشتارا اُسے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ اور تب تک کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی جب تک وہ صبغت خان کی جیپ میں بیٹھ کر اُس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

وہ شاندانہ کی شادی کے بعد بالکل تنہا سی ہو گئی تھی۔ اشمل بھی اپنی رونقوں سمیت چلا گیا تھا اور شاندانہ بھی پرائی ہو گئی تھی۔ اور سچ تو یہ تھا کہ اب اُسے ذولین سے بھی شرم آتی۔ اُس کی نگاہوں کی والہانہ چمک اُس کے حواس کو منتشر کر ڈالتی۔

وہ واپس آئی تو ٹھٹک گئی۔ بابا خان انیکسی سے نکل کر رہائشی حصے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ذولین انیکسی کے کوریڈور میں کھڑا تھا۔ وہ حیران رہ گئی۔ بابا خان انیکسی میں ذولین کے پاس گئے تھے ـــــ کیوں؟ ـــــ اُس کی یہ حیرانی فطری عمل تھا۔ کیونکہ مہروز خان کو طویل عرصہ ہو چکا تھا خود انیکسی میں گئے ہوئے۔

اُسے دیکھ کر ذولین کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ وہ ریلنگ پر ہتھیلیاں ٹکائے اب بغور اسی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ اچانک پلٹی۔ بابا خان اُس کے قریب سے گزر کر اندر بڑھ گئے تھے ـــــ اُن کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی اور وہ کسی خوشی میں مگن تھے۔

رات کے کھانے کے بعد شاہ خانم اپنے کمرے میں تھیں اور اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

مہروز خان نے انہیں غور سے دیکھا۔ وہ کسی حد تک تر و تازہ اور خوش رنگ موڈ میں تھیں۔

''خیریت تو ہے؟'' شاہ خانم چونکیں۔ مہروز خان کی نگاہیں مسلسل انہی پر مرکوز تھیں۔

''کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔''

''ہاں کہیے، کیا کوئی اہم بات ہے؟''

''ہوں ـــــ ہاں، بہت اہم۔'' مہروز خان مسکرائے پھر اُٹھ کر دروازہ کا پٹ کھول کر ایک نظر لان کے جامد سناٹے پر ڈالی۔

''شاہے! اس وسیع کائنات میں انسان ہی وہ خوش نصیب مخلوق ہے جو محبت جیسے جذبے سے آشنا ہے۔ اسے سمجھتا اور حاصل کر کے دل روشن رکھتا ہے۔ محبت ہر روپ، ہر

Marfat.com

رشتے میں خوبصورت ہے ــــ ہے نا؟" انہوں نے شاہ خانم کو دیکھا جو حیران نظروں سے انہیں ہی تک رہی تھیں۔

"کیا بات ہے ــــ آپ کو آج اپنی جوانی یاد آرہی ہے ــــ یہ محبت پر بے لاگ تبصرہ۔" وہ ہنسیں تو مہروز خان کے لب وا ہوئے، پھر باہم جڑ گئے۔

"جوانی نہیں ــــ ہاں، وہ بیتے دن ضرور یاد آرہے ہیں۔ آج فیروز لالہ بہت شدت سے یاد آرہے ہیں شاہ!" ان کی آواز بوجھل ہوگئی۔

فیروز خان کے نام پر شاہ خانم کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ انہوں نے خود کو سنبھالے رکھا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے تھے مجھ سے کچھ باتیں۔"

"ہاں شاہ بانو! ــــ آج میں اپنا ایک فیصلہ تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔ میں ذولین سے اپنی محبت اور اپنے رشتے کو اور بھی مضبوط کر رہا ہوں ــــ میں اشتارا سے اُس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اُن کا لہجہ بے حد پُرسکون تھا۔

Marfat.com

مہروز خان کا جملہ شاہ خانم کے لئے دھماکہ سے کم نہ تھا۔۔۔

انہیں لگا جیسے ان کے بے حد قریب کوئی بم بلاسٹ ہوا تھا۔۔۔ اور وہ کتنے ہی ثانیے اپنی جگہ سُن سی کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بے بہرہ ہو گئی تھیں۔

''وہ فیروز لالہ کی نشانی ہے۔۔۔ میرا خون ہے۔ اور پھر اشتارا کے لئے بھی ہر لحاظ سے قابل ہے۔ اب کسی تردّد کی گنجائش نہیں نکلتی۔''

مہروز خان نے کھڑکی کا پردہ گرا دیا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ...... یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ یکدم ہوش میں آ کر سخت برہمی کے ساتھ اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

مہروز خان نے انہیں دیکھا مگر ان کے جملہ نے انہیں قطعی حیران، پریشان نہیں کیا تھا۔ وہ جانتے تھے شاہ بے اس فیصلے کو قطعی قبول نہیں کرے گی۔ ان کا رویہ اس سلسلے میں منفی ہی ہو گا۔ مگر اب وہ اپنے سارے اختیارات استعمال کرنا چاہتے تھے۔

''آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اشتارا کا رشتہ فروان سے طے کر چکی ہوں۔ اور ذولین سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ ہنوز اسی برہمی سے گویا ہوئیں تو مہروز خان کا چہرہ تن گیا۔

''ذولین سے تمہاری یہ خود ساختہ نفرت میرے فیصلوں میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتی۔ اس اندھی نفرت نے تمہارے ذہن کو مسخ کر دیا ہے۔۔۔ تمہارے پاس سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں نہیں رہیں۔''

''مہروز خان!'' شاہ خانم بھڑک اُٹھیں۔

''فروان، اشتارا سے ایک سال چھوٹا ہے۔۔۔ اور پھر ایجو رڈ۔ ابھی اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہے۔ محض تمہارے بھائی کی اولاد ہے، اس لئے تم نے آنکھیں بند کر کے سارے فیصلے اُس کے حق میں دے دیئے۔۔۔ نہیں شاہ بیگم! میری نرمی کا ناجائز فائدہ تم نے بہت اٹھا لیا۔ سارے رشتوں کو تم نے نفرت کی بھٹی میں جھونک رکھا ہے۔ اب یہ سب

Marfat.com

کچھ نہیں ہو گا۔ اب میں جو چاہوں گا وہی ہو گا۔" مہروز خان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

شاہ خانم کی رگوں میں انگارے دوڑنے لگے۔

"تم یہ قدم میرے جیتے جی نہیں اٹھا سکتے ــــــ میری زندگی اب اس عمر میں کسی انقلاب سے دوچار نہیں ہونا چاہتی۔" وہ مہروز خان کے پیچھے لپکیں۔

اشتارا اپنے کمرے سے تیزی سے باہر نکلی تھی۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ بابا خان کے کمرے سے بابا خان کی اتنی بلند اور تیز آواز اُبھری تھی۔ نہ صرف ان کی بلکہ شاہ خانم بھی تیز تیز بول رہی تھیں۔ اُس کا دل دہل گیا۔ "خدایا! اب کون سا نیا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے؟" اُس نے لمبی راہداری عبور کی تھی کہ زیبل اُس کے سامنے آ گئی۔

"خان زادی! اپنے کمرے میں چلی آؤ۔" زیبل نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کک ...... کیا ہوا ز یبی؟ ــــــ یہ شور کیسا ہے؟ بابا خان کس پر خفا ہو رہے ہیں؟ کک ...... کہیں مجھ سے تو کوئی غلطی ــــــ؟" اُس کا چڑیا جتنا دل دھک دھک کرنے لگا۔

اب سٹنگ رُوم سے آوازیں آ رہی تھیں۔ شاہ خانم، مہروز خان کے پیچھے سٹنگ روم میں آئی تھیں۔

زیبل، اشتارا کو واپس کمرے میں لے آئی۔

"وہی ہوا ہے خان زادی! جو ایک دن ہونا تھا۔" اُس نے اشتارا کو دیکھا جو سخت خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ اُس کی سنہری آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی تھی۔ زیبل نے آگے بڑھ کر اُسے تھام کر صوفے پر بٹھا دیا۔

"تمہاری اور ذولین خان کی شادی کا مسئلہ۔" زیبل نے دھیرے سے کہا۔ "میں نے کچھ سنا تو نہیں مگر اتنا اندازہ ہو گیا ہے، مہروز خان تمہاری شادی ذولین سے کرنا چاہتے ہیں اور شاہ خانم مخالف ہیں۔"

وہ دم بخود رہ گئی۔

"ذذ ...... ذولین .... بابا خان ذولین سے؟" اُس کے لب کپکپا گئے۔ بابا خان اُس کے لئے شاہ خانم سے لڑ رہے تھے۔ اُس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس کی حالت غیر ہونے لگی۔

اُسے یکدم یاد آیا، بابا خان شام کو انیکسی سے نکل رہے تھے۔

'تو کیا ذولین خان نے اُن سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے؟ ــــــ اُف۔' اُس نے

Marfat.com

اپنے دھڑکتے دل پر بے اختیار ہاتھ رکھ دیا۔
سٹنگ روم میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔ شاہ خانم شاید اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ زیبل اُسے چھوڑ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ آہستگی سے صوفے سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ تب بابا خان کی بھاری آواز نے اُس کے قدم جکڑ لیے۔
''اشتارا! ادھر آؤ۔'' انہوں نے سٹنگ روم کے دروازے میں کھڑے کھڑے اُسے پکارا تو وہ پلٹی اور جلدی سے ان کے قریب آئی۔
''ادھر آؤ ___ بیٹھو۔'' انہوں نے کہا تو اُس نے دھڑکتے دل کو سنبھالا اور جلدی سے صوفے کے کنارے ٹِک گئی۔
مہروز خان اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔ اُن کی رنگت دمک رہی تھی اور سبز آنکھوں میں غصہ لہرا رہا تھا۔ وہ چند ثانیے سر جھکائے کسی خلفشار کا شکار رہے، پھر سر اُٹھا کر اشتارا کی طرف دیکھا جو ڈری سہمی بیٹھی تھی۔ انہیں بے ساختہ اس بے ضرر لڑکی پر ٹوٹ کر پیار آ گیا۔
''ادھر میرے پاس بیٹھو اشتارا بیٹے!'' ان کے چہرے کا تناؤ کم ہو گیا اور لہجے میں ڈھیر ساری چاشنی گھل گئی۔ انہیں اشتارا بے حد عزیز تھی۔ وہ اُٹھ کر ان کے قریب بیٹھ گئی اور حیرت پاش نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔
''بیٹی! میں جانتا ہوں کہ اس حویلی میں، اس وادی میں بلکہ اس پورے معاشرے میں بیٹیوں کو ان کے تمام حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ تمہیں تمہارے کسی جائز حق سے دستبردار نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے کبھی نہیں چاہا کہ میں سخت گیر باپ کہلاؤں، غاصب کہلاؤں۔''
''بابا خان!'' اشتارا نے اُن کے ہاتھ پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں نے تو کبھی آپ کو ایسا نہیں سمجھا اور نہ آپ ایسے ہیں۔''
انہوں نے محبت سے اُسے دیکھا۔ ''ذولین تمہیں کیسا لگتا ہے؟'' اُن کا جملہ بالکل اچانک اور اُس کے لئے غیر متوقع تھا۔ اُس کے ہاتھ کانپ گئے اور پلکیں جھک گئیں۔
''میں ذولین کی چاہت میں اور نہ اپنی خواہش پر تمہیں قربان کرنا چاہوں گا۔ میں جانتا ہوں جذبات میں کئے گئے فیصلے اور جبر کے رشتے بہت ناپائیدار ہوتے ہیں۔ بتاؤ بیٹا! ___ میں تم پر کوئی زبردستی نہیں کروں گا۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو کتنے ہی موتی اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گرے۔ یہ ٹھنڈی چھاؤں اُس کے لئے کس قدر تقویت کا باعث تھی۔ اُس نے تو ہمیشہ وادی کے مردوں کو ظالم اور غاصب دیکھا تھا۔ کتنی

Marfat.com

لڑکیوں کو باپ کے مظالم سے مرتے دیکھا تھا۔ زرسانگہ کی موت اُسے یاد تھی۔ صبغت اللہ خان کو گل بی بی پر مظالم ڈھاتے دیکھا تھا۔ مگر کتنی خوش بخت تھی وہ کہ اُس کے ساتھ یہ سب نہ تھا ـــــ اُس کا باپ اُس کے لئے ٹھنڈی چھاؤں تھا۔ اُس کی پناہوں میں وہ کتنی مطمئن تھی۔

''بابا خان! آپ بہتر سوچ سکتے ہیں میرے لئے۔'' اُس کا سر اور بھی جھک گیا۔ مہروز خان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس کے جملے میں انکار ہرگز نہیں تھا۔ شرم تھی، احترام تھا۔

مہروز خان کھڑے ہو گئے۔

''شاہ ایک ناسمجھ اور کم عقل عورت ہے ـــــ اُس نے فیروز لالہ کی نفرت میں خود اپنی زندگی کو تباہ کر ڈالا ہے۔ خیر۔'' وہ خود سے بڑبڑائے اور پھر سٹنگ روم کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

+++

اُس نے نیلے رنگ کا کامدار سوٹ زیب تن کیا تھا۔ سحر گل نے اُس کے خوبصورت اور ریشمی، بال زبردستی کھول کر پشت پر پھیلا دیئے تھے اور اُس کے نہ، نہ کرنے کے باوجود اُس کا ہلکا سا میک اپ کر دیا تھا۔ شاردا بھابی نے جیولری بھی پہنا دی تھی۔ اور جب اُس نے نیلا دوپٹہ شانوں پر پھیلا کر خود کو قد آدم آئینے میں دیکھا تو شرما کر رہ گئی۔ بڑے بڑے ہلکورے لیتے آویزے، ہلکا میک اپ اور چہرے پر تازگی نے اُسے بے انتہا دلکش بنا دیا تھا۔ اپنا یہ روپ دیکھ کر وہ خود بھی حیران رہ گئی تھی۔ اتنے برسوں کے بعد اُس نے خود کو ڈھنگ سے سنوارا تھا ـــــ کلائیوں میں کھنکتی سنہری چوڑیاں، سفید گردن میں طلائی لاکٹ ـــــ یہ سب کس قدر دلفریب لگ رہا تھا۔

''بھابی جان! مسعود بھائی گاڑی میں بیٹھ گئے ہیں۔'' شاردا بھابی نے اُسے شانوں سے تھام کر بے حد خوبصورت انداز میں بھابی جان کہہ کر مخاطب کیا تو اُسے لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار اس گھر سے رخصت ہو کر مسعود شاہ کے ساتھ جانے والی ہے۔ دل اپنی ایک الگ لے پر دھڑک رہا تھا۔

امی نے اُس کی پیشانی چوم کر اُسے ڈھیروں دعائیں دیں۔ اور جب وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر آئی تو مسعود شاہ فرنٹ ڈور کھولے اُس کا منتظر تھا۔ اُسے دیکھ کر اُس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اُس کی آنکھوں کی والہانہ چمک نے ماہ گل کے چہرے پر

Marfat.com

گلال بھر دیئے۔

برہمی اس کی سدا مجھ کو سزا دیتی رہی
کر چکا تھا وہ اسی لطف کا عادی مجھ کو
مسکرا کے وہ کھلے دل سے ملا ہے اب کے
جانے کیا سوچ کر اُس نے یہ سزا دی مجھ کو

اُس کے قریب آنے پر لہک کر شعر پڑھا تو ماہ گل کا چہرہ گرم ہو گیا۔ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور گڈو کو گود میں بٹھا لیا۔

''بڑی نوازش جناب!'' اُس نے اُس کی طرف کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور پھر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''ممی!____ میری پاپا سے دوستی ہو گئی ہے۔'' گڈو نے چھوٹتے ہی نئی اطلاع فراہم کی تو ماہ گل ہنس دی۔

''ہاں بیٹا! اب تو دوستی کرنا آپ کی اور میری مجبوری ٹھہری۔'' اُس نے اُسے چھیڑنے کی غرض سے کہا تو مسعود شاہ نے اُسے گھورا۔

''یعنی ابھی تمہارے دماغ کے کچھ اسکرو ڈھیلے ہیں جو مجھے کسنے ہوں گے۔'' اس نے کہا تو ماہ گل کھلکھلا کر ہنس دی____ اُسے بے تحاشہ ہنسی آ رہی تھی۔ بات بے بات اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ دل بے انتہا شانت تھا____ مسعود شاہ کا پُرسکون چہرہ، اُس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتے رنگ اُس کے لئے کس قدر تقویت کا باعث بن رہے تھے۔ اُس نے ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کر دیا اور غزل کے خوبصورت بول گاڑی میں گونجنے لگے۔

وہ دل ہی کیا تیرے ملنے کی جو دُعا نہ کرے
میں تجھ کو بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے
رہے گا ساتھ تیرا پیار زندگی بن کر
یہ اور بات میری زندگی وفا نہ کرے
سنا ہے اس کی محبت دعائیں دیتی ہے
جو دل پہ چوٹ تو کھائے مگر گلہ نہ کرے

اُس نے سر اُٹھا کر مسعود شاہ کو دیکھا جس کے گداز لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔ وہ بہت غور سے غزل سن رہا تھا مگر اُس کی طرف سے غافل قطعی نہیں تھا۔

Marfat.com

اُس نے آنکھیں موند کر سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔
''مسعود شاہ! تم بالکل نہیں بدلے ــــــ تمہیں اب تک یاد ہے کہ میں اس غزل کی دیوانی ہوں۔''
وہ آنکھیں کھول کر مسعود شاہ کو دیکھنے لگی۔ اُسے یاد تھا مسعود شاہ غزلیں بہت کم سنتا تھا مگر وہ اُسے زبردستی سنایا کرتی تھی اور وہ اُس کی خاطر سن لیا کرتا تھا۔ مگر اب گاڑی میں ان گنت غزلوں کے کیسٹ رکھے ہوئے تھے۔
''مسعود!'' اُس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
''ہوں ــــــ'' اُس نے پلٹ کر والہانہ نگاہیں اُٹھائیں۔ ''ہاں، کہو جانِ مسعود ــــــ'' اُس نے اُسے خاموش پا کر کہا۔
''کچھ نہیں۔'' اُس نے نگاہیں ونڈ اسکرین پر کر لیں۔ اب کیا پوچھے۔ کچھ پوچھے جانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اُس نے اُسے یاد رکھا تھا، اُس کی پسندیدہ کیسٹوں سے گاڑی سجا رکھی تھی۔ اب لفظوں کی وقعت کیا رہ گئی تھی۔
ڈھیر ساری طمانیت اُس کے اندر اُتر رہی تھی۔

تشنہ نظریں ملیں شوخ نظروں سے جب
مے برسنے لگی جام بھرنے لگے
ساقیا آج تیری ضرورت نہیں
بن پیئے بن پلائے خمار آ گیا

مسعود شاہ گنگنا رہا تھا۔ اُس کے انگ انگ سے خوشی چھلک رہی تھی۔
گاڑی گھر کے سامنے رکی تو ماہ گل کے پور پور میں گدگدی سی ہونے لگی۔ میٹھی میٹھی کسک ــــــ ٹھنڈی ٹھنڈی کسک۔ وہ گڈو کو لے کر نیچے اُتری۔
''یہ ہے ہمارا گھر۔'' مسعود شاہ نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ ''یاد ہے یا بھول گئیں؟''
''کیسے بھول سکتی ہوں ــــــ یہاں گزارا ایک ایک پل فلم کی طرح میرے ذہن میں چل رہا ہے۔'' ماہ گل کی آواز جذبات کی یورش سے بھاری ہو گئی۔
دروازہ امبر بھابی نے کھولا تھا اور بڑھ کر اُس کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ وہ مسعود شاہ کے ہمراہ اندر آ گئی۔ سب سے پہلے وہ ساس سے ملی۔ انہوں نے بڑھ کر اُسے گلے لگا لیا اور پھر گڈو کو گود میں بھینچ لیا۔ دونوں جیٹھانیاں مسکرا کر اس سے مل رہی تھیں۔ ماہ گل کو لگا جیسے وہ پہلی بار بیاہ کر اس گھر میں آئی ہو۔ نئی اور شوخ اُمنگیں لے کر۔ اور سب بڑھ کر

Marfat.com

اُسے نئی زندگی کی مبارکباد دے رہی تھیں۔ کسی کے لبوں پر معنی خیز یا طنز بھری مسکراہٹ نہ تھی۔ کوئی ہمدردی نہیں جتا رہا تھا ــــــ آج وہ کتنی معتبر ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ مسعود شاہ کا مکمل اعتماد اس کے ساتھ تھا۔ اس کی بھرپور چاہت اور توجہ لئے وہ اس کے ہمراہ تھا۔ کوئی خوف اور دھڑکا نہ تھا ــــــ سارے اندیشے وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

وہ مسعود کے ہمراہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ مسعود شاہ نے دروازے کا لاک کھول کر دروازہ پورا کھولا تو خوشبو کا ایک ریلا آیا اور اس نے ماہ گل کے سارے وجود کا احاطہ کر لیا۔ اُس کی آنکھیں حیرت اور مسرت سے جھپکنا بھول گئیں ــــــ پورا کمرہ مشکبار پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ بیڈ کی نیلی چادر پر سرخ سرخ پھول، ڈریسنگ، کرسیاں، میزیں، کھڑکیوں پر لڑیوں کی صورت میں کہ ایسا لگتا تھا جیسے ساری کائنات کے پھول ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔

وہ مسحور سی اندر بڑھی کہ اچانک ڈھیر سارے پھول اس پر آ گرے اور جیسے اُس کا سارا وجود خوشبوؤں میں نہا گیا۔ اُس نے رخ موڑا تو مسعود شاہ اُسے محبت پاش نظروں سے تک رہا تھا۔

''یاد ہے ــــــ جب میں کبھی تم سے خفا ہو جایا کرتا تھا تو تم مجھ پر اسی طرح پھولوں کی بارش کرتی تھیں۔'' اُس نے کہا تو ماہ گل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''تم کہتی تھیں پھول فاصلوں کو مٹا دیں گے۔ خفگی کو خوشبو میں بدل دیں گے۔'' وہ اُسے یاد دلا رہا تھا۔ مگر وہ بھلا کیا بھولی تھی۔ اُسے تو ایک ایک بات یاد تھی۔ اُس کی مسرت انتہا کو چھونے لگی۔

''مسعود! تت...... تمہیں سب یاد ہے؟'' اُس نے فرطِ مسرت سے مغلوب ہو کر پوچھا۔ اُس کی پذیرائی کا یہ انداز کتنا بھلا اور منفرد سا تھا ــــــ اُس کی رگوں میں خوشی و انبساط تھرکنے لگی۔

''ہاں ــــــ مجھے سب یاد ہے۔ اور مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ تم پھر ان پھولوں کا گجرا بنا لیتی تھیں اور میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے پہنا دیا کرتا تھا اور اس طرح فاصلے بالکل ہی ختم ہو جاتے۔'' مسعود شاہ یہ کہتا اُس کے قریب آیا تو وہ سرخ ہو گئی۔

''ابو ــــــ'' گڈو کی آواز نے مسعود شاہ کے بڑھتے قدم روک لئے۔ وہ پلٹا اور لبوں پر خود بخود نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ارے میرا بیٹا۔'' اُس نے دروازے پر کھڑے گڈو کو اُٹھا لیا۔ ''مجھے تو یاد ہی نہیں

Marfat.com

رہا کہ ہماری شادی کو اتنا لمبا عرصہ ہو گیا ہے اور کباب میں ایک عدد ہڈی بھی ہے۔"
"کیا...... کیا...... میرا بیٹا ہڈی ہے؟" ماہ گل نے اُسے دیکھا اور ہنسنے لگی۔
"ارے یہ ہڈی تو میری جان ہے۔" اُس نے خود کو بیڈ پر گرا کر گڈو کو اپنے اوپر بٹھا لیا۔"

"ماہی جان! میں نے اس کمرے کو اور اس کی کسی شے کو بھی کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ بس اوپری اوپری صفائی ہوتی تھی۔ میں تمہارے سارے لمس کو کھونے نہیں دینا چاہتا تھا۔" وہ کہہ رہا تھا اور ماہ گل نے خود کو صوفے پر گرا لیا۔ یہ اتنی ڈھیر ساری خوشیاں اُسے سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔ مسعود شاہ کے جملے اور یہ سارا ماحول اسے کتنا مغرور بنائے دے رہے تھے۔

فخر اور چاہے جانے کے احساس نے اُسے سرشار کر دیا۔
کتنی مکمل ہو گئی تھی آج اُس کی ذات اور اُس کا گھر۔
کوئی دراڑ نہ دلوں میں رہی تھی نہ سوچوں میں۔
"خدایا! ــــــ تُو میری اس زندگی کو حسین تر بنائے رکھنا۔ معبود! میری ان خوشیوں کو نظر بد سے بچانا۔" اُس نے آنکھیں موندکر محبتوں کی ہمیشگی کی دُعائیں مانگ ڈالیں۔ اور جب آنکھیں کھولیں تو مسعود شاہ بیڈ پر بیٹھا اُسے والہانہ نگاہوں سے تک رہا تھا۔

+++

جامعہ کی سڑک، لابی، لان ہر جگہ گروپ کی شکل میں کھڑے اسٹوڈنٹس میں یہی خبر کئی دنوں سے گرم تھی کہ پولیس مقابلہ میں ریحان پراچہ مارا گیا۔ اشمل کو بھی احسن نے پہلی خبر یہی دی تھی اور وہ کتنی دیر تک ششدر رہا تھا۔
"اُس کے ساتھ یاور بھی تھا۔ وہ پکڑا گیا تھا۔" احسن نے اُسے تفصیل بتانی شروع کی۔ افتخار اور نعیم جان بھی اسی طرف چلے آئے۔
"اُس نے خود کو گرفتار کیوں نہیں کروایا؟" اشمل کا دل عجیب سے احساسات سے دوچار تھا۔ بہر کیف وہ ایک جوان موت تھی۔ لاکھ اُس کا مخالف تھا مگر اس زمین، اس ملک کا ایک سپوت تھا۔ توانا لڑکا اس طرح موت کے منہ میں چلا جائے تو رنجیدگی ایک فطری عمل تھا۔
"بہت بے وقوف تھا ریحان۔ پولیس کے گھیرے میں سے بھاگنے کی کوشش کی۔" افتخار نے بھی اس موضوع میں حصہ لیا۔ "اپنے باپ کے اثر و رسوخ سے اس بار وہ شاید

Marfat.com

مایوس ہو گیا تھا۔ ویسے یہ ڈی ایس پی منظور احمد بھی بڑا خرانٹ آدمی ہے۔ کہہ رہا تھا، پاتال سے بھی نکال لاؤں گا۔ اشمل! وہ واقعی مبارک باد کا مستحق ہے۔"

"ہاں ــــ" اشمل نے ایک گہری سانس سینے کی تہہ سے آزاد کی اور پھر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ "احسن! میں ہاسٹل جا رہا ہوں۔" اُس نے احسن کو مخاطب کیا اور دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ احسن اُس کے پیچھے لپکا۔

"خیریت؟"

"احسن! طبیعت میں عجیب بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔ ریحان کی موت صرف ایک دہشت گرد کی موت تو نہیں، ایک بیٹے کی بھی موت ہے۔ اس نے اپنے پیچھے اپنے والدین کو بالکل بکھیر کر رکھ دیا۔ کیا رہ گیا اُس کے والدین کے پاس اب؟"

"یہ تو اس کے والدین کو اس کی پشت پناہی کرتے وقت سوچنا چاہئے تھا۔" احسن اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"ہاں ــــ شاہنواز پراچہ جیسے لوگ اپنے اسٹیٹس کا غلط فائدہ اٹھا کر اپنی اولاد کو اس حال تک پہنچا دیتے ہیں ــــ اچھی سوچ ہی اچھے معاشرے کو جنم دیتی ہے۔ کاش شاہنواز پراچہ یہ بات سوچ لیتا تو اُس کی سوچ کا انداز بدل جاتا اور ریحان کو اس دلدل میں مزید دھنسانے کی بجائے اُسے نکالنے کی تدبیر کرتا۔" اشمل کو سخت تاسف ہو رہا تھا۔ "یہ بات بہرکیف خوشی کی تو نہیں ہے۔"

"ہاں اشمل! خوشی کی نہ سہی مگر ان دہشت گردوں کو سزا ضرور ملنی چاہئے۔ بے حد سخت۔ دوسروں کی زندگی سے کھیلنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہئے۔ تمہیں شہباز کی موت یاد ہے؟" احسن کو اُس کی بات سے اختلاف ہو رہا تھا۔

"یاد ہے ــــ اور اُس کی ماں کی حالت بھی یاد ہے۔ اسی لئے تو سوچ رہا ہوں کہ...... خیر۔" اشمل نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اوکے، تم جاؤ اور ریسٹ کرو۔" احسن نے اس کا شانہ تھپکا اور خود دوسری طرف نکل گیا۔

اشمل ہاسٹل کی طرف آ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی ماں اپنے بیٹے کی موت کا صدمہ نہ جانے کیسے اور کس طرح سہتی ہو گی ــــ اُسے یاد تھا کہ شاہ خانم اس کے آنے پر کس قدر کھل اُٹھتی تھیں اور اس کے واپس یونیورسٹی جانے پر بے حد ملول ہو جاتی تھیں۔

وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

Marfat.com

یہ اضمحلال اس پر پورے دن طاری رہا اور پھر گزرتے دنوں میں دوسری معاشرتی ذمہ داریوں نے اس واقعہ کو اس کے ذہن سے معدوم کر ڈالا۔ وہ یکسوئی سے اپنی پڑھائی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''یار اشمل! تم نے تو میری طرف نگاہ اٹھا کر اب دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔'' احسن اس سے شکوہ کناں تھا۔ ''تمہیں یاد ہے میرا ناک نقشہ؟''

اُس کی اس غیر سنجیدہ بات پر اشمل نے کتاب سے سر اٹھایا۔

''لگتا ہے اب تم سوچتے بھی صرف ہشمینہ ابرار کے لئے ہو۔'' اُس کا جملہ برجستہ تھا۔ اشمل کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

''احسن!'' اُس نے خشمگیں نظروں سے اُسے دیکھا۔

''اچھا بابا! معاف ـــــ'' احسن نے جلدی سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''میں تو ابھی یہ کہہ رہا تھا کہ تم کچھ میری بھی سن لو، مجھے پھر دیکھ لو، بقول شاعر ؎

ہو سکے تو نگاہ کر لینا ـــــ تم پہ کچھ زور تو ہمارا نہیں۔''

''کیوں، خدانخواستہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''اسے مالیخولیا ہو گیا ہے۔'' افتخار کا پیچھے سے قہقہہ بلند ہوا تو احسن پلٹا۔

''تم ضرور ٹپکنا ـــــ کبھی مجھے اور اشمل کو تنہا نہ بیٹھنے دینا۔

''ارے واہ ـــــ تم دونوں کوئی لیلیٰ مجنوں ہو؟'' افتخار نے اُسے چڑایا تو احسن نے اُسے گھورا۔

''ہاں، یہی سمجھ لو ـــــ اور اشمل! میں کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ پھر اشمل کی طرف گھوم گیا۔ پھر اُسے یاد آ گیا، جلدی سے بولا۔ ''اشمل یارا! میں آج کل بہت خوش ہوں ـــــ کیا میرے چہرے سے خوشی ظاہر نہیں ہو رہی؟''

''انگ انگ سے ظاہر ہو رہی ہے۔'' افتخار نے پھر بولنا ضروری سمجھا۔

''اس خوشی کا راز؟''

''جناب! اس لئے کہ اس کی فیانسی آج کل......''

''افتخار! خدا کے لئے۔'' احسن نے افتخار کا جملہ کاٹ دیا اور اسے بری طرح گھورنے لگا۔ ''تم بیچ میں بولے بغیر نہ رہنا۔''

افتخار بھی کمال کا ڈھیٹ تھا۔ زور زور سے ہنسنے لگا۔

''میرے خیال سے تم دونوں پہلے لڑ لو۔ میں تو چلا۔'' اشمل اٹھ کر جانے لگا تو احسن

Marfat.com

نے اُسے پکڑ لیا۔
''چلو، کیفے چلتے ہیں۔ وہاں بتاؤں گا میری خوشی کا راز۔ چلو بھوت! تم بھی چلو۔''
احسن نے افتخار سے کہا جو پہلے ہی تیار تھا۔
''اشمل! یہ بیچارا تین دن سے راز سنبھالے ہوئے ہلکان ہو رہا ہے۔'' کیفے میں داخل ہوتے ہوئے افتخار نے کہا۔
اشمل، احسن کی طرف پلٹا۔
''کیوں بھئی ـــــ یہ تین دن سے سنبھالنے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھے بتا دیتے۔''
اشمل نے کہا تو احسن صرف مسکرا دیا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
''آج چائے میری طرف سے۔''
''ایں ـــــ صرف چائے ـــــ اتنی بڑی خوشی اور چائے؟'' افتخار نے پھر چھیڑا۔
''یار افتخار! خدا کے لئے میری جاں بخشی کرو۔ ایمان سے، اشمل کی صحبت میں رہنے کے باوجود تم ذرا بھی کم گو نہ ہوئے۔'' احسن اس کے جملوں پر زچ ہو گیا تھا۔
''پیارے! تم پر اثر ہوا نہیں تو مجھ پر کیا اثر ہو گا۔ ویسے مجھے تو لگتا ہے کہ مجھ پر تمہارا ہی اثر ہونے لگا ہے۔ اچھا چھوڑو، تم خبر تو سناؤ۔''
''تم موقع دو تب نا۔'' احسن نے سلگ کر کہا۔
''چلو اب احسن! جلدی سے سناؤ بھئی۔'' اشمل ان دونوں کو مزید الجھنے سے بچانے کے لئے بولا۔
''میری فیانسی صاحبہ سے میرا جھگڑا ختم ـــــ یعنی اب وہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔'' احسن کچھ اس انداز سے بولا تھا کہ افتخار کے حلق سے ایک طویل قہقہہ اُبل پڑا۔ اشمل بھی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکا۔
''یہ مذاق نہیں ہے ـــــ اب وہ مجھ سے شرمانے لگی ہے۔ پتہ ہے کیوں؟'' اس نے یہ کہہ کر اشمل کو دیکھا جیسے اب اس کے بعد بڑا انکشاف کرنے والا تھا۔
''مشرقی جوشاندہ پی لیا ہو گا۔'' افتخار کی زبان سے پھر جملہ پھسلا۔ مگر احسن نے اُس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔
''میرے والدین اور سسرال والوں نے مل کر میری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔ یعنی ٹھیک ایگزام کے فوراً بعد ماہدولت کے سر پر سہرا سج جائے گا۔''
''یعنی سہرے کے اندر کارٹون۔'' افتخار زور سے ہنسا۔

Marfat.com

"بکواس مت کرو ۔۔۔ اتنی پیاری صورت ہے۔ دیکھنا تو سہی، سہرے کے پھول بھی شرما جائیں گے۔"

"چہ، چہ ۔۔۔ اُن بیچاروں کا کیا قصور جو تمہارے سر پر سجیں گے۔"

"ویسے احسن! یہ کچھ زیادتی نہیں؟" اشمل نے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے احسن کو دیکھا تو وہ اُچھلا۔

"زیادتی کیسی؟ ۔۔۔ کس کے ساتھ؟"

"تمہاری فیانسی کے ساتھ۔" افتخار یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ کر دور کھڑا ہو گیا، مبادا احسن اب کپ اٹھا کر اس کے سر پر نہ مار دے۔ وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ اشمل کو بھی اپنی ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور احسن پوری طرح خفا ہو گیا تھا۔

"تم لوگوں کو خبر سنانا بے کار ہے ۔۔۔ بجائے اس کے کہ مجھے مبارک باد دو، اُلٹا مذاق بنا رہے ہو۔ جاؤ، میں چائے وائے نہیں پلاتا۔" اس نے کرسی سمیت اپنا رُخ پھیر لیا۔

"ارے چائے تو ویسے بھی تم نہ پلاتے کنجوس! میں جانتا تھا۔ اتنی ہی بڑی خبر تھی تو مٹھائی لے کر آنا چاہئے تھا۔" افتخار پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا مگر ذرا فاصلے پر۔

"ارے بھئی افتخار! بہت ہو گیا۔ چلو احسن! آج تمہاری اس خوشی میں میری طرف سے برگر اور چائے۔" اشمل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بولا۔

"یہ ہوئی نا بات ۔۔۔ دل خوش کر دیا تم نے۔" وہ پل بھر میں ناراضگی بھول بھال کر مسکرانے لگا۔

"بس یہی تو یہ چاہتا تھا۔" افتخار جیسے اُس کی رگ رگ سے واقف تھا۔

اشمل نے آرڈر دے دیا۔

"احسن! ابھی تو تمہاری شادی میں لمبا ٹائم ہے۔ اس سے پہلے ایگزام کی فکر کرو ڈیئر! جو بڑا امتحان ہے۔"

"ارے چھوڑو ۔۔۔ بڑا امتحان تو شادی ہے جس میں پاس بہت کم ہوتے ہیں۔" احسن برگر کھاتے ہوئے پھر اپنے موڈ میں آ گیا۔

"آ .... چھا......" اشمل نے چائے کا کپ لبوں سے لگا کر اسے دیکھا۔ "تم کلیئر ہو جاؤ گے؟ ۔۔۔ انگیج منٹ پیریڈ میں تو ناکام رہے ہو۔" اشمل کے جملے پر احسن کھسیا گیا۔

Marfat.com

''اب تم پر بھی افتخار کا اثر ہونے لگا ہے۔'' اس کا منہ بن گیا۔

وہ تینوں لگاتار دو پیریڈ فری ہونے کی وجہ سے کیفے میں ہی بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے۔ مگر جونہی باہر نکلے ایک بری خبر اُن کی منتظر تھی۔ جامعہ کی سڑک پر بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ شہزاد بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا۔

''کیا ہوا شہزاد؟'' اشمل نے اُسے جلدی سے پکڑ لیا۔

''ارے اشمل بھائی! غضب ہو گیا۔ پبلک بس اور پوائنٹ بس آپس میں بری طرح ٹکرا گئی ہیں۔''

''کیا۔۔۔ پوائنٹ کا ایکسیڈنٹ۔۔۔'' وہ تینوں متحیر رہ گئے اور اشمل خود کو بروقت سنبھال کر جائے حادثہ کی سمت بھاگا۔

یونیورسٹی روڈ پر ایک کہرام بپا تھا۔ دو بھری بسوں کا تصادم انتہائی ہولناک تھا۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ پولیس گاڑیوں اور ایمبولینس کی گھن گرج نے دُور والوں کو بھی چونکا دیا تھا۔

یوتھ فیڈریشن کا پورا گروپ ایکٹو ہو گیا تھا۔ وہ بس اور اپنی گاڑیوں میں بھی زخمیوں کو لے کر ہسپتال کی جانب رواں دواں تھے۔ تب نعیم جان نے بری طرح زخمی ہوئے سراج کیانی کو اشمل کی گاڑی میں ڈالا۔ اُسے دیکھ کر اشمل خان کو جھٹکا سا لگا۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ اور ہاتھ خون سے لت پت تھے۔

''اشمل! اس کی کنڈیشن بہت نازک ہے۔''

''تم رہنے دو۔۔۔ میں اسے لے جاتا ہوں۔'' اشمل نے پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس وقت زخمیوں کی ایک ایک سانس قیمتی تھی اور جس کی حفاظت ان سب کو کرنی تھی۔ لیڈی ریڈنگ ہاسپٹل بھی اس بڑے حادثے سے بھرا ہوا تھا۔ لوگوں کا ایک اژدہام تھا۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار، مردوں کی بھاگ دوڑ۔

اشمل خان نے فون کر کے اپنے فیڈریشن کے سارے کارکنوں کو ہاسپٹل میں بلوا لیا تھا۔ اس وقت ہاسپٹل کا عملہ اتنے سارے مریضوں کے لئے ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔ اسے مدد کی ضرورت تھی، جو کم از کم مریضوں کے رشتے داروں کو ڈیل کرے۔

دس اسٹوڈنٹس موقع پر ہی دم توڑ گئے تھے۔ اور پانچ کی حالت انتہائی نازک تھی۔ ڈاکٹر فیاض حسن تفصیل بتا رہے تھے۔ اشمل خون دینے کے لئے ان کے کمرے میں آیا تھا۔

''ڈاکٹر فیاض حسن! کم از کم ان پانچ اسٹوڈنٹس کو بچا لیجیے گا۔'' احسن نے دل گرفتہ

Marfat.com

لہجے میں کہا۔ ان سب پر ایک کربناک احساس طاری تھا۔

نعیم جان، شہزاد اور افتخار جامعہ میں گئے تھے تاکہ خون دینے کے لئے طلبہ و طالبات کو کونس کر سکیں۔ کیونکہ زخمیوں کے لئے خون کی اشد ضرورت تھی۔

ڈی ایس پی منظور احمد، ڈاکٹر فیاض کے آفس میں داخل ہوئے تو اشمل کو لیٹے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

''مجھے یقین تھا تم اس وقت اسی نیک کام میں مصروف ہو گے ینگ مین!'' انہوں نے اسے خون دیتے دیکھ کر کہا۔

''ڈپٹی صاحب! آپ نے ابھی تک یہ نیک فریضہ انجام نہیں دیا'' وہ ہولے سے مسکرایا۔

اس کی رگوں سے خارج ہوتا خون پلاسٹک بیگ میں جمع ہو رہا تھا۔ اُس نے ٹیوب سے گزرتے خون کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ خون جو میرے جسم سے خارج ہو رہا ہے اس سے مجھے بے تحاشہ خوشی ہو رہی ہے ـــــ اس لئے کہ یہ ہم پر قرض ہے۔ ہر انسان کا خون، اس کا مال اور اس کی جان اگر دوسروں کے کام نہ آئے تو یقین جانئے، خود اس کے لئے بھی یہ جینا عبث ہے۔'' اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

''ہیلو اشمل ـــــ کیا حال ہے؟'' ڈاکٹر فیاض اندر آئے۔ ''کمزوری تو محسوس نہیں کر رہے؟'' انہوں نے اس کی رگ میں لگی ہوئی نیڈل کو چیک کیا۔

''میرے خیال میں اب میں سرنج نکال دوں۔ تم کافی خون دے چکے ہو۔''

''نہیں سر! میں بالکل فریش ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ حالانکہ اس کے چہرے کی سرخی معدوم ہوتی جا رہی تھی اور وہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ مگر وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

ڈاکٹر فیاض نے اُسے محبت سے دیکھا اور اس کے شانے تھپتھپائے۔

''خوش قسمت ہوگا وہ شخص جس کی رگوں میں تمہارا خون دوڑے گا۔ ایک قابل اور ہمدرد انسان کا خون۔''

''تو پھر ڈاکٹر! جلدی سے مجھے اس کا خون ٹرانسفر کر دیجئے۔'' احسن نے ماحول کی گمبھیرتا کو کچھ کم کرنے کی سعی کرتے ہوئے پُر مزاح انداز میں کہا تو وہ سب مسکرا دیئے۔

''تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو ـــــ ارے ڈاکٹر فیاض! اس کا خون کسی کے کام نہیں آنے والا کیا؟'' ڈی ایس پی منظور احمد نے اُسے چھیڑا تو وہ کھسیا گیا۔

Marfat.com

''ارے واہ ـــــ میں خون دے چکا ہوں۔''

''ہاں ـــــ مگر بہت کم۔'' ڈاکٹر فیاض نے برجستہ کہا تو اشمل کے چہرے پر سختی آ گئی۔ اُس نے احسن کی طرف خفگی سے دیکھا۔

''کیوں تم نے خون.......''

''ارے نہیں اشمل! میں تو مذاق کر رہا ہوں۔'' ڈاکٹر فیاض نے جلدی سے کہا۔

''بھئی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس فیڈریشن کا لیڈر، یونین کا صدر انتہائی قابل، ہمدرد اور ایکٹو ہو، اس کے ساتھی مستعد نہ ہوں۔ احسن نے بھی کافی خون دیا ہے۔''

اشمل کے چہرے پر اطمینان اُتر آیا۔ اس کے سارے ساتھی جانفشانی سے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کبھی بھی تو اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

احسن کرسی کھینچ کر اس کے قریب آ گیا۔

''اشمل! میرے پہلو میں بھی ایک ہمدرد اور نرم دل ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اپنے سامنے کراہتے زخمیوں کو دیکھتے ہوئے بھی بے حس بنا رہتا۔ نہیں اشمل! اس وقت میرا دل بھی غم سے پھٹا جا رہا ہے۔ یہ ہنسی مذاق تو محض میں ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لئے کرتا ہوں۔'' اس کا لہجہ از حد سنجیدہ اور دکھی تھا۔ اشمل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں احسن! میں تمہیں جانتا ہوں۔ اور مجھے اپنے تمام دوستوں اور ساتھیوں پر فخر ہے۔ انہوں نے مجھے کبھی کسی قدم پر مایوس نہیں کیا۔''

سراج کی رگوں میں اشمل کا خون دوڑنے لگا تھا۔ وہ بھی شدید زخمیوں میں سے تھا جس کے بچ جانے کے چانسز کم تھے۔ مگر اب وہ تیزی سے زندگی کی طرف واپس آ رہا تھا اور اب قدرے ہوش میں تھا۔ اور اب اشمل سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے نعیم جان سے بے حد اصرار کیا کہ وہ اشمل کو یہاں لے آئے۔ تب نعیم جان نے اشمل کو اس کا پیغام دیا تو اشمل اس کے پاس چلا آیا اور اسے ہوش میں دیکھ کر اس کے دل میں اطمینان اتر آیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟''

''اشمل خان!'' سراج کیانی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ ہمیشہ سے اس کا مخالف رہا تھا۔ ریحان پراچہ کے ساتھ مل کر اس نے ہمیشہ اشمل خان کو ذاتی طور پر بھی زک پہنچانے کی سعی کی تھی۔ اور اب وہ اس کا محسن تھا۔ اسے دوبارہ حیات بخشنے والا۔ اگر وہ چاہتا تو اسے نہ اپنی گاڑی میں ڈالتا نہ اُسے خون دیتا۔

''میں تمہارا بے حد ممنون ہوں اشمل! کہ تم.....''

Marfat.com

"سراج! مجھے شرمندہ مت کرو ـــــ میں نے کوئی احسان نہیں کیا تم پر۔ بس اپنا فرض نبھایا ہے۔" اس نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ "میں نے کسی پارٹی کے توسط سے کام نہیں کیا، محض انسانیت کے ناطے کیا ہے ـــــ کم آن، بی ریلیکس ـــــ کوئی احسان نہیں ہے میرا تم پر۔" اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور مسکرا دیا۔ سراج کی آنکھوں میں تشکر کے رنگ لہرا گئے۔

"تم اپنا احسان مانو یا نہ مانو اشمل خان! مگر میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ تمہارا خون اب مجھ پر قرض ہے۔ کبھی تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر میری ضرورت پڑے تو مجھے ضرور آواز دینا۔" اس نے اتنا کہا اور آنکھیں موند لیں۔

اس ہولناک سانحے نے ان سب کو دماغی اور جسمانی طور پر تھکا دیا تھا۔

اشمل خان بھی مسلسل تین دن ہاسپٹل میں رہا۔ پیرا میڈیکل اسٹاف کا مستعدی سے ساتھ دیتا رہا۔ اور اس دن ڈاکٹر فیاض نے اسے زبردستی ہاسٹل بھیج دیا۔ وہ ان کے بے حد اصرار پر ہاسٹل آ گیا۔ اور جونہی بیڈ پر لیٹا، اُسے گہری نیند نے آ دبوچا تھا۔ تین راتوں سے وہ ڈھنگ سے نہ سویا تھا۔ اور تین دن مسلسل یہاں وہاں بھاگتے دوڑتے گزر گئے تھے۔ خون دینے کی کمزوری الگ تھی۔ بظاہر اس نے اپنے اوپر تھکن طاری ہونے نہیں دی تھی۔ مگر بیڈ پر گرتے ہی اُسے شدید تھکاوٹ کا احساس ہوا اور پلکیں نیند سے بھاری ہونے لگیں۔ بس آنکھیں موندتے ہی اُسے کچھ ہوش نہ رہا۔ اور جب آنکھ کھلی تو شام اُتر آئی تھی۔ اُس نے دریچے سے باہر جھانکا، زندگی کی رونق وہی تھی۔ ٹریفک کا شور۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا سحر۔

اُس نے سینے سے ایک گہری سانس خارج کی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ اور جب باہر آیا تو وارڈن نے اُسے ٹیلیفون کی اطلاع دی۔ اُس کے ذہن میں پہلا خیال ہشمینہ ہی کا آیا۔ یقیناً اُسی نے فون کیا ہوگا۔ کتنے دن ہو گئے تھے اس کی آواز سنے اور اسے دیکھے ہوئے۔ اس کے تصور کے ساتھ ہی اس کے دل پر ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار پڑنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف شاہ خانم تھیں۔

"ارے شاہ خانم! آپ ـــــ خیریت ـــــ؟"

"خیریت نہیں ہے اشمل!" شاہ خانم کی آواز میں غصہ بھرا ہوا تھا۔

اشمل بری طرح چونکا۔ "کیا...... کیا مطلب؟"

"تم فوراً آج یا کل حویلی آؤ ـــــ مجھے اس وقت تمہاری اشد ضرورت ہے۔"

Marfat.com

''مگر ہوا کیا؟___ پلیز شاہ خانم! آپ کچھ بتایئے۔'' وہ ان کے انداز اور جملوں پر پریشان ہوگیا۔

''تم حویلی آ جاؤ___ تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔ بات اتنی مختصر نہیں ہے کہ میں تمہیں فون پر بتا سکوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا باپ مجھے اور اس حویلی کو ڈھا دینا چاہتا ہے۔'' ان کا لہجہ تنا ہوا تھا۔ اور پھر اشمل کو حیران پریشان چھوڑ کر رابطہ کاٹ دیا۔

+++

ہشمینہ نے بھابی کو کوریڈور میں ہی جا پکڑا۔

''یہ آج صبح ابی کے کمرے میں کیا میٹنگ ہو رہی تھی___ ابی، اشناس بھائی اور امی کے درمیان؟'' اُس نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں پھیلا کر بھابی کو کھوجتی نظروں سے دیکھا۔

''بتا دوں؟'' بھابی نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا۔

''بالکل۔''

''ادھر آؤ___'' بھابی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے لپکی۔

''اب زیادہ سسپنس مت پھیلایئے۔'' وہ دروازے میں گھستے ہی چلائی۔ ''بائی دی وے، معاملہ گمبھیر ہے کیا جو آپ کے چہرے کی بتیاں بجھی بجھی ہیں؟'' اُس نے بھابی کی سنجیدگی کا مذاق اُڑایا۔

''ہشمینہ! ابی کے دوست انکل کمال کو تو تم جانتی ہو۔ اور ان کے بیٹے سلطان کو بھی۔''

''ارے بابا! سب کو جانتی ہوں۔'' وہ بھابی کی اس تمہید پر چڑ گئی۔

''سلطان سے تمہارا رشتہ طے کر رہے ہیں ابی جان اور امی۔''

''کیا___؟'' وہ بدک کر یوں پیچھے ہٹی جیسے اس کے آگے کسی نے لہراتا ہوا سانپ ڈال دیا ہو۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''کل ہی پرپوزل آیا تھا___ اب سوچ بچار ہو رہی ہے۔''

''میری رائے، مرضی معلوم کئے بغیر ابی یہ فیصلہ کر دیں گے؟'' اس کی کانپتی آواز اُبھری۔

''نہیں ___ ہوسکتا ہے تمہاری مرضی معلوم کریں۔ مگر ہشمینہ! تم انکار کی وجہ کیا بتاؤ گی؟'' بھابی اس کے قریب آ گئیں۔

''آ...... آپ جانتی تو ہیں کہ میں اشمل خان......''

''میں جانتی ہوں نا___ ابی یا اشناس تو نہیں جانتے۔'' بھابی نے اس کی بات کاٹ

Marfat.com

کر کہا تو وہ خالی خالی نظروں سے بھابی کو تکنے لگی۔ بھابی کو اس پر رحم آ گیا۔
''گھبرانے کی بات نہیں ہے ـــــ ابی بہت روشن خیال انسان ہیں۔ وہ جلد بازی میں فیصلہ نہیں کریں گے۔ تمہاری رائے کو مقدم جانیں گے۔'' بھابی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
''بیٹھو ادھر۔'' وہ کرسی پر ٹک گئی۔ یہ خبر حقیقتاً اُسے پریشان کر گئی۔ وہ انکار کا کیا جواز پیش کرے گی؟ ـــــ ابی لاکھ روشن خیال سہی، مگر اتنے ہرگز نہ تھے کہ وہ ان کے سامنے اجمل خان کا نام پیش کر دیتی۔ اُس کے اور اپنے تعلق سے انہیں آگاہ کر سکتی۔
''میرے خدایا! یہ بھی ہونا تھا، اُس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ معاً اُس کی آنکھیں چمکیں۔ یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا۔
''یاد ہے بھابی! ابھی کچھ ماہ قبل ایک پرپوزل آیا تھا میرا اور میں نے انکار کر دیا تھا تو ابی بھی فوراً مان گئے تھے۔ اور ......'' اس کی خوش فہم نگاہیں بھابی کے چہرے پر ٹک گئیں اور بھابی بے ساختہ ہنسنے لگیں۔
''جنابہ! وہ لڑکا جرمنی میں رہتا تھا اس لئے امی پہلے ہی راضی نہ تھیں۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو اتنی دور نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔ یوں بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر یہاں سلطان کمال کا پلہ بھاری لگتا ہے۔''
''اُف ـــــ'' وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ''کچھ بھی ہے، میں اس رشتے سے انکاری ہوں۔ اور اگر کچھ نہ ہو سکا تو یاد رکھئے گا، میں سلطان کمال کو یا پھر خود کو شوٹ کر لوں گی۔'' وہ پلٹ کر بھابی کے کمرے سے باہر نکل گئی۔
یہ اچانک کیسی افتاد آ پڑی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں یکدم مفلوج ہو چکی ہیں۔ اُسے یہ یقین تھا کہ ابی اس سلسلے میں اُس کی رائے ضرور معلوم کریں گے۔ بلکہ اُس کی رائے کو مقدم بھی جانیں گے۔ اگر وہ انکار کرتی ہے تو وجہ ضرور ہونی چاہئے۔ اور اس کے پاس ابی کو مطمئن کرنے کے لئے کوئی ایسا جواز نہیں تھا۔ سلطان کمال ہر لحاظ سے مکمل انسان تھا ـــــ اس کے گھرانہ سے ابی کے دیرینہ تعلقات تھے۔
''میرے اللہ ـــــ'' اس پر سخت بے بسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔
بھابی اندر داخل ہوئیں تو وہ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔
''نری پاگل اور بے وقوف ترین لڑکی ہو۔'' بھابی اس کے قریب آ گئیں۔ ''اس طرح

Marfat.com

بیٹھے بیٹھے یا جذباتی ہونے سے کوئی مسئلے حل نہیں ہوتے۔''

''پھر آپ ہی بتایئے ــــ کیا کروں؟'' اس نے سر اٹھا کر بے چارگی سے انہیں دیکھا۔

''بھئی مل کر کچھ سوچتے ہیں۔'' بھابی نے کہا تو اس کے لبوں پر اُداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کوئی حل نہیں ہے میرے پاس۔'' اس نے پھر سر گھٹنوں پر ٹکا دیا۔ ''بھابی! میں اشمل خان کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ چکی ہوں کہ واپسی کا اب کوئی راستہ نہیں رہا۔ میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر آگے بڑھی ہوں۔ میں اس کے بغیر بالکل ادھوری ہوں۔ بھابی! میں اشمل خان کے ساتھ کسی لڑکی کا نام تک برداشت نہیں کر سکتی، کہاں اب خود کسی دوسرے سے خود کو منسوب کر لوں۔ یہ ناممکن ہے۔'' اس نے یہ کہہ کر ایک اذیت کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔

''کوئی خاص میٹنگ ہو رہی ہے کیا؟'' اشناس بھائی کی آواز پر دونوں سنبھل گئیں۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''میٹنگ کیا ہونی ہے ــــ ہشمینہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔'' بھابی نے موقع مناسب سمجھ کر بات چھیڑ دی۔ اشناس بھائی چونکے۔

''کیا مطلب ــــ کیوں؟'' انہوں نے ہشمینہ کی طرف نظریں اٹھائیں جس نے جلدی سے سر جھکا لیا تھا۔

''ارے واہ ــــ مرضی ہے اس کی۔ اسے نہیں پسند سلطان۔ لڑکی کی بھی تو رضا ہوتی ہے۔''

بھابی نے بات کو سنجیدگی سے بچانے کے لئے شگفتہ انداز اختیار کیا۔ ''جس طرح مرد جب تک مطمئن نہیں ہوتے حامی نہیں بھرتے۔''

''خوب ــــ مگر کوئی جواز تو ہوگا مطمئن نہ ہونے کا۔'' اشناس نے کہا۔ پھر ہشمینہ سے مخاطب ہوئے۔ ''ہاں بھئی، یہ تمہاری بھابی کیا اول فول بک رہی ہے۔''

''کیا ــــ کیا میں اول فول بک رہی ہوں؟'' بھابی گھبرا کر بولیں۔ ''بس اسے نہیں پسند۔ آپ امی سے جا کر کہہ دیں کہ ہشمینہ کو انکار ہے۔''

''میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے سر اٹھا کر کہا تو بھابی کا دل چاہا سر پیٹ لیں۔ اتنا بودہ سا جواز اتنی جلدی پیش کر دینے کی کیا ضرورت تھی۔

Marfat.com

''دیکھو لڑکی! تم پہلے بھی امی کے لاڈ کا کافی ناجائز فائدہ اٹھا چکی ہو۔ بھئی بغیر جواز شادی نہ کرنا یا اس رشتے سے انکار حماقت ہے سراسر۔'' اشناس بھائی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا اور پھر بھابی کی طرف دیکھ کر بولے۔ ''اور تم اس کی حماقتوں کا ساتھ مت دیا کرو، اسے سمجھانے کی بجائے اُلٹا بہکاتی ہو۔'' وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے اور بھابی کا منہ بن گیا۔

''دیکھ لیا نا آپ نے ـــــ اب میں امی کو کیسے مطمئن کروں گی۔ جبکہ اشناس بھائی کو بھی......'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تو کس نے کہا تھا کہ جا کر اشمل سے محبت کر بیٹھو۔ بس اب یہی حل ہے کہ تم اشمل خان سے کہو کہ وہ میدان میں کود پڑے۔ یعنی اپنی امی کو بھیجے۔''

''ہائے ـــــ یہ میں اس سے کہوں؟'' ہشمینہ کا چہرہ لال ہو گیا اور بھابی تلملا کر رہ گئیں۔

''ہائے مصیبت۔ یہ مشرقی لڑکیوں کی محبت بڑی مہنگی پڑتی ہے۔ ارے جب زبان کا قفل نہیں ٹوٹ سکتا تو یہ محبت کیسے کر لیتی ہو؟ ـــــ نہ امی سے کچھ کہہ سکتی ہو اور نہ اشمل خان سے۔ کیا اب کوئی فرشتہ آئے گا تمہارا اجل لے کر؟''

''بھابی!'' وہ لب کاٹ کر رونے لگی۔

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی تھی ـــــ بھابی نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر ہشمینہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''بندے کی عمر بڑی ہے۔ اشمل خان ہے۔''

''کیا ـــــ اشمل خان؟'' وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور لپک کر بھابی کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا۔ بھابی کمرے سے باہر نکل گئیں اور جاتے جاتے دروازہ بند کر گئیں۔

ہشمینہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ہاتھ پیر سنسنانے لگے۔

''ہیلو......ہیلو......ہشمینہ!''

''ہیلو اشمل!'' اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔ اس کی آواز جیسے اس کی رگوں میں دوڑتے خون میں طوفان مچا گئی تھی۔

''بولتی کیوں نہیں ہو ـــــ خیریت تو ہے؟''

''آں، ہاں ـــــ سب خیریت ہے۔ آپ کیسے ہیں؟''

Marfat.com

''میں تو ٹھیک ہوں۔ تم نے پڑھا تو ہو گا اخبار میں، پوائنٹ کی بس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ بس اس سلسلے میں مصروف تھا۔''

''نہیں ـــــ میں نے تو نہیں پڑھی یہ خبر۔ کب، کیسے ہو گیا؟'' اُسے شاک لگا۔ اخبار تو روزانہ آتا تھا اور ابی اور اشناس بھائی باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ یہ خبر ان کی نظروں سے نہیں گزری ہو گی یا پھر وہ بتانا بھول گئے ہوں گے۔ اس نے تو اخبار پڑھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

''بہت شدید حادثہ تھا۔ تین دن ہو گئے ہیں۔''

''او مائی گاڈ ـــــ مجھے تو کچھ خبر ہی نہ ہوئی۔ کیا بہت زیادہ جانی نقصان ہو گیا ہے؟'' اس نے گہرے تاسف سے پوچھا۔

''وہاں کئی اسٹوڈنٹس کی ڈیتھ ہو گئی اور کئی زخمی ہوئے۔ اور دوسری پبلک بس کے بھی کئی مسافر زخمی ہو گئے ہیں۔''

''اوہ، میرے اللہ ـــــ'' اُسے گہرے رنج نے آگھیرا۔

''سراج کیانی بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔ اب تو قدرے بہتر ہے۔ میں کل وادی جا رہا ہوں۔ کچھ ضروری کام ہے۔ سوچا تم سے بات کرتا جاؤں۔ کیا بات ہے، تم کچھ پریشان سی ہو؟'' اشمل نے اس کی خاموشی کو بری طرح محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کچھ اپ سیٹ سی لگ رہی ہو۔''

''اش.......مل......'' اُسے ضبط کا یارا نہ رہا اور بے اختیار سسک اٹھی۔

''فار گاڈ سیک ہشمینہ! مجھے بتاؤ، کیا پرابلم ہے؟''

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''او کے۔ کہاں، کس وقت؟'' وہ بے تاب ہو گیا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا حلق تک آنسوؤں سے بھر گیا۔

''ٹھیک ہے ـــــ تم لالہ زار آ جاؤ، میں بھی پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ کچھ نہ بول سکی۔

''دیکھو، جلدی پہنچنا۔ دیر مت کرنا۔'' اس نے ریسیور رکھتے ہوئے اسے تاکید کی تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر اس نے خود کو کسی حد تک سنبھالا۔ ابھی اختیار سے کچھ باہر تو نہیں۔ بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اُس نے خود کو تسلی دی اور جلدی جلدی اپنا حلیہ درست کر کے چادر اٹھا کر کمرے

Marfat.com

سے باہر آئی۔ امی کو خدا حافظ کہہ کر وہ پورچ کی جانب بھاگی۔ اُسے یقین تھا کہ اشمل اس سے بھی زیادہ بے تاب ہو گا اور لالہ زار اس سے پہلے پہنچ جائے گا۔ وہ اُسے کس قدر شدت سے چاہتا تھا، یہ فخر، یہ احساس تو اس کے جذبوں کو اور بھی شدید کر جاتا تھا۔

اس کا خیال درست تھا۔ وہ جب لالہ زار آئی تو اشمل خان بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی اس کی سمت لپکا۔ اس کے چہرے پر گہرا اضطراب ہلکورے لے رہا تھا۔ اور اس اضطراب کا سبب اُس کی وہ سسکیاں ہی تھیں جو اس نے فون پر سنی تھیں۔

''بیٹھو۔'' اس نے کرسی کھینچ کر کہا تو وہ سرمئی چادر کو سنبھالتی اس کے سامنے ٹِک گئی۔ اُس کے چہرے پر گہرا رنج پھیلا ہوا تھا۔ اُس نے راستہ بھر بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔ اشمل خان کو دیکھ کر پھر دل بے قرار آنسوؤں میں ڈھل جانا چاہتا تھا۔ مگر پلکوں کی مضبوط باڑھ نے آنسوؤں کو بہنے سے روکے رکھا۔

اشمل نے کافی کا آرڈر دے رکھا تھا۔ کافی آئی تو اس نے ایک کپ اُس کی طرف بڑھا دیا اور اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''اب مجھے بتاؤ کیا معاملہ ہے؟''

اُس نے پلکیں اوپر اٹھائیں، پھر جھکا دیں۔ اُسے لگا جیسے یکدم لفظوں کے معاملے میں وہ بالکل تہی دامن ہو گئی ہو۔ وہ کیا کہے، کس طرح چھیڑے یہ مسئلہ ـــــ اچانک ڈھیر ساری شرم نے اُسے آ گھیرا۔

''کم آن ہشمینہ ـــــ ڈونٹ وری ـــــ اینڈ ٹیل می ایوری تھنگ۔'' اُس نے تسلی آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور میز کی سطح پر رکھے اس کے سفید ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

''ناؤ ہری اپ۔''

''اشمل! امی میری شادی کے بارے میں سیریس ہو گئے ہیں۔'' وہ لمحہ بھر کو رکی اور اشمل خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''بھئی والدین اولاد کی شادی کے معاملے میں سیریس نہیں ہوں گے تو پھر کون ہو گا؟''

''اشمل! وہ میری شادی اپنے دوست کے بیٹے سلطان کمال سے کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا پروپوزل آیا ہوا ہے۔'' اُس نے اشمل کا جملہ کاٹ کر جلدی سے اپنی بات مکمل کی تو اشمل کے چہرے پر یکدم سنجیدگی چھا گئی۔

''آپ نہیں جانتے ـــــ امی سو فیصد راضی ہیں۔'' اس کی آواز میں شکستگی در آئی۔

Marfat.com

چند لمحے اشمل خان کچھ بولنے اور سوچنے کی پوزیشن میں نہ رہا اور خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ اشمل کی یہ خاموشی اس کے رنج کو اور بھی سوا کر گئی۔

''میرے پاس انکار کا ایسا کوئی جواز نہیں ہے جو میں ابی کے سامنے پیش کرسکوں۔ اشمل! ابی نے مجھے لاکھ آزادی دی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس لاڈ اور آزادی نے بھی مجھے ان کے سامنے گستاخ نہیں کیا۔ میں نے کبھی ان کے کسی حکم سے انحراف نہیں کیا۔ اور اس معاملے میں بھی شاید میں آواز نہ اٹھا سکوں۔ اشمل! اس آزادی نے میرے اندر شرافت اور مشرقی حمیت کو فنا نہیں ہونے دیا۔'' وہ سر جھکا کر سسکنے لگی۔

اشمل خان اس انکشاف کی زد میں چند لمحے ضرور رہا مگر پھر بروقت خود کو سنبھال لیا۔ اس نے دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر قدرے اس کی سمت جھکتے ہوئے کہا۔

''ہشمینہ! تم انتہائی احمق لڑکی ہو۔'' اس کا لہجہ ہلکی سی شرارت لئے ہوئے تھا۔ ہشمینہ نے چہرہ اٹھایا۔

''یہ بتاؤ، اس پروپوزل کو کتنے دن ہوئے ہیں؟'' اس نے کچھ سوچ کر پوچھا۔ اب وہ اپنے دل پر چھائے اس خوفناک خبر کے اثرات کو بالکل زائل کر چکا تھا۔

''دو دن۔''

''بس ـــــ'' وہ بے ساختہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں تسلی تھی۔ ''بھئی تم اپنے ابی کی لاڈلی بیٹی ہو اور ظاہر ہے وہ اچھے سے اچھے پروپوزل پر بھی کم از کم ایک دو ہفتے تو ضرور غور کریں گے ـــــ ہے نا ـــــ؟'' اس نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

''تو پھر ـــــ ہمارے پاس بھی ایک ہفتہ سے زیادہ ہی وقت ہے نا ابھی۔ ابھی کچھ ہمارے اختیار سے باہر نہیں گیا۔''

ہشمینہ نے رومال سے چہرہ رگڑ کر حیرت پاش نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ اس کی بات کسی حد تک سمجھ رہی تھی۔

''چلو آؤ ـــــ میرا خیال ہے تمہیں کھلی ہوا کی ضرورت ہے۔'' وہ مسکرایا اور کافی کا کپ میز پر رکھ کر کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ ہشمینہ بھی بادل نخواستہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ اپنی گاڑی کیفے سے باہر چھوڑ کر اس کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ اس کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ اشمل خان کا وجود، اس کے جملے اس کے لئے تقویت کا باعث بن رہے تھے۔ مگر دل پھر بھی اسی خدشے کی لپیٹ میں تھا۔

گاڑی دریائے کابل کے کنارے رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے۔

Marfat.com

دریائے کابل کا بھورا پانی اپنی خوبصورتی سے تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ہشمینہ کی بھی ساری توجہ اس دریا کی سمت ہو گئی۔ وہ اشمل خان کے ہمراہ اس کے کنارے کنارے چلنے لگی۔

''اشمل خان! میری محبت بھی اس دریا کی طرح گہری ہے۔ بظاہر پُرسکون۔ مگر اندر سے شوریدہ سر اور بے تاب۔'' وہ دھیرے سے بولی۔ اُس کا لہجہ ملول تھا۔

''ہشمینہ! انسان کی زندگی ان تمام اصولوں، رشتوں اور روایتوں سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی باشعور انسان ان فانی چیزوں پر انسان کی قیمتی ذات کو قربان کردے۔ ابراز انکل بہت سمجھ دار اور باشعور انسان ہیں۔''

''آپ کا کیا خیال ہے، میں ان کے سامنے یہی وجہ پیش کردوں؟'' اس نے نہایت درجہ تعجب کے ساتھ پوچھا تو وہ مسکرا دیا۔

''کوئی حرج بھی نہیں۔'' اُس کی بھوری آنکھوں کی جگمگاہٹ گہری ہو گئی۔ ہشمینہ کے رخسار تپ اٹھے۔

''ویسے اس کا ایک ہی حل ہے جو درست بھی ہے۔'' اس نے اس کے گہرے گلابی رخسار کو پُرشوق نظروں سے دیکھا۔ ''کہ اب وادی جا کر شاہ خانم کو لے آؤں اور تمہارے گھر روانہ کردوں۔''

اُس کے جملے پر اُس نے اپنے چہرے کا رخ موڑ لیا۔ وہ دونوں ایک سایہ دار درخت کے تنے کے نیچے کھڑے تھے۔

''مگر ہشمینہ! پھر بھی ووٹ زیادہ سلطان کمال کے رہے تو؟''

''نہیں —— بالکل نہیں۔'' اُس نے پلٹ کر بے ساختہ کہا۔ پھر خود ہی جھینپ گئی۔

''ہشمینہ! تم نے کیا کہا تھا کچھ دیر پہلے اس دریا کو دیکھ کر؟'' وہ لٹکتی ڈال کو ہٹا کر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ''میں نے سنا نہیں تھا۔'' وہ اُس کی شرم سے محظوظ ہو رہا تھا۔ اُس کے آزردہ جمال پر یک بیک شرم کا رنگ پڑتا بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ سیاہ آنکھوں پر تنی گھنی جھالریں رخساروں پر لرز رہی تھیں۔

''آپ وادی کیوں جا رہے ہیں؟'' اُس کی محویت توڑنے کے لئے دھیرے سے بولی یا پھر یہ سوال اس کے اندر مچل رہا تھا۔

''ہوں ——'' وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے سوال پر ایک گہری سانس اس کے سینے سے آزاد ہوئی۔ اُس نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر پانی کی سطح پر ٹکا دیں۔

Marfat.com

''مجھے شاہ خانم نے فون کیا تھا ـــ کوئی مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ کوئی خود ساختہ مسئلہ ہے جو محض کسی نظریے سے اختلاف پر پیدا ہوا ہے۔'' وہ دفعتہً سنجیدہ ہو گیا۔ شاہ خانم کے لفظوں اور انداز سے وہ یہی اخذ کر سکا تھا یا شاید وہ شاہ خانم کے مزاج سے آشنا تھا۔ ہمیشہ مسائل خود انہوں نے ہی پیدا کئے تھے۔

ہشمینہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''نظریے سے اختلاف؟''

''ہاں۔'' اُس نے کئی سبز پتیوں کو ایک ساتھ مسلا۔ ''ہشمینہ! پتہ نہیں، بابا خان آج تک شاہ خانم کے نظریوں سے کیوں اختلاف نہیں کر پائے ـــ یا پھر وہ ہمیشہ ان سے متفق ہی رہتے ہیں۔'' اس کی نگاہیں مسلے ہوئے پتوں کو گھور رہی تھیں۔

شاہ خانم نے فون کر کے حقیقتاً اُسے پریشان کر دیا تھا۔

''صرف یہی دو راستے تو نہیں ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ محبت کا گداز جذبہ دل میں موجزن ہو تو فریق ثانی کی بات سے لاکھ اختلاف ہو مگر نظر انداز کا طریقہ اپنا لیا جاتا ہے۔'' ہشمینہ نے کہا تو وہ چونکا۔

''ارے ـــ میں بھی یہ کیا باتیں لے بیٹھا۔''

''کیا کوئی سیریس مسئلہ ہے اکمل؟''

''ارے نہیں ـــ میں نے کہا نا، ہو گا کوئی خود ساختہ مسئلہ۔ اور شاہ خانم جذباتی ہو جاتی ہیں معمولی معمولی بات پر۔'' وہ لاپرواہی سے ہنس دیا۔ اُسے اپنی کیفیات پر قابو پانے میں کمال حاصل تھا۔ اچانک وہ پلٹا تو بری طرح سٹپٹا گیا۔ وہ دونوں اس کے سامنے اور بالکل قریب آ گئے تھے۔

+++

ماہ گل ڈرائنگ روم میں اپنے دونوں بہن بھائی کو دیکھ کر خوشی سے آگے بڑھی۔

''ارے فروان! تم کب آئے ـــ اور سحر! تم کیسی ہو بھئی ـــ یہ آج اچانک؟''

''بس ٹھیک ٹھاک۔'' سحر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھی اور ماہ گل سے لپٹ گئی۔

ماہ گل کو ملازمہ نے ہی مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی اور تیار ہو رہی تھی۔ گھر میں اس وقت اس کے اور اس کی ساس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ بھی مسعود کے ہمراہ اس کے دوست کے بیٹے کی برتھ ڈے پارٹی میں جانے والی تھی۔ سحر گل نے دیکھا، نیلے ایمبرائیڈری والے نئے فیشن کے سوٹ اور جھلملاتے دوپٹے میں اس کا چہرہ

Marfat.com

بے حد دمک رہا تھا۔ سفید سڈول کلائیوں میں گولڈ کی چوڑیاں کھنک رہی تھیں۔ کانوں میں بڑے بڑے سنہری آویزے ہلکورے لے رہے تھے۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ بے حد نکھرا اور تروتازہ لگ رہا تھا۔

سحر گل کو اس کا یہ روپ بے حد دلکش لگا۔ دل کی طمانیت اور خوشی ان کے چہرے پر نکھار بن کر سمٹ آئی تھی۔

''آپ کہیں جا رہی تھیں آپا؟'' فروان نے پوچھا۔

''ہاں ــــ مسعود کے فرینڈ کے بیٹے کی آج برتھ ڈے ہے۔''

''ارے پھر تو ہم غلط وقت پر آ گئے۔''

''ارے نہیں، نہیں۔ ابھی تو مسعود گئے ہوئے ہیں۔ ان کو آنے میں آدھا گھنٹہ لگ جائے گا۔ تم لوگ بیٹھو، بہت خوشی ہوئی تم دونوں کو دیکھ کر۔ گھر میں سب کیسے ہیں ــــ امی، پاپا، شاردا، زمان سب؟'' اس نے ایک ہی سانس میں سب کے بارے میں پوچھ لیا۔

''سب ٹھیک ہیں ــــ مزے میں ہیں۔'' فروان نے انگلیاں صوفے کے ہتھے پر پھیرتے ہوئے کہا تو ماہ گل نے اسے غور سے دیکھا۔

''مگر تم کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔''

''آپی!'' سحر گل اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔ ''فرو بہت اپ سیٹ ہے۔''

''کیا بات ہے فروان جان؟'' وہ سحر گل کی بات سن کر فروان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''آپی! پلیز، آپ امی کو سمجھایئے ــــ اُنہیں کہئے میں کسی صورت میں اشتارا سے شادی نہیں کر سکتا۔'' فروان یکلخت پھٹ پڑا۔

''شش....... آہستہ۔'' سحر گل نے اُسے ٹوکا۔ اُسے ماہ گل کے سسرال والوں کا احساس تھا۔ ماہ گل نے اس کی پریشانی بھانپ لی۔

''کوئی نہیں ہے اس وقت گھر پر۔ صرف اماں ہیں، وہ نماز پڑھ رہی ہیں اپنے کمرے میں۔''

''آپی! زندگی مجھے گزارنی ہے۔ امی کو یا کسی اور کو تو نہیں نا۔ آخر وہ یہ ظلم کیوں کرنے لگی ہیں؟ خدا کے لئے انہیں آپ ہی سمجھایئے۔'' فروان سخت پراگندہ ہو رہا تھا۔

ماہ گل چند ثانیے جیسے کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہ رہی۔ اس مسئلے نے پھر سر اٹھایا تھا۔ اور اب معاملہ اتنا بڑھ گیا تھا۔

Marfat.com

''آپی! امی نے شاہ آنٹی سے بھی بات کر لی ہے۔''

''فرو! تم جانتے ہو امی نے میری بات کب مانی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ وہی کیا ہے جو ان کا دل چاہا ہے۔'' وہ قدرے شکستگی سے بولی۔

''مگر میں یہ ہونے نہیں دوں گا۔ وہ سراسر میری زندگی سے کھیلنا چاہتی ہیں۔ ایک ایسی لڑکی کو میری زندگی میں داخل کر رہی ہیں جو اپنے دل میں میرے لئے کوئی احساسات نہیں لا سکے گی۔ جس کے دل و دماغ میں کوئی اور بستا ہے۔''

ماہ گل آنکھیں کھولے اُسے عجیب سے احساسات سے دوچار تکنے لگی۔ ایک دُکھ سا اُسے اپنے وجود میں سرایت ہوتا محسوس ہوا۔ اس قدر بدل گیا تھا فروان ـــــ کبھی اشتارا کے نام پر اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھتے تھے۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔ اور اب وہ اشتارا سے اس قدر بدک رہا تھا جیسے وہ اس کی زندگی میں داخل کر دی گئی تو وہ لمحہ قیامت ہو گا۔

ہاں، یہ بالکل حقیقت ہے کہ کوئی مرد بھی ایسی عورت کو قبول نہیں کر سکتا جس کے بارے میں وہ مشکوک ہو اور کجا اشتارا، جو ذولین خان کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی ہے اور فروان جس سے آشنا ہے۔ فروان اتنا اعلیٰ ظرف نہیں تھا کہ کسی ایسی لڑکی کو قبول کرنے پر راضی ہو جاتا جس کے دل میں کوئی اور بستا ہو۔

وہ اٹھی اور فروان کے قریب آ بیٹھی۔

''فرو ـــــ میری جان ـــــ'' اُس نے اس کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔ ''کبھی کبھی مجھے یہ پچھتاوا ڈسنے لگتا ہے کہ میں نے تمہیں اشتارا کے بارے میں یہ سب کچھ کیوں بتا دیا۔ کہیں یہ مجھ سے جرم تو سرزد نہیں ہو گیا۔ کہیں یہ عظیم گناہ......''

''نہیں آپی! ـــــ آپ نے بہت اچھا کیا جو مجھے بتا دیا۔'' اُس نے تیزی سے ماہ گل کی بات کاٹ دی۔ ''اگر مجھے بعد میں علم ہوتا تو سراسر نقصان اشتارا مہروز ہی اٹھاتی۔ بہرکیف ابھی میرے اختیار سے کچھ نکلا نہیں۔'' وہ اٹھ گیا۔

''فروان! ہم نے تو آتے ہی آپی کو پریشان کر دیا۔'' سحر گل اچانک بولی۔ اس کی نگاہیں ماہ گل کے چہرے کی طرف اُٹھیں جہاں سنجیدگی اور اُداسی چھا رہی تھی۔ وہ سحر کی بات پر چونکی۔

''ارے نہیں ـــــ اس میں پریشان کر دینے والی کون سی بات ہے؟ تم لوگ اپنے مسائل مجھے نہیں بتاؤ گے تو کس کو بتاؤ گے۔ ارے ہاں، میں نے تو تم لوگوں کو چائے تک

Marfat.com

کا نہیں پوچھا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں آپی! اس کی ضرورت نہیں۔'' سحر گل نے اسے روکنا چاہا۔ مگر وہ رکی نہیں اور پردہ اٹھا کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ وہ کچن کی طرف بڑھی تو سامنے سے آتے ہوئے مسعود شاہ کو دیکھ کر رک گئی۔

''ارے ——— آپ کب آئے؟''

''جناب! بس ابھی قدم ہی رکھا ہے اور آپ کے درشن ہوئے ہیں۔'' وہ بھی سنوری ماہ گل کو دلچسپی اور والہانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''پورے قتل کے سامان تیار رکھے ہیں۔'' وہ اس کی سمت بڑھا تو ماہ گل جلدی سے بولی۔

''جناب! ڈرائنگ روم میں فروان اور سحر گل آئے بیٹھے ہیں۔ اس لئے آپ اپنے قدم ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا دیں۔'' ماہ گل یہ کہہ کر ہٹنے لگی تو مسعود شاہ اس کے قریب آ کر اس کی چوٹی کو کھینچ کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور ماہ گل کچن میں چلی آئی اور پھرتی سے کیتلی میں پانی بھر کر چولہے پر چڑھا دیا اور پتی اور چینی ڈال کر اس پر ڈھکن لگا دیا اور اتنی دیر میں ٹرے میں کپ سجانے لگی۔ تب سحر گل اندر داخل ہوئی۔

''ارے کیا ہوا؟'' ماہ گل نے اسے دیکھا۔

''مسعود بھائی اور فروان تو اپنی باتیں کر رہے ہیں ——— میں ان کے درمیان مس فٹ ہو گئی ہوں اس لئے یہاں آ گئی۔ ویسے آپی! آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ سلیب پر کہنیاں ٹکا کر ماہ گل سے بولی۔

''کیا نہیں بتایا؟'' ماہ گل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اشتارا اور ذولین خان کے بارے میں۔''

''سحر جان! تم جان کر کیا کرتیں بھلا؟'' وہ مسکرائی۔

''کچھ نہیں تو کم از کم اشتارا کی بچی کو چھیڑ ہی لیتی ذولین کا نام لے لے کر۔'' سحر گل یہ کہہ کر ہنسنے لگی تو ماہ گل بھی ہنس دی۔

چائے ابلنے لگی تو اس نے جلدی سے کپ میں دودھ انڈیلا اور چائے بھرنے لگی۔

''سحر ———'' اس نے اچانک کچھ سوچ کر سحر کو دیکھا۔ ''کیا امی بہت سیریس ہیں اس معاملے میں؟''

''ہاں آپی! بہت زیادہ۔ ویسے آپی! اشتارا بہت پیاری ہے۔ اور مجھے یقین ہے فروان کا یہ وقتی جوش ہے۔ شادی کے بعد وہ......''

Marfat.com

''نہیں سحر!'' ماہ گل نے اُس کی بات کاٹ دی۔ اُس کے چہرے پر سایہ سا آ کر گزر گیا۔ ''تم نہیں جانتی گڑیا! یہ مرد کوئی آسان اور سیدھا سادھا فلسفہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر عورت کو مرد کی انا، غیرت اور ضد کی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی نہ جانے وہ مرد کی نظر میں معتبر ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ سحر جان! فرو بھی مرد ہے ____ وہ ابھی سے اشتارا کا مخالف ہو گیا ہے تو پھر شادی کے بعد وہ تو اُس کی بیوی اور ملکیت ہو جائے گی۔ اور جب عورت مرد کی بیوی ہو جائے تو مرد اس کے لئے صرف محبوب نہیں رہتا۔ چھوڑو ____ یہ چائے لے جاؤ۔ میں آ رہی ہوں۔'' اُس نے سحر کے ہاتھوں میں ٹرے تھما دی اور خود بکھرے برتن سمیٹنے لگی۔

چائے پی کر فروان جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مسعود شاہ کے بے حد اصرار پر بھی وہ نہ رکا اور دونوں بہن بھائی باہر نکل گئے۔

فروان نے گاڑی سڑک پر ڈالی۔ سحر گل بولی۔

''فرو! چلو نا ____ آج ہم دریائے کابل چلتے ہیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں وہاں گئے ہوئے۔''

فروان نے اُسے دیکھا۔ اُس کے چہرے پر التجا تھی اور دریائے کابل دیکھنے کی خواہش۔ اُس نے سر ہلا دیا اور گاڑی کا رخ بدل لیا۔ حالانکہ اس وقت اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا، کسی تفریحی مقام پر جانے کو۔

دریائے کابل ہمیشہ کی طرح دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ وہ دونوں خاصی دیر اس کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ پھر اچانک فروان کی نگاہ اشمل خان پر اٹھی۔

''سحر! وہ اشمل بھائی ہیں نا ____ وہ سامنے؟'' اُس نے سحر گل سے تصدیق چاہی تو سحر گل اچھل پڑی۔

''سو فیصدی ____ ارے مگر ان کے ساتھ یہ لڑکی کون ہے؟'' سحر گل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ''کتنی پیاری سی ہے۔ کہیں اشمل بھائی........''

''اوں ہوں ____ پہلے سے کوئی رائے قائم مت کرو۔ چلو چلتے ہیں ان کے پاس۔'' فروان نے قدم تیز کر دیئے اور دونوں اشمل اور ہشمینہ کے قریب پہنچ گئے۔ ان دونوں کو بالکل اچانک اپنے روبرو دیکھ کر اشمل لمحہ بھر کے لئے شپٹا گیا۔ ہشمینہ اس کے ہمراہ تھی جو اُن دونوں کے لئے یقیناً اجنبی تھی۔

''السلام علیکم۔'' سحر گل کی آواز پر اُس نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔

Marfat.com

''وعلیکم السلام! یہ آج تم دونوں یوں اچانک؟''

''بس آج ایسے ہی نکل آئے۔ مگر آپ بہت برے ہیں اشمل بھائی! ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی ہمارے گھر نہیں آتے۔'' سحر گل، ہشمینہ کو چپکے چپکے بغور دیکھتے ہوئے اشمل سے مخاطب ہوئی۔

''ہم لوگ ماہی آپی کے گھر گئے تھے۔ واپسی پر سوچا دریائے کابل کی سیر ہو جائے۔ چلو اچھا ہوا آپ سے بھی ملاقات ہوگئی۔''

ہشمینہ حیرانگی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی جو اشمل خان سے بے تکلف گفتگو کر رہے تھے۔

''ماہ گل کیسی ہے؟''

''بہت اچھی۔ اور اب بہت خوش۔'' سحر جلدی سے بولی اور نگاہیں پھسلتی ہوئی پھر ہشمینہ پر اٹھیں تو اس نے اپنے دل میں مچلتے سوال کو زبان دے دی۔

''آپ نے ان کا تعارف نہیں کرایا۔''

''یہ میری کولیگ ہیں۔'' اُس کی شرارت کو محسوس کرتے ہوئے اشمل نے بے حد پُراعتماد لہجے میں کہا تو وہ ہنس دی۔

''صرف کولیگ؟'' اُس سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔ ڈھیر سارا تجسس اُمڈا جا رہا تھا۔ فروان ہنس دیا۔ ''تمہیں بڑی فکر لگ گئی ہے سحر!'' اس نے اسے ٹوکا۔ اشمل کچھ خفیف سا ہو رہا تھا۔

سحر گل کی آنکھوں میں سجے شریر رنگ سب کچھ جان بھی رہے تھے مگر انجان بن کر وہ محض اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

ہشمینہ نے رخ موڑ لیا تھا اور پانی پر نگاہیں مرکوز کیے کھڑی تھی۔ وہ خود بھی جھینپ گئی تھی۔ تب اچانک سحر گل اس کے بالکل قریب کھڑی ہوگئی۔

فروان اور اشمل تو اپنی باتیں لے کر بیٹھ گئے تھے۔

''آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔'' اس نے ہشمینہ کا بھرپور جائزہ لیا۔ سرمئی چادر کو سنبھالتی وہ اپنے دل کی کیفیت چھپانے میں سرخ ہو رہی تھی۔

''ہشمینہ نام ہے میرا۔ دراصل میں اشمل کی کولیگ ہوں۔ ایسے ہی ہماری ملاقات ہو گئی وہ بھی......''

''آں ہاں، رہنے دیں جناب!'' سحر گل نے جلدی سے اُسے وضاحت سے روک

Marfat.com

دیا۔''اتنی پیاری لڑکی صرف اشمل بھائی کی کولیگ ہی نہیں ہو سکتی۔''اس کا جملہ بے ساختہ تھا۔ ہشمینہ کے رخسار تپ اُٹھے۔

''ویسے یہ اشمل بھائی بڑے چھپے رستم ہیں۔ اور آپ بھی ان کے ڈر سے نہیں بتائیں گی۔ ہے نا؟'' وہ اس کی سمت جھکی۔ پھر اس کے سرخ رخساروں کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولی۔''میں اشمل بھائی کی ماموں زاد ہوں ___ سحر گل کہتے ہیں مجھے۔'' اس نے بے تکلفی سے اپنا تعارف کرایا اور ہشمینہ نے شکھ کا سانس لیا کہ وہ اس موضوع سے ہٹی تو سہی۔ پھر اُس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔ وہ سحر گل کی بے تکلفانہ باتوں سے محظوظ ہوتی رہی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں خاصی گھل مل گئیں ___ اور جب فروان اور اشمل ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں مصروفِ گفتگو دیکھ کر فروان کی رگِ شرارت پھڑکی۔

''اشمل بھائی! یہ لڑکیاں یونہی بدنام نہیں ہیں ___ باتیں کرنے کے لئے انہیں کوئی ملنا چاہئے۔ سارے اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ دیں گی۔''

''ارے واہ ___ اس میں بدنام ہونے والی کون سی بات ہے؟ ___ یہ تو ہم لڑکیوں میں خلوص ہوتا ہے جو ایک دوسرے کو قریب لے آتا ہے۔''

''خلوص نہیں، زبان بھی۔'' اشمل نے کہا تو سحر گل نے منہ بنایا۔

''اونہہ ___ ابھی تو ہم لوگوں نے کچھ باتیں ہی نہیں کیں اور آپ لوگ پیچھے پڑ گئے۔''

''سبحان اللہ ___ کیا کہنے کہ ابھی تو انہوں نے باتیں ہی شروع نہیں کیں۔'' فروان نے آنکھیں پھیلا کر مصنوعی حیرت کا اظہار کیا تو وہ دونوں بھی مسکرانے لگیں۔ فروان کا موڈ بھی قدرے خوشگوار ہو گیا تھا۔ ذہن پر چھائی پژمردگی اور ڈپریشن کسی حد تک زائل ہو چکا تھا۔

''اب آپ ہشمینہ کو لے کر ہمارے گھر ضرور آیئے گا۔'' سحر گل، اشمل سے بولی۔

''فی الحال تو میں وادی جا رہا ہوں۔''

''ہم تو آپ کو بس کبھی کبھی اخبار میں دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے بڑے کارنامے انجام دیتے رہتے ہیں ___ خوب تعریفیں اور بیانات ہوتے ہیں آپ کے بارے میں۔'' سحر گل بولی۔

''آ...... چھا......'' اشمل کو حیرت ہوئی۔''مگر میں نے تو کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا، سوائے ایک کے۔'' اُس نے یہ کہتے ہوئے معنی خیز نگاہوں سے ہشمینہ کو دیکھا

Marfat.com

پھر مسکرا دیا۔

''ارے جناب! چاند کو کب خبر ہوتی ہے کہ وہ زمین والوں کے لئے روشنی کا کام انجام دے رہا ہے۔'' فروان نے زبردست جملہ کسا تو اشمل خان اس کھلی تعریف پر جھینپ گیا۔

''تم دونوں بہن بھائی بہت زیادہ شریر ہو گئے ہو۔ او کے، پھر ملاقات ہو گی اگر زندہ رہے تو۔'' اشمل نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اُسے وقت گزرنے کا احساس ہوا۔

''ارے واہ — زندہ کیوں نہیں رہیں گے۔ ابھی تو آپ کے سہرے کے پھول بھی کھلنے ہیں۔'' سحر گل جلدی سے بولی اور شرارت بھری نظروں سے ہشمینہ کو دیکھا اور ہنستی ہوئی فروان کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور ہشمینہ اور اشمل اپنی گاڑی کی طرف۔

''آپ نے کبھی بتایا نہیں اپنی اس کزن کے بارے میں — بہت پیاری سی ہے سحر گل۔''

''جی، سب ہی پیارے ہیں۔ سوائے میرے۔'' اشمل نے جھک کر گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے کہا تو ہشمینہ نے قطعی نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''تم فرداً فرداً سب کی تعریف کر چکیں سوائے میرے۔ اور میرا کیا قصور ہے؟''

''اوہ۔'' اُس نے گھبرا کر جلدی سے پلکوں کی باڑھ جھکا لی۔ ان بھوری آنکھوں کی جگمگاہٹ میں بڑی شرارت تھی۔ وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

'کیا یہ بندہ تعریف کے قابل نہیں؟' اُس نے اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے اس کے دھنک رنگ چہرے کو بے حد والہانہ پن سے دیکھا۔

''آپ کی تعریف میری شکست ہوتی ہے۔'' اس نے چہرے کا رخ کھڑکی کی طرف کر لیا۔ ''اور میرے لئے ایک شکست ہی کافی ہے۔ بار بار اس شکست کا اعتراف کرنا بہت مشکل ہے۔'' اس نے کہا تو اشمل کی بھرپور ہنسی گاڑی میں بکھر گئی۔ اس نے سرشار انداز میں گاڑی شفاف سڑک پر فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

+++

اُس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنا بڑا غدر مچ جائے گا۔ بات گو کہ معمولی نہ تھی کہ شاہ خانم خاموش رہتیں۔ مگر اب ان کے مقابل صرف وہ یا ذولین نہ تھا، بابا خان تھے۔ ان کے شوہر، ان کے مجازی خدا۔ یہ ان کی خواہش تھی۔ ان کا حکم تھا جس پر شاہ خانم سرتاپا

Marfat.com

سلگ اُٹھی تھیں۔

ذولین سے نفرت ان کی رگ رگ میں پھر جاگ اُٹھی تھی۔

اُن کے لبوں سے، اُن کی آنکھوں سے یہ نفرت اُمڈنے لگی تھی۔

اشتارا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ وہ کمرے میں جلے پاؤں کی بلی کی طرح ٹہل رہی تھی۔ تب زور سے دروازہ کھلا اور شاہ خانم تنے تنے چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

وہ اپنی جگہ پر جم گئی۔

''اشتارا! ادھر آؤ، یہاں بیٹھو۔'' ان کی آواز میں بلا کی کرختگی تھی۔ وہ کھٹ سے صوفے پر ٹِک گئی۔

''تمہیں شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس گھر میں کون سا طوفان اٹھا ہوا ہے۔'' ان کے لہجے میں نرمی نام کو نہ تھی۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''مہروز خان، انہونی کرنے نکلا ہے۔ جانتی ہو مجھے ذولین سے نفرت کیوں ہے؟ کیا ہے اس کی وجہ؟'' انہوں نے خود کو اس کے سامنے کرسی پر گرا لیا۔

اشتارا نے بے حد آہستگی سے سر ہلایا۔

''ذولین کے باپ نے میری بہن کو سسکا سسکا کر مارا تھا اشتارا! ــــــ اس شخص کا باپ قاتل ہے گلناز کا۔ خود غرض تھا وہ شخص۔ میں اتنی جلدی اُسے معاف نہیں کر سکتی۔''

اشتارا نے بے اختیار سر اٹھایا۔

'اتنی جلدی ــــــ اب تو بہت دیر ہوگئی شاہ خانم! بہت عرصہ بیت گیا ہے۔ یہ جلدی تو نہیں رہی۔ بہت ظلم سہہ لیا ذولین نے بھی اپنے ناکردہ گناہ کی سزا میں۔' اس کی آنکھوں کے فرش گیلے ہو گئے۔

''فیروز خان خود نہ رہا مگر اپنی شبیہہ چھوڑ گیا۔ مجھے تڑپانے کے لئے۔ گل کی موت کا منظر اب بھی میرے حافظے میں اسی طرح جوان ہے۔ اس شخص نے میری بہن کی خوشیاں ڈس لی تھیں۔'' شاہ خانم کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کا سراپا غصے سے کانپ رہا تھا اور آنکھوں میں شرارے لپک رہے تھے۔

'اگر آپ کے مجرم تھے بھی تو فیروز چچا تھے۔ ذولین تو نہیں۔ اس نے تو اس وقت دنیا میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ پھر مجرم وہ کیونکر ہو گیا۔ نفرت کا حق دار وہ کیونکر بنا ہے؟ یہ تو بالکل نیا وجود ہے جو اس کہانی میں شامل ہی نہ تھا۔'

اُس کے دل کی گہرائیوں سے احتجاج کی پُر زور لہریں اُٹھیں مگر پھر دل کی وسعتوں

Marfat.com

میں ہی گم ہو گئیں۔

''میں جانتی ہوں یہ مہروز خان، گل بی بی اور ذولین کی ملی بھگت ہے۔ کیا تم بھی ان میں شامل ہو؟'' انہوں نے بالکل اچانک بے پناہ غراہٹ کے ساتھ پوچھا کہ اس کے حلق تک میں کانٹے پڑ گئے۔

''نن ...... نہیں۔'' اُس نے بے ساختہ نہیں کہہ دیا اور شاہ خانم کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''ہاں ـــــ تم میری بیٹی ہو اور ایسے شخص کو ہرگز قبول نہیں کرو گی جس سے تمہاری ماں نفرت کرتی رہی ہو ـــــ جو تمہاری خالہ کا مجرم ہے۔'' شاہ خانم کے چہرے پر طمانیت پھیل گئی۔ وہ اپنی شال سنبھالتی کمرے سے باہر نکل گئیں اور اشتارا کی آنکھوں کے پیچھے جیسے ایک ساتھ کئی سپنے ٹوٹ کر بکھرتے چلے گئے۔

اُس نے بے ساختہ دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

Marfat.com

شاہ خانم کی نگاہیں اپنے سامنے رکھی چائے کی پیالی پر جمی تھیں جس سے دھواں نکل رہا تھا اور انہیں اپنا دل بھی چائے کی پیالی کے مشابہہ محسوس ہوا جس سے ایک تکلیف دہ دھواں نکل رہا تھا۔ وہ جو کبھی سوچ نہیں سکتی تھیں، آج مہروز خان وہ کرنے چلا ہے۔ ان کے کربناک ماضی کو اُس نے پھر سے جھنجھوڑ دیا تھا۔

گلناز کا چہرہ ان کے تصور میں پھر چھانے لگا تو سارے درد جاگ اٹھے۔

'میں تمہیں کیسے معاف کر دوں فیروز خان —— کیسے —— تم مجھے میری ہنستی مسکراتی بہن لوٹا دو تو پھر میں تمہیں معاف کر دوں گی۔'

یہ دُکھ، یہ احساس ان کے خون میں اب تک سلگ رہا تھا اور اب تو یہ کیفیت اور بھی شدید ہو گئی تھی جب مہروز خان نے ذولین سے اشتارا کا رشتہ جوڑنا چاہا۔

'نہیں —— یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔' نفرت ان کی آنکھوں سے چھلکنے لگی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور مہروز خان اندر آئے۔

''تم نے کل اشمل کو فون کر کے بلوایا ہے؟'' وہ ان کے سامنے آ گئے۔ اونچا لمبا وجود غصے سے تنا ہوا تھا۔

''ہاں —— مجھے ان حالات میں اس کی ضرورت ہے۔'' شاہ خانم ترش روئی سے بولیں۔

''دیکھو شاہے! تم اندھے ذہن سے نہیں، عقل سے سوچو۔ جذبات سے نہیں، ذہن سے سوچو۔ اتنا عرصہ بیت گیا کہ کچھ بھی نہیں رہا۔ وہ سارا ماضی وقت کی دھول بن کر غائب ہو گیا ہے۔ نہ گلناز رہی ہے اور نہ فیروز لالہ۔ اور تم اب بھی بچگانہ احساسات میں گھری بیٹھی ہو۔'' مہروز خان یک بیک نرم انداز اختیار کرتے ہوئے بولے۔

''یہ بچگانہ احساسات نہیں ہیں مہروز خان! تم بھول رہے ہو کہ اسی واقعہ نے میری ساری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔''

''ہاں جانتا ہوں —— اسی لئے تو کہتا ہوں اب اس آسیب سے خود کو آزاد کر دو۔ اس

Marfat.com

جال سے نکل آؤ۔ تم نے اپنی زندگی محض ایک تلخ واقعہ کی بھینٹ چڑھا دی ہے۔"

"چپ ہو جاؤ مہروز خان!" شاہ خانم کرب سے چلائیں۔ "میں نے کہا نا کہ اب اس عمر میں، میں کسی انقلاب سے دوچار نہیں ہونا چاہتی۔ میں اس جال سے نہیں نکل پاؤں گی اور نہ نکلنا چاہتی ہوں۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے ــــ مگر اب میرا فیصلہ بھی پتھر کی لکیر ہو گا شاہ! تم اپنی اس آگ میں جلتی رہو مگر میں اپنے بچوں پر اس کی آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔" مہروز خان بھڑک اُٹھے۔ وہ مرد تھے۔ ان کی انا پر زبردست چوٹ پڑی تھی ــــ ان کی مردانگی عود کر آئی۔

اس غم پر شاہ خانم کو بچائے رکھنے والے مہروز خان آج بھر اُٹھے اور مزید بحث کئے بغیر کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان دونوں کے درمیان کبھی سرد اور کبھی تلخ جنگ پھر جاری ہو گئی تھی۔ شاہ خانم کے لئے مہروز خان کا یہ رویہ بالکل انوکھا اور تکلیف دہ تھا۔ وہ متحیر رہ جاتیں۔ اُن کا حکم تو اس حویلی کا ہر شخص ہی مانتا آیا تھا۔ ان کا ہر فیصلہ پتھر کی لکیر سمجھا جاتا تھا جس سے سرتابی کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ خود مہروز خان کو بھی کبھی کسی بات سے اختلاف نہ ہوا تھا یا پھر وہ امن پسند اور نرم مزاج تھے۔ سو چپ رہتے۔ اور ان کی ہی نرمی اور امن پسند طبیعت نے شاہ خانم کو اور بھی سرکش، ضدی اور خودسر بنا دیا تھا۔

وہ اپنے ہمراہ گلناز کا دکھ لے کر آئی تھیں اور اس حویلی کے ایک ایک فرد کو اپنے اس دُکھ میں شریک دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر اب جیسے وقت ان کے ہاتھ سے نکل رہا تھا۔ ان کا مجازی خدا ان سے اختلاف کر رہا تھا۔ اور شاید برسوں کی خاموشی ایک ساتھ ٹوٹ رہی تھی۔ انہیں دوہرا صدمہ پہنچا تھا۔

وہ پھوٹ کر رو دیں۔

'شاہ خانم کو تم توڑ دینا چاہتے ہو ــــ اس شاہ خانم کو جو جھکنا بھی نہیں جانتی۔ یہ اذیت میں نہیں سہہ پاؤں گی مہروز خان!' وہ اُٹھ کر ٹہلنے لگیں۔ تب اچانک ان کے کانوں میں مانوس آواز ٹکرائی تو وہ چونکیں اور پھر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلیں۔ اشمل، مہروز خان سے باتیں کر رہا تھا۔ شاہ خانم کو دیکھ کر اُس کی طرف بڑھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! کب آئے تم؟" اُسے دیکھ کر شاہ خانم کا چہرہ چمک اٹھا۔

"میں ابھی آیا ہوں۔" اس نے کاندھے پر پڑا بیگ زمین پر رکھ دیا اور پھر ایک

Marfat.com

طائرانہ نگاہ اطراف میں ڈال کر شاہ خانم کو بغور دیکھا۔ ان کی روئی روئی، متورم آنکھیں اور چہرے پر چھائی گہری سنجیدگی نے اُسے مسئلے کی سنگینی کا احساس دلایا۔

''آیئے، ہم بیٹھتے ہیں۔'' اس نے آگے بڑھ کر شاہ خانم کو محبت اور نرمی سے تھاما۔

''نہیں ـــــ تم تھک گئے ہو گے۔ پہلے کچھ کھا لو اور آرام کر لو۔''

''ارے دو گھنٹے کی ڈرائیونگ میں کیا تھکنا۔ میں بالکل فریش ہوں۔ اور بھوک تو بالکل نہیں ہے۔ زیبل! یہ بیگ میرے کمرے میں رکھ دو۔ آیئے شاہ خانم!'' وہ شاہ خانم کو لئے ان ہی کے کمرے میں چلا آیا۔

''میں نے ہاسٹل چھوڑ دیا ہے۔ اب یونیورسٹی بائی کار ہی جاؤں گا۔ چند ماہ ہی تو رہ گئے ہیں میرے فائنل میں۔'' اس نے پہلی خبر ہی دی تو شاہ خانم کھل اُٹھیں۔

''میں تو ہمیشہ ہی کہتی تھی۔ خدا کا شکر کہ تمہاری سمجھ میں آیا۔''

وہ ہنس دیا اور ان کے آرام دہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔

''صرف آپ کی خاطر اب بھی یہ قدم اٹھایا ہے۔''

''جانتی ہوں ـــــ ایک تم ہی تو ہو جسے میرا خیال ہے۔'' شاہ خانم نے محبت سے اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔

''نہیں شاہ خانم! آپ اپنے اطراف نگاہ ڈالیں تو محسوس کریں گی کہ اس گھر اور اس حویلی کے باہر سب آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ آپ کی عزت کرتے ہیں اور وہ سب آپ کی محبت کے خواہاں ہیں۔'' اس نے دونوں بازو صوفے کی پشت پر پھیلا دیئے اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ ''یہ بتایئے کہ یہ فون پر آپ نے کیسا بم بلاسٹ کیا تھا؟ بائی گاڈ، میں تو پریشان ہی ہو گیا۔ بھاگا چلا آیا ہوں۔''

شاہ خانم کمرے میں ٹہلنے لگیں ـــــ پھر بڑے سنہری وال کلاک کے سامنے رکیں اور پلٹیں۔

''اس حویلی میں سمجھو بم بلاسٹ ہی ہوا ہے۔ اور یہ بلاسٹ مہروز خان نے کیا ہے اشمل! تمہارا باپ وہ کرنے لگا ہے جو میری سوچ میں بھی نہیں تھا۔ اور نہ میں یہ کرنے دوں گی۔'' ان کے چہرے پر غصہ کی سرخی دوڑ گئی۔

''کیا؟ ـــــ مجھے کھل کر بتائیں۔'' اشمل سیدھا ہو بیٹھا۔

''وہ اشتارا کی شادی ذولین سے کرنا چاہتے ہیں۔'' شاہ خانم کے منہ سے نکلا ہوا یہ جملہ اشمل کے لئے خوشگوار حیرت لئے ہوئے تھا۔

Marfat.com

''میں تو کبھی اس رشتے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اشمل!'' شاہ خانم کا لہجہ آگ سے بھرا ہوا تھا۔ اشمل کے چہرے پر کئی تاثرات آئے اور معدوم ہو گئے۔ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ خوشگوار حیرت اب سنجیدگی میں ڈھل گئی تھی۔

''بابا خان کا یہ فیصلہ قطعاً غلط نہیں ہے شاہ خانم!'' اُس نے سنجیدگی سے کہا تو شاہ خانم نے غایت درجہ حیرانی اور غصہ کے ساتھ اُسے دیکھا۔

''اش.....مل.....تم بھی؟'' ان کی آواز میں بے پناہ غراہٹ تھی اور جسم کا سارا خون یک بیک چہرے پر سمٹ آیا۔

''گستاخی معاف شاہ خانم! مگر یہ حقیقت ہے کہ بابا خان کا فیصلہ نہ صرف درست ہے بلکہ بہت ہی اچھا ہے۔ اشتارا بہت خوش نصیب ہو گی اگر اُسے ذولین جیسا......''

''شٹ یور ماؤتھ......اشمل! تم......تم......'' شاہ خانم نے تیزی سے اُس کا جملہ کاٹ دیا۔ غصہ سے ان کا جسم کانپنے لگا۔ اشمل سے اُنہیں یہ اُمید ہرگز نہ تھی کہ وہ بھی مہروز خان کا ساتھ دے گا۔ ان کے تپتے آبلوں پر مرہم رکھنے کی بجائے ان کے درد کو اور بھی چھیل دے گا۔

''نکل جاؤ میرے کمرے سے ۔۔۔ ابھی اور اسی وقت۔۔۔'' انہوں نے شرارے برساتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''شاہ خانم! وقت تو ہر غم بھلا دیتا ہے۔ بڑی بڑی دیواریں ٹوٹ جاتی ہیں اور آپ نفرت کی اتنی کمزور اور بے وقعت دیوار کو تھامے کھڑی ہیں ابھی تک۔ گلناز آنٹی آپ کو یہ ذمہ داری تو نہیں سونپ کر گئی تھیں کہ خود کو اور ذولین کو بلکہ حویلی کے ہر فرد کو سزا دیں۔'' اشمل نے حتیٰ الامکان لہجہ کو نرم رکھتے ہوئے کہا۔ مگر شاہ خانم غصے سے پاگل ہو رہی تھیں۔ انہوں نے اشمل کو اپنی حمایت کے لئے بلایا تھا۔ اب اس کی باتیں ان کی برداشت سے باہر تھیں۔

''میں اس دیوار کو نہیں گرا سکتی۔ اتنی مدتیں بھی میرے درد کا مداوا نہیں رہیں۔ زخم بھر جائیں تو داغ رہ جاتا ہے۔''

''آپ اتنی مدتیں اس غم کو تازہ رکھتی رہیں بلکہ اس درد کو، ان زخموں کو کھرچتی رہی ہیں۔ ان میں اضافہ کرتی رہی ہیں۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچئے گا، اس میں صرف ذولین کی ذات ہی نہیں، خود آپ کی بیٹی بھی ہے۔ اس کی زندگی، اس کا مستقبل آپ کی اندھی نفرت کی بھینٹ نہ چڑھ جائے۔''

Marfat.com

''نہیں ـــــ اشتارا میری بیٹی ہے۔ وہ کبھی میرا مان نہیں توڑے گی۔ اُسے میری عزت اور میری انا بہت عزیز ہے۔'' ان کے لہجے میں تکبر تھا۔ فخر تھا۔ اور اشمل کے لبوں پر دُکھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں ـــــ وہ بیٹی ہے شاہ خانم! اور ہماری بیٹیاں ان ہی جھوٹی اناؤں کی بھینٹ چڑھتی آ رہی ہیں۔ ان کی خواہشات، ان کے خوابوں کی کرچیوں پر ہم لوگ قدم رکھ کر بہت فخر محسوس کرتے ہیں۔'' اشمل کے لہجے میں گہرا تاسف ہی نہیں، گہری کاٹ بھی تھی۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ صرف صورت ہی نہیں کسی حد تک مزاجاً بھی انہی پر گیا تھا۔ اس کی بھوری بھوری آنکھوں میں غم اور غصہ ہلکورے لینے لگا تھا۔

وہ کرسی پر ڈھیر ہو گئیں۔

''تم سب لوگ مل کر مجھے توڑ دینا چاہتے ہو ـــــ مجھے شکست دینا چاہتے ہو۔'' ان کی آواز میں اُداسی گھل گئی۔

اشمل اُن کے قریب بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں دیکھا۔

شاہ خانم نے اسے دیکھا، پھر پلکیں موند کر کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر بولیں۔

''مہروز خان مجھے شکست دینے چلا ہے۔ مگر میں یہ مرتے دم تک نہیں ہونے دوں گی۔ اشتارا، فروان کی امانت ہے اور سحر گل اس گھر میں بہو بن کر آئے گی۔'' انہوں نے کہا تو اشمل ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔ وہ لب بھینچے جیسے ایک کرب سے گزر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔

''تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا اشمل! ـــــ اس جنگ میں تمہیں میرے ساتھ ہو کر لڑنا ہو گا۔''

''یہ جنگ نفرت کی بنیاد پر آپ نے اٹھائی ہے۔ اور میں ہرگز ساتھ نہیں دوں گا۔'' اُس نے قطعیت سے کہا اور پھر دھیرے سے بولا۔ ''شاہ خانم! میں سحر گل سے شادی نہیں کر سکتا۔ میرے دل میں سحر کے لئے ایسے کسی جذبے کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ مجھے بہنوں کی طرح عزیز ضرور ہے مگر میں اُسے کسی ایسے رشتہ میں قبول نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ.......'' وہ لحہ بھر رکا اور شاہ خانم کے متغیر چہرے پر نگاہ ٹکاتے ہوئے بولا۔ ''ثمینہ ابرار ہی پہلی اور آخری لڑکی ہو گی جو اس رشتہ سے اس حویلی میں آئے گی ورنہ اور کوئی نہیں۔'' وہ یہ کہہ کر رکا نہیں اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

وہ شاہ خانم کو کسی دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہر بات کھل کر کرنے کا عادی تھا۔

Marfat.com

جھوٹ یا منافقت کے راستے اُسے ہرگز پسند نہ تھے کہ وہ اس پر قدم رکھتا۔

اور شاہ خانم اس کی زبان سے یہ اقرار سن کر سناٹے میں رہ گئیں۔ اشمل کے جملے کسی آہنی تیر کی طرح ان کے دل کے آر پار اُتر گئے تھے۔

'یہ چاروں طرف سے بغاوت کے طبل کیوں بج رہے ہیں؟ ___ نہیں، میں یہ نہیں ہونے دوں گی۔' ان کی رگوں میں خون نہیں انگارے دوڑنے لگے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئیں۔

+++

زیبل، اشتارا پر جھکی ہوئی تھی اور اُسے پکار رہی تھی۔

''خان زادی! کیا ہوا؟ ___ آنکھیں کھولو خان زادی!'' اُس کی آواز میں بلا کا خوف تھا۔

اشتارا اُس کی آواز سن رہی تھی۔ وہ کرسی پر ڈھیر تھی۔ پھر اس نے بوجھل پلکیں کھول کر اُسے دیکھا۔

''کیا ہوا خان زادی؟''

''کیا ہوگا زیبے ___''

''میں تو بری طرح ڈر گئی تھی کہ خدانخواستہ بے ہوش تو نہیں ہو گئیں۔ مگر یہ چہرہ کیوں زرد ہو گیا ہے تمہارا؟''

''جب خواب ٹوٹتے ہیں نا زیبے! تو اندر باہر سب کچھ ہی بکھر جاتا ہے۔ تم نے کبھی نم ہاتھوں سے کانچ کا برتن پھسلتے دیکھا ہے ___ کبھی بارش کے قطروں کو مٹی میں ملتے دیکھا ہے؟ ہاں زیبے! میری آرزوئیں بھی یوں ٹوٹ گئی ہیں جیسے کانچ کی نازک اور سبک چوڑیاں ہاتھوں سے گر کر کرچی کرچی ہو جائیں۔'' اُس نے اپنی چراغ ہوتی آنکھیں اٹھائیں تو زیبل پوری جان سے کانپ گئی۔ اُسے اس قدر ٹوٹا ہوا دیکھ کر وہ سخت حزیں ہو گئی۔ اُسے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ آج کل حویلی میں جو طوفان اٹھا ہوا تھا اس سے وہ بے خبر نہ تھی۔ اور شاہ خانم کا رویہ اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ ذولین خان سے ان کی نفرت اس سے چھپی نہ تھی۔

وہ اشتارا پر جھک آئی اور اس کے سنہری بالوں کو پیار سے سہلانے لگی۔

''اتنی جلدی ہمت ہار دو گی تو وہ شخص کیا کر لے گا جو تمہارے ہی سہارے اتنا آگے بڑھ گیا ہے۔ وہ پھر تنہا ہو جائے گا۔ اس کے سارے حوصلے بکھر جائیں گے۔ نہیں اشتارا!

Marfat.com

ذولین خان کو تمہاری ضرورت ہے ـــــ تمہاری ہمت اور محبت کی ضرورت۔ اتنی جلدی شکست قبول کرلو گی تو کبھی کامیابی نہ پاسکو گی۔"

"زیبی! مجھ میں حوصلہ ہی تو نہیں ہے۔" اُس نے کرب سے لب کاٹے۔

"اوں، ہوں ـــــ محبت تو انسان کو نڈر بناتی ہے۔ تمہاری یہ بزدلی ذولین کے بھی قدم ڈگمگا دے گی۔ تم ہی پیچھے ہٹ جاؤ گی تو وہ کس آس پر آگے بڑھے گا؟ نہیں، نہیں خان زادی! اگر ذولین خان جیت گیا تو یہ صرف تمہاری محبت کی فتح نہ ہو گی بلکہ اس حویلی میں نفرت کی شکست اور خوشیوں کی فتح ہو گی۔" زیبل کا ٹھنڈا میٹھا لہجہ اُسے تقویت دے رہا تھا۔ "اُٹھو اور منہ دھولو۔ ابھی تو تمہیں ذولین کو بھی حوصلہ دینا ہے۔ چلو شاباش۔" زیبل اُسے تھام کر باتھ روم کی طرف لے آئی۔

"ان بزدل آنسوؤں کو پانی سے دھولو۔ یہ آنسو صرف دکھ کو بڑھاتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے ہیں۔" زیبل نے کہا تو اس نے اس کے مہربان چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھا اور پھر باتھ روم میں چلی گئی۔

زیبل کے جملوں نے اس کے اندر پھر جیتنے کی اُمنگ بھر دی تھی۔

ایک نئی توانائی۔

ایک نیا حوصلہ۔

ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اُسے فرحت بخش رہے تھے۔ وہ تولیے سے منہ پونچھتی ہوئی باہر نکلی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اشمل اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"لالہ! آپ کب آئے؟" وہ بے تابانہ اس کی طرف بڑھی۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" اس نے مسکرا کر اُسے دیکھا۔ "تم کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں ـــــ اس بار آپ جلدی آگئے اور وہ بھی بغیر اطلاع دیئے۔" اشمل کو دیکھ کر اس کا دل بے پناہ مسرت محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے شاہ خانم نے بلوایا تھا فون کر کے۔" اس نے اطلاع دی تو وہ چند لمحے اپنی جگہ حیرت میں کھڑی رہی۔ اس کی پلکیں جھک گئیں۔

اشمل نے اسے دیکھا۔ پلکوں کے کنارے سرخ سرخ اور متورم تھے اور چہرے پر رنج پھیلا ہوا تھا۔

"تو آپ کو انہوں نے سب کچھ بتا دیا ہو گا۔" اس نے جھکی جھکی نظروں کے ساتھ پوچھا تو اشمل نے لب بھینچ لئے۔

Marfat.com

وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ گیا اور پھر اس کے شانوں پر شفقت سے ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔ "بابا خان کا فیصلہ بالکل درست ہے۔ اب اس حویلی میں انقلاب آئے گا ــــــ ضرور آئے گا۔"

"جی ــــــ" وہ سر اُٹھا کر اشمل کو دیکھنے لگی۔

"ہاں ــــــ" اُس نے سر ہلا دیا۔ "آؤ میرے ساتھ باہر ــــــ دیکھو کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے۔ تم تو اس منظر کی بہت دیوانی ہو۔ بارش کے بھی آثار ہیں۔" اُس نے ایک نظر دریچے سے باہر ڈالی اور پھر اسے لئے کمرے سے باہر آ گیا۔

زیبل موسم کی مناسبت سے سبز قہوہ اور دوسرے لوازمات تیار کر رہی تھی اور اشمل، اشتارا کے ساتھ لان میں آ گیا۔

موسم بے حد دلکش ہو رہا تھا۔ سیاہ بادل لاجوردی آسمان کو ڈھانپ رہے تھے۔ فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی اور ہر سُو خوابیدہ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ دونوں نرم نرم گھاس پر چلنے لگے۔ اشمل نے نظریں انیکسی کی طرف اٹھائیں۔

"ذولین ابھی نہیں آیا کیا؟"

"جی...... آں...... پتہ نہیں۔" وہ جانے کن سوچوں میں کھوئی جا رہی تھی، جلدی سے چونکی اور پھر سنبھل کر بولی۔ "وہ اس وقت تو رائیڈنگ پر جاتے ہیں نا۔" اس نے بتایا تو اس کی معلومات پر اشمل کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ ذولین کے بارے میں ایک ایک خبر رکھتی تھی۔

"اُس دیوانے کو رائیڈنگ کا کریز ابھی تک اتنا ہی ہے۔"

"آپ کو بھی تو بہت شوق ہے۔" اشتارا نے کہا تو اشمل نے سر ہلا دیا اور پھر یوکلپٹس کے خوشبودار پتوں سے کھیلتے ہوئے اشتارا کی سمت دیکھا۔

"ایک بات پوچھوں اشتارا؟" اُس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اشتارا کی جھکی جھکی پلکیں اُٹھ نہ پائیں۔ اُس کا دل زور سے دھڑکا۔

"جی ــــــ" اُس نے پلکیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔

"شاہ خانم جو چاہتی ہیں اس سے تم باخبر ہو ــــــ انہوں نے مجھے اسی سلسلے میں بلوایا ہے۔" اُس نے تمہید باندھی۔ یا جو پوچھنا چاہتا تھا، یکدم پوچھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

"یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ شاہ خانم اس سلسلے میں تمہاری مرضی معلوم نہیں کریں گی۔ ان کا اپنا فیصلہ ہے جو اس حویلی کے ہر شخص نے آج تک قبول کیا ہے۔ جبری

Marfat.com

ہی سہی۔ مگر اب بات کچھ اور ہے۔ شادی دو انسانوں کے درمیان ایک گہرا اور ہمیشہ کا بندھن ہے۔ یہ ایک جواء ہے جسے بہت سوچ سمجھ کر کھیلنا پڑتا ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ شاہ خانم کا جذباتی فیصلہ یا تمہاری بزدلی تا عمر کا پچھتاوا بن جائے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات ــــ؟'' اُس نے رک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر گہرا اضمحلال پھیل گیا تھا۔

''اشتارا! تم اپنی رائے دو ــــ بلکہ اپنے حق کے لئے آواز اٹھاؤ۔ یہ بہت ضروری ہے۔''

اشتارا نے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے پر کئی تاثر آئے اور معدوم ہو گئے۔ اشمل کے جملے نے اس کے دل پر عجیب سی کیفیت پیدا کر دی جو بیک وقت اُسے حوصلہ بھی دے رہا تھا اور ملال بھی۔

اچانک آسمان سے موٹے موٹے قطرے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''میں شاہ خانم کو نہیں، ان کی نفرت کو شکست دینا چاہتا ہوں۔'' اس نے اس کا بازو تھاما اور شیلٹر کے نیچے بچھی کرسیوں کی طرف آ گیا۔ ''بیٹھو یہاں۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

موٹے موٹے قطرے تیز بارش میں بدل گئے اور بارش کے شور نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اشتارا نے ماحول کی پھیلتی سیاہی کو جیسے اپنے دل میں اُترتا محسوس کیا۔

''اشمل لالہ! اتنے برس بیت گئے اپنے اندر کی آوازوں کا گلا گھونٹتے ہوئے۔ اب احتجاج کی صدائیں بھی دم توڑ چلی ہیں۔'' اس کے لہجے میں گہری یاسیت تھی۔

''نہیں اشتارا ــــ جب تک سانس کی ڈوری جسم کے ساتھ رہتی ہے تب تک آواز بھی زندہ رہتی ہے۔ فطرتِ انسانی اُمید، مزاحمت اور نبرد آزمائی کے لئے ہمیں آگے، اور آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے۔ تم نے ذولین کی طرف قدم بڑھائے تو محض خوش آئند امید کے سہارے ہی نا۔'' اشمل کا جملہ اشتارا کے چہرے کو سرخ کر گیا۔

تو اس کا بھائی سب کچھ جان چکا تھا ــــ اس سے دور رہتے ہوئے بھی وہ اس کے اتنے قریب تھا۔ اس کے مزاج اور اس کے دل کے قریب۔ اس نے چہرے کو اور بھی جھکا لیا۔

زیبے ان کے درمیان رکھی میز پر قہوہ اور لوازمات رکھ گئی تھی۔ اشمل نے قہوہ کی بلوریں پیالی اُٹھا لی اور ہولے ہولے سِپ لینے لگا اور نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا کر برستی بارش کو دیکھنے لگا۔ اشتارا دونوں ہاتھ گود میں رکھے عجیب سے خلفشار کا شکار بنی بیٹھی رہی۔ تا عمر پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی۔ وہ یک دم ساری زنجیریں کیسے توڑ

Marfat.com

سکتی تھی۔

نہیں ـــــ یہ بہت مشکل ہے ـــــ میں ہی بے وقوف تھی کہ حقیقتوں سے بے خبر آرزوؤں کے ایوان سجاتی رہی۔ چاند تاروں کے، بہاروں کے سپنے بُننے لگی تھی۔

''اشتارا! میں تمہاری بزدلی سے باخبر ہوں۔'' اشمل کی بھاری آواز گونجی۔ اُس کی نگاہیں اس کے کرب زدہ چہرے پر ٹِک گئیں۔ ''مگر یہ بہت ضروری ہے۔ شاہ خانم کو ان خودساختہ نفرتوں کے جال سے نکالنا ہے۔ اور ذولین کو بھی اس کا حق ملنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نیا رشتہ ذولین اور ان کے درمیان تمام فاصلے سمیٹ لے گا۔''

اشتارا کی آنکھوں میں آنسوؤں کے جالے تن گئے۔

''اشمل لالہ! میں فروان کے سنگ خوش نہیں رہ سکوں گی۔ میں نے اُسے کبھی.....'' وہ آنسو پیتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولی تو اشمل ہنس دیا۔

''بے وقوف لڑکی! یہی تو میں بھی سمجھا رہا ہوں کہ بس تھوڑی ہمت کرنی ہوگی تمہیں۔ میرا اور بابا خان کا ساتھ دینا ہوگا۔'' اشمل اٹھ کر اس کے قریب آگیا اور اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ وہ سر جھکا کر بلک اٹھی۔ وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ اتنے بہت سارے آنسو کیسے بہہ نکلے۔ شاید ذولین کو نہ پا سکنے کا دھڑکا تھا ـــــ شاہ خانم کا خوف تھا یا اشمل نے، سامنے خفت کا احساس مارے دے رہا تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھی۔ تب لمحہ بھر اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔ ذولین بہت خاموشی سے ان کی طرف آگیا تھا۔ بلیک شرٹ، بلیک جینز اور لونگ شوز میں وہ شاید ابھی ابھی رائیڈنگ سے واپس آیا تھا۔ اشتارا کے آنسو اور اشمل کی موجودگی نے اُسے متحیر کر دیا تھا۔ پھر چونک کر اشمل بھی پلٹا۔

''ارے تم ـــــ'' اشمل اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ ''تم کب آئے، اتنی راز داری سے؟'' ذولین آگے بڑھ کر اس سے بغل گیر ہوگیا۔ ''یوں بغیر اطلاع دیئے اور اتنی جلدی؟'' وہ واقعی حیران ہو رہا تھا۔

''ہاں یار! بس آنا پڑا۔ اور اب تو ہاسٹل کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہہ آیا ہوں ـــــ آؤ بیٹھو۔''

ذولین نے کرسی کی جانب بڑھتے ہوئے اشتارا کی سمت دیکھا جو آہستگی سے پلٹی اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''بہت بزدل لڑکی ہے۔ اور بہت معصوم۔'' اشمل نے عجیب اُداس اور ملول سے لہجے

Marfat.com

میں کہا تو زولین نے چونک کر اُسے دیکھا۔اُسے تو کبھی سمجھانے کے لئے فریق ثانی کو زیادہ لفظوں کی ضرورت نہ پڑی تھی۔وہ لہجے سے ہی بہت کچھ جان لیتا تھا۔اشتارا کے آنسو اور اشمل کے جملے نے اسے سب کچھ نہ سہی مگر بہت کچھ سمجھا دیا۔

''رائیڈنگ سے واپس آئے ہو؟'' اشمل نے یکلخت موضوع بدل ڈالا۔

''ہاں ـــــ موسم یکدم بدل گیا اس لئے جلدی واپس آنا پڑا۔ مجھے خبر ہوتی کہ تم آنے والے ہو تو پھر ساتھ ہی جاتے۔تم آئے بھی تو بغیر اطلاع ہو۔'' وہ بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے تو لگتا ہے اب گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنا بھول گیا ہوں۔ یا گھوڑا مجھے بٹھانا۔اتنی مصروفیت میں سب کچھ ہی بھول گیا ہوں۔ڈرنے لگا ہوں اب تو۔خاص کر تمہارے اُس پالتو سے۔''

''کیا ـــــ ڈرنے لگے ہو؟'' زولین نے اپنی سبز آنکھوں کو پھیلا کر اُسے دیکھا اور پھر دونوں ہنسنے لگے۔

''یہی سمجھ لو۔'' اس نے قہوہ پیالی میں بھر کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

+++

رقص میں ہے سارا جہاں جھوم میرے دل جواں
محفل میرے یار کی ہے جھوم میرے دل جواں

ڈیک فُل والیوم سے بج رہا تھا۔گلوکار کی آواز پورے محلے میں گونج رہی تھی۔سحر گل لپ اسٹک کا آخری ٹچ دے کر پلٹی۔

''لگتا ہے دُولہا والے آ چکے ہیں۔ڈیک کا والیوم کچھ زیادہ ہی تیز ہو گیا ہے۔'' وہ شاردا بھابی سے مخاطب تھی جو اپنی جمپر کٹنگ کرا رہی تھیں۔

''یہ ڈیک تو صبح سے ہی اسی آواز میں بج رہا ہے۔توبہ میری، زمان تو کہہ رہے تھے شادی ایک گھر میں ہو رہی ہے اور بھگتنا سب کو پڑ رہا ہے۔'' اُن کا انداز شگفتہ تھا۔سحر گل ہنسنے لگی۔پھر آئینے میں خود کو دیکھ کر مطمئن ہو کر ہٹ گئی۔

آج فضہ کی مہندی دُولہا والوں کی طرف سے آنے والی تھی اور وہ پُر جوش انداز میں شرکت کر رہی تھی۔فضہ نے تو اُس سے کہا تھا وہ شادی تک اسی کے پاس رہے۔خود آنٹی (فضہ کی امی) نے بھی اس کے رکنے پر بہت اصرار کیا تھا۔مگر اُس نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ایک گلی چھوڑ کر ہی تو اس کا گھر ہے اور وہ روز آ جایا کرے گی۔

''اتنے لشکارے نہ مارو ـــــ آج کل تو ویسے بھی مشکوک لوگوں کا آنا جانا بڑھ گیا ہے

Marfat.com

ہمارے گھر۔" بھابی اس کے سراپا پر نگاہیں ڈال کر مسکرائیں۔

ڈارک گرین رنگ کے لمبے ڈھیلے کرتے اور شلوار پر جھلملاتا ستاروں والا دوپٹہ اوڑھے وہ ہلکے ہلکے میک اپ میں بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے تیکھے نقوش میک اپ نے نمایاں کر دیئے تھے۔ کھلتی رنگت پر سبز رنگ بے حد اُٹھ رہا تھا۔

"روز کوئی نہ کوئی منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ اور آج تو ویسے بھی پوری کی پوری بیری کا پیڑ بن کر جا رہی ہو۔ پتھر آنے شروع ہو جائیں گے دھڑا دھڑ۔" بھابی کپڑا پلیٹ کر اٹھ کر اس کے قریب آئیں اور پھر ماشاءاللہ کہہ کر اُس پر دم کیا۔

"بیری بڑی مضبوط ہے۔۔۔۔ کسی کے ہاتھ نہ آئے گی۔" وہ کھلکھلاتی باہر نکل گئی۔

ہری ہری مہندی کے نیچے سرخ گلاب
تیرے خواب تیری آنکھوں جیسے
ان ہی گلابوں جیسے چومے تیرے ہاتھ مہندی والی رات
ہری ہری مہندی

وہ فضہ کے گھر پہنچی تو ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ لان میں لگے شامیانے مہمانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اجنبی، نا آشنا چہروں کے درمیان وہ کچھ گھبرا سی گئی اور تیزی سے آگے بڑھی۔ تب بری طرح کسی سے ٹکرا گئی۔۔۔۔ وہ بتیاں لگا رہا تھا۔ اُس کے دھکے پر ہاتھ میں پڑا تاروں کا رول دھپ سے زمین پر گر گیا اور وہ خود اس بڑے ستون سے ٹکرا گیا۔

وہ پلٹا تو سحر گل کھسیا کر جلدی سے پرے ہو گئی۔ جھلملاتے دوپٹہ کا کونا تاروں کے رول کے نیچے پھنس گیا۔

"س س ...... سوری! وہ میں ...... اتنا ہجوم تھا کہ کچھ نروس ہو گئی۔ آپ کو دیکھ نہ سکی۔" اُس نے اس وجیہہ سے شخص کو لمحہ بھر دیکھا اور پھر خفت کے احساس کے ساتھ سر جھکا کر ہونٹ چبانے لگی۔

"اگر میں یہاں نہ ہوتا تو آپ اس ستون سے ٹکرا چکی ہوتیں بلکہ پاش پاش ہو چکی ہوتیں۔" وہ اب اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ سبز کپڑوں میں دلکش سی یہ لڑکی کچھ گھبرائی گھبرائی سی اُسے خاصی دلچسپ لگی۔

"وہ ...... دوپٹہ ......" اُس نے اپنے دوپٹے کی طرف اس کا دھیان دلایا تو وہ چونک گیا۔ جلدی سے جھک کر اُس کا دوپٹہ نکالا۔

Marfat.com

''ارے کیا ہوا عرشان بھائی؟'' کوئی لڑکا اُس کی طرف آ گیا۔ ''ابھی تک آپ تاروں میں الجھے ہوئے ہیں۔''

وہ اُس کا دوپٹہ نکال کر کھڑا ہو گیا تھا جبکہ سحر گل تیزی سے آگے بڑھ چکی تھی۔ عرشان نے تیوری چڑھا کر سیف کو دیکھا۔

''کوئی ڈھنگ کے آدمی پھپھو کو نہیں ملے تھے۔ ایک سے ایک نکما شخص ڈھونڈا ہے۔ سب دیکھو جیسی تیسی بتیاں لٹکا کر اڑنچھو ہو گئے ہیں۔'' وہ بجلی والوں کو کوسنے لگا اور پھر تاروں کا رول سیف کو تھما دیا۔

''اب تم بھگتو ـــــ آخر کو فضہ کے خالہ زاد ہو۔ کچھ تمہارا بھی حق ہے۔'' وہ موقع پا کر فرار ہو گیا اور سیف منہ بنا کر رہ گیا۔

رنگ و بُو کا ایک سیلاب اُمڈا ہوا تھا۔ مگر سحر گل اس اجنبی سے ٹکرا کر کچھ ایسی حواس باختہ ہوئی کہ جا کر فضہ کے پاس ہی ٹِک گئی۔

پیلے کپڑوں میں ملبوس فضہ اُداس دکھائی دے رہی تھی۔

''منصور تو بہت خوش ہو گا ـــــ اُس کے والدین نے اُسے معاف کر دیا ہے؟'' اُس نے فضہ سے پوچھا۔

''ہاں ـــــ اُسے اُس کی سزا جو مل چکی ہے۔ سنو سحر! تم بھی اُسے دل سے معاف کر دینا۔ اب وہ شخص میری زندگی میں داخل ہو رہا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ......''

''فضہ! پاگل ہو گئی ہو کیا؟'' سحر نے اُسے ٹوک دیا۔ ''اتنی فضول بات کر رہی ہو۔ وہ اب تمہارے رشتے سے میرا بہنوئی ہے۔ اور جانتی ہو یہ رشتہ کتنا معتبر ہوتا ہے؟ پاگل! میں نے تم سے کہا تو تھا کہ میں وہ تاریک باب بند کر چکی ہوں۔ جب منصور کو اُس کے کیے کی سزا مل گئی، وہ اپنے کیے پر پشیمان ہے تو بس پھر رہ ہی کیا جاتا ہے۔'' اُس نے فضہ کو خود سے لپٹا لیا تو فضہ کے رُکے آنسو بہہ نکلے۔

''پتہ نہیں سحر! کہ یہ میری بدبختی ہے یا خوش نصیبی۔ مجھے خوش ہونا چاہیے یا دُکھی؟ یوں لگتا ہے جیسے میرے ہاتھوں میں پھول ہیں اور دل میں نہ بھرنے والا گھاؤ۔''

''میں جانتی ہوں تمہارا دُکھ فضہ! ـــــ منصور کو اپنی غلطی کا احساس بہت دیر بعد ہوا۔ خیر پھر بھی۔ اب تم دُکھی نہ ہو فضہ! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ منصور تمہیں یقیناً جیت لے گا۔'' اُس نے اُس کا چہرہ اٹھایا اور اپنی انگلیوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

''ہاں ـــــ اُس نے مجھ سے بہت معافیاں مانگی ہیں۔'' فضہ سیدھی ہو بیٹھی۔ تبھی

Marfat.com

اچانک شور بلند ہوا۔

"شاید دُولہا والے مہندی لے کر آ گئے ہیں۔" سحر چونکی۔ "ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

دُولہا کے گھر سے لڑکیاں مہندی خوبصورت انداز میں سجا کر لائی تھیں اور گیت کا مقابلہ ہر حال میں جیت کر جانا چاہتی تھیں۔ ایسی ایسی تیز طرار لڑکیاں تھیں، آتے ہی دُلہن والوں پر چھانے لگی تھیں۔ مگر فضہ کی طرف کی لڑکیاں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔

سحر گل ایک کرسی پر ٹِک کر دونوں طرف سے ہونے والے حملوں پر محظوظ ہونے لگی۔ کبھی وہاں سے اسکڈ میزائل سے حملہ کیا جاتا تو یہاں جیسے ایٹم بم تیار تھا۔ اس وقت اُس کی نظریں اٹھیں۔ وہ عورت مسلسل اُسے نگاہوں کے حصار میں لئے ہوئے تھی۔ آنکھوں میں پسندیدگی اور اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ نگاہیں ملنے پر وہ مسکرانے لگیں۔ سحر گل بھی جواباً مسکرا دی۔ اُسے اُلجھن سی ہونے لگی۔

'توبہ ـــــ یہ بیٹھے بٹھائے ان محترمہ کو کیا دورہ پڑ گیا،' وہ کرسی پر پہلو بدلنے لگی۔ تب ایک لڑکی اُس کے قریب رکھی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ نیچے گیت گاتی لڑکیوں کے گروپ سے اُٹھی تھی اور بکھرے بالوں کو سمیٹ کر اُس سے مخاطب ہوئی۔

"لڑکے والے بڑے کم بخت ہیں۔ ایک پر ایک بم بلاسٹ کر رہے ہیں ـــــ بھئی اپنی تو ہمت جواب دے گئی۔" وہ بے تکلفی سے گویا ہوئی۔ "آپ شاید فضہ کی فرینڈ ہیں۔" اُس نے درست اندازہ لگایا تھا۔

"جی ـــــ اور آپ؟" سحر گل کو اس کا دم غنیمت لگا۔

"میں فضہ کی کزن ہوں۔ نائلہ۔" اُس نے اپنا تعارف کرایا۔ خاصی باتونی لڑکی تھی۔ جلد ہی سحر گل سے گھل مل گئی اور خود سحر گل بھی اپنے ہی مزاج کی تھی۔ اُس کے پاس بھی باتوں کا خاصا اسٹاک جمع رہتا تھا۔

تیری یادوں سے مہکے میری ہر شام وئی وئی
میری نظروں کا پہنچے تجھ کو سلام وئی وئی

"وعلیکم السلام ـــــ وعلیکم السلام!" لڑکوں کی طرف سے جوابی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ وہ شاید کب سے ضبط کر رہے تھے۔ اب درمیان میں ٹپکنا شروع کر دیا تھا۔ لڑکیاں چلانے لگی تھیں۔

"اتنی خوش فہمی کب سے ہو گئی۔" سب کورس میں چلائیں۔

Marfat.com

''جب سے آپ کو دیکھا ہے۔'' کسی منچلے نے جملہ کسا۔

''اپنی چونچ بند رکھیے۔''

''آپ لوگ بھی اب اپنے یہ گانے بند کریں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے بھنڈی گا جر بیچ رہی ہیں۔''

''کیا کہا؟'' دُولہا کی طرف کی لڑکیاں جیسے جلتے تنور پر جا بیٹھیں۔ دُلہن والوں کی طرف سے لڑکے اب برابر ساتھ دے رہے تھے۔ اُن کی لڑکیاں تو بیچاری منمنا کر رہ گئی تھیں۔ اور دُولہا والوں کو اپنی فتح ہار میں بدلتی نظر آنے لگی۔

''یہ فاؤل ہے ــــ لڑکے درمیان میں نہ آئیں۔'' ایک لڑکی اُٹھ کر بولی۔

''تو پھر لڑکے کہاں جائیں ــــ آخر ففٹی پرسنٹ اس دنیا میں موجود ہیں۔'' لڑکوں کی طرف سے جواب حاضر تھے۔''

''گانے سننے ہیں تو ہمارے سنئے ــــ آپ کافی بھنبھنا چکی ہیں۔'' پھر کسی منچلے نے لڑکیوں کی قوم کو للکارا۔

''ارے آئے بڑے گانے سنانے والے ــــ اپنی آواز سنبھال کر رکھیے۔ کہیں اور کام آئے گی۔''

''آج ہی کیوں نہ کام آئے محترمہ!'' لڑکے بھی کم نہ تھے۔

''یہ لڑکے بڑے خبیث ہیں۔'' نائلہ مسلسل ہنس رہی تھی۔

''آؤ فضہ کو لے آئیں۔ اب وہ لوگ مہندی کی رسم کریں گے۔'' نائلہ اُٹھی اور سحر گل بھی اس کے ہمراہ ہوگئی۔

مہندی کی دھما کہ رات بھی ڈھل گئی۔

دوسرے دن شادی کے ہنگامے تھے۔ شادی والے دن ہال میں سحر گل کے ہمراہ شاردا بھابی بھی آئی تھیں مگر وہ تو ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

ویسے بھی ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ سحر گل ہی اُسے زبردستی لائی تھی۔ وہ بھابی کو بیٹھے دیکھ کر خود اسٹیج پر چلی آئی جہاں فضہ آف وہائٹ شرارے میں اپنے حُسن کی بجلیاں گرا رہی تھی۔ اُس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔

''آخاہ ــــ تو آج آپ دُلہن کے مقابلے پر آئی ہیں۔'' نائلہ نے اُسے پیچھے سے تھام لیا تو وہ پلٹی اور نائلہ کی توصیفی نگاہوں پر جھینپ گئی۔

میرون پشواز میں وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ فضہ اُس کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ وہ

Marfat.com

اُس کی شادی کے ہر فنکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔
''آؤ، میں تمہیں اپنی امی سے ملواؤں۔'' نائلہ اُسے پکڑ کر اسٹیج سے نیچے اُتر آئی۔ وہ ہر طرف نگاہیں دوڑانے لگی۔ معاً اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

''ادھر آؤ۔'' اُسے ساتھ لئے کرسیوں کے درمیان سے گزر کر رک گئی۔

''ان سے ملو۔۔۔۔ یہ ہیں میرے اکلوتے بھائی۔۔۔۔ آرمی میں خیر سے میجر ہیں۔'' نائلہ نے کہا تو اس نے آہستگی سے سر اٹھایا۔۔۔۔ اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سامنے ڈنر سوٹ میں اونچا لمبا وہی شخص تھا جو ستون سے لپٹا ہوا تھا اور اس سے وہ بری طرح ٹکرا گئی تھی۔

اُس کی خوبصورت آنکھوں میں شناسائی کی چمک لہرائی تھی جو سحر گل کو خجل کر گئی۔

''عرشان بھائی! یہ میری بہت پیاری دوست سحر گل ہے۔''

''تمہاری یہ دوست کہیں جمناسٹک کی کوئی کھلاڑی تو نہیں ہے؟'' اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

سحر گل کی پلکیں لرز گئیں۔

''کیا کہا؟'' نائلہ چلائی۔ ''یہ آپ کو اتنی نازک سی لڑکی جمناسٹک کی ماہر لگی ہے؟''

''میں نے ماہر کا لفظ تو نہیں کہا۔ ماہر ہوتی تو......'' وہ جملہ دانستہ ادھورا چھوڑ کر ہنس دیا اور بڑے بے نیاز انداز میں پلٹ گیا۔

سحر گل کا چہرہ تپ اُٹھا۔

اس کے بعد نائلہ اُس کو لے کر ایک خاتون کے پاس جا کر رُک گئی۔

''امی! یہ سحر گل ہے۔۔۔ اور سحر! یہ میری پیاری امی ہیں۔'' سحر گل نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے کر دیا۔ یہ وہی عورت تھی جو کل مہندی کے روز اُسے مسلسل تاڑے جا رہی تھی۔ اُس نے بہت محبت سے سحر گل کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر وہ نائلہ کے ہمراہ دوبارہ اسٹیج پر آ گئی۔ تب منصور دوستوں کے جلو میں اسٹیج تک آیا۔ گرے تھری پیس سوٹ میں اسٹک کے سہارے چلتا ہوا وہ اسٹیج پر چڑھا اور فضہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ سحر گل کو اُس کی یہ حالت دیکھ کر شاک تو نہ لگا تھا مگر تاسف ضرور ہوا تھا۔

کہاں فاتح عالم بن کر شہر بھر میں سکوٹر اُڑاتا منصور۔۔۔۔ اور اب ایک بے جان اسٹک کے سہارے چلتا ہوا منصور۔

اُس نے دیکھا اُس کے چہرے پر مسکراہٹ ضرور تھی مگر آنکھوں میں گہری اُداسیاں

Marfat.com

بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خوش تھا۔ اتنا ہی جتنا فضہ تھی یا شاید اس سے بھی کم۔ اب وہ صرف اسٹک کا ہی نہیں، فضہ کا بھی محتاج تھا۔ فضہ نے اُسے بھیک میں اپنا آپ تو دے دیا تھا مگر وہ بھی یقیناً جانتا تھا کہ یہ اُس کی بھی مجبوری کا سودا ہے۔ کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی اپنے کیے کی سزا ضرور ملتی ہے۔ اُس نے ایک گہری سانس سینے کی قید سے آزاد کی۔

مووی بنواتے ہوئے منصور کی نظر اچانک اُس پر اُٹھی تو خفت اور ندامت کے رنگ اس کے چہرے پر پھیل گئے۔ اس نے فوراً نظریں چرا لیں۔ مووی کی تیز لائٹس منصور اور فضہ کے چہرے پر دھڑا دھڑ ٹکرا رہی تھیں۔

پھر اچانک کھانے کا دور چلا تو آہستہ آہستہ اسٹیج خالی ہوتا چلا گیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دُولہا دُلہن کو چھوڑ کر سب نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ سحر گل بھی فضہ کی کرسی سے لگ کر کھڑی ہو گئی اور اسٹیج سے اُترنے لگی۔ تب منصور کی آواز نے اُس کے قدم روک دیے۔

''مس سحر——''

وہ پلٹی تو منصور کا چہرہ عجب خلفشار کا شکار ہو رہا تھا۔ سحر گل نے فضہ کی سمت نگاہیں اُٹھائیں۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں —— یقین جانیے میں نے فضہ سے کئی بار کہا کہ میں آپ سے مل کر خود معافی مانگوں......'' وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پیوست کیے خفت کے احساس کے ساتھ بولا۔ ''شاید آپ کے ساتھ میں نے جو حرکت کی تھی اس کی سزا ہی ملی ہے مجھے۔''

''منصور صاحب! اگر یہاں کسی کو غلط کاموں کی سزا نہ ملے تو یہ دنیا بہت بھیانک ہوتی۔ اور پھر میں نے آپ کو بد دُعا نہیں دی تھی۔ بہرکیف خدا آپ کو اور فضہ کو سچی خوشیاں نصیب کرے۔'' وہ تدبر سے بولی اور اسٹیج سے اُتر آئی۔ تب بھابی اُسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئیں۔

''اوہ—— تم ابھی تک ٹہل رہی ہو؟ جلدی کھانا کھا لو۔ گھر بھی جانا ہے۔'' بھابی اُسے دیکھتے ہی بولیں تو وہ ان کے ہمراہ لان کی طرف آ گئی جہاں کھانے کا انتظام تھا۔

کھانے کا دور ختم ہوا تو رات کا تقریباً ایک بج رہا تھا۔ فضہ کی امی نے ان دونوں کو روک لیا۔

''ٹھہرو! میں کسی لڑکے سے کہتی ہوں۔ وہ گاڑی میں تم دونوں کو چھوڑ آئے گا۔'' گو کہ

Marfat.com

قریب ہی تھا مگر رات کے اندھیرے میں ان کا یوں تنہا جانا انہوں نے مناسب نہ سمجھا۔

''نہیں آنٹی! میں فون کر لیتی ہوں۔ فروان آ جائے گا۔'' سحر گل نے آنٹی کو یہاں وہاں نظریں دوڑا کر کسی لڑکے کو ڈھونڈتے دیکھ کر تکلف برتا۔

''اے لو ــــ وہ کوئی تمہارے لئے جاگ رہا ہوگا اس وقت؟ ــــ ایک بج رہا ہے۔ بچے کی نیند کیوں خراب کرو۔'' انہوں نے اُس کی بات رد کر دی تھی۔ نائلہ آ گئی۔

''ارے جا کر سیف یا عامر سے کہو کہ وہ گاڑی نکالے۔ سحر گل کو ان کے گھر چھوڑ آئے۔''

''اچھا ــــ تم جا رہی ہو؟'' نائلہ، سحر گل کی طرف پلٹی۔ ''میں ابھی عرشان بھائی کو لے کر آتی ہوں۔'' اُس نے کہا اور پلٹ گئی۔ عرشان کے نام سے پھر سحر گل کے دل میں عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ نہ جانے کیوں اُس شخص کو دیکھ کر اُس کی پلکوں پر بوجھ آن گرتا۔ خفت کا یا اُس کی نگاہوں کی چمک کا۔

نائلہ کچھ دیر بعد ہی عرشان کے ہمراہ آن ٹپکی اور پھر ان دونوں کو لئے ہال کے باہر آ گئی۔

''میں تو فون کر کے فروان کو بلوا لیتی۔ مگر آنٹی نے منع کر دیا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی نائلہ سے بولی۔ تب عرشان نے چونک کر ویو مرر سے دیکھا۔ وہ اُسے جتا رہی تھی یا یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اُس کا احسان بحالت مجبوری لے رہی ہے۔ اُس کے لبوں پر موہوم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس وقت وہ خاصی پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔ اُن سے بے ساختہ ٹکراتے وقت اُس نے اُس کے چہرے پر بوکھلاہٹ، خوف اور کھسیاہٹ کی کیفیت دیکھی تھی۔ اور پھر جب نائلہ اُس سے تعارف کرانے آئی تھی تب بھی اس کے چہرے پر خفت تھی۔ مگر اب اُس کا اعتماد لوٹ آیا تھا یا وہ ایسا پوز کر رہی تھی۔

نہ جانے کیوں اُسے دیکھ کر عرشان نوید کے ذہن میں رنگین سی دُھند چھانے لگی تھی۔ نا معلوم سے احساسات دل کی سرزمین سے اُٹھنے لگے تھے۔

اُس نے جلدی سے نگاہیں ویو مرر میں دمکتے اُس کے عکس سے چرا لیں۔ بہرکیف وہ ایک شریف گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اور خود سحر گل بھی ایک اچھے اور مہذب گھرانے کی لڑکی تھی۔ بے شک دل اُس کے اختیار میں نہ تھا۔ نئے جذبوں کو دمکنے، مچلنے سے وہ نہ روک سکا تھا۔ مگر وہ ان جذبوں کی بے حرمتی قطعی پسند نہ کرتا تھا۔

Marfat.com

محبت دل میں رہے تو پاکیزہ رہتی ہے۔ یہ اُس کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ اُس کے پاس سحر گل کو پانے کا ایک بہت مہذب طریقہ تھا۔

گاڑی اُس کے بنگلے کے سامنے آئی تو وہ اپنی سوچوں سے باہر نکل آیا۔ بھابی گاڑی سے اُتر کر بیل بجا رہی تھیں۔ نائلہ، سحر گل کا ہاتھ پکڑے کھڑی تھی۔

''سحر گل! تم میں واقعی ایسا کوئی سحر ہے جس نے مجھے ایسا کر دیا ہے۔'' نائلہ کھنکتی ہنسی کے ساتھ بولی تو عرشان کا دل خوش رنگ انداز میں دھڑک اُٹھا۔ نائلہ نے جیسے اُس کے دل کی ترجمانی کر ڈالی تھی۔ سحر گل کے چہرے پر سرخی سی دوڑ آئی۔

''بہت فضول لگتی ہو نم۔'' اُس نے ہاتھ چھڑایا۔ ''اندر نہیں آؤ گی؟''

''ارے نہیں بابا! اتنی رات گئے مہمان بننے کا کیا لطف۔ اور یہ تم نے کیا خطرناک شے پال رکھی ہے؟'' اُس نے سفید بلڈاگ کو دیکھا جو اجنبی چہروں کو دیکھ کر مسلسل بھونک رہا تھا۔ ''ویسے اچھا ہوا، میں نے تمہارا گھر دیکھ لیا۔'' نائلہ معنی خیز لہجے میں بولی اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ''اب آنا جانا رہے گا۔''

''ضرور۔'' سحر گل بولی اور نگاہیں بے ساختہ عرشان پر اُٹھیں مگر پھر فوراً جھک گئیں۔

وہ بھی بے خیالی میں اُسے مسلسل تکے جا رہا تھا۔ نگاہیں ملنے پر اُس نے جلدی سے رخ موڑ لیا اور گاڑی گیئر میں ڈال دی۔ نائلہ نے اُسے ہاتھ ملا کر دروازہ بند کر دیا اور عرشان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

+++

بتا رہی ہے یہ آنکھوں کی منجمد لالی
کڑے دنوں میں کٹھن رتجگوں سے گزرے ہو
بجھا بجھا سا ہے چہرہ، دھواں دھواں آنکھیں
خوشی کی کھوج میں کتنے غموں سے گزرے ہو

وہ سفید مرمر کی بینچ پر دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔

بڑے دنوں بعد غم کی گنگھور گھٹائیں اُس کے من آنگن میں گھر گھر آئی تھیں اور وہ جو اُس کے سامنے ذولین خان کھڑا تھا، اُسے پانا کتنا آسان لگتا تھا۔ مگر اب وہ اتنے قریب ہونے کے باوجود کتنا دور تھا۔

وہ ذولین کے بلانے پر ہی آئی تھی اور جانتی تھی کہ ذولین نے اُسے کیوں بلایا ہے۔ اس حویلی میں اُٹھتے طوفان سے وہ بے خبر نہیں تھی۔ کچھ اندازہ اسے بھی ہو گیا تھا۔ اور اُسے

Marfat.com

تو سمجھانے یا سمجھنے کے لئے کبھی کسی وضاحت یا ڈھیر سارے لفظوں کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ وہ تو صرف اس کی آنکھوں سے اس کے دل کی کیفیت اور اس حویلی میں ہونے والے واقعات کا اندازہ لگا لیتا تھا۔ اب کس قدر مشکل تھا اس سے یہ سب کچھ چھپانا۔ وہ تو تذبذب کا شکار تھی کہ اُسے بتائے یا چھپا لے ــــ وہ اپنے تیئں خود کو سنبھالنے کی سعی کرنے لگی مگر اُس کی اُداس آنکھیں اور ملول چہرہ بول رہا تھا۔ اپنی داستان سنا رہا تھا۔

ذولین خان نے اُس کے آزردہ جمال پر ایک نظر ڈالی۔

''اشتارا! تم کیا سمجھتی ہو، میں بے خبر ہوں؟ نہیں، میں آج سے نہیں، اُسی روز سے ایسے طوفان سے آشنا تھا۔'' وہ پام کے تنے سے ٹیک لگا کر خلاؤں میں گھورنے لگا۔

اشتارا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ایک تیز سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔

''میں اسی دن سے اس طوفان سے ڈرتا تھا ــــ میں نے اپنے جذبوں میں اس لئے بے حسی کی برف جمانی چاہی تھی کہ تم اور میں الگ الگ ہی رہیں۔ ان دو کناروں کی طرح ہی رہیں۔ اس لئے کہ انجام میرے سامنے تھا۔ میرے تصور میں تھا۔ مگر ــــ میں ہار گیا۔''

اُس نے شدتِ ضبط سے اپنے بے تحاشا سرخ ہونٹ دانتوں میں دبا لئے۔ اشتارا کے دل پر برچھی سی چل گئی۔

''تو اب پچھتاوے ڈس رہے ہیں؟'' اُس نے دُکھی لہجے میں پوچھا تو ذولین نے اُسے دیکھا اور پھر اُس کے قریب آ گیا۔

''میں نے تم سے کہا تھا ایک بار کہ ہم جہاں ہیں، وہاں یہ محبت نہیں، اذیت ہوگی۔ عمر بھر کی۔ اور یہ اذیت ہم دونوں کے لئے ہے۔ کیونکہ میں نے بھی بہت سے خوش نما خواب دیکھے تھے ــــ میں نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی خواب نہیں دیکھے تھے۔ میں خوابوں میں رہنے والا شخص نہیں تھا۔ میرا دل ایک پتھر تھا۔ میرا وجدان پتھرا گیا تھا۔ مگر پھر تم نے اسے موم بنا ڈالا۔ اب یہ موم سا دل معمولی سی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ تم نے کیا، کیا اشتارا! تم نے ذولین خان جیسے شخص کو بکھیر دیا۔ خود کو چٹان سمجھنے والا ریت کی طرح بکھر گیا ہے۔'' ذولین نے اُسے دیکھا۔ چہرہ آگ ہو رہا تھا اور آنکھیں دھواں۔

''ذولین ــــ'' اشتارا تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے غایت درجے کی شگفتگی سے اُسے دیکھا۔ ''آپ ــــ ذولین! آپ نے اتنی جلدی حوصلہ ہار دیا؟ مجھے تو اشمل لالہ نے بہت سنبھالا دیا تھا۔'' اُس نے کہا تو ذولین نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''اشمل نے؟'' اُس کے لہجے میں حد درجہ تعجب تھا۔ اشتارا نے پلکیں جھکا دیں۔

Marfat.com

''ہاں ـــــ وہ جانتے ہیں کہ ـــــ '' اُس نے گلابی لب دانتوں میں دبا لئے۔ اور یہ انکشاف ذولین خان کے لئے نہایت حیران کن تھا۔ ''اشمل لالہ کو شاہ خانم نے اسی سلسلے میں بلوایا ہے۔ مگر وہ بابا خان سے متفق ہیں۔'' اشتارا کے اس جملے نے اُسے بیک وقت حوصلہ بھی بخشا اور ملول بھی کر دیا۔

''مگر ذولین! اگر بابا خان ہار گئے تو اشمل لالہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ شاہ خانم کے آگے بھلا کب کسی کی چلی ہے۔'' اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر آنسو روکنے کی سعی کی۔ پھر پلٹ کر جانے لگی تب ذولین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اُسے روکا۔ اُس کا انداز جارحانہ تھا۔ اُس کے مضبوط ہاتھ نے اُس کا رُخ دوبارہ اپنی طرف موڑ دیا۔

''تم کیا سمجھتی ہو ـــــ میں شاہ خانم کے ہاتھوں شکست کھا جاؤں گا؟ ـــــ انہوں نے میری حالت ریگ زار کر دی ہے۔ مجھے زندگی بھر محض ناکردہ گناہوں کی سزا دیتی رہی ہیں۔ نہیں اشتارا ـــــ اب یہ جیت ان کی نہیں ہو گی۔ اب انہیں شکست سہنا ہو گی ـــــ بہت بھاری ـــــ بہت تکلیف دہ۔'' اُس کا لہجہ اُکھڑا ہوا اور سرد تھا۔

اشتارا نے بھیگی بھیگی پلکیں اُوپر اُٹھائیں۔ اُس کا چہرہ تنا ہوا تھا۔

''تم میری محبت ہو ـــــ اور میں اپنی محبت سے اتنی آسانی سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ اور تمہیں شاہ خانم سے چھیننا میری ضد ہے۔'' اس کے شانوں پر اس کے مضبوط ہاتھوں کا دباؤ بڑھ گیا۔

وہ وحشت زدہ ہو گئی۔ اس کی سبز آنکھیں طوفان کی زد میں آئے سمندر کا عکس پیش کر رہی تھیں اور تنا ہوا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔

''اگر تم چچا خان کی عزت نہ ہوتیں تو میں تمہیں یہاں سے......''

''ذو......لین......'' وہ خوف سے چلا اُٹھی۔ اُس کے پیر یوں جلنے لگے جیسے وہ ریت کے تپتے ہوئے ٹیلے پر ایستادہ ہو۔

ذولین خان اس لمحے وحشی ہو رہا تھا۔ اس سے کچھ بعید نہ ہوتا۔ اگر اُسے مہروز خان کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو وہ محض شاہ خانم کو نیچا دکھانے کے لئے اُسے یہاں سے لے جاتا۔ کہیں بھی۔

''اُف خدایا ـــــ '' اُس نے خوف سے جھرجھری لے کر ذولین کی طرف دیکھا۔

''میں کبھی بزدل نہیں رہا اشتارا! مگر اس عورت کا احترام ہمیشہ مجھ پر غالب رہا۔ عورت سے انتقام لینا میری سرشت نہیں ہے۔ وگرنہ میں چاہتا تو ان سے پوچھ سکتا تھا کہ وہ محض

Marfat.com

فیروز خان سے نفرت کا زہر مجھ پر کیوں انڈیل رہی ہیں۔ اور مجھے فخر ہے اپنے باپ پر۔ میرا سر اُٹھا ہوا ہے اشتارا! کہ میرے باپ نے ان کی بہن سے کوئی بدعہدی نہیں کی تھی ـــــ ان سے کوئی پیاں نہیں باندھے تھے۔ انہیں کوئی سپنے نہیں دکھائے تھے۔ انہوں نے محض اپنی والدہ کے فیصلے سے انکار کیا تھا اور منافقت کی راہ سے خود کو بچا لیا تھا۔ ہاں اشتارا! میں ایک ایک سوال کا جواب چاہوں تو ابھی جا کر ان سے مانگ سکتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں، کوئی وزنی دلیل نہیں ہے اس نفرت کی۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا، نہ ہی کروں گا۔ یہ میری شان کے خلاف ہے ـــــ یہ محض اُن کی ذہنیت کی پستی ہے۔ ان کی خود ساختہ نفرت ہے۔ ہاں، مگر اب تمہارا حصول میری ضد ہے۔ اور اس کے لئے مجھے اگر حویلی کے اندر آ کر بھی لڑنا ہوگا تو میں لڑوں گا۔"

اشتارا سر جھکائے سنتی رہی۔ اُس کا دل از حد دُکھی ہو رہا تھا۔ اُسے منزلِ عشق کا راستہ کتنا آسان اور روشن لگتا تھا جب ذولین اُس کے سامنے ہوتا، اُس پر پیار بھری نگاہیں اُٹھاتا تھا۔ اُس کا مضبوط وجود اُس کے لئے کتنی تقویت کا باعث رہا تھا۔ مگر ـــــ

اب منظر بدل گیا تھا۔

حقیقت یہ تو نہ تھی۔

منزلِ عشق کا راستہ بے حد تاریک اور مہیب ہو گیا تھا۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ ہی تھا۔ بس وہی انجان تھی۔

اُس کے قریب ہوتے ہوئے بھی کتنی دوری کا احساس ہو رہا تھا۔ سمندر میں اُتر کر بھی جیسے وہ پیاسی ہی رہی تھی۔

تشنگی اُس کے انگ انگ میں ابھی بھی اسی طرح رچی ہوئی تھی۔

ایسا لگتا تھا جیسے چم چم کرتی خوشیوں کی تتلیاں اُس کی ہتھیلی سے پھر سے اُڑ گئی تھیں اور اس کے چاروں طرف کانٹے اُگ آئے ہوں۔

دھنک کے سارے منظر اس پار رہ گئے تھے۔

آہ ـــــ کب بجھے گی یہ آشفتہ پیاس۔

پھر وہی تشنگی۔

وہی ماتمی نوحے۔

اور پھر وہی اُجڑنے کا موسم۔

اور پھر وہی نا آسودگی کے جال میں قید ہو گئی تھی۔

Marfat.com

اچانک ذولین کے ہاتھوں کی نرم ٹھنڈک نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے اپنی مغموم پلکیں اُٹھائیں اور پھر جھکا دیں۔

''جاؤ اشتارا ـــــ اندر جاؤ۔'' اُس نے کہا تو وہ کسی فرمانبردار بچے کی طرح خاموشی سے پلٹ گئی اور رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی۔

'تم کیوں خوفزدہ ہو پاگل لڑکی! میں اتنی آسانی سے تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارا حصول ہی میری زیست ہے اور میں اپنی زیست کے لئے آخری سانس تک جنگ کروں گا ـــــ اب تشنگی میرے حصے میں نہیں آئے گی ـــــ اب ہار میرا مقدر نہیں بنے گی ـــــ اب شاہ خانم کی زندگی میں انقلاب آئے گا اور آنا بھی چاہئے کہ انقلاب میری زیست کی بقاء ہوگی ـــــ یہی انقلاب نفرتوں کے گھر مہندم کرے گا ـــــ اور یہی انقلاب میری محبت کی فتح ہوگا۔'

اُس کی نگاہیں دُور ہوتی اشتارا پر جمی تھیں۔ اُس نے اپنے لہو میں کھولتے الاؤ کو بہت تحمل سے ٹھنڈا کیا اور پھر پلٹ کر ایکسی کی طرف بڑھ گیا۔

+++

بڑی سی گول کرسی پر بیٹھی شاہ خانم گہری سوچ میں گم تھیں ـــــ اُن کا ذہن اب تمام درپیش حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔

مہروز خان کی ضد۔

اشمل کی حمایت۔

یہ سب انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ مہروز خان کی خاموشی اور صلح جو مزاج کا رنگ ٹوٹ چکا تھا۔ اب اُن کی ضدی طبیعت عود کر آئی تھی۔ اور مرد جب ضد پکڑ لے تو مضبوط سے مضبوط عورت بھی بے بس نظر آنے لگتی ہے۔ اور انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وہ مزید تن کر مہروز خان کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گی۔ اور پھر جب اشمل بھی ان ہی کا حمایتی تھا۔ ایسے میں ان کا ذہن کچھ اور سوچ رہا تھا۔ کوئی نئی پلاننگ کر رہا تھا۔

ہار کا تصور ہی ان کے لئے بے حد خوفزدہ کرنے والا تھا۔

''میرے خدا!'' وہ وحشت زدہ سی اُٹھ کر ٹہلنے لگیں۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر نکل آئیں۔

مہروز خان احتیاطاً حویلی میں کم آتے تھے۔ صبح کے گئے گہری شام کو ان کی واپسی ہوتی تھی اور یہ بات شاہ خانم کو بڑی اذیت دیتی تھی۔ مگر دونوں کے درمیان یہ سرد جنگ مسلسل

Marfat.com

جاری تھی اور جھکنے کو کوئی تیار نہ تھا۔

شاہ خانم کو یہ گوارہ نہ تھا کہ فیروز خان کے بیٹے ذولین کو داماد کی صورت میں قبول کر لیں اور مہروز خان اپنے فیصلے پر روزِ اول کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ مگر شاہ خانم کا خیال تھا کہ اشمل خان اُن کے پاس ایک ایسا مہرہ ضرور ہے جو مہروز خان کو جھکانے میں اُن کی مدد کر سکتا ہے، بصد اصرار۔

وہ راہداری تیزی سے عبور کرنے لگیں کہ سامنے سے آتی اشتارا ٹھٹک گئی۔

''خیریت شاہ خانم؟'' وہ احتراماً اُن کے قریب آ رکی۔

''ہاں ــــ اشمل کہاں ہے؟''

''اشمل لالہ تو اپنے کمرے میں ہیں۔'' اشتارا کچھ حیران ہوتے ہوئے بولی۔ ''آپ کہیں تو میں آپ کے کمرے میں بھیج دوں؟''

''نہ ــــ نہیں، میں خود ہی جا رہی ہوں۔'' شاہ خانم نے اُس کی بات رد کر دی اور خود اشمل کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اشمل کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا ــــ شاہ خانم کو دیکھا تو لونگ شوز پہنتے پہنتے رُک گیا۔

''آپ ــــ آیئے ــــ مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

''کہیں جا رہے ہو؟'' شاہ خانم اندر آ گئیں اور اُس کی تیاری واضح طور پر محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ــــ بس یونہی ذولین کے ساتھ ذرا رائیڈنگ کا پروگرام بن گیا تھا۔ کوئی کام تھا کیا مجھ سے؟''

''ہاں ــــ اگر تمہارا جانا ضروری نہیں ہے تو۔''

''ارے نہیں، اتنا ضروری نہیں ہے۔ آپ بیٹھئے، میں ابھی آیا۔'' وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

''قابل نواز!'' اُس نے گرِل کے پاس جا کر پورچ کی طرف جاتے قابل نواز کو پکارا تو وہ بھاگا آیا۔

''جی خان جی؟''

''ذولین سے کہہ دو جا کر کہ اشمل ایک گھنٹے بعد آئے گا۔ تم اس وقت چلے جاؤ۔ سنو، ابھی ہی جا کر کہہ دینا، وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔'' وہ پیغام بھیج کر واپس کمرے میں آ

Marfat.com

گیا۔

''یونہی بس فارغ تھا تو پروگرام رائیڈنگ کا ہی بنا ڈالا۔ کافی دن ہو گئے تھے رائیڈنگ کیے ہوئے۔ آپ کہیے، جو کہنا چاہتی ہیں۔'' وہ جیکٹ اُتار کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

شاہ خانم سر جھکائے چند ثانیے کچھ سوچتی رہیں، پھر بولیں۔

''میں بہت اپ سیٹ ہوں اشمل! ــــ مجھے لگتا ہے اس فضا میں میرا دم گھٹ جائے گا۔''

اشمل نے اُنہیں دیکھا۔ 'نفرت کی ان اونچی فصیلوں میں تو آپ کا کبھی دم نہ گھٹا تھا شاہ خانم! اب جبکہ بابا خان یہ دیواریں گرانا چاہتے ہیں، فضا میں بسا زہر مٹا دینا چاہتے ہیں تو یہ سب کچھ آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ آپ کو محبتوں سے اتنی نفرت کیوں ہے شاہ خانم؟' اُس نے تاسف سے سوچا۔

''تم اپنے بابا کو سمجھاتے کیوں نہیں ہو اشمل؟''

''میں ــــ؟'' اشمل نے استفسار بھری نظروں سے انہیں دیکھا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''نہیں شاہ خانم! میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں، بابا خان کا فیصلہ درست ہے۔ آپ سوچیے، غور کیجیے تو آپ بھی متفق ہو جائیں گی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، میں اشتارا کی بہتری نہیں چاہتی؟'' انہوں نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔ ''میری بیٹی ہے ــــ میں نے اُسے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے۔ اُس کا اچھا برا میں بہتر انداز میں سوچ سکتی ہوں اور سوچتی ہوں۔''

''مگر یہاں تو آپ محض اپنی انا کا مسئلہ اٹھائے بیٹھی ہیں۔''

''اشمل!'' شاہ خانم کو اُس کا یہ جملہ سخت ناگوار لگا۔ انہوں نے خشمگیں آنکھوں سے اُسے دیکھا۔ ''تم حد سے زیادہ گستاخ ہوتے جا رہے ہو۔'' وہ سخت مشتعل ہو گئیں اور کرسی سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنے لگیں کہ اشمل ان کے سامنے آ گیا۔

''گستاخی کی معافی چاہتا ہوں شاہ خانم! مگر آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے، اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے آئی ہیں تو پھر بیٹھیے اور سکون سے میری بات بھی سنیے۔ بے شک آپ کا غم اپنی جگہ مگر اب جنریشن چینج ہو گئی ہے۔ وقت کا دھارا بہت گزر چکا ہے۔'' اُس کا لہجہ صلح جو نہ تھا مگر نرم ضرور تھا۔ اُس نے شاہ خانم کو نرمی سے شانوں سے تھام کر دوبارہ بٹھا دیا۔

وہ سنجیدگی سے اس مسئلے کا حل چاہتا تھا۔ بلکہ شاہ خانم کو قائل کرنا چاہتا تھا۔ وہ سخت

Marfat.com

اُلجھا ہوا تھا۔ ذولین، بابا خان کی حمایت میں کہا ہوا ایک جملہ ہی شاہ خانم کو برافروختہ کر دیتا تھا۔ مگر اُس نے سوچ لیا تھا کہ جب وہ میدان میں اُتر ہی آیا ہے، بلکہ اُسے اُتارا گیا تھا تو وہ یہ میدان فتح کر کے ہی رہے گا۔ اُس کے سامنے ذولین خان کے ساتھ کی گئی ناانصافیاں تھیں۔

اشتارا کی خاموش زبان مگر بولتی آنکھیں اور خود اُس کی اپنی خواہش۔

وہ ہر حال میں شاہ خانم کو قائل کرنا چاہتا تھا۔

''تم کہتے ہو اشمل! کہ وقت کا دھارا بہت گزر چکا ہے۔ مگر میرے لئے نہیں بدلا۔ سب کچھ ویسا ہی ہے۔ وہی ماہ و سال ہیں۔'' شاہ خانم گہری یاسیت سے بولیں۔

''سب کچھ بدل گیا ہے شاہ خانم! بس آپ نہیں بدلیں۔ بدلنا نہیں چاہتیں۔ یقین جانئے میرا مقصد نہ آپ کی مخالفت ہے اور نہ بابا خان کی حمایت۔ مجھے تو صرف اشتارا کی خوشی عزیز ہے۔ اور اس حویلی میں محبتوں کی جیت چاہتا ہوں اور صرف وہی چاہتا ہوں جس سے سچی خوشیاں وابستہ ہیں۔'' اُس نے ٹھنڈے میٹھے لہجے میں سمجھانا چاہا۔ مگر شاہ خانم پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں۔ اور پھر جیسے کوئی خیال بجلی کی طرح ان کے ذہن میں کوندا۔

''اشمل!—— '' انہوں نے چونک کر اُسے پکارا۔ ''تم نے ایک بار مجھ سے ذکر کیا تھا ہشمینہ کا۔''

''جی۔'' اُس نے حیرت سے شاہ خانم کو دیکھا۔ یہ بھلا اشتارا اور ذولین کے ذکر کے درمیان ہشمینہ کا ذکر کہاں سے آ نکلا۔

''تم نے سحر گل کے رشتے سے انکار کرتے ہوئے ہشمینہ کا نام لیا تھا۔ ہاں، وہ لڑکی مجھے بھی بہت پسند آئی اور یقیناً وہ پسند کیے جانے کے قابل بھی ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟'' اُس نے اپنی حیرت کو قابو کرتے ہوئے پوچھا اور شاہ خانم کو دیکھا۔ اُن کا چہرہ کسی احساس کے تحت سرخ ہو رہا تھا۔ اچانک وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں اور اشمل کے بے حد قریب آ رکیں۔

''اشمل! میں ایک شرط پر ہشمینہ کو اس حویلی میں بہو بنا کر لا سکتی ہوں کہ تم مہروز خان کی یہ ضد توڑنے میں میرا ساتھ دو۔''

اُن کی چمکتی بھوری آنکھیں اشمل کے چہرے پر ٹکی تھیں۔ اور دروازے کے باہر کھڑی اشتارا جو کچھ دیر پہلے ہی کسی کام کے سلسلے میں اشمل کے کمرے کی طرف آئی تھی، شاہ خانم

Marfat.com

کی آواز پر رُک گئی تھی۔

اس جملے پر اُس کا سارا وجود جیسے مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اُس نے جیسے غم کے بوجھ سے پھٹتے دل پر ہاتھ رکھا اور مغموم پلکیں اُٹھا کر شاہ خانم کے سامنے کھڑے اشمل کی طرف دیکھا۔

Marfat.com

غم و صدمے سے اشمل کی قوتِ گویائی کتنے ہی ثانیے تک سلب رہی۔ اُس نے بے یقینی اور دُکھ کی کیفیت سے شاہ خانم کو دیکھا۔ وہ ایک ماں تھیں اور محض اپنی انا کا پرچم بلند رکھنے کے لئے اولاد سے سودا کر رہی تھیں۔ اور وہ کیسے اور کیونکر اشتارا کے حصے میں غم ڈال کر اپنی خوشیاں خرید لیتا۔ دوسروں کے خوابوں کے کھنڈر پر اپنی محبت کا محل بنا لیتا۔

اُس نے اس ذہنی صدمے سے خود کو سنبھالا اور شاہ خانم کی طرف عجیب نا آسودہ انداز میں دیکھا۔

وہ جواب کی منتظر تھیں یا اپنی فتح کی۔

''شاہ خانم! کاش آپ نے یہ بات کہنے سے پہلے سوچ لیا ہوتا۔'' اُس نے خود کو صوفے پر گرا لیا۔

''اشمل! تم میرے بیٹے ہو ــــ اور جانتے ہو مائیں بیٹوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ تم مجھے نہتا کر کے چاہتے ہو کہ مہروز خان مجھے پچھاڑ دے؟''

''پلیز شاہ خانم! آپ نے مجھے اتنا پست انسان کیسے سمجھ لیا کہ میں اشتارا کی خوشیاں چھین کر اپنی زیست کو سجا لوں۔ وہ میری بہن ہے ــــ مجھے بے حد عزیز۔''

''اشمل!'' شاہ خانم نے کڑے تیوروں سے اُسے دیکھا۔ ''اُسے اس بات سے غرض نہیں ہے کہ اُس کی شادی کس سے ہونی چاہئے۔ فروان یا ذولین ــــ اُس کے لئے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔''

''یہ تو آپ کا خیال ہے نا۔'' ایک تلخ مسکراہٹ اشمل کے لبوں کو چھو گئی۔ وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' شاہ خانم نے اُسے حیران کن نظروں سے دیکھا۔

''وہ فروان کو کبھی دل سے قبول نہیں کرے گی اور نہ کسی اور کو ــــ ذولین اُس کی خواہش ہے۔''

''اش......مل......'' شاہ خانم پوری قوت سے دہاڑیں۔

Marfat.com

''گستاخی معاف شاہ خانم! آپ اپنی بیٹی کی خوشیاں چھین کر محض اپنے دل کا سکون حاصل کرنا چاہتی ہیں تو یہ کوئی مشکل نہیں ہوگا آپ کے لئے کہ جا کر آپ اشتارا کو زبردستی اپنے فیصلے پر سر جھکانے پر مجبور کر دیں اور اپنی خوشیاں حاصل کریں۔ پھر بھلا بابا خان کیا کر لیں گے؟ ___ اگر آپ ماضی کی گلناز کو زندہ کرنا چاہتی ہیں، اشتارا کے روپ میں تو میں نہیں روکوں گا۔ اگر اشتارا کو گلناز خالہ کی طرح سسک سسک کر مار دینا چاہتی ہیں اور اسی میں آپ کا دلی سکون پنہاں ہے تو جائیے، آپ اپنا یہ سکون ضرور حاصل کریں۔ وہ بے زبان لڑکی اس لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے کہ ہم جیسے با اختیار لوگ اُسے محض اپنی ضد اور انا کی بھینٹ چڑھا دیں۔''

''اشمل! ___ چپ ہو جاؤ ___ گستاخ ___ بدزبان!'' شاہ خانم کا ہاتھ پوری قوت سے اشمل کے رخسار پر پڑا۔ اُن کا بدن غم و غصے سے کانپنے لگا۔ چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو رہا تھا۔

''دُور ہو جاؤ میری نظروں سے ___ دفع ہو جاؤ اس حویلی سے۔ میں تم جیسے گستاخ بیٹے کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔'' وہ غضب ناک ہو کر دھاڑیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اشمل نے اس طوفان کی پذیرائی بہت تحمل سے کی اور پھر شاہ خانم کے کمرے سے جاتے ہی خود الماری کی طرف بڑھا اور چرمی بیگ نکال کر اس میں اپنے کپڑے بھرنے لگا۔ وہ اب اس حویلی میں ایک پل نہیں رہنا چاہتا تھا جہاں اپنی انا کی حفاظت نہیں کی جا سکتی ___ جہاں محبتیں نہیں، رعب اور دبدبہ ہی سب کچھ تھا۔

اُس نے جان لیا تھا کہ شاہ خانم کو سمجھانا عبث ہے۔ اور اس میں اتنی تاب نہ تھی کہ وہ اشتارا کے اُجڑنے کا تماشا دیکھتا رہے۔

ذولین کے ساتھ کی گئی نا انصافیوں پر اب مزید بیٹھ کر کڑھتا رہے ___ اُسے اپنے کہے ہوئے جملوں پر کوئی پشیمانی نہیں تھی۔ اُس نے سچ کہا تھا۔ اُس نے شاہ خانم کو صحیح سمت دکھانے کی سعی کی تھی۔

کپڑے ہینگر سے نکال نکال کر اُس نے بیگ میں بھر لئے اور زپ بند کر دی۔ تب اشتارا تڑپتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

''اشمل لالہ! ___ یہ کیا کر دیا آپ نے؟'' وہ بے اختیار ہو کر اشمل کے شانے سے آ لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

Marfat.com

''میں نے ٹھیک کیا ہے اشتارا! ــــــ میں شاہ خانم کی آنکھیں کھول دینا چاہتا ہوں جو اندھی نفرت نے بند کر رکھی ہیں۔ وہ اب تمہیں بھی گلناز خالہ کا روپ دینا چاہتی ہیں۔''

''نہ...... نہیں لالہ! یہ بہت برا ہوا۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہو رہا ہے ــــــ اتنا بڑا طوفان ــــــ میں پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہ گئی۔''

''پاگل ہو گئی ہو اشتارا!'' اشمل نے ہچکیوں سے روتی اشتارا کو خود سے لپٹا لیا۔

''آپ چلے جائیں گے؟''

''ہاں ــــــ میرا اس وقت چلے جانا ہی بہتر ہے ــــــ میں بزدل نہیں ہوں اشتارا! مگر اتنا بہادر بھی نہیں کہ تمہارا دکھ آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ شاہ خانم کو بدلنا واقعی بہت مشکل ہے۔ اور اس حویلی میں انقلاب لانا ناممکن ہے۔'' اُس نے ایک گہری سانس لی اور اشتارا کو خود سے الگ کیا اور بیڈ سے اپنا بیگ اُٹھا لیا۔

''نہ جائیں لالہ آپ۔'' اُس نے ملتجی نظروں سے دیکھا تو اشمل کا دل پگھل پگھل کر بہنے لگا۔ مگر وہ مجبور تھا۔ جانتا تھا کہ اس کا یہاں مزید ٹھہرنا شاہ خانم کو مستقلاً مشتعل رکھے گا۔

''تم سمجھو گڑیا! میرا یہاں رہنا ابھی مشکل ہے۔ اور سنو! تم شاہ خانم کے ہر سوال کا جواب وہی دینا جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور سچ ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔'' اُس نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ سسک کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

''تم سارے اختیار ہار گئے تو میں بے بس، بے اختیار لڑکی اتنا بڑا انقلاب کیسے لا سکتی ہوں؟ ــــــ پھر کب آئیں گے آپ؟'' اُس نے خود کو سنبھال کر پوچھا۔

''میں فون کرتا رہوں گا۔'' گویا جلدی آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اُس نے بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

+++

وہ سخت اُداس اور ملول ہو رہی تھی جب اُسے پتہ چلا کہ اشمل خان نے ہاسٹل چھوڑ دیا ہے۔ اُس دن اتفاق سے اس کی احسن سے ملاقات ہو گئی تھی اور اُس نے ہشمینہ کو پہلی خبر یہی سنائی تھی اور اُس کا دل سخت حزیں ہو گیا۔ وہ ہاسٹل چھوڑ چکا تھا اور کئی دنوں سے یونیورسٹی بھی نہیں آ رہا تھا ــــــ یہ بات اُسکے لئے پریشان کن تھی۔ اُس نے احسن سے حویلی کے فون نمبر بھی لے لئے مگر کبھی اس میں اتنی ہمت پیدا نہ ہوئی کہ وہ اشمل کو فون کرتی۔ کئی بار اُس نے ریسیور اٹھایا اور پھر رکھ دیا۔ نہ جانے کیوں اشمل کی آواز سنتے ہی جیسے وہ لفظوں کے معاملے میں بالکل ہی بے زبان ہو جاتی۔ شرم اُسے اپنا مسئلہ اُٹھانے نہ دیتی اور زبان

Marfat.com

ساتھ دینے سے انکار کر دیتی۔ وہ شخص کتنی تسلیاں دے کر گیا تھا۔ مگر لگتا تھا کہ اب وہ ساری تسلیاں بھول گئی تھی۔ وہ سب کچھ اس کے بے قرار دل کے لئے بہت کم تھیں۔ یہاں ابی، سلطان کمال کی زور و شور سے انکوائری کروا رہے تھے۔ اور ایسے میں وہ پریشان ہو اُٹھتی۔

اُس نے خود کو کمرے میں مقید کر لیا تھا۔

'ہائے اشمل! ــــ دیکھو تو، کتنی تنہا ہو گئی ہوں۔ تمہاری ذات کا بخشا ہوا وہ حوصلہ اب ٹوٹ رہا ہے ــــ میں اندر سے چیخ رہی ہوں ــــ'

وہ بری طرح رو دی۔ موٹے موٹے قطرے سیاہی کو مٹانے لگے۔

پھر یکدم اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ اس سحر سے، اس خوشبو سے باہر نکل آئی۔ اشناس بھائی دروازے پر ہولے سے دستک دے کر اندر آئے تھے اور انہیں دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔

''آ......آپ......آیئے......'' اُس نے جلدی سے اپنی بھیگی پلکیں دوپٹے کے کنارے سے رگڑ دیں۔ سرخ سرخ چہرہ، روئی روئی متورم آنکھیں، ملگجے کپڑے اور دو دن سے کنگھی نہ کئے ہوئے بال۔ اشناس بھائی نے ایک نظر میں سب کچھ محسوس کر لیا۔ وہ ایسی تو ہرگز نہ تھی۔ ہمیشہ خود کو صاف ستھرا رکھنے والی، ہر دم ہنسنے کھلکھلانے والی یکدم ہی تنہائی پسند ہو گئی تھی۔ خود سے بے نیاز ہو گئی تھی۔

''بیٹھیے نا آپ۔'' وہ خود کو بروقت سنبھال کر جبراً مسکرائی۔

''ہاں ــــ بیٹھنے ہی آیا ہوں۔ اور تم بھی میرے پاس بیٹھو۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

''دو دن سے میں نے تمہاری صورت نہیں دیکھی۔'' اشناس بھائی نے اُسے بغور دیکھا تو اُس کا چہرہ جھک گیا۔

''ج......جی......آپ شاید زیادہ مصروف ہو گئے ہیں۔''

''نہیں ــــ تم کمرے میں بند ہو گئی ہو۔ کیوں گڑیا! کیا بات ہے ــــ کیا ڈپریشن ہے تمہیں؟'' وہ اُٹھ کر اس کے قریب سیٹی پر بیٹھ گئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''پروپوزل تو ہر لڑکی کا آتا ہے۔ اور اس سے پہلے بھی تمہارے کئی پروپوزل آ چکے ہیں۔ مگر اس بار تم بالکل اپ سیٹ ہو گئی ہو ــــ کیوں؟'' انہوں نے نرمی اور یگانگت سے اُس کے سر کو تھپکتے ہوئے پوچھا تو ہشمینہ کا دل پگھل گیا۔ وہ بے اختیار ہو کر اُن کے گلے لگ کر بلک اُٹھی۔ کاش وہ اشناس بھائی کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ سکتی۔ مگر وہ ایسی غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بس جی بھر کر روتی رہی اور اشناس بھائی نے اُسے رونے دیا تاکہ دل کا

Marfat.com

غبار نکل جائے۔

''تم ہم سب کو کتنی عزیز ہو ہشمینہ! شاید تمہیں اندازہ نہیں۔ ابی اور مما تمہارے اس گھر سے جانے کا سوچ کر کتنے اُداس ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ایک فرض بھی ہے ان کے کندھوں پر اور ایک خوشی بھی جس میں سکون اور اطمینان بھی ہے ـــــ ہے نا؟'' انہوں نے اُس کا سر اوپر اُٹھا کر اُسے دیکھا تو وہ چہرہ دوپٹے سے پونچھ کر سیدھی ہو بیٹھی۔

''دیکھو ہشمینہ! سلطان بہت اچھا لڑکا ہے۔ کمال انکل سے ابی کے بہت اچھے مراسم ہیں۔ اور پھر ان کی فیملی بہت ایجوکیٹڈ اور بہت نفیس ہے۔ تمہیں ایڈجسٹ ہونے میں یقیناً کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔'' اشناس بھائی اُٹھ کر ٹہلنے لگے۔ پھر اُس کی رائٹنگ ٹیبل کے پاس رُک گئے۔ وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''تمہارا یہ بلا جواز انکار نہ میری سمجھ میں آ رہا ہے اور نہ ابی کی۔'' وہ رُکے، اُن کی نگاہیں ہشمینہ کے جھکے سر سے پھسلتیں یکدم میز کی سطح پر رکھی سیاہ ڈائری پر رُکیں جس کا پہلا صفحہ کھلا ہوا تھا اور اس پر واضح انداز میں ''اشمل خان'' کا نام سرخ مارکر سے لکھا نظر آ رہا تھا۔ اور جیسے لحہ بھر کو اُن کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔ ''اشمل خان'' یہ نام اُن کے لئے اجنبی نہ تھا۔ اور وہ ہشمینہ کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔ اس سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھے۔ اچانک ہی ہشمینہ کا انکار اُن کی سمجھ میں آنے لگا ـــــ اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''کیا تمہارا کسی سے کمٹ منٹ ہے؟'' انہوں نے بالکل اچانک پوچھا تھا۔ ہشمینہ نے سر اُٹھایا اور اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اشناس بھائی کا لہجہ قدرے تیز تھا اور چہرے پر بے پناہ سختی تھی۔ وہ چل کر اُس کے قریب آئے۔

''یہی جواز رہ جاتا ہے۔'' انہوں نے بہت غور سے کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

''نن...... نہیں اشناس بھائی!'' وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''سچ سچ بتاؤ ہشمینہ!'' ان کے لہجے میں نرمی نام کو نہ تھی اور ہشمینہ کو لگا جیسے وہ نیچے ہی نیچے تاریک وادیوں میں گرتی چلی جا رہی ہو۔ اشناس بھائی کی کھوجتی نگاہیں اُس کے جسم کے آر پار ہونے لگیں۔

'میرے خدا ـــــ'

اُس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اُس کا یہ متواتر بلا جواز انکار کسی کو اس رُخ پر بھی سوچنے پر مجبور کر دے گا۔ اور وہ جو اپنی عزت، غیرت اور حمیت کی حفاظت کرتے تھکتی تھی اس لمحے اُسے اپنا آپ بالکل پست لگنے لگا۔ اُسے خود سے کراہیت ہونے لگی۔

Marfat.com

یہ اس نے کیا کر دیا؟
اُس شخص کی خاطر وہ جان دے سکتی تھی مگر اپنی عزت کا نیلام کسی صورت گوارا نہ تھا۔ باپ اور بھائی کے سامنے اُس کا سر جھک جاتا۔ وہ سر اُٹھانے کے قابل نہ رہتی۔ ابی کے اعتماد کو اتنی بڑی ٹھیس پہنچا دے ـــــ ایک محبت پانے کے لئے اتنا سب کچھ کھو دے۔ نن........نہیں، یہ اُسے گوارا نہ تھا۔ اُس کی شریانوں میں خون اُبلنے لگا اور چہرہ گرم آگ ہو گیا۔

''نہیں اشناس بھائی! میرا کسی سے کمٹ منٹ نہیں ہے ـــــ اور نہ میرے انکار کی یہ وجہ ہے۔'' اُس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر؟'' اشناس بھائی سوالیہ نشان بن گئے۔

''آپ ـــــ ابی سے کہہ دیں، مجھے اس رشتے پر کوئی انکار نہیں۔ جب جواز ہی نہیں تو مجھے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ وہ ہنس دی۔ غصے کے ضبط سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا اور دروازے سے داخل ہوتی بھابی کا کلیجہ پانی ہو گیا۔

اشناس بھائی اُسے چند لمحے خالی نظروں سے تکتے رہے، پھر پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

''یہ .... یہ کیا کر دیا ہشمینہ!'' بھابی بھاگ کر اندر آئیں۔ ''دیوانی تو نہیں ہو گئی ہو؟''

اُس نے سر اٹھایا۔ اس کا چہرہ آگ ہو رہا تھا اور آنکھیں دھول۔

''میرے پاس کوئی جواز نہیں تھا انکار کا۔ اور میں بے غیرت بیٹی بن کر سب کے سروں سے عزت کی چادر نہیں کھینچ سکتی تھی۔ نہیں ہے مجھ میں اتنی تاب کہ محض ایک کو پانے کے لئے اپنی عزت، اپنی غیرت اور ابی کے اعتماد کو بکھیر دوں۔ میں اپنے ضمیر کے آگے سرخرو رہنا چاہتی ہوں۔ اس گھر میں اپنی عزت، اپنا مقام برقرار رکھنا چاہتی ہوں۔ میں خود کو قربان کر کے اپنا اعتماد قائم رکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ صوفے پر ڈھے گئی۔

''مگر ہشمینہ! اس لڑکے افسل کا کیا ہو گا؟ ـــــ اُسے کس بات کی سزا دے رہی ہو؟ اُس کی زندگی سے کیوں دشمنی کر رہی ہو تم؟ ـــــ خود تم بھی .... نہیں ہشمینہ! ...... یہ......'' بھابی کا گلا رندھ گیا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر اُسے جھنجھوڑنے لگیں۔

''میں اور کیا کروں بھابی! آج اشناس بھائی نے مجھ سے جو کچھ پوچھا میں نے اس نوبت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا ـــــ اس لئے میں خود اپنی نظروں میں گر گئی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ایک شخص کو پانے کے لئے آنکھوں میں نامحرم کے خواب سجانے کی مجھے اتن

Marfat.com

بھاری قیمت ادا کرنی ہوگی ـــــ پھر مجھے اپنا آپ اتنا گرا ہوا اور پست لگے گا۔ مجھے لگا جیسے سرِ عام بھائی کے سامنے میں ننگے سر کھڑی ہو گئی ہوں ـــــ آہ، بھابی! میرے دل میں جیسے کسی نے نیزے کی انی چبھو دی تھی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک اٹھی۔

بھابی کا جگر بھی پانی پانی ہو گیا۔ "کیا اشناس کے علم میں آ گئی ہے یہ بات؟"

"نہیں ـــــ مگر میں نہیں چاہتی کہ اب یہ نوبت بھی آ جائے۔ میں اس لمحے سے بہت ڈرتی ہوں بھابی! جب امی کے سامنے کھڑے ہو کر میں سر بھی نہ اٹھا سکوں۔ ان کے بازوؤں میں جھول کر یہ بھی نہ کہہ سکوں کہ......" اُس کا گلا آنسوؤں سے بھر گیا۔ آنسو اور بھی تواتر سے بہنے لگے۔

بھابی نے اُسے ترحم بھری نظروں سے دیکھا اور پھر آہستگی سے اپنی جگہ سے اُٹھیں۔ وہ اس وقت اُسے تنہا جی بھر کر رونے کا موقع دینا چاہتی تھیں۔ دل کا غبار نکال کر یقیناً وہ پُرسکون ہو جاتی۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئیں اور جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں۔

+++

مہروز خان، چڑھتی شام میں ہی حویلی آ گئے تھے۔ ان کے ہمراہ گل بی بی بھی تھیں۔ اشتارا، زینب کے ساتھ لان میں ٹہل رہی تھی۔ مہروز خان کے ساتھ گل بی بی کو آتے دیکھ کر اُسے ایک انوکھی خوشی ہوئی۔

اس اُجاڑ، بے کیف اور تلخ فضا میں جیسے گل بی بی پیار کا تازہ جھونکا محسوس ہوئیں۔ مہروز خان اندر بڑھ گئے جبکہ گل بی بی اس کے پاس ٹھہر گئیں۔

"السلام علیکم گل بی بی!" وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس آ گئی۔

"جیتی رہو ـــــ میری طرف تو تم نے آنا چھوڑ دیا ہے بالکل۔ گل مینا بہت یاد کرتی ہے تمہیں۔" انہوں نے اشتارا کو سینے سے لگا لیا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

"شاندانہ بھی اس ماہ کے آخر میں آئے گی۔ اور زیادہ دن رکے گی۔" گل بی بی کی بات پر اشتارا خوش ہو گئی۔

"میں بھی شان کی کمی بہت محسوس کرتی ہوں ـــــ سچ، اس کے جانے کے بعد بالکل تنہا سی ہو گئی ہوں ـــــ آیئے نا، ہم اندر بیٹھتے ہیں۔" وہ گل بی بی کو لئے اندر کے حصے میں آ گئی۔ تب مہروز خان کے گرجنے، برسنے کی آواز آئی۔

"تم چلو اپنے کمرے میں ـــــ میں ابھی آتی ہوں۔" گل بی بی کے چہرے کا رنگ

Marfat.com

بھی بدل گیا۔ انہوں نے اشتارا کو تھپک کر کہا اور خود سٹنگ روم میں چلی آئیں جہاں مہروز خان اور شاہ خانم کے درمیان تلخ کلامی جاری تھی۔

''گل! اسے سمجھا دو اچھی طرح کہ اب اس کے لئے شور مچانا عبث ہے۔ میرا یہ آخری فیصلہ ہے اور اس جمعہ کو میں اشتارا اور ذولین خان کا نکاح کر رہا ہوں۔'' مہروز خان کی بھاری اور غصے سے بھری ہوئی آواز حویلی میں گونج رہی تھی اور اشتارا اس خبر پر سناٹے میں رہ گئی تھی۔

''مہروز خان! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میرے جیتے جی تم اس فیصلے پر قدم نہیں اٹھا سکتے۔'' شاہ خانم کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''خدا کے لئے شاہے! ـــــ تم ہی ضد چھوڑ دو۔'' گل بی بی گھبرا کر آگے بڑھیں۔ ''ذولین ہمارا ہی بچہ ہے۔ خون ہے ہمارا۔''

''نہیں گل ـــــ یہ شخص مجھے اس طرح جھکانا چاہتا ہے۔'' شاہ خانم نے گل بی بی کی بات کا کوئی اثر لئے بغیر غصے سے کہا اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ ''مہروز خان! تم بھول رہے ہو کہ اشتارا میری بھی بیٹی ہے۔ اس پر میرا بھی حق ہے۔'' وہ اپنے مخصوص تنتنے کے ساتھ مہروز خان کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

''ہاں ـــــ تم نے اپنا حق بہت جتا لیا ہے اور قدم قدم پر تم یہ بات بھولتی رہی ہو شاہ بیگم! کہ تمہارا اٹھا ہوا یہ سر میرے دم سے ہے۔ میں نے تمہیں کبھی توڑنا نہیں چاہا۔ وگرنہ تم نے تو اس حویلی کو قدم قدم پر ڈھانے کی کوشش کی ہے۔ اس گھر کی خوشیوں کو ڈستی رہی ہو اور میں چپ رہا۔''

مہروز لالہ!...... نہ ..... نہیں......'' گل بی بی گھبرا کر دونوں کے درمیان آ گئیں۔ آج مہروز خان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا اور وہ اس انتہائی غصے میں کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ گل بی بی خوفزدہ ہو گئیں۔ ''یہ بات امن وسکون سے بھی کہی جا سکتی ہے۔ شاہے کو میں سمجھاؤں گی۔''

''نہیں گل ـــــ ہٹ جاؤ تم درمیان سے۔ آج میں اس عورت کے چہرے سے نقاب کھینچ کر اسے اس کا اصلی چہرہ دکھاؤں گا کہ وہ کیا تھی اور کیا ہے۔'' مہروز خان نے گرج کر گل بی بی کو بازو سے پکڑ کر سامنے سے ہٹا دیا اور شاہ خانم کے سامنے تن کر کھڑے ہو گئے۔

''شاہ بیگم! تمہارا یہ فخر ـــــ تمہارا یہ غرور ـــــ میں پہلے روز ہی توڑ سکتا تھا۔ مگر محض فیروز لالہ کی طرف سے ملے دُکھ پر مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی تھی اور میں نے چاہا کہ یہ

Marfat.com

ہمدردی محبت میں ڈھل جائے۔ مگر تمہارے رویوں نے کبھی ایسا نہ ہونے دیا۔ تمہارے رویوں نے مجھے، اس حویلی کے ہر مکین کو دکھ پہنچایا۔ تم اپنے نام نہاد غم کے انبار تلے ہم سب کو دبائے رکھنا چاہتی تھیں۔ شاہ خانم بن کر مجھ پر، اس حویلی پر حکومت کرتی رہیں۔ مگر کبھی ہمارے دلوں پر راج کرنے کی کوشش نہ کی۔ جھانکو ہمارے دل میں شاہ خانم!۔۔۔۔ جھانکو میرے دل میں کہ تم یہاں موجود بھی ہو یا نہیں؟۔۔۔۔ تم صرف ان اونچی اونچی دیواروں میں قید ہو، میرے دل میں نہیں۔"

"مہروز...... خا......ا......ن......" شاہ خانم کا سارا وجود لرز اٹھا۔ ان کے جسم کا سارا خون یک بیک چہرے پر سمٹ آیا۔ آج پہلی مرتبہ انہوں نے مہروز خان کو اتنا غضب ناک دیکھا تھا۔ وہ آج پہلی بار شاہ خانم جیسے بُت کو توڑنے کے لئے آگے آئے تھے۔

گل بی بی الگ اپنی جگہ دم سادھے دُکھ سے دوچار ہو رہی تھیں۔

"دیکھو شاہ بانو! ان اونچی اونچی دیواروں کو دیکھو جو تمہارے خوف سے سہمی ہوئی ہیں۔ خود تمہاری اولاد جس کے دل میں تمہارا احترام نہیں، خوف ہے۔ ہاں، ایسا خوف جو محبت میں ڈھل نہیں سکتا کبھی بھی۔"

"چپ ہو جاؤ مہروز خان۔۔۔۔ چپ ہو جاؤ" شاہ خانم چلائیں۔ مہروز خان کے جملے اُن کا دل چیرے دے رہے تھے۔ خود کو ہمیشہ مضبوط اور تناور درخت کی طرح سمجھنے والی اندر سے اس قدر کھوکھلی ہے۔ یہ احساس ان کے قدم اُکھاڑ گیا۔ وہ لڑکھڑا گئیں۔

"گلناز یقیناً ایک عظیم عورت تھی جو اپنا غم خود سے بھی چھپا گئی۔ مگر تم اس کی تشہیر کرتی رہیں۔ درحقیقت تمہیں گلناز سے محبت نہیں تھی۔ تم اس طرح اپنے کسی جذبے کی تسکین کرتی رہیں۔ فیروز لالہ اور ذولین سے نفرت دراصل تمہارے ذہن کی پستی ہے۔ تمہارا حسد نفرت میں بدل گیا اور نفرت انتقام میں۔" مہروز نشتر بھرے لہجے میں بولے اور شاہ خانم کو دیکھا جو ان جملوں کی تاب نہ لا کر جیسے بکھر گئی تھیں۔ ایک لاوا تھا جو برسوں سے پک رہا تھا، آج بھڑک اُٹھا تھا۔ مہروز خان آج وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتے تھے جو برسوں سے نہ کہہ پائے تھے یا نظر انداز کرتے رہے تھے۔

"تم۔۔۔۔ شاہ بانو! تم نے اپنا سکہ بٹھانے کی کوشش کی۔ تمہیں تسکین ملتی تھی جب کوئی تم سے خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ تمہارے حکم کے آگے جھک جاتا۔ چاہے وہ تمہاری اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے شوہر ہی کیوں نہ ہو۔ کاش شاہ بیگم! تم نے ہم سب کی محبت حاصل کرنے کی سعی کی ہوتی۔ اپنا رعب و دبدبہ بٹھانے کی بجائے اپنا آپ محبت سے منوایا ہوتا۔ مگر نہیں

Marfat.com

—— تم میری نظروں میں گر گئی ہو شاہ بانو! تم میری نرمی اور برداشت کو اپنی جیت گردانتی رہیں۔ مگر حقیقت میں تم ایک شکست خوردہ اور ناکام عورت ہو۔ ایک ہاری ہوئی عورت۔ تم نے اپنا سب کچھ ہار دیا۔ اپنا مان، اپنا اعتبار سب کچھ کھو دیا تم نے —— میری محبت، میری ہمدردیاں۔"

انہوں نے گویا آخری تیر شاہ خانم کے سینے میں پیوست کیا تھا اور قدم اٹھاتے کمرے سے باہر نکل گئے۔

شاہ خانم کا سارا وجود چکرا گیا۔ وہ نیم مُردہ تو پہلے ہی ہو رہی تھیں۔ گل بی بی آگے بڑھیں اور جلدی سے انہیں تھام لیا۔ اشتارا ابھی مہروز خان کے کمرے سے جانے کے بعد اپنی سسکیاں دباتی بھاگ کر شاہ خانم کے قریب آئی۔

"گل! ...... یہ ..... یہ ...... سب کیا تھا؟" شاہ خانم نے پتھرائی نظروں سے گل بی بی کو دیکھا۔ گل بی بی انہیں تھام کر ان کی خواب گاہ میں لے کر آئیں۔

"شاہے! تم نے بھی بے کار کی ضد کی۔" گل بی بی کی آواز آنسوؤں میں گھل گئی۔ شاہ خانم بیڈ پر ڈھے گئیں۔ اور پھر جیسے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے مہروز نے انہیں بہت اونچائی پر لے جا کر زمین پر پٹخ دیا ہو اور ان کے وجود کے ریزے ریزے یہاں وہاں بکھر گئے ہوں۔ سب کچھ بکھر گیا تھا۔ کچھ نہ بچا تھا۔ نہ عزت، نہ انا، نہ ذات کا فخر و غرور۔

آہ —— سب کچھ ملیا میٹ ہو گیا تھا۔ وہ اتنے برسوں کی ریاضت کے بعد بھی جیسے خالی ہاتھ رہ گئی تھیں۔ آج ان کے شوہر، ان کے مجازی خدا نے انہیں ایسے داغا تھا کہ وہ تڑپ تڑپ اٹھی تھیں۔ انہیں یک لخت ہی توڑ دیا تھا۔ جیسے جسم سے روح ہی کھینچ لی تھی۔

'ہائے مہروز خان! یہ تم نے کیا کر دیا —— اس عمر میں مجھے تم نے بالکل تہی داماں کر دیا۔ کچھ بھی نہ بچا میرے پاس —— کتنی بے اعتبار ہو گئی ہوں۔'

ان کے آنسو تواتر سے بہنے لگے اور یہ آنسو اشتارا کے دل پر برچھی کی طرح لگ رہے تھے۔

ہمیشہ چٹان کی طرح مضبوط، ستون کی طرح تنی ہوئی شاہ خانم کو یوں ریزوں کی طرح بکھرتے دیکھ کر اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ اس سے ضبط نہ ہوا تو وہ کمرے سے باہر نکل آئی اور مرمر کے چکنے ستون سے لپٹ کر بے اختیار رو دی۔

اس حویلی میں اُٹھے اس طوفان کی قصور وار وہ خود کو ٹھہرا رہی تھی۔ کاش ——

Marfat.com

اُس نے ذولین کو چاہنے کی غلطی نہ کی ہوتی۔ وہ شخص اس کے سامنے آیا ہی نہ ہوتا۔ اور اگر آیا تھا تو وہ اپنا دل سخت کر لیتی۔

کاش ذولین! تم ہی ــــ تم نے ہی میرے جذبوں کو روند ڈالا ہوتا تو آج یہ دن مجھے نہ دیکھنا پڑتا۔"

اُسے اپنے دل کی نگری اُجڑنے کے غم سے زیادہ شاہ خانم کے ٹوٹنے کا غم تھا۔ اُس نے تو ہمیشہ شاہ خانم کو فاتح دیکھا تھا۔ سر بلند ایک تمکنت کے ہمراہ اپنا آپ منواتے ہوئے۔ اور بابا خان کو ان کی تعظیم کرتے ہوئے۔ کس نے سوچا تھا کہ عمر کے اس حصے میں انہیں ایسا ناقابل برداشت غم ملے گا۔

آہ ــــ کب پہاڑوں کو اُس نے ٹوٹتے دیکھا تھا۔

ستاروں کو کب زمین پر گرتے دیکھا تھا۔

آج اُس کی آنکھوں نے خوفناک منظر دیکھ لیا تھا۔ شاہ خانم مٹی کا ڈھیر ہو گئی تھیں۔ بابا خان کے جملے زہر قاتل ہی تو تھے ان کے لئے۔

"ہائے بابا خان! یہ کیا کر دیا آپ نے ــــ کیوں کیا یہ سب کچھ؟"

"اشتارا! صبر کر میری بچی!" گل بی بی نے اُسے محبت سے تھاما تو وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

"میری شاہ خانم ٹوٹ گئی ہیں گل بی بی ــــ یہ حویلی بکھر گئی ہے۔ اسے سنبھالیں گل بی بی! اسے سنبھالیں ورنہ ہم سب اس کے ملبے تلے دب جائیں گے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہ میری جان ...... بس کر۔" گل بی بی نے اسے خود سے لپٹا لیا اور خود بھی رونے لگیں۔

شاہ خانم کی حالت ان سے بھی نہ دیکھی گئی تھی۔ اسی لئے وہ ان کے کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ اب اشتارا کا تڑپ تڑپ کر رونا انہیں نڈھال کر رہا تھا۔ مگر انہوں نے خود کو سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انہیں تو ابھی شاہ خانم اور اشتارا کو سہارا دینا تھا، تسلی دینی تھی۔ حویلی کے بکھرتے حالات کو سنبھالا دینا تھا۔ مہروز خان کے غصے کو ٹھنڈا کرنا تھا۔

"گل بی بی! ــــ میں شاہ خانم کو ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی ــــ میں انہیں بلکتا ہوا نہیں دیکھ پاؤں گی۔ وہ میری ماں ہے ــــ انہوں نے مجھے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے۔ ان کا ہر فیصلہ مجھے قبول کرنا ہے۔ ان کی فتح ہی میری فتح ہے ــــ ان کا اُٹھا ہوا سر میری عزت

Marfat.com

ہے۔ میں ذولین سے شادی نہیں کروں گی۔''

''اشتارا ــــ'' گل بی بی لرز گئیں۔ اشتارا ان کے بازوؤں سے نکل آئی۔

''ہاں گل بی بی! میں ذولین سے شادی نہیں کروں گی۔ اور جو شاہ خانم کا فیصلہ ہے وہ مجھے قبول ہے۔''

''اشتارا! پاگل ہو رہی ہو کیا ــــ مہروز لالہ حق پر ہیں اور شاہ خانم سنبھل جائے گی۔''

گل بی بی نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھا جس کے چہرے پر اپنی بات پوری کرنے کا عزم تھا۔

''نہیں ــــ وہ کبھی نہیں سنبھلیں گی۔ یہ چوٹ بہت بھاری ہے گل بی بی! بابا خان نے اپنی عمر بھر کی خاموشی کو جس رنگ میں توڑا ہے یہ شاہ خانم کے لئے شدید صدمہ ہے۔ وہ عادی نہیں تھیں۔ انہوں نے تو کبھی تصور بھی نہ کیا ہو گا کہ بابا خان انہیں اتنی بڑی شکست دیں گے۔'' اشتارا کی آنکھیں بھر آئیں۔ ''مجھے نہیں روکیے گا گل بی بی! میں خود غرض نہیں ہوں کہ محض اپنی خوشیاں پانے کے لئے اپنی عظیم ماں کو شکست سے دوچار کروں۔ مجھے اپنے خوابوں سے زیادہ شاہ خانم کی جیت، ان کی آسودگی منظور ہے۔'' وہ پلٹ گئی۔ اس نے یک دم ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اس میں نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آئی تھی کہ وہ بابا خان کے سامنے اپنا فیصلہ سنا دینا چاہتی تھی۔

مہروز خان اپنی لائبریری میں تھے۔ وہ اپنے تمام حواسوں کو سنبھالتی، اپنی ہمتوں کو مجتمع کرتی ان کے پاس آئی تھی۔

''بابا خان!''

''انہوں نے سر اٹھایا۔ ان کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی اور چہرے پر ابھی تک غصے کی سرخی جمی ہوئی تھی۔

''ہوں ــــ'' انہوں نے سوالیہ نگاہیں اشتارا کے چہرے پر ٹکا دیں۔

''بابا خان! میں ذولین سے شادی نہیں کر سکتی۔'' اس نے بے حد روانی میں کہہ دیا۔ نہ زبان لڑکھڑائی نہ دل دھڑکا اور نہ ہتھیلیوں میں پسینے کی لہریں بنی تھیں۔

اس کی نگاہوں کے سامنے تو بس شاہ خانم کا کرب آلود چہرہ گھوم رہا تھا۔ دھول ہوتی ہوئی آنکھیں اور مجروح وجود تھا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' مہروز خان زور سے گرجے۔

''گستاخی معاف بابا خان! میں یہ انکار کسی دباؤ کے تحت نہیں کر رہی ہوں۔ مجھے بس

Marfat.com

اس گھر کی، اس حویلی کی خوشیاں عزیز ہیں ـــــ میں ایسا کوئی فیصلہ قبول نہیں کر سکتی جو اختلافات کا باعث بنے۔'' اس نے جھکے سر کے ساتھ کہہ دیا اور پلٹ کر ان کی لائبریری سے نکل آئی۔ اس نے عذابوں کی پذیرائی بہت تحمل سے کی۔

خود کو تقسیم کے نادیدہ عمل سے بہت صبر سے گزار دیا۔

اگر اُس کے دل کی دنیا اجڑی تھی تو کیا ہوا ـــــ شاہ خانم کا فخر تو زندہ رہ جائے گا۔ اُن کا اٹھا ہوا سر اور فتح مندی کا احساس تو سلامت رہے گا۔ وہ اور ذوالنین خان ہی زندگی کی بازی ہارے تھے نا۔ حویلی اختلافات کے سیلاب سے یقیناً بچ جائے گی۔

اُس کا ضمیر مطمئن تھا۔ اُس نے اپنی ماں کا سر جھکنے سے بچا لیا تھا۔

'سوری بابا خان! میں ایک ساتھ سب کو مطمئن نہیں کر سکتی ـــــ میں نے کسی فردِ واحد کو نہیں بلکہ اس حویلی کو آنے والے سنگین طوفان سے بچایا ہے۔ میرے خواب، میری خواہشیں کم حیثیت ہیں۔ اور اس حویلی کی آن، عزت بہت قیمتی۔ اور قیمتی شے کے لئے بے وقعت اور سستی شے قربان کی جاتی ہے۔' اُس نے صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر جلتی آنکھیں موند لیں۔

+ + +

وہ سب جامعہ کے بغلی لان میں بیٹھے خوش گپیوں میں معروف تھے۔ موسم بھی صبح سے ہی خوشگوار ہو رہا تھا۔ دُھوپ تو نام کو نہ تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول کے ساتھ احساسات میں بھی خوشگواری بھر دی تھی جس کا مظاہرہ وہ سب کر رہے تھے۔

''یار! بیت بازی کا مقابلہ ہو جائے۔'' افتخار نے وقت کو پُر لطف انداز سے گزارنے کی ایک ترکیب پیش کی۔

''ارے نہیں یار ـــــ مجھے شاعری واعری سے دلچسپی نہیں ہے۔'' سدا کے خشک مزاج نعیم جان نے منہ بنایا تو احسن نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''شاعری کو وہ لوگ ناپسند کرتے ہیں جن میں ذوقِ لطیف کی کمی ہوتی ہے۔''

''چلو یہی سمجھ لو کہ مجھ میں یہ لطیفی حس نہیں ہے۔'' نعیم جان نے کہا تو اس کے لطیفی کہنے پر سب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''تو پھر ایسا کرو پیارے! کہ دور اس تنہا کنج میں بیٹھ کر کچھ دیر کو اونگھ لو۔ تب تک ہم اپنا شاعرانہ شوق پورا کر لیں۔'' احسن نے کچھ اس طرح کہا کہ نعیم جان کو باوجود غصہ کے ہنسی آ گئی۔

Marfat.com

''انتہائی کمینے انسان ہو ___ اگر کوئی شاعری نہ کرے تو ضروری ہے کہ اونگھنے لگے؟ تم لوگ اپنا شوق پورا کرو، میں جبراً سن لیتا ہوں۔''

اُس نے گویا ان سب کو اجازت دے دی تھی۔

''اچھا ___ ابتدا میں کرتا ہوں۔'' شہزاد مچل کر بولا۔

''تو کرو بھائی! دیر کیوں کر رہے ہو؟'' احسن اُس کی اس ادا پر ہنسا۔

شہزاد نے کالر جھٹکے اور خاصی ادا سے شعر پڑھا۔

آپ سے اختلاف ہے گرچہ
آپ کی بات پھر بھی پیاری لگے
ایسا لگتا ہے آپ اپنے ہیں
آپ کو زندگی ہماری لگے

''لاحول ولا ___ یہ ہے تمہارا شاعرانہ ذوق؟'' احسن نے شہزاد کو یوں گھورا جیسے ابھی اس کا سر پھاڑ ڈالے گا۔ اور شہزاد واقعی سہم گیا۔

''کک ..... کیا ہوا؟ ___ اتنا اچھا تو ہے۔''

''یہ ...... آپ ...... آپ .... کچھ زیادہ ہی عاجزانہ، انکسارانہ اور احمقانہ نہیں ہو گیا۔'' افتخار بھی دل کھول کر شہزاد کے شعر پر ہنس رہا تھا۔ شہزاد کا منہ بن گیا۔

''بھئی اپنی اپنی پسند ہے ___ مجھے فلسفیانہ شعر نہیں پسند۔ بس مجھے سادگی پسند ہے ہر چیز میں۔'' اُس نے ناراضگی سے کہا۔

''واللہ ___ کون نہ مر جائے اس سادگی پر۔ ویسے وہ ہے کون شخصیت جس کی ہر بات تمہیں پیاری لگے؟ ___ کہیں وہ خوش نصیب میں تو نہیں؟''

''احسن ___ تم ___'' شہزاد اس پر جھپٹا۔

''اوہو یار! تم لوگ تو اس بے چارے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔ اب ایک شعر پر ہی سارا تبصرہ لٹا دو گے۔ آگے بھی بڑھو۔'' نعیم جان نے شہزاد کی حمایت کی۔ اُسے معصوم سے، بے ضرر شہزاد پر رحم آ گیا جو مسلسل ان سب کے نرغے میں تھا۔

''ہاں یار احسن! اب تم سناؤ کوئی ایسا ہی شعر۔''

''اس جیسا کیوں؟ ___ تمہیں نہیں خبر، میرا شاعرانہ ذوق بہت اعلیٰ ہے۔'' احسن اکڑا۔ پھر بے اختیار اس کی نگاہ اشمل خان پر اُٹھی جو سامنے بینچ پر بیٹھا بظاہر ان کی محفل میں شامل تھا۔ مگر حقیقتاً وہ کہیں اور ہی تھا۔ اُسے نہ شاعری سے دلچسپی تھی اور نہ وہ سن رہا تھا۔

Marfat.com

اُس کے سامنے تو ڈھیر ساری اُلجھنیں اور مسائل کھڑے تھے۔ جن سے چاہتے ہوئے بھی وہ پیچھا نہیں چھڑا پا رہا تھا۔

عجیب رسم ہے رسمِ وفا بھی اے ہمدم
ہے دل ہمارا مگر اختیار کس کا ہے

''واہ ...... واہ ......'' سب لہک کر اسے داد دینے لگے۔ البتہ شہزاد نے ناک بھوں چڑھائی۔ نعیم جان ہنس دیا۔

''چلو افتخار! اب تم سناؤ۔'' اُس نے گویا مائک سنبھال لیا تھا۔ ہتھیلی کو مٹھی کی شکل دے کر اس نے افتخار کے سامنے کر دی۔

احسن آہستگی سے ان کے درمیان سے اٹھ گیا اور اشمل کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکا۔

''آں ...... ہاں ...... کیا کہا؟''

''خوب ـــــ یعنی آپ ہیں کہ اور ہی دنیا کی سیر میں مصروف ہیں۔ ادھر یہ عالم کہ آوازیں لان میں بیٹھے تمام اسٹوڈنٹس کے کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی ہیں اور ادھر یہ آپ کی بے نیازی۔'' احسن اٹھ کر بینچ پر بیٹھ گیا۔ ''کیا بات ہے یار! یہ چہرے پر سوا بارہ کیوں بج رہے ہیں ـــــ میں دیکھ رہا ہوں کہ کافی دیر سے سوئی ایک جگہ ہی اٹک گئی ہے۔ اگر شعر پسند نہیں آیا تو کوئی دوسرا پھڑکتا سنائے دیتا ہوں۔ مثلاً

یہ اُداسی، دُھواں، چاندنی چوک میں
چاندنی ہے کہاں چاندنی چوک میں

''احسن! بی سیریس پلیز۔'' اشمل نے سر اٹھا کر اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

''کیا ......'' احسن اچھلا۔ ''یعنی کہ اس محفل زعفران میں بھی آپ کو سنجیدگی کا دورہ پڑا ہے۔'' احسن نے اسے بغور دیکھا اور پھر بری طرح چونکا۔ وہاں نہ صرف سنجیدگی تھی بلکہ ایک گہری اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بھوری بھوری آنکھیں عجیب دکھ سے بھری ہوئی تھیں اور یہ صرف احسن محسوس کر سکتا تھا۔

''کیا بات ہے اشمل! میں دیکھ رہا ہوں تم جب سے وادی ہو کر آئے ہو، بہت بدل گئے ہو۔'' احسن نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔

لڑکوں کی محفل ابھی تک جمی ہوئی تھی اور وہ سب بے تکے اشعار پڑھ کر ایک دوسرے کو داد دے رہے تھے۔ اشمل اس شور سے گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ احسن بھی اس کے ساتھ اٹھ

Marfat.com

گیا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' احسن نے اس کا بازو تھام لیا۔

''کہاں؟'' اشمل نے استفسارانہ نظروں سے دیکھا۔

''وہاں جہاں تم بیٹھ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرسکو۔ کم آن اشمل! لیٹ می نو ایوری تھنگ۔'' احسن کی بات پر اشمل کے چہرے کی سنجیدگی گہری ہوگئی۔

''احسن! میں واقعی بہت اپ سیٹ ہوں۔''

''مجھے شیئر کرنے دو گے اپنا غم ــــ اپنا بوجھ؟'' احسن نے اسے دیکھا تو اشمل کے لبوں پر ایک ناآسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ دونوں یونیورسٹی روڈ پر چلنے لگے۔

''غم بانٹنے سے دل پر چھائی پژمردگی کم ہوجاتی ہے۔''

''نہیں احسن! میری پریشانیاں تم شیئر نہیں کرسکتے۔ اور نہ میں ان کی تشہیر چاہتا ہوں۔'' اُس نے قدم اپنی گاڑی کی طرف بڑھا دیے۔ ''کچھ بوجھ انسان تنہا ہی اٹھاتا ہے۔ اور میں تمہیں اس میں شریک نہیں کرسکتا۔''

''اتنا بے اعتبار ہوں میں؟'' احسن اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''ارے نہیں ــــ بات اعتبار کی نہیں ہے۔''

''تو پھر؟'' احسن نے اس کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی چھین لی۔ ''تمہارے بوجھ اگر میں شیئر نہیں کرسکتا تو مجھ پر لعنت ہے۔ سمجھے تم؟''

اشمل ہنس دیا۔

''اچھا چابی ادھر دو ــــ آج میرا دل چاہتا ہے میں بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا پھروں ــــ تنہا۔'' اُس نے آخری لفظ پر زور دیا تھا۔

''ہرگز نہیں ــــ یہ تنہائی ہی تمہیں کسی دن لے ڈوبے گی۔ ایمان سے اتنے فضول لگ رہے ہو۔'' احسن فرنٹ سیٹ پر گھس کر بیٹھ گیا اور چابی اس کی طرف اچھال دی۔ ''میں اس وقت تک تمہارے ساتھ سڑکوں کی خاک چھانتا پھروں گا جب تک تم مجھے اعتبار نہیں بخشتے۔''

اشمل نے اُسے ممنون نظروں سے دیکھا۔ وہ بے حد ڈھیٹ ہو رہا تھا۔ پھر اُس نے گاڑی میں رکھی سگریٹ کی ڈبیا نکال کر اس میں سے سگریٹ نکالی اور اسے لبوں میں دبا کر لائٹر کا شعلہ دکھایا۔

احسن پر تو جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اشمل کو وہ پہلی بار سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

Marfat.com

''یہ...... یہ تم سگریٹ.......'' احسن کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔

''ہوں۔'' اُس نے لبوں سے دھواں باہر نکالا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''کبھی جب ڈپریشن کا شکار ہوتا ہوں تو ایسی ہی کمزور شے کا سہارا لیتا ہوں میں۔ اس خوش فہمی میں کہ شاید یہ دھواں میرے ڈپریشن کو بھی اپنے ہمراہ اُڑا لے جائے۔'' اس نے گاڑی فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

احسن کے لئے یہ انکشاف بڑا حیران کن تھا۔ وہ کئی لمحوں بعد سنبھلا اور جیسے اشمل کا نادیدہ دُکھ اُسے کبیدہ کر گیا۔ وہ اشمل کو تکنے لگا۔ کیا دکھ ہو سکتا ہے اس جیسے مکمل شخص کو؟ پھر اچانک وہ چونکا۔

''ارے ہاں اشمل! تم یونیورسٹی نہیں آ رہے تھے تو ہشمینہ ابرار سے میری ملاقات ہوئی تھی۔

ہشمینہ کے نام پر اشمل کی ساری توجہ احسن کی طرف ہو گئی۔

''کیا جامعہ آئی تھی؟''

''ارے نہیں ـــــ مجھے وہ لالہ زار کے قریب ملی تھی۔ تمہارے ہاسٹل سے چلے جانے کا میں نے اُسے بتایا تھا اور تمہارے جامعہ نہ آنے کا بھی بتایا تھا۔ اُس نے مجھ سے حویلی کے فون نمبرز لئے تھے۔ شاید تم سے بات نہیں ہو سکی ہو گی۔''

''نہیں ـــــ'' اشمل نے دھواں اپنے سامنے پھیلا لیا۔ ''اس نے فون کیا ہی نہیں تھا۔ اور نہ وہ کرے گی۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ لالہ زار کے نام پر اس کی آنکھوں میں کئی منظر لہرا گئے۔

اُس کی ہشمینہ سے بڑی خوبصورت ملاقاتیں لالہ زار میں ہی ہوئی تھیں اور آخری بھی۔ کتنا روئی تھی وہ ـــــ کس قدر اپ سیٹ تھی جب وہ جا رہا تھا۔

مائی گاڈ........ انسان خود کو لاکھ فاتح، آزاد اور خوش حال سمجھے مگر وہ قدرت کی زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے۔ محض خوش فہم یا کم فہم۔ ہزاروں خواب ایک ساتھ بُن لیتا ہے۔ اپنے آپ کو آسودہ خیال کر کے یہ سمجھ لیتا ہے کہ تعبیروں کا حصول اس کے لئے کون سا مشکل ہے۔ جب تک آزمائش کی گردش میں نہیں آتا، خود کو مکمل اور فاتح خیال کرتا رہتا ہے۔

''اشمل! کیا ہشمینہ کی وجہ سے کوئی پریشانی ہے؟'' احسن نے اسے چند لمحوں کے بعد پکارا تو اس نے بہت محبت سے احسن کو دیکھا جو اس کے غم میں سنجیدہ ہو گیا تھا اور کسی حد تک

Marfat.com

دکھی بھی۔

''احسن! کچھ پریشانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی تشہیر کرنے سے عزت پر حرف آتا ہے یا شاید انہیں بتانا غیرت گوارا نہیں کرتی۔ بس تم یوں سمجھو کہ اس پر پردہ پڑا رہنے۔ سے تمہارے دوست کی عزت پر پردہ ہے۔ اس کے خاندان کی عزت اسی پردہ پڑے رہنے میں ہے۔''

اس نے گاڑی احسن کے بنگلے کے سامنے روک دی تھی اور احسن اس کی ادا پر مسکرا کر رہ گیا۔

''بڑے بدتمیز ہو یار ــــ مگر خیر اس وقت تمہیں معاف کرتا ہوں۔ مگر دوست! میری فضول باتوں اور سچی بے غرض محبت کی ضرورت پڑے تو مجھے ضرور پکارنا۔ اور ہاں، ہشمینہ ابرار سے ضرور مل لینا۔ وہ بہت اپ سیٹ لگ رہی تھی۔'' وہ گاڑی سے اُتر گیا۔

''خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔ تھینک یو سو مچ۔'' اشمل نے اس پر ایک تشکر بھری نگاہ ڈالی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ کتنی ہی دیر سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔ اس کا ذہن ایک طرف حویلی کے حالات سے پریشان تھا تو دوسری طرف احسن نے ہشمینہ کا ذکر چھیڑ کر اس کے درد میں اضافہ کر دیا تھا ــــ اُس کی سوچوں کی اذیت بڑھا دی تھی۔ اپنی ان اُلجھنوں اور ڈپریشن میں اس نے ہشمینہ کو بھلایا نہ تھا مگر اشتارا کے آنسو اور زولین کے دکھ اُسے اپنے خوابوں اور اپنی خواہشوں سے بڑھ کر اہم ہو گئے تھے۔

'آہ، اشتارا! میری بہن ــــ کتنا بزدل نکلا تمہارا بھائی۔ کچھ بھی تو نہ کر سکا تمہارے لئے۔ کاش بابا خان کی فتح ہو جائے۔' اُس نے صدقِ دل سے دعا مانگی۔ مگر نہ جانے کیوں اُسے اپنی دعا کی قبولیت کی اُمید نہ تھی۔ شاید اس لئے کہ وہ ازحد مایوس اور پراگندہ ذہن ہو رہا تھا یا پھر ــــ شاہ خانم کی ضد اور بابا خان کی نرمی سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اور اشتارا تو تھی ہی بے زبان لڑکی جسے جہاں چاہا، جس نے چاہا اپنی مرضی پر چلا لیا۔

اُس نے گاڑی پبلک کال آفس کے سامنے روک دی اور اُتر کر اندر داخل ہو گیا۔ نمبر ملایا تو چند گھنٹیوں کے بعد کسی نے ریسیور اٹھایا مگر وہ ہشمینہ قطعی نہ تھی۔ وہ لمحہ بھر کو گڑبڑا گیا ــــ اُس نے ہشمینہ کے کمرے میں لگے فون کا ہی نمبر ملایا تھا۔ دوسری طرف مسلسل ہیلو، ہیلو کی گردان ہو رہی تھی۔ اُس نے چند لمحے ٹھہر کر جواب دیا۔

''ہیلو ــــ السلام علیکم۔''

Marfat.com

''ارے، آپ اشمل ہیں؟'' دوسری طرف بھابی کی آواز میں اُمید، جوش اور کھنکا تھا۔
اُس نے آہستگی سے جی کہا۔

''ہشمینہ کو بلا دیجئے ــــ آپ شاید مسز اشاس ہیں۔''

''ہشمینہ! ــــ'' بھابی نے ریسیور پکڑے، صوفے میں دھنسی ہشمینہ کو پکارا۔ مگر وہ یونہی خاموش اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ ہاں البتہ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا اور آنکھوں میں درد ہلکورے لینے لگا تھا۔

''اشمل! وہ انکار کر رہی ہے۔'' چند لمحے بعد بھابی کی آواز اُبھری تو اشمل کو شاک لگا۔

''کیا ــــ کیوں ــــ؟''

''پاگل ہو گئی ہے یہ لڑکی ــــ میں اب کیا بتاؤں آپ کو۔''

''پلیز بھابی! اُسے بلایئے۔'' وہ بے قرار ہو گیا۔ اُس کا دل انجانے خدشہ سے لرزنے لگا۔

''اچھا ــــ میں کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔'' انہوں نے ریسیور ٹیبل پر رکھ دیا۔

اشمل کو اچانک ہی اپنی کوتاہی کا احساس ہونے لگا۔ اُسے یہاں آتے ہی ہشمینہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔ وہ لڑکی محض اُس کے بھروسے پر تو خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ نہ جانے اب اس کے ساتھ کیا گزرا ہو گا۔ کہیں وہ اُس سے بدگمان تو نہیں ہو گئی۔

''ہیلو ــــ'' ہشمینہ کی کانپتی آواز برقی تاروں سے لہراتی اشمل کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ سنبھل گیا۔

''ہشمینہ! کیا ہو گیا ہے؟ ــــ کیوں بات نہیں کر رہی تھی؟'' اُس کے لہجے میں جیسے سارے جہاں کی بے قراری تھی۔ مگر ہشمینہ کی قوتِ گویائی تو جیسے سلب ہو گئی تھی۔ اشمل کی آواز نے اُس کے دل کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ جتنی مشکلوں سے خود کو جوڑنے میں لگی ہوئی تھی یہ وہی جانتی تھی۔ اور اب پھر دل کے ریزے یوں بکھر گئے تھے جیسے تیز ہوا میں سُوکھے پتوں کا ڈھیر بکھر جاتا ہے۔

''فار گاڈ سیک ہشمینہ! ــــ میرے ضبط کا امتحان مت لو ــــ کچھ تو بولو ــــ میں مانتا ہوں مجھ سے کوتاہی ہو گئی۔ مگر یقین جانو میں خود سخت اُلجھا ہوا تھا۔ جانتی ہو اس لمحے مجھے تمہاری شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے ــــ ہشمینہ! پلیز۔''

''اش...... مل...... اب کہنے کو کچھ نہیں رہا ــــ میرے وہ سارے خواب شاید میری نادانی تھے۔''

Marfat.com

''ہش...... مینہ....'' اشمل کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ــــ ہوش میں تو ہو؟''

''کاش اشمل! میرا یہ سفر یکطرفہ ہی ہوتا تو میں شاید سنبھل جاتی۔'' وہ رونے لگی اور اشمل پریشان ہو گیا۔

''مجھ سے ملو ہشمینہ! ابھی اور اسی وقت۔''

''نہیں اشمل! ناؤ اِٹ از امپاسیبل ــــ میں واپس پلٹ جانا چاہتی ہوں۔ اب میں یادوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ یہ یادیں بہت اذیت دیتی ہیں......''

اور اشمل کتنی ہی ساعتوں کے لئے سناٹے کا شکار ہو کر رہ گیا۔ ہشمینہ کے آنسو، اس کے جملے اس کے لئے بے پناہ اذیت کا باعث بن رہے تھے۔

''کیا تم مجھے کھل کر نہیں بتا سکتیں؟'' کئی لمحوں بعد اس کی شکستہ آواز اُبھری اور ہشمینہ کے آنسو تواتر سے بہنے لگے۔

اُس نے روتے ہوئے اُسے سب کچھ بتا دیا۔ اور کتنے ہی لمحے دونوں کے درمیان جامد خاموشی چھا گئی۔ بس وقفہ وقفہ سے ہشمینہ کی سسکیاں اُبھرتی رہیں۔ وہ کس کرب سے گزر رہی تھی، اشمل کو اس کا پورا پورا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت تقسیم کے نادیدہ عمل سے گزر کر کس طرح بکھر رہی تھی، اس سے بڑھ کر اور کون جان سکتا تھا۔ مگر وہ اُسے کیا تسلی دیتا۔ اُسے کیسے جوڑتا کہ خود اس کے وجود کی کرچیاں ٹوٹ ٹوٹ کر دل کے اندر گر رہی تھیں اور دل کی دیواروں پر خون قطرہ قطرہ رسنے لگا تھا۔

اُس نے بے تحاشہ ضبط سے اپنے عنابی لب دانتوں میں جکڑ لئے۔

''میں نے تو ایسا کبھی سوچا تک نہ تھا اشمل! میں نے تو ہمیشہ خوش آئند مستقبل ہی نگاہوں میں رکھا تھا۔ یہ اتنی کڑی سزا کیوں ملی ہے مجھے ــــ یہ انسان محبت کی بازی ہار کر ہی کیوں انا اور حمیت کی جنگ جیتتا ہے ــــ کسی کا اعتماد سنجالنے کے لئے خود کو کتنی اذیتوں سے گزارنا پڑتا ہے۔ اور میں تو بیٹی ہوں اشمل! جس کے سر پر ویسے بھی ماں باپ کی عزت کا بوجھ ہوتا ہے۔ ان کے جھکے ہوئے سر ہی والدین کے اُٹھتے سروں کی ضمانت ہیں ــــ تم ہی بتاؤ اشمل! میں اور کیا کرتی؟ کچھ بولو اشمل!''

اشمل نے ایک گہری سانس سینے سے کھینچ کر آزاد کی۔

''کیا بولوں ــــ تم نے تو مجھ سے جینے کی اُمنگ ہی چھین لی ــــ مجھے تاریک خلاؤں میں لا پھینکا ہے۔ مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا ــــ تم نے اپنا درد آنسوؤں میں بہا

Marfat.com

دیا۔ مگر مجھ جیسے مرد کو کیسی اذیت دے دی۔ تاعمر تڑپنے کی سزا سنادی۔"

"نہیں اشمل ـــــ یہ کیا کہہ رہے ہو تم ـــــ میرے آنسو تو میرے درد کو اور بھی صیقل کرتے رہے ہیں۔ مجھے آکر دیکھو اشمل! کس طرح جی رہی ہوں۔ کیا یہ جینا ہوا؟ بولو اشمل! کیا یہ......" ہشمینہ کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی اور دوسری طرف اشمل نے رابطہ کاٹ دیا۔

اُس کے پاس ضبط کی دولت یکلخت ختم ہو گئی تھی۔ بظاہر مضبوط اور کڑیل نظر آنے والا اشمل خان اندر ہی اندر مٹی کے ڈھیر کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔ اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور کال کی پے منٹ کاؤنٹر پر رکھ کر نڈھال قدموں سے گاڑی میں آبیٹھا۔

+++

شاہ خانم کی خواب گاہ میں گہرا سکوت تھا۔ ابھی ابھی مہروز خان بے حد خاموشی اور کسی حد تک بے نیازی سے تیار ہو کر زمینوں پر چل دیئے تھے۔ انہوں نے کمرے میں موجود شاہ خانم پر ایک نگاہِ غلط ڈالنا بھی گوارا نہ کی تھی بلکہ اس طرح ظاہر کیا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے بے خبر ہیں۔ اور ان کے جانے کے بعد شاہ خانم خالی الذہنی کے ساتھ کھڑی رہ گئی تھیں۔ حالات نے یوں پلٹا کھایا تھا کہ وہ ششدر رہ گئی تھیں اور کچھ سوچنا چاہتی تھیں تو دل پر ہر بار ایک نیا زخم لگ جاتا تھا۔

"آہ ـــــ" ایک تیز سسکاری ان کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ مگر انہیں سوچنا تھا۔ وہ سوچنے پر مجبور تھیں۔ یہ حالات بھی ان کے لئے اذیت ناک تھے۔

مہروز خان اپنے اندر کا زہر نکال چکے تھے۔

اشمل کو وہ حویلی سے نکال چکی تھیں۔

اشتارا الگ کمرے میں بند تھی۔

بس ایک گل بی بی تھیں جو انہیں گاہے بگاہے تسلیاں دے جاتی تھیں۔ مگر ان تسلیوں سے ان کی کب تسلی ہوتی تھی۔ ان کے دل پر لگے زخم بہت گہرے تھے۔ وہ ساری رات آنکھوں میں کاٹتیں اور دن کمرے میں بند مضمحل سوچوں میں گزر جاتا۔

'کیا کروں میں خدایا؟' انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ 'یہ کیا کر دیا مہروز خان! تم نے؟'

'مگر تم نے بھی آج تک کسے خوشی بخشی ہے شاہ خانم؟' دل کے اندر سے آواز اُبھری۔ 'اشتارا اور اشمل کے لئے کب ماں جیسی شفیق ہستی بنی ہو؟ ـــــ ہمیشہ رعب و دبدبہ والی شاہ

Marfat.com

خانم ـــــ حویلی پر حکمرانی کرتی شاہ خانم کبھی دلوں پر راج نہ کر سکی۔'

''آہ ـــــ ''ایک گہری اور زخمی کراہ ان کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ مہروز خان کے لفظ ہتھوڑے کی طرح اب بھی ان کے اعصاب پر برس رہے تھے۔ کس قدر کڑوا تھا لہجہ اور کس حد تک سچ۔

''تم محض شاہ خانم بن کر اس حویلی پر حکومت کرتی رہی ہو ـــــ مگر کبھی ہمارے دلوں پر راج کرنے کی سعی نہیں کی۔ میرے دل میں جھانکو کہ تم یہاں موجود ہی نہیں ہو۔ تم صرف ان اونچی اونچی دیواروں میں قید ہو، میرے دل میں نہیں۔''

''شاہ بانو! ان اونچی اونچی دیواروں کو دیکھو جو تمہارے خوف سے سہمی ہوئی ہیں۔ خود تمہاری اولاد جن کے دلوں میں تمہارا احترام نہیں صرف خوف ہے۔ ایسا خوف جو محبت میں ڈھل نہیں سکتا۔''

شاہ خانم نے ایک جگر سوز کراہ کے ساتھ کرسی چھوڑ دی۔

''نہیں ـــــ نہیں مہروز خان! ـــــ یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ میری اولاد ـــــ میری اولاد سے میرا محبت کا رشتہ نہیں ہے؟'' وہ پھر کرسی پر ڈھیر ہو گئیں جیسے ٹانگوں میں جان نہ رہی تھی۔ مہروز خان کے جملوں کی بازگشت ان کا دل نئے سرے سے چیرنے لگی۔

''قدم قدم پر تم یہ بات بھولتی رہی ہو کہ تمہارا یہ اُٹھا ہوا سر میرے دم سے ہے ـــــ میں نے تمہیں کبھی توڑنا نہیں چاہا ورنہ تم نے اس حویلی کو قدم قدم پر ڈھانے کی سعی کی ہے۔ تمہارا فخر میں پہلے روز ہی توڑ سکتا تھا۔ اور کاش توڑ دیتا۔''

'ہاں مہروز خان ـــــ تم نے میرا فخر توڑ دیا ـــــ میرا غرور ـــــ مگر نہیں۔ تم نے مجھے میری اصلیت دکھائی ہے۔ ہاں مہروز خان! سچ ہے، تم نے میرے چہرے سے نقاب کھینچی ہے اور مجھے میری ہیبت ناک صورت دکھائی ہے۔ مجھے میری بدصورتی سے آگاہ کیا ہے ـــــ خدایا، میں واقعی ظالم ہوں۔ میں نے ظلم کیا ہے۔ صرف ان دیواروں پر حکمرانی کی ہے۔ کسی کے دل کو تسخیر کرنے کی کوشش نہیں کی۔'

'تو پھر میں واقعی ایک ناکام اور ہاری ہوئی عورت ہوں۔ ہاں، میں ہاری ہوئی عورت ہوں۔' اُن کا سر چکرانے لگا۔ 'گلناز آپی! تم ٹھیک کہتی تھی۔'

انہیں وہ اُداس، اُجاڑ اور زرد شام یاد آ گئی جب گلناز آپی اپنے اندر کے زخموں کو چھپائے اُسے سمجھا رہی تھیں۔

''شاہ بے! اس آگ کو باہر مت نکلنے دینا۔ اندر ہی بجھا دینا۔ کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس

Marfat.com

آگ سے صرف تمہارا اپنا ہی وجود خاکستر ہوگا۔۔۔۔۔"

'ہاں آپی! ٹھیک کہا تھا تم نے۔۔۔۔ میں اس آگ کو بجھا نہ سکی اور اپنا آپ جلا دیا۔'

وہ کرب سے مٹھیاں کرسی کے ہتھے پر برسانے لگیں۔ ان کی ذہنی حالت سخت گرفتہ ہو رہی تھی۔ انہیں خود اپنی اس ذہنی حالت سے خوف آنے لگا۔

اک دم دروازہ آہستگی سے کھلا اور گل بی بی اندر داخل ہوئیں۔

''شاہ!'' انہوں نے دھیرے سے پکارا۔ ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا جسے انہوں نے تپائی پر رکھ دیا۔ ''تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور کل بھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔'' گل بی بی کو ان کی حالت پر بے حد افسوس ہوتا تھا۔ لیکن وہ کیا کرسکتی تھیں۔ مہروز خان کے رویے نے انہیں بھی دکھی کیا تھا۔ مگر مہروز خان کی بھی اپنی مجبوری تھی۔ ورنہ انہوں نے کب شاہ خانم کے ساتھ ناروا سلوک اس سے پہلے روا رکھا تھا۔ کب ان کی غلطیوں پر باز پرس کی تھی۔ کب انہیں احساس دلایا تھا کہ وہ ناانصافی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ ہمیشہ شاہ خانم کو شہزادیوں جیسی آن بان سے رکھا تھا۔

''یہ دودھ پی لو۔۔۔۔ پہلے ہی ذہنی اذیت کم سہہ رہی ہو جو خود کو جسمانی اذیت بھی دے رہی ہو۔'' انہوں نے محبت سے ان کے شانے کو تھپکا اور دودھ کا گلاس ان کی طرف بڑھا دیا۔

''جینا تو ہے ہی گل! آج نہیں تو کل پرسوں کھا پی لوں گی۔'' انہوں نے دودھ کا گلاس دوبارہ تپائی پر رکھ دیا۔

''تم میرے پاس بیٹھو گل! میں خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے مہروز خان نے احساس دلایا ہے۔ واقعی میں ایک نادان عورت ہوں جس نے محبتوں کی کبھی قدر نہ کی۔ ساری عمر خود ساختہ اور کڑے اصولوں پر قربان کر دی۔ سارے رشتوں کو نفرت کی بھٹی میں جھونک دیا اور پھر بھی خالی ہاتھ رہی۔'' وہ سسک اٹھیں۔ ''دیکھو، کیا ہے میرے پاس۔۔۔۔ نہ شوہر کا فخر، نہ اولاد کی محبت۔ مجھ جیسی بدنصیب عورت اور کون ہوگی گل! مجھ جیسی شکست خوردہ اور ناکام عورت اور کون ہوگی؟''

شاہ خانم کے آنسو گل بی بی کے دل پر خار کی طرح چبھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کے فرش بھی گیلے ہو گئے تھے۔

''ایک بات کہوں شاہ!۔۔۔۔ مہروز لالہ نے یہ سب کچھ نفرت میں نہیں کہا۔ بس ایک غصہ تھا انہیں اس وقت۔۔۔۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنے اندر زہر کی طرح بھر کر نہیں

Marfat.com

رکھا تھا۔ وہ اب بھی تم سے محبت کرتے ہیں۔ شاید تمہاری ضد کو توڑنے کے لئے انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ یہ الفاظ محض تمہاری کوتاہیوں کا احساس دلانے کے لئے ان کے لبوں سے آزاد ہوئے ہیں۔ وگرنہ وہ اب بھی اپنے دل میں تمہارے لئے احترام اور محبت رکھتے ہیں۔''

''بہلا رہی ہو مجھے؟'' شاہ خانم کے لبوں پر عجب نا آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''نہیں ـــــ یہ بہلاوے نہیں ہیں ـــــ میں مہروز لالہ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ اور پھر سوچو، آج تک وہ چپ رہے تو تمہاری محبت کی وجہ سے ہی نا۔ ورنہ مرد ذات کب انا اور غیرت کے آگے کسی کی سنتا ہے۔ عورت ذات تو ان کے عتاب کا سب سے پہلے نشانہ بنتی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے شاید کہ مرد کی انا کو اتنا نہیں آزماتے، ان کی مردانگی پر کبھی ضرب نہیں لگاتے۔ یہ عورت کے حق میں بڑی خطرناک بن جاتی ہے۔ اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کر لینا ہی سب سے بڑی جیت ہے۔'' گل بی بی، شاہ خانم کو سمجھا رہی تھیں، ہولے ہولے تھپک رہی تھیں اور شاہ خانم کو جیسے قرار آ رہا تھا۔ ان کے غم سے لبالب بھرے دل میں ٹھنڈک سی اُتر رہی تھی۔

''ذولین نے آج تک کبھی ناانصافیوں کا شکوہ نہیں کیا۔ اس نے تو ہوش سنبھالتے ہی تمہیں اور مہروز لالہ ہی کو دیکھا تھا۔ اس کے دل پر وہی رقم ہوتا جو تم اور مہروز لالہ کرتے۔ مگر دیکھو، تمہارا کیا، اس نے کبھی اپنے دل پر نقش نہ ہونے دیا ـــــ اُس کے دل میں تمہارے لئے نفرت نہیں ہے۔ اور سچ ہے شاہ! اُسے تم سے نفرت کرنے کا حق ہے ـــــ تمہاری طرف سے کی گئی ناانصافیوں پر احتجاج کرنے کا حق ہے۔ مگر اس کا ظرف دیکھا، اُس نے پلٹ کر محض اس لئے تمہیں جواب نہیں دیا کہ وہ عورت ذات کا احترام کرتا ہے۔''

شاہ خانم نے چہرہ اٹھایا ـــــ گل بی بی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ وہ ذولین کی یا مہروز خان کی حمایت نہیں کر رہی تھیں، شاہ خانم کو ان کی کوتاہیوں کا احساس دلا رہی تھیں۔

آہ ...... انہوں نے ہمیشہ ظلم کیا ہے۔ ذولین نے ان سے کیا چھینا ہے ان کا ...... اسے وہ کس بات کی سزا دیتی آئی ہیں؟

اُن کا چہرہ جھک گیا۔ آج ان کی آنکھوں سے نفرت کی سیاہ پٹی اُتری تھی تو انہیں ہر جگہ اپنا ہی جرم نظر آ رہا تھا۔ ہر جگہ وہ خود قصوروار نظر آ رہی تھیں۔

Marfat.com

وہ کھڑی ہو گئیں ۔۔۔۔ اپنی ناانصافیوں اور ظلم پر اتنا بھر بھر کر رونا آ رہا تھا، خود سے انہیں کراہیت محسوس ہونے لگی۔ کاش ۔۔۔۔ کاش وہ پہلے ہی سنبھل چکی ہوتیں۔ ان کے دامن میں اتنے جرم تو نہ ہوتے۔ ان کے شانوں پر اتنا بوجھ نہ دھرا ہوتا۔ کیسے چکائیں گی وہ حساب۔ کہاں سے ملے گا انہیں انصاف۔

گل بی بی اپنی جگہ سے اٹھیں۔

''مجھے معاف کر دینا شاہ! میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کہہ رہی ہوں کہ یہ باتیں تمہارے......''

''نہیں، نہیں گل! ۔۔۔۔ تمہاری یہ باتیں میرے دکھ کو کم کر رہی ہیں۔ میری اذیت کا تریاق ہیں۔'' شاہ خانم نے بڑھ کر گل بی بی کے ہاتھ تھام لئے۔ ''مجھے بہت خوف آ رہا ہے اپنی اس بدصورتی سے ۔۔۔۔ اپنا احتساب کرتے ہوئے بھی ڈر رہی ہوں۔ درحقیقت میں بلندی پر نہیں، بہت پستی میں گری ہوئی تھی۔''

گل بی بی نے چادر کے کنارے سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ ان کے چہرے پر ہلکی روشنی چمکی۔ انہوں نے بے اختیار شاہ خانم کو سینے سے لگا لیا اور پھر کتنی ہی دیر دونوں ہولے ہولے روتی رہیں۔ گل بی بی کی آنکھوں میں یہ آنسو خوشی کے تھے اور شاہ خانم اپنا سارا درد ان آنسوؤں میں بہا کر ہلکی پھلکی ہو جانا چاہتی تھیں۔

شاہ خانم ان سے الگ ہوتے ہوئے بولیں۔ ''اشتارا کہاں ہے؟''

''کمرے میں ہے اپنے۔ اس لڑکی نے بھی حد کر دی بے وقوفی کی۔'' گل بی بی کو اس کی حماقت یاد آ گئی۔

''کیا ۔۔۔۔ کیا، کیا ہے اُس نے؟'' شاہ خانم کا دل لرزا۔ کتنا تڑپ تڑپ کر روئی تھی وہ معصوم اور بے زبان لڑکی۔ انہیں یکدم ہی اشتارا پر کئے گئے ستم یاد آ گئے۔ پھول جیسی بچی کو انہوں نے کبھی اپنے سینے سے نہیں لگایا۔ کبھی ماں بن کر اس کی آنکھوں میں مچلتی خواہشیں نہیں پڑھیں۔ اس کے دل میں کیا ہے؟ کبھی جھانکنے کی سعی نہیں کی۔ انہیں اشمل کا کہا ہوا جملہ یاد آ گیا۔

''اگر آپ ماضی کی گلناز کو زندہ کرنا چاہتی ہیں اشتارا کے روپ میں، اشتارا کو گلناز خالہ کی طرح سسک سسک کر مار دینا چاہتی ہیں اور اسی میں آپ کا دلی سکون پنہاں ہے تو آپ اپنا سکون ضرور حاصل کیجئے ۔۔۔۔ وہ بے زبان لڑکی اسی لئے دنیا میں بھیجی گئی ہے کہ ہم جیسے اختیار رکھنے والے لوگ اسے محض اپنی ضد اور خواہش کی بھینٹ چڑھا دیں۔''

Marfat.com

''نہیں ـــــ خدا نہ کرے ـــــ میری بچی۔'' شاہ خانم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔ وہ معصوم وجود کیسے دُکھ سے دوچار ہے۔ وہ ماں ہوتے ہوئے اُس کے لئے ڈھال نہ بن سکیں تو کیسی ماں ـــــ کہاں کا رُتبہ ـــــ اس مقدس رشتے کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ انہوں نے تڑپ کر گل بی بی کو دیکھا۔

''کیا کر دیا اُس نے؟'' ان کا دل انجانے خوف سے لرزنے لگا۔

''اُس نے مہروز لالہ سے جا کر کہہ دیا کہ وہ ذولین سے ہرگز شادی نہیں کرے گی۔ اور اسے تمہارا فیصلہ قبول ہے۔'' گل بی بی نے کہا تو شاہ خانم کی آنکھوں میں دھند چھا گئی۔

''گل! یہ تو خوش نصیبی ہے میری کہ میرے ان رویوں کے باوجود میری اولاد میرا احترام کرتی رہی۔ کتنی ناشکری ہوں میں کہ ان ہیروں کی قدر نہ کی ـــــ میری اشتارا تو بہت معصوم ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کی خواہشوں کا احترام نہ کروں ـــــ پاگل ہے وہ لڑکی تو۔ اسے اب میں سمجھاؤں گی۔ ابھی اور اسی وقت۔''

شاہ خانم کے لہجے اور آنکھوں میں اشتارا کے لئے محبت کا ایک سمندر اُمڈ آیا تھا۔

انہوں نے گل بی بی کی طرف دیکھا تو گل بی بی مسکرا دیں۔ وہ بھی جواباً مسکرا دیں اور کمرے سے باہر نکل کر اشتارا کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

ان کی ممتا اشتارا کے وجود سے سیراب ہونا چاہتی تھی۔ وہ اُسے اپنے سینے سے لگا کر بے تحاشا پیار کرنا چاہتی تھیں جو اس کا حق تھا۔

Marfat.com

اشمل خان نے عارضی طور پر فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا۔ اُس نے ہاسٹل چھوڑ دیا تھا اور وادی بھی اسی روز سے نہیں گیا تھا جس روز شاہ خانم سے اس کا تنازعہ ہوا تھا۔ اب وہ کرائے کے خوبصورت آراستہ فلیٹ میں رہائش پذیر تھا جس کا علم صرف احسن کو تھا اور وہ کئی بار اس کی اس حماقت کی وجہ جاننے کی کوشش کر چکا تھا۔ مگر سوائے اشمل کی ڈانٹ کے اُسے کچھ حاصل نہ ہوا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اپنی زندگی میں اتنی گھٹن کہاں سے لے آئے ہو؟'' احسن نے جھنجھلا کر موٹی جلد والی کتاب اپنے سر پر ماری اور پھر کتنی ہی دیر تک دونوں ہاتھوں میں سر تھامے رہا۔ اُس کی اس حرکت پر اشمل بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔

''اسی لئے تو کہتا ہوں اتنا تردد مت کرو بے کار لوگوں کے لئے۔'' اس نے آہستگی سے کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی۔

''کیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ بے کار لوگ۔۔۔ مائی گاڈ، اشمل! یہ تم اپنے لئے ایسے بے ہودہ القاب کب سے استعمال کرنے لگے ہو؟ یونین کا صدر، جامعہ پشاور کا ہیرو، ہشمینہ ابرار جیسی لڑکی کے من مندر میں بسنے والا وادی کا خوبرو، دلیر اشمل خان، بے کار کیسے ہو گیا؟'' احسن نے اُسے کھوجتی نظروں سے گھورا۔ پھر اچانک اچھلا۔ ''کیا ہشمینہ ابرار کو علم ہے تمہاری اس جائے پناہ کا؟''

اشمل نے رخ پھیر لیا۔ اُس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور جھک کر پیروں میں سلیپر اڑائے اور بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔۔۔ یہ منہ پھیر کر کون سے تاثرات چھپانا چاہتے ہو مجھ سے؟''

''احسن! پلیز، لیو دِس ٹاپک۔'' اشمل نے پلٹ کر اتنے برہم انداز میں کہا کہ احسن لمحہ بھر کے لئے سناٹے میں رہ گیا۔ پھر اس کی سنجیدگی کا احساس کر کے بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔

''سوری۔۔۔ ویری سوری۔ میں نے پھر تمہاری پرائیویسی میں مداخلت شروع کر دی۔

Marfat.com

حالانکہ مجھے اس کا بالکل حق نہیں ہے۔ سوری فور دیٹ۔'' وہ پلٹا اور اس کے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

اشمل نے اسے جاتے دیکھا پھر کرب سے لب دانتوں میں دبا کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ اُسے احسن کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اُس نے کفِ افسوس ملا۔ مگر یہ سب بھی از خود ہو رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں رہا ہو۔ کسی پر اس کا کنٹرول نہیں رہا۔

ذہن ــــ دل ــــ زبان

اُسے اپنی ذہنی حالت سے سخت اُلجھن ہونے لگی اور کسی حد تک خوف محسوس ہونے لگا۔ ہشمینہ ابرار نے اس کی زندگی میں اتنی تاریکیاں بھر دی تھیں کہ اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔

''بزدل، بے وفا، کمزور۔ اونہہ ــــ'' اُس نے ہشمینہ کا تصور کر کے غصے سے لب بھینچ لئے۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو شوٹ کر دے۔ سارا چیمبر اس بزدل اور کم ہمت لڑکی پر خالی کر دے۔ کیا حق پہنچتا تھا اُسے اُس کی زندگی میں زہر گھولنے کا۔ اس کے ساتھ پھر کیوں اُس نے محبت کا یہ کھیل رچایا تھا۔ جب مشرق کی بیٹی بن کر ایک دن اُسے اپنے باپ کی خواہشوں پر سر جھکا دینا تھا؟

کیوں اُس نے اُس کے جذبوں کی پذیرائی کی تھی؟

کیوں بھول گئی تھی وہ کہ اُسے مشرقی روایتوں کا بہرکیف پابند رہنا ہے؟

''آئی ول نیور فارگیو یو!'' اُس نے ہتھیلی پر مکا مارا۔

''مگر نہیں ــــ میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کوئی بددعا بھی نہیں دے سکتا کہ تم اب بھی اسی طرح میرے دل میں براجمان ہو۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلے روز تھیں۔''

بے بسی کا شدید غلبہ اس پر حاوی ہو رہا تھا۔

زندگی کتنے دکھوں، غموں اور صعوبتوں سے گزرتی ہے ــــ مگر کوئی غم، کوئی دکھ روگ بن جاتا ہے ــــ ساری ہستی کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ پھر کچھ نہیں بچتا ــــ نہ جذبے ــــ نہ اُمنگیں ــــ نہ جینے کی خواہشیں۔

اُسے بھی تو کئی مسائل کا سامنا ہوا تھا۔ کئی دکھ تھے اس کے سامنے مگر اس بار تو جیسے سوچنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی تھیں۔ دل کے اندر بس آگ دہک رہی تھی جو اس کا سارا

Marfat.com

وجود جھلسائے دے رہی تھی۔

اُس کے سامنے اشتارا کا دکھ تھا۔

اپنا دکھ تھا اور ہشمینہ ابرار کا دکھ تھا۔

وہ بھی تو اسی طرح تڑپ رہی ہوگی جس طرح وہ تڑپ رہا ہے؟ —— وہ کیسے سلطان کمال کے ساتھ اتنی لمبی زندگی گزارے گی؟ —— یقیناً کوئی لمحہ بھی تو سکون کا نہیں پائے گی۔ آخر کو اُس کی محبت اتنی ناپائیدار تو نہ تھی۔ اُس کی ہستی یوں نظر انداز کر دینے والی تو نہ تھی۔

اشمل خان کی ذات اتنی غیر اہم اور بے وقعت نہ تھی کہ وہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے فراموش کر پائے گی۔

اُس نے اشتارا کی آنکھوں میں اُداسی کا اتنا دبیز رنگ دیکھا تھا اور یہ محسوس کیا تھا کہ عورت لاکھ مشرقی روایتوں کو قبول کر لے، ہزار والدین کی عزت کا بار اٹھا کر سر جھکا لے مگر اس کے اندر کی تڑپ بہت شدید ہوتی ہے جو اسے اندر ہی اندر گھلا دیتی ہے —— شاید کسی غم زدہ مرد سے زیادہ ہمدردی کے قابل اور رحم کے لائق ہوتی ہے۔ اسے دوہری سزا ملتی ہے —— وہ دوہرے عذاب سے گزرتی ہے۔ ایک محبت کو نہ پانے کا غم اور دوسرا ساری عمر دوسرے مرد کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی اذیت۔

اُسے اس لیے اشتارا اور ہشمینہ کا درد مشترک لگ رہا تھا۔

'کاش عورت اتنی کم ہمت نہ ہوتی۔' اُس نے جلتی آنکھیں موند لیں۔ 'مگر نہیں —— عورت کو بزدل اسی معاشرے نے بنایا ہے۔ خود اس کے والدین کی جھوٹی آن اور انا نے۔ ان روایتوں نے جو صرف عورت کے خون سے ہی پلتی ہیں۔

اشتارا —— ہشمینہ

دو نام، یہ دو ہستیاں شاید قربان گاہ پر چڑھ گئی ہیں۔ آہ —— اب تک تو وہ سب کچھ ہو گیا ہوگا۔ والدین کی جھوٹی انا اب تک تسکین پا چکی ہوگی۔

آہ —— شاہ خانم —— جس نے اشتارا کو اپنی آرزوؤں کی بھینٹ چڑھا دیا ہوگا اور اپنا دلی سکون حاصل کر چکی ہوں گی۔'

اُس کی سوچوں کا رخ یکلخت اشتارا کی طرف ہو گیا —— بے اختیار اور بے بس اشتارا مہروز جو تا عمر خوفزدہ نظروں سے اپنے اطراف پھیلے جال کو تکتی رہی اور حکم کی تعمیل کرتی رہی۔

وہ کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر دریچے کا پٹ کھول کر بے مقصد باہر جھانکنے لگا۔ اُسے

Marfat.com

بے ساختہ سگریٹ کی طلب ہوئی تو دراز کی طرف آیا۔ تبھی خاصی زور سے کال بیل بجی تھی۔

وہ چونکا۔ کون ہو سکتا تھا؟ سوائے احسن کے کسے علم تھا اس کے فلیٹ کا؟ ــــ اُس نے خاصی حیرانی کے ساتھ سوچا۔

کال بیل پر جس نے بھی انگلی رکھی تھی وہ ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھا کہ اچانک اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دروازہ احسن کھلا ہی چھوڑ گیا تھا اور آنے والے یونہی رسماً کال بیل بجا کر اندر آ چکے تھے ــــ سب سے آگے شاہ خانم تھیں، اُن کے پیچھے زمان بھائی، پھر سحر گل اور اشتارا۔ گویا جلوس سا تیار ہو کر آیا تھا۔

اشمل خان اپنی جگہ ششدر تھا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا تھا ــــ تب شاہ خانم نے آگے بڑھ کر اُسے گلے لگانے کے لئے اپنے بازو کھول دیئے۔

+++

اشمل سے فون پر بات کرنے کے بعد ہشمینہ کی ذہنی حالت پھر خراب ہونے لگی تھی۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اُس نے تو اپنی عزت اور انا کو سربلند رکھنے کے لئے بڑے ضبط کے ساتھ سلطان کمال کے حق میں فیصلہ دیا تھا مگر اب ــــ اشمل خان کی آواز سن کر اس کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ اُس کا ضبط محض پانی کا بلبلہ ثابت ہوا تھا۔

وہ کمرہ بند کر کے اس قدر ٹوٹ کر روئی کہ جیسے اس کے بعد اب کبھی نہ رو سکے گی۔

ہاں اب اس کو اپنے آنسو بھی چھپانے ہوں گے ــــ ان پر بھی اختیار نہ رہے گا۔

اُسے منافقت کا لبادہ اوڑھ کر سلطان کمال کے سنگ اتنی لمبی زندگی گزارنی ہوگی۔

دوہرا عذاب ــــ دوہرا جرم۔

'خدایا! یہ سب میرے حصے میں ہی کیوں؟'

کب سوچا تھا، اشمل خان کو چاہنے کا اتنا خوفناک انجام ہوگا ــــ زندگی، موت سے بدتر نظر آنے لگے گی۔ آہ ــــ اُس نے نہ صرف خود کو بلکہ اشمل کو بھی تباہ کر دیا۔ وہ شخص اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ اس کی روح کی قاتل جو تھی ــــ اشمل خان کے کہے ہوئے جملے اس کا دل چیرے دے رہے تھے۔

''تم نے مجھ سے جینے کی اُمنگ ہی چھین لی ــــ مجھے تاریک خلاؤں میں لا پھینکا ہے جہاں مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ آہ ــــ تم نے اپنا درد تو آنسوؤں میں بہا دیا۔ مگر مجھ جیسے مرد کو ذہنی اذیت بخش دی۔ تا عمر تڑپنے کی سزا سنا دی۔''

Marfat.com

آہ ـــــ اُس کی سسکیاں شدید ہو گئیں۔ 'مجھے معاف کر دینا اشمل ـــــ میں شاید تمہارے قابل نہیں تھی ـــــ کمزور، بزدل، ہر لمحہ اپنی انا کی حفاظت کرنے والی کم ہمت لڑکی تمہارے قابل نہیں تھی۔ مگر اشمل خان! یہ بھی سچ ہے کہ میرے ضمیر پر کوئی ایسا بوجھ نہیں رہے گا جس کا پچھتاوا مجھے تا عمر ڈستا رہے گا ـــــ میں نے والدین کی عزت کا بھرم قائم رکھا ہے اور مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا ـــــ اُن کی محبتوں کا احترام مجھ پر واجب تھا ـــــ ہاں اشمل مہروز خان! ـــــ میری پلکیں بے شک بھیگی ہوئی ہیں مگر میرا سر اٹھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے ناتواں کندھوں پر ان کی عزت کا بار اٹھا لیا ہے۔

اس نے تھک کر صوفے کی پشت پر سر ٹکا کر جلتی آنکھیں موند لیں ـــــ

تبھی دروازہ کھلا اور بھابی اندر داخل ہوئیں۔

''ہشمینہ! ـــــ کیا سو گئی ہو؟''

''آں..... ہاں.....نہیں۔'' اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

''گل ممانی آئی ہیں۔''

''گل ممانی؟'' اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ جھٹکے سے صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

''حلیہ تو درست کر لو۔'' بھابی اُسے دروازے سے نکلتے دیکھ کر بولیں مگر وہ سنی ان سنی کرتی باہر نکل گئی۔

گل بی بی سٹنگ روم میں ہی تھیں۔ ہشمینہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھیں تو ہشمینہ قریب آ کر ان سے لپٹ گئی اور بے آواز آنسو بہانے لگی۔ گل بی بی کے شانے پر اس کے گرم گرم آنسو گرے تو وہ چونک گئیں۔

''ارے ہشمینہ ـــــ میری جان!'' انہوں نے اس کا چہرہ اٹھا کر چوم لیا۔ ''رو رہی ہو ـــــ کیوں؟'' انہوں نے اُسے محبت پاش نظروں سے دیکھا تو وہ کوئی جواب نہ دے پائی۔

''آپ اکیلی آ گئیں؟ شاندانہ اور ماموں کیوں نہیں آئے؟'' بھابی نے پوچھا۔

''نہیں ـــــ میں تو شاہ خانم اور اشتارا کے ہمراہ آئی ہوں۔ آؤ بیٹھو میرے پاس۔'' انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ہشمینہ کو بھی اپنے قریب بٹھا لیا۔ ''بالکل اچانک پروگرام بنا تھا۔''

''اشتارا بھی آئی ہے تو ساتھ کیوں نہیں لائیں اُسے؟'' ہشمینہ اشتارا کا سن کر اس سے ملنے کو بے قرار ہو گئی۔

Marfat.com

''شاہے تو اپنے بھائی کے ہاں ٹھہری ہے۔ اشتارا بھی وہیں ہے۔ ہم سب اشمل کے لئے آئے تھے۔ وہ خفا ہو کر حویلی سے چلا آیا ہے۔ یہ لڑکا بڑا ضدی ہے۔''

اشمل کے ذکر پر ہشمینہ کے دل میں ہوک سی اُٹھی۔ 'مگر کیوں ناراض ہو کر آیا ہے؟' اُس نے سوچا۔ مگر گل بی بی سے پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ ایک تو سامنے اشناس بھائی بیٹھے تھے۔ اور اب وہ اپنی زبان پر اشمل کا نام بھی نہیں لانا چاہتی تھی۔ دل و ذہن پر تو اس کا اختیار نہ تھا۔

''اشتارا اور ذولین کے نکاح کی بھی تیاریاں ادھوری پڑی ہیں۔ اب تو سب کچھ اشمل ہی کرے گا۔'' گل بی بی نے امی کو نئی اطلاع فراہم کی۔

''ارے ___ اشتارا اور ذولین کا نکاح کب ہے؟ ___ اتنی رازداری سے؟'' ہشمینہ کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

''ہاں ___ خدا خدا کر کے شاہے کی بھی ضد ٹوٹی۔ ویسے بھی کوئی حتمی تاریخ نہیں رکھی۔ بس اشمل آ جائے گا تو کوئی دن بھی رکھ لیں گے۔ رخصتی تو اشمل کے امتحانوں کے بعد ہو گی۔ اشتارا ہی باؤلی نے شور مچا رکھا ہے کہ پہلے اشمل کی دُلہن حویلی میں آئے گی، پھر وہ رخصت ہو گی۔ تم سب کو آنا ضرور ہے۔ اور ہاں، میں تو ایک بہت ضروری کام سے آئی ہوں۔'' گل بی بی یہ کہہ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگیں اور ہشمینہ کو محبت پاش نظروں سے تکنے لگیں۔

''ایسا کون سا ضروری کام ہے ___ کچھ خبر ہمیں بھی تو ہو۔'' اشناس بھائی پہلی بار بولے۔

''ہے ___ تبھی تو کہہ رہی ہوں۔'' گل بی بی مسکرائیں۔ ''ارے تم کہاں چل دیں؟'' انہوں نے ہشمینہ کو اٹھتے دیکھ کر پکارا۔

''میں آپ کے لئے کافی بنا لاؤں۔''

''تم بیٹھو۔ مجھے ابھی کافی وافی نہیں پینی۔'' گل بی بی نے اُسے روکنا چاہا مگر وہ نہ رکی۔ کیونکہ امی سلطان کمال کے رشتے کا ذکر گل بی بی کے سامنے چھیڑ چکی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ کافی اور دوسرے لوازمات سے ٹرے سجائے اندر داخل ہوئی تو اشناس بھائی کمرے سے جا چکے تھے اور گل بی بی اور امی ایک دوسرے کے بے حد قریب بیٹھیں نہ جانے کون سے اہم مسئلے حل کر رہی تھیں۔ گل بی بی بے حد سرگوشیانہ انداز میں بول رہی تھیں۔

Marfat.com

''دیکھو ـــــ کوئی فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کر بیٹھنا۔لڑکی ذات کے لئے شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔''

''ہاں ـــــ اشناس تو کہہ رہا تھا کہ ابھی دو ہفتے اور ٹھہرا لیتے ہیں اس بات کو۔ وہ بھی کہہ رہا تھا جلدی نہ کریں۔''

ہشمینہ نے چونک کر امی کی طرف دیکھا تھا۔'یہ اشناس بھائی اس کے اتنے ہمدرد کب سے بن گئے؟ حالانکہ یہ تو سلطان کمال کے سب سے زیادہ حمایتی تھے۔ خیر یہ دو ہفتے۔ اونہہ، میرے لئے کون سی یہ نئی خوشیاں لائیں گے۔'اس نے سر جھٹک دیا اور کافی بنانے لگی۔

''پھر میری بات ابرار بھائی کے کان میں ڈال دینا۔'' گل بی بی امی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر تاکیداً بولیں تو امی نے سر ہلا دیا۔

''ارے ـــــ یہ تم اتنی مرجھا کیوں گئی ہو؟ صورت دیکھی ہے، پیلی سرسوں ہو رہی ہے۔'' اُس نے گل بی بی کو کافی کا مگ بنا کر دیا تو گل بی بی نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر پُرتشویش لہجے میں بولیں تو وہ مسکرا دی۔

''ارے اس لڑکی نے تو سب کو پریشان کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ سارا سارا دن کمرے میں بند پڑی رہتی ہے۔ نہ کہیں آنا، نہ جانا۔ دو گھڑی میرے پاس بھی نہیں بیٹھتی اب تو۔'' امی نے اس کی شکایات کے دفتر کھول دیئے۔

''ادھر بیٹھو میرے پاس'' گل بی بی نے اپنے قریب اس کے لئے جگہ بنائی۔''میرے ساتھ وادی چلنا۔ شان بھی آنے والی ہے ـــــ تمہارا دل بہل جائے گا۔ اور پھر اشتارا کے نکاح کا ہنگامہ بھی ہوگا۔ بس خیر سے یہ اشمل کا معاملہ بھی نمٹ جائے۔'' انہوں نے محبت آمیز نظروں سے ہشمینہ کو دیکھا اور پھر امی کی طرف قدرے جھکیں۔

''میں زیادہ دن نہ لوں گی ہاں۔ سُن لو آپا!''

امی ہنس دیں۔''ارے بھابی! آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے چلی ہیں۔''

''ہاں ـــــ بس یہی سمجھ لو۔'' گل بی بی ہنس دیں۔ پھر اچانک چونکیں۔''ارے ہاں، میں ذرا فون کر لوں شاہ کو ـــــ نہ جانے ان کی اشمل سے بات ہوئی کہ نہیں۔ یہ لڑکا بھی جانے کب سدھرے گا۔ سب کو پریشان کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ اب تو نکیل ڈال کر ہی رہوں گی میں۔'' وہ بولتے ہوئے فون کی طرف بڑھ گئیں۔ ہشمینہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اشمل کے ذکر سے اس کے دل کی دیواروں سے لہو رسنے لگتا تھا۔ یہ نام، یہ چہرہ جس کا

Marfat.com

تصور، جس کا ذکر اب اس کے لئے سوائے اذیت کے کچھ نہ رہا تھا۔
وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

+++

اشمل نے بڑی حیرانی کے ساتھ ان سب کو اندر آتے دیکھا تھا۔ شاہ خانم آگے بڑھیں اور اُسے بازوؤں میں بھرلیا۔ وہ احتراماً جھکا تو اُس کی پیشانی چوم لی۔

''ایسی بھی کیا ناراضگی بیٹے! کہ پلٹ کر پوچھا ہی نہیں ۔۔۔ ہم سب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔''

''آ....... آپ لوگ ..... یہاں ...... میرا مطلب ہے......'' وہ ابھی تک الجھا ہوا تھا کہ ان سب کو اس فلیٹ کا پتہ کس نے بتایا؟

تبھی دروازہ کھول کر احسن اندر داخل ہوا اور جیسے اشمل کی ساری اُلجھن اور حیرانی رفع ہوگئی۔ اُس نے ایک گہری سانس کھینچی اور خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''یار! ایک بار پھر معافی۔'' احسن نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''میں ہاسٹل افتخار کی طرف جا رہا تھا کہ زمان بھائی مجھے نظر آئے۔ خاصے پریشان تھے۔ سو میں نے تمہاری اس جائے پناہ کا راز افشا کر دیا۔ سوری، مجبوری تھی۔ میں تمہاری والدہ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا تھا۔'' اس نے تفصیل بتا کر مسکین سی صورت بنا لی اور اشمل اسے صرف دیکھ کر رہ گیا۔

''کیا ہمیں اندر بیٹھنے کو نہیں کہیں گے اشمل لالہ؟'' اشتارا پہلی بار گویا ہوئی تو وہ چونکا۔

''اوہ ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ کیوں نہیں۔ آؤ، اندر آؤ ۔۔۔ کیسی ہو تم؟'' اس نے قریب آتی اشتارا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر سب کو لے کر اپنے بیڈ روم میں ہی آ گیا۔

شاہ خانم نے کمرے کا طائرانہ جائزہ لیا اور پھر اشمل کو دیکھنے لگیں۔ سلوٹ زدہ سفید شلوار قمیض، بکھرے بال اور چہرے پر بڑھی ہوئی شیو اُس کی ذہنی پراگندگی کا پتہ دے رہی تھی۔ اُس کی بھوری آنکھوں میں گہری اُداسی منجمد تھی۔ اُس کی اس حالت نے شاہ خانم کو دُکھی کر دیا۔ انہوں نے اس کے ساتھ سلوک بھی بہت ناروا کیا تھا۔ اب اس کا ازالہ کریں گی۔ انہوں نے سوچا۔

اشتارا، اشمل کے قریب بیٹھ گئی۔ احسن ان سب کو چھوڑ کر فلیٹ سے جا چکا تھا۔

''تم نے ہاسٹل چھوڑ دیا اور فلیٹ لے لیا ۔۔۔ مجھے خبر تو دی ہوتی۔'' شاہ خانم نے ہلکا سا شکوہ کیا، پھر بولیں۔ ''خیر کتنے دن سے ہو یہاں؟''

Marfat.com

''چند دن ہی ہوئے ہیں۔'' اس نے ہنوز سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

''کوکنگ آپ خود کرتے ہیں اشمل بھائی؟'' سحر گل نے کچن کا جائزہ لے کر اندر آتے ہوئے شگفتہ انداز میں استفسار کیا تھا۔ اشتارا ہنس دی۔

''یہ کیا کریں گے ـــــ انہیں تو چائے بھی بنانی نہیں آتی۔ شاید یہ بھی نہیں معلوم کہ چائے میں دودھ کتنا ملایا جاتا ہے۔''

اشمل نے چونک کر اور بڑی حیرت سے اشتارا کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اُسے جس حال میں چھوڑ گیا تھا وہ ایسی تو ہرگز نہ تھی۔ بے حد کھلکھلاتی ہوئی، مسکراتی، سنہری آنکھوں کی سازی توانائیاں جاگ اُٹھی تھیں۔

'تو کیا سمجھوتہ انسان کو مطمئن کر دیتا ہے؟' اُس نے بے حد تحیر کے ساتھ سوچا تھا۔

''پھر تو کوئی ملازمہ رکھی ہوگی ـــــ کوئی شہری، ماڈرن سی۔'' سحر گل کی بات پر سب مسکرا دیئے۔

''ارے، کیوں تنگ کر رہی ہو میرے بچے کو؟'' شاہ خانم بولیں۔ ''تم لوگ جاؤ، ذرا دوسرے کمرے میں بیٹھو۔ مجھے اشمل سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' انہوں نے سحر گل اور اشتارا سے کہا تو وہ دونوں باہر نکل گئیں۔

''ارے زمان! تم بیٹھے رہو ـــــ میں تو ان لڑکیوں سے کہہ رہی تھی۔'' شاہ خانم، زمان بھائی کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے بولیں۔

''نہیں آنٹی! میں ذرا باہر جا رہا ہوں ـــــ ایک آدھ گھنٹے بعد آپ لوگوں کو لے جاؤں گا۔ بھئی اشمل! تم بھی تیار رہنا یہاں سے کوچ کرنے کے لئے۔'' انہوں نے اشمل کو چھیڑا تو وہ مسکرا دیا۔

زمان کے جانے کے بعد شاہ خانم اٹھ کر اشمل کے قریب آئیں جو اپنی جگہ سے اٹھ کر دریچے میں کھڑا ہو گیا تھا۔

''مجھے معاف نہیں کرو گے اشمل ـــــ؟'' شاہ خانم کی آواز میں نمی گھل گئی۔

''ارے آپ شرمندہ کر رہی ہیں مجھے۔'' اس نے دریچے کا پٹ بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر استعجاب سمٹ آیا تھا۔ شاہ خانم کے لہجے پر وہ چونک پڑا تھا۔

''یہ تم نے کیا حالت بنا ڈالی ہے اشمل! ـــــ بے وقوف لڑکے! وادی آ کر معلوم تو کر جاتے کہ حویلی میں انقلاب آ چکا ہے۔ تمہاری ماں شاہ خانم کتنی بدل گئی ہے اور اس تبدیلی پر کوئی دکھ نہیں ہے۔ بلکہ ایک انوکھی خوشی ملی ہے مجھے ـــــ جانتے ہو یہ تبدیلی تم اور مہروز

Marfat.com

خان لے کر آئے ہو۔" انہوں نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔ "بیٹھو یہاں۔"

وہ کسی فرمانبردار بچے کی طرح ان کے سامنے ٹک گیا اور تحیر آمیز بے یقینی سے شاہ خانم کو تکتا رہا۔

"اشتارا کا رشتہ ذولین سے طے ہو گیا ہے۔ بس تمہارے حویلی میں آنے پر نکاح ہو جائے گا اور پھر دھوم دھام سے رخصتی۔"

وہ اپنا پروگرام بھی ساتھ بتا رہی تھیں اور اشمل پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ یہ خوشگوار انقلاب آچکا تھا جس کا وہ منتظر تھا، خواہاں تھا۔

شاہ خانم کے انداز میں تبدیلی ـــــ اشتارا کی مسکراہٹیں ـــــ یہ سب اس کا وہم نہ تھا، حقیقت تھی۔

منظر بدل گیا تھا ـــــ محبتوں نے بالآخر نفرتوں کو شکست دے دی تھی ـــــ حویلی میں حیرت انگیز طور پر انقلاب آچکا تھا۔

'اوہ میرے خدا ـــــ' اُس کے دل میں مسرت انگیز طراوت سرایت کرنے لگی۔ اس کے چہرے پر چمک لہرا گئی۔ وہ وفورِ مسرت سے کھڑا ہو گیا تو شاہ خانم نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور بے آواز رونے لگیں۔

"مجھ سے بہت بڑے بڑے جرم ہوئے ہیں اشمل! میں مہروز خان کی، تم سب کی مجرم ہوں۔ گناہگار ہوں۔ بیٹا! مجھے معاف کر دینا۔"

"نہیں شاہ خانم! ہم نے کبھی آپ کو مجرم نہیں گردانا ـــــ آپ سے کبھی نفرت نہیں کی۔ ہاں، کبھی کبھار شکوہ لبوں سے نکل جاتا ہے مگر ـــــ" اُس نے شاہ خانم کے آنسو اپنی انگلیوں سے پونچھے تو وہ مسکرا دیں۔

"تم میرے ساتھ حویلی چلو گے نا؟"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ ـــــ اشتارا کی خوشی میری خوشی ہے۔ اشتارا! ـــــ اشتارا! ـــــ" اشمل نے اُسے آواز دی تو وہ اندر آ گئی۔

اُس کے گلابی چہرے پر شرم کی سرخی بکھر گئی تھی۔ اس نے شاہ خانم کی باتیں سن لی تھیں اور اشمل کے آواز دینے پر اُسے ڈھیروں شرم محسوس ہونے لگی تھی۔ سرمئی چادر کے ہالے میں دمکتا اشتارا کا معصوم چہرہ اشمل کو بے حد پیارا لگا۔

"اتنی بڑی خبر مجھ سے چھپا گئیں تم ـــــ تمہیں تو آتے ہی یہ خبر سنانی چاہیے تھی۔" اس نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

Marfat.com

''ارے، ارے اشمل بھائی! ـــــ اپنی بہن کو اتنا بے شرم کب سے سمجھ لیا؟ آخر مشرقی لڑکیوں کی کچھ حیا ہوتی ہے۔'' سحر پٹ سے بولی تو اشمل بھرپور انداز میں ہنس دیا۔

''خوب ـــــ میں تو بھول ہی گیا کہ تم بھی آئی ہو۔''

''کیا ـــــ کیا ـــــ یعنی ابھی تک آپ خالی الذہنی میں سب کو تک رہے تھے؟ چلیں معاف کیا ـــــ بندہ کچھ اپ سیٹ تھا۔ اب چلیے شاہ خانم! ہمارے غریب خانے پر۔ تاکہ ہم لوگ کچھ خاطر مدارات کر کے ثواب کما سکیں۔''

شاہ خانم ہنسنے لگیں۔

''ہاں، ہاں ـــــ کیوں نہیں چلیں گے۔ زمان کو تو آ لینے دو۔''

''ہاں ـــــ آپ لوگ بیٹھیے، میں کوک وغیرہ منگواتا ہوں۔'' اشمل کو جیسے یکدم احساس ہوا۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

فلیٹ کے کچن میں تو سوائے چند خالی برتنوں کے کچھ نہ تھا۔ اس نے ابھی تک چولہا تک نہیں جلایا تھا۔ ہوٹل سے ہی کھانا کھا آتا تھا۔

فلیٹ کے چوکیدار سے کولڈ ڈرنک منگوا کر وہ واپس آ گیا۔

''مجھے تو آپ کی خاطر مدارت کرنی چاہیے تھی۔ سوری، میں بھول ہی گیا۔'' وہ کچھ پزل سا ہو گیا تھا۔

''چلیں، اب کی بار تو معاف کیا۔ ویسے ہم آپ سے عنقریب شاندار ٹریٹ لیں گے۔ کیوں اشتارا؟'' سحر گل، اشتارا کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی تو اشتارا نے سر ہلا دیا۔

''بالکل ـــــ میں تو دونوں طرف سے لوں گی۔''

''ہیں ـــــ یہ دوسری طرف سے کیوں؟'' سحر گل نے آنکھیں پھاڑیں۔

''بھئی وہ میری فرینڈ جو ہوئی۔'' اشتارا آہستگی سے بولی اور پھر ہنس دی۔ ان دونوں کی معنی خیز گفتگو اشمل کے پلے خاک نہ پڑی۔ اس نے شاہ خانم کی طرف دیکھا جو ان کی باتوں پر ہولے ہولے مسکرا رہی تھیں۔

''گل بھی آئی ہوئی ہے۔'' شاہ خانم نے اطلاع دی۔

''ارے، تو پھر یہاں آپ کے ساتھ کیوں نہیں آئیں؟'' وہ خوش ہوا اور حیران بھی۔

''وہ اپنی نند کے ہاں ٹھہری ہے۔''

''یعنی ہشمینہ کے گھر ـــــ'' ... سے بولی تو اشمل کے چہرے پر ایک رنگ آ

Marfat.com

کر گزر گیا۔ ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں دُھندسی چھائی مگر اس نے بروقت خود کو سنبھالا۔ ڈور بیل کی آواز پر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کی بوتلیں اور کئی لفافے تھے جنہیں اُس نے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''ارے ـــــ ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی نہیں شاہ خانم! مگر میری خوشی سمجھ لیں اسے۔'' وہ مسکرا دیا۔

وہ سب خاصی دیر تک خوشگوار ماحول میں باتیں کرتے رہے اور جب زمان خان آئے تو وہ ان کے ہمراہ فیصل ماموں کے گھر چل دیئے۔

+++

عرشان اس سلسلے میں خاصا خوش بخت ثابت ہوا کہ سحر گل کی فیملی کے خاص ممبر مسعود شاہ سے اس کے دیرینہ تعلقات تھے۔ اُسے تو نائلہ کے ذریعے پتہ چلا کہ جب وہ لوگ اس کا پرپوزل لے کر گئے تھے تو وہ مسعود شاہ کو دیکھ کر چونکی۔ اس نے عرشان کے البم میں اس کی تصویر دیکھی تھی اور ایک دو بار وہ اسے عرشان کے ہمراہ اپنے گھر آتے ہوئے بھی دیکھ چکی تھی۔ اور اسے جب باتوں میں پتہ چلا کہ مسعود شاہ، سحر گل کے بہنوئی ہیں تو اس نے فوراً ہی یہ تازہ انکشاف عرشان سے کیا تھا اور عرشان کو جیسے اپنی منزل مقصود کا راستہ صاف نظر آنے لگا تھا۔

مسعود شاہ اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا کیریکٹر بہت صاف تھا اور اچھے مہذب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ یقیناً مسعود شاہ اس کی حمایت کرے گا۔ اسے یہ یقین تھا۔

سحر گل کو پانے کا خواب اس نے دیکھا تھا ـــــ اور اب اس کے جذبوں میں شدت آ گئی تھی۔

ڈری سہمی لیکن قدرے پُر اعتماد اور شوخ سی نظر آنے والی سحر گل اُسے بے طرح پسند آ گئی تھی۔ فضہ سے اُس نے اُس کے بارے میں زیادہ کرید نہیں کی تھی کہ اسے اچھا نہیں لگتا تھا، پرائی لڑکی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا۔ اُس نے تو سیدھے سادھے مہذب طریقے سے امی اور نائلہ کو اس کے گھر بھیج دیا تھا بے حد امیدوں کے ہمراہ۔ اور اُس کا یقین سچ ثابت ہوا، مسعود شاہ اس کا پکا حمایتی بن گیا تھا۔

''آنٹی! میں عرشان کو اچھی طرح جانتا ہوں ـــــ وہ ہر لحاظ سے مکمل اور قابل انسان ہے۔''

امی الجھ سی گئی تھیں۔ اور یہ تو اچھا ہوا تھا کہ شاہ خانم بیٹھی تھیں۔ وہ ان سے صلاح

Marfat.com

مشورہ کرنا چاہ رہی تھیں۔

سحر گل کی تو حالت بری تھی۔ اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ شخص جس سے وہ نادانستگی میں ٹکرا گئی تھی اس کو حاصل کرنے کے درپے ہو جائے گا۔ اُس کے ذہن کے اُفق پر رنگین سی دھند چھانے لگی تھی۔ اس کا سراپا نہ جانے کیوں اس کے حافظے میں محفوظ رہ گیا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے کچھ چکر ضرور ہے۔'' اشتارا نے اسے اکیلے اکیلے مسکراتے دیکھ کر کہا تو وہ گھبرا گئی۔

''ہائے، نہیں اشتارا! میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں ہے۔''

''جھوٹ ـــــ بالکل جھوٹ۔ بھابی کہہ رہی تھیں کہ فضہ کی شادی میں رات اسی کی گاڑی میں تم لوگ واپس آئی تھیں۔'' اس نے اسے کھوجتی نظروں سے گھورا تو سحر گل کی پلکوں پر منوں بوجھ آ گرا اور پھر اس سے کچھ نہ بولا گیا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر اشتارا کھل کھلا کر ہنس دی۔

''کب سے فون کی بیل بج رہی ہے۔ تم لوگوں کو سنائی نہیں دے رہی۔'' اشمل کی آواز پر وہ دونوں چونکیں۔ مگر وہ اتنی دیر میں ریسیور اٹھا چکا تھا۔ مگر پھر جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

''ہیلو ـــــ میں ہشمینہ بول رہی ہوں۔ اشتارا سے بات کرنی ہے۔'' اس کی آواز برقی تاروں سے گزرتی اشمل کی سماعت پر برچھی کی طرح لگی۔ ایک لمحہ کو اس کا دل چاہا وہ خاموشی سے بس اس کی آواز سنتا رہے۔ کتنی تکلیف دے رہی تھی یہ آواز۔ مگر پھر بھی دل کی تمنا یہی تھی کہ سنتا رہے۔

''ہیلو....... ہیلو.......''

''ہیلو......'' اُس نے قدرے توقف کے بعد اپنی خاموشی توڑی اور دوسری سمت چند لمحے کو سناٹا چھا گیا۔

''اشمل ـــــ'' اُس کے لب کپکپا گئے۔

''تمہاری انا ـــــ تمہاری عزت پر کیا اب حرف نہ آئے گا؟'' وہ اچانک ہی برافروختہ ہو گیا ـــــ ''کیوں کیا ہے فون تم نے ـــــ جب کچھ بھی نہیں رہا، تم نے سارے تعلقات پل بھر میں توڑ دیئے ہیں۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا اور اس کا جواب سنے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اُس کے جسم کا سارا خون چہرے پر جم گیا تھا اور آنکھوں میں شعلے سے لپک اٹھے

Marfat.com

تھے۔ اس لڑکی نے اس سے جینے کی امنگ چھین لی تھی۔ وہ رکا نہیں اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

سحر گل اور اشتارا دونوں دم بخود رہ گئی تھیں۔ ان دونوں کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ دوسری طرف ہشمینہ ابرار تھی۔ کتنی ہی دیر بعد وہ دونوں چونکیں تو اشتارا جیسے روہانسی ہو گئی۔

''سحر...... یہ...... یہ کیا ہو گیا؟ ـــــ اشمل لالہ اور ہشمینہ کا جھگڑا ہو گیا ہے۔'' اس نے خوفزدہ نظروں سے سحر کی طرف دیکھا جو خود بھی اُلجھن میں گرفتار ہو گئی تھی۔

''میرے خیال میں ہم اس سے بات کر لیتے ہیں۔'' سحر گل کے ذہن میں آیا تو وہ تیزی سے فون کی طرف لپکی مگر پھر رک گئی۔

''فون نمبر ہے تمہارے پاس؟''

''ہاں ـــــ میری ڈائری میں ہے۔'' اشتارا نے سر ہلایا اور جلدی سے بیگ سے ڈائری نکال کر ہشمینہ کا نمبر نکال کر سحر کو دے دیا۔ اور سحر گل کی انگلیاں تیزی سے ہشمینہ کا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔

+++

ہشمینہ نے بے حد حیرانی کے ساتھ گل بی بی کے ہمراہ شاہ خانم اور ماہ گل کو آتے دیکھا تھا۔ شاہ خانم اس سے بڑی محبت سے ملیں۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ماہ گل بھی اس سے محبت سے ملی۔ اس کی نگاہوں میں پسندیدگی کی جھلک تھی۔ ہشمینہ سخت منتشر ذہن ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

'وہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ ـــــ کیا اشمل خان نے بھیجا ہے؟ ـــــ وہ اب بھی آس لگائے ہوئے امیدوں کا دامن تھامے بیٹھا ہے۔ اب بہت دیر ہو گئی ہے اشمل خان! بہت دیر ہو گئی ہے۔'

ایک سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ پھر شوریدہ سر لہریں مچل مچل کر ساحل دل پر سر پٹخنے لگیں۔ اس کی رگوں میں دُکھ گردش کرنے لگا۔

'ہمارے راستے جدا ہیں اشمل مہروز خان! کاتب تقدیر نے وہ کچھ نہیں لکھا جو تم یا میں چاہتے رہے ہیں۔'

اس نے زخمی ذہن سے سوچا اور پھر ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ فون کی طرف بڑھی۔ وہ اشتارا سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اسے سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی کہ اب ان کی کوشش عبث ہے۔ وہ تو ابی کے فیصلے کی بھینٹ چڑھے گی۔ ان کی خواہش پر سلطان کمال کی

Marfat.com

حیات میں شامل ہو جائے گی۔ تاعمر تڑپنے اور سسکنے کے لئے۔

اس نے ڈائری سے سحر گل کا نمبر ڈھونڈ کر نکالا جو سحر گل نے اسے دیا تھا۔ اسے گل بی بی نے ہی بتایا تھا کہ اشتارا وہیں رکی ہوئی ہے۔ ایک اشتارا تو تھی اس کے راز سے آگاہ۔ یقیناً وہ اسے اپنے غموں میں شامل کر سکے گی۔ شاید اپنا دکھ کہہ لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

اس نے نمبر ملایا تو تیسری بیل پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ مگر دوسری سمت اشمل کی آواز سن کر اس کے وجود میں برقی لہریں سرایت کر گئیں۔

اُف ـــــ مگر وہ اس سے کس قدر خفا تھا۔ سخت نالاں تھا۔ آگ بھرے نشتر برسا کر فون پٹخ دیا تھا۔ اُسے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ اس کا دل تو پہلے ہی چھلنی تھا۔ اس نے لفظوں کے کئی نشتر اس کے زخمی دل میں پیوست کر دیئے۔

اس نے بے جان ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ تبھی بیل بج اٹھی۔ اشمل کے جملوں نے اس کے جسم سے جیسے روح کھینچ لی تھی۔ اس کو اندر باہر سے زخمی کر دیا تھا۔ اس نے آنسو پیتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری سمت اشتارا تھی جس کی آواز ہشمینہ کے ضبط کو بکھیر گئی۔

''اشتارا!'' وہ بلک اٹھی اور کتنی ہی دیر روتی رہی۔

وہ اس کی خیر خواہ تھی۔

اس کی رازداں۔

اس کی بہترین رفیق تھی۔ اُس نے اپنا غم اس کے سامنے کھول دیا۔

''مرد کبھی عورت کی مجبوریوں کو نہیں سمجھ سکتے ـــــ اشمل خان بھی مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔'' اس نے ٹوٹے لہجے میں کہا تو اشتارا کا جگر چھلنی ہو گیا۔ وہ اسے بے جان لفظوں میں تسلیاں دیتی رہی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اسے سنبھالا دیتی رہی۔

مگر اب ہشمینہ کی تشفی نہ ہوئی۔

اس کے حوصلوں کی چٹانیں تڑخ چکی تھیں۔

کوئی حرف بھی اس کے درد کا مداوا نہ بن سکا تھا۔

اس نے فون رکھ کر خود کو صوفے پر ڈھیلا چھوڑ دیا۔

'کتنا مشکل ہے اشمل خان! تمہیں بھولنا۔ تمہاری یادوں سے دامن چھڑانا۔ وہ سارے لمحے جو تمہارے سنگ گزرے ہیں، اب مجھے ڈستے رہیں گے۔ پچھتاوے بن کر

Marfat.com

میری رگوں میں دوڑتے رہیں گے۔'

اس کی آنکھوں میں ریت چبھنے لگی۔

پھر کئی دن گزر گئے۔ وہ سارا سارا دن کمرے میں بند رہتی۔ اب تو بھابی نے بھی اُسے تسلیاں دینا چھوڑ دی تھیں۔ وہ کم ہی اس کے کمرے میں جھانکتی تھیں۔ ملازمہ ہی اسے کھانے کے لئے بلانے آتی تھی اور وہ محض گھر والوں کی نظروں میں اپنا وجود معتبر رکھنے کے لئے ان کے درمیان بیٹھ کر چند نوالے حلق سے اتارتی تھی۔

آج پورے پانچ دن بعد بھابی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

''ہشمینہ! ــــ آج موسم بڑا خوشگوار ہو رہا ہے ــــ ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی ہے۔'' انہوں نے اس کے کمرے کا دریچہ کھول دیا۔ سبز لان کا خوبصورت منظر ہشمینہ کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ وہ ابھی نہا کر نکلی تھی۔ گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ چلتی ہوئی دریچے کے پاس آ گئی۔

''میرے اندر تو بس ایک ہی موسم ٹھہر گیا ہے ــــ یہ برسات تو بہت ہو چکی میرے اندر۔''

''بھابی ہولے سے ہنس دیں۔ ہشمینہ نے انہیں دیکھا اور لب بھینچ لئے۔

وہ پلٹ کر ٹہلنے لگی کہ بھابی نے اس کا بازو تھام لیا۔

''میں تمہیں موسم کا حال سنانے نہیں آئی تھی۔ ایک خبر سنانی ہے۔ ہے تو دُکھ کی مگر ہشمینہ! ہمت سے سننا ہوگی اور سہنا ہوگی۔'' بھابی نے اپنے اوپر گہری سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا تو ہشمینہ کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔

''ابی نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے ــــ کل وہ لوگ آ کر تمہیں انگوٹھی پہنا .... ارے کیا ہوا ہشمینہ؟'' بھابی نے گھبرا کر اُسے تھاما جو لڑکھڑا گئی تھی۔

''نہیں ــــ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے خود کو بھابی کی گرفت سے چھڑا کر قریبی کرسی پر گرا لیا۔

''دیکھو ہشمینہ! تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔ یہ فیصلہ تمہارا ہی ہے۔'' بھابی نے اسے دیکھا جو سر جھکائے اس اذیت ناک خبر سے منتشر ہوئے دل کو سنبھال رہی تھی۔ اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ ہو گیا تھا۔

''اپنی انا اور عزت کی خاطر تم نے یہ سب کیا ہے تو پھر اب آخری مرحلہ ہے۔ یہاں بزدلی کا ثبوت دو گی تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔'' بھابی کے جملے اس کے دل میں

Marfat.com

پیوست ہوتے گئے۔

''کل کے لئے خود کو تیار کر لینا۔'' بھابی جھک کر اس کے شانے کو تھپک کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

+++

''اوہ میرے خدا! میں کیا سمجھوں اسے ــــ کوئی معجزہ یا میرے صبر کا پھل ــــ خدا کا کرم ــــ ادنیٰ سی نیکی کی جزا۔''

اشمل اس خبر پر کتنی ہی دیر بے یقین سا رہا۔ وہ اشتارا کو دیکھتا رہا جو قطرہ قطرہ اس کی سماعت میں امرت انڈیل رہی تھی۔ اسے نئی زندگی کی نوید سنا رہی تھی۔

''ہشمینہ کے بھائی نے ہماری بھرپور حمایت کی اور پھر گل بی بی کے ووٹ بھی ہماری طرف تھے۔ اور پھر آپ میں کس بات کی کمی ہے؟ ابرار انکل خود ذاتی طور پر آپ کو جانتے ہیں۔ پھر بھلا انکار کا کیا جواز رہتا تھا ان کے پاس ــــ ہشمینہ کو ہم لوگ کل انگوٹھی پہنانے جائیں گے۔''

اشمل نے بے اختیار اپنے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ کتنا مہربان، غفور و رحیم ہے۔ اس کی آنکھوں کے بجھے دیے جل اٹھے۔ سحر گل بھاگ کر آئی تھی۔

''اشمل بھائی! یہ بات راز رہنی چاہئے۔ یعنی ہشمینہ کو بے خبر رکھا گیا ہے کہ اس کی منگنی آپ سے ہو رہی ہے۔ جبکہ وہ تو سمجھ رہی ہے کہ سلطان کمال کے گھر والے کل آ رہے ہیں اسے انگوٹھی پہنانے ــــ''

''ارے سچی؟ ــــ'' اشتارا اس خبر پر ہنسنے لگی۔

اُن کی بھابی کا ابھی فون آیا تھا۔ انہوں نے تاکید کی ہے۔''

اشمل بھی خاصا حیران ہوا۔ بے ساختہ اس کے تصور میں ہشمینہ کا سراپا لہرا گیا۔ یقیناً وہ بے حال ہو رہی ہو گی۔

''ویسے سحر! یہ ظلم نہیں؟ ــــ ہشمینہ تو بیچاری......''

''نہیں۔ کوئی ظلم نہیں۔'' سحر گل نے اشتارا کی بات کاٹ دی۔ پھر اشمل کی طرف دیکھا۔ ''کیوں اشمل بھائی! کیا خیال ہے آپ کا ــــ تھوڑا مزید تنگ نہ کیا جائے؟''

اشمل اُس کی بات پر ہنس دیا۔ اس لڑکی نے مجھے بھی تو اتنا ہی تڑپایا ہے ــــ تھوڑا اسے سبق ضرور ملنا چاہئے۔ ایک دن وہ اذیت میں گزار لے گی۔ وہ سوچ کر مسکرا دیا۔ اسے ہشمینہ کی محبت کی شدت کا اندازہ ہو ہی گیا تھا۔ وہ اس کے تڑپنے کا مزہ لینے کا سوچ کر مسکرا

Marfat.com

دیا۔

جب وہ اپنے کمرے میں آیا تو اپنے اندر ایک نئی توانائی اُبھرتی محسوس کر رہا تھا۔ اسے لگا جیسے اس کی رگوں میں اشتارا نے زندگی کا نیا رس انڈیل دیا ہے ـــــ اس کے دل کی ویران بستی میں بے شمار قمقمے جل اٹھے ہیں۔

وہ سرشار انداز میں ہنس دیا اور دریچے سے باہر جھانکا۔ باہر کا موسم بھی اس کے دل کی طرح خوشگوار اور دلفریب ہو رہا تھا۔

''مبارک ہو اشمل بھائی!'' فروان اندر داخل ہوا تو وہ جلدی سے سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی بے پناہ مسرت کو قابو کرتے ہوئے اسے محبت سے دیکھا۔

''تھینک یو۔''

''ویسے آپ کی حالت بالکل مجنوں جیسی ہو گئی تھی ـــــ قیس کو تو میں نے نہیں دیکھا ہے مگر آپ کو دیکھ کر سوچتا تھا اس کی حالت اس سے مختلف نہ ہو گی۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ صحرا میں نہ نکل جائیں۔'' فروان کی شرارت عود کر آئی تھی۔ اشمل جھینپ رہا تھا۔

''چلئے، باہر چل کر موسم کا مزہ لوٹتے ہیں۔ اور ہشمینہ بھابی کی باتیں کرتے ہیں۔''

''فروان!'' اشمل نے اُسے مصنوعی خفگی سے گھورا مگر وہ کہاں متاثر ہوا تھا۔

''ویسے اچھے لگ رہے ہیں ـــــ بلکہ غضب کے۔''

اشمل اس کی طرف بڑھا تو وہ ہنستا ہوا پیچھے ہٹا۔

''میں تو آپ کو یہ کہنے آیا تھا کہ وہ دونوں لڑکیاں بڑا ظلم کر رہی ہیں ہشمینہ صاحبہ کو بے خبر رکھ کر ـــــ اور ایک ان کی بھابی، توبہ توبہ، کیا خطرناک شے ہیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔''

فروان کی بات پر اشمل کے لبوں پر مسکان بکھر گئی۔

وہ تصور کر سکتا تھا کہ ہشمینہ اس وقت کس حال میں ہو گی اور کیسے کرب سے گزر رہی ہو گی۔ مگر جب اس قدر اذیت سہہ لینے کے بعد اتنی بڑی خوشخبری سنے گی تو وہ خوشی بھی انوکھی ہو گی۔ جان سے پیارے لوگ بچھڑ کر ملیں تو وہ لمحہ زندگی کے حسین لمحوں سے کہیں زیادہ دلکش اور مسرت انگیز ہوتا ہے ـــــ اور کل ہشمینہ کے لئے وہی لمحہ رنگین ہو گا۔

''کیا سوچنے لگے ـــــ کیا آپ کا دل نہیں تڑپ رہا اس لڑکی کے لئے؟'' فروان اسے چھیڑنے کی غرض سے کہہ رہا تھا مگر اسے بھی کمال حاصل تھا اپنی بے چینی اور بے قراری کو چھپانے میں۔

Marfat.com

''ہوں ـــــ میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ ان کی بھابی اور نند کا معاملہ ہے۔''

''کیا ـــــ؟'' فروان اچھلا۔ ''کس قدر سنگ دل انسان ہیں آپ۔ جائیں اور جا کر فون کیجئے اسے۔''

''نہیں ـــــ یہ کھیل خاصا دلچسپ ہے۔'' اشمل نے انکار کر دیا اور فروان منہ بنا کر رہ گیا۔

+++

وہ سب شام کو ہشمینہ کے بنگلے پر پہنچے تھے۔

اشتارا کا دل تو مارے خوشی کے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر دوڑ کر ہشمینہ کے پاس جا کر اسے یہ خبر سنا آتی۔

بھابی مسکرا مسکرا کر ان سب کی خاطر مدارات کر رہی تھیں۔ پھر شاہ خانم کے اصرار پر ہشمینہ کے کمرے میں آئیں۔

''چلو بنو! ـــــ اپنے سسرال والوں کا دیدار کر لو۔ اور انہیں اپنے رُخِ روشن کا دیدار کراؤ۔''

''بھابی!'' اُس نے تڑپ کر بھابی کو زخمی نظروں سے دیکھا پھر کرب سے لب کاٹنے لگی۔ اُسے لگا کہ اس کی سانسیں جواب دے رہی ہیں۔ صبح سے خود کو سنبھالنے میں لگی تھی۔ بس اس لمحے بکھر رہی تھی۔

بھابی نے اُسے زبردستی کامدار سوٹ پہنایا تھا اور اس کے نہ، نہ کرنے کے باوجود ہلکا میک اپ کر دیا تھا۔ اور پھر اسے زبردستی کھینچتی ہوئی ڈرائنگ روم تک لے آئیں۔

''اوہ، چشم بدڈور ـــــ'' سحر گل کی کھنکتی آواز اُبھری اور ہشمینہ کا اٹھا ہوا سر اسی زاویے پر رہ گیا۔ یہاں تو سبھی مانوس چہرے تھے ـــــ لبوں پر جاندار اور فاتح مسکراہٹیں لئے۔

وہ سنگین مجسمے کی طرح ساکن و جامد رہ گئی تو اشتارا اپنی جگہ سے اٹھی اور اسے شاہ خانم کے قریب بٹھا دیا۔ اور شاہ خانم نے اس کے خوبصورت سراپا پر محبت بھری نگاہ ڈال کر اس کی مخروطی انگلی میں ڈائمنڈ کی رِنگ ڈال دی۔

''مبارک ہو بھابی!'' اشتارا جھک کر بولی تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی ـــــ اُس نے بے اختیار سر اٹھا کر بھابی کی سمت دیکھا جن کے چہرے پر دلآویز مسکراہٹ رقصاں تھی اور آنکھیں اُسے اُس کی جیت کی مبارکباد دے رہی تھیں۔

''یقین جانو، یہ ڈرامہ تمہاری بھابی کا تیار کردہ ہے۔'' اشتارا نے سرگوشی کی اور وہ جو

Marfat.com

سانس روکے بیٹھی تھی، اتنی بڑی خوشی پر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

شاہ خانم، گل بی بی اور امی باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر اشتارا اور سحر گل کے پاس آ بیٹھی۔

اس بے تحاشہ خوشی میں اس کا چہرہ قابل دید تھا۔ اس نے وفورِ مسرت سے اشتارا کا ہاتھ تھام کر دبایا۔

''یہ سب کچھ تم لوگوں نے مجھ سے کیوں چھپایا؟'' اس کی پلکیں نم ہو گئیں۔

اشتارا نے محبت پاش نظروں سے اُسے دیکھا۔

''یہ تمہاری بھابی کی کرم نوازیاں تھیں جو تم پر ہوئیں۔'' اس نے بھابی کی طرف اشارہ کیا تو بھابی نے قریب آ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بندی اس جرم کی معافی مانگ رہی ہے ـــــ ویسے ایمان سے، مزا بڑا آیا۔ تمہاری صورت دیکھ کر ایک بار دل چاہا کہ بتا ہی دوں۔ مگر پھر ـــــ'' وہ ہنسنے لگیں۔

ہشمینہ کو تو اتنی بڑی خوشی سنبھالنا دشوار ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کیا ردِعمل ظاہر کرے۔ اونچے اونچے قہقہے لگائے یا آنکھیں بند کر کے بے خود سی پڑی رہے۔ اس سے اپنا لپکتا دھڑکتا دل سنبھل نہ رہا تھا۔ تب وہ آہستگی سے اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ دیوار کا سہارا لے کر چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتی رہی ـــــ معاً فون کی گھنٹی چیخ اٹھی تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ پھر چلتی ہوئی فون کے قریب آئی۔

نہ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ دوسری طرف اشمل ہو گا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور تھام لیا۔

''ہیلو، ہشمینہ!'' اشمل کی بے تاب آواز اس کی سماعت پر خوشبو بکھیر گئی۔ ''میں تو انتظار ہی کرتا رہا کہ تم فون کرو گی۔ مگر خیر، مبارک ہو۔'' اس کی آواز جذبات کی یورش سے بھاری ہو گئی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا اشمل!'' اس کے لب کپکپائے۔

''میں سامنے آؤں گا تو یقین آ جائے گا۔'' وہ ہنسا۔ ''آ جاؤں کیا؟''

''نن...... نہیں۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''ابھی تو سب بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''اچھا ـــــ جب چلیں جائیں تو بتا دینا۔'' وہ اس کی گھبراہٹ سے بھرپور انداز میں

Marfat.com

محظوظ ہو رہا تھا اور وہ بری طرح جھینپ گئی۔

''آپ نے مجھ سے کیوں چھپایا؟'' وہ شکوہ کرنے لگی۔ ''میں کس عذاب سے لمحہ لمحہ گزری ہوں، آپ کو شاید اندازہ نہیں۔''

''خوب ـــــ اور جیسے میں تو گھوڑے بیچ کر سوتا رہا تھا'' وہ بگڑ کر بولا۔ ''محترمہ! تم نے تو مجھے مار دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اپنی انا کا پرچم بلند کرنے چلی تھیں۔ ویسے یہ سچ ہے کہ میرے علم میں بھی آج صبح ہی یہ بات آئی ہے۔ ان سب نے بڑے خفیہ طریقے سے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔'' اشمل کے لہجے میں بشاشت سمٹ آئی۔

اسے بے ساختہ فون والی آخری ملاقات یاد آ گئی۔ اشمل کا لہجہ کس قدر ٹوٹا ہوا تھا۔ اور وہ خود ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اپنے اُجڑنے کا پورا یقین ہو گیا تھا اسے۔

''ہشمینہ!'' اشمل کی خوبصورت آواز گمبھیر ہو گئی۔ ''اتنی خوشیاں ایک ساتھ ملی ہیں کہ دامن بھی تنگ لگتا ہے۔ ساری دعائیں ایک ساتھ بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی ہیں۔''

''ہاں اشمل! محبتوں کی شدت کا اندازہ تو بچھڑنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور انہونی اور الوہی خوشی تو جدائیوں کے مرحلے طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔''

اس کا مطلب ہے کہ تم نے جدائی کے لمحوں کو بہت انجوائے کیا ہے۔'' وہ اسے چھیڑنے کی غرض سے بولا۔

''جی نہیں ـــــ یہ بات تو اب سوچنے پر اچھی لگ رہی ہے۔ وگرنہ وہ لمحات تو میرے لئے........'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''ہاں، کہو نا۔'' اشمل اس کی خاموشی سے بے تاب ہو گیا۔ ''میں بھی تو سنوں ہجر و فراق کے المناک واقعات۔''

بے اختیار ہشمینہ پر ڈھیر ساری حیا غالب آ گئی۔ اُسے بے ساختہ اپنے اور اشمل کے مابین رشتہ کا دھیان آ گیا تو زبان پر قفل پڑ گئے۔

''م .... میں فون رکھ رہی ہوں۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔ اسے کمرے سے باہر قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''ارے نہیں ہشمینہ! فون مت رکھنا۔ ابھی تو مجھے تم سے ڈھیروں باتیں کرنی ہیں۔''

''نہیں، پلیز اشمل ـــــ!'' ہشمینہ نے اس کے انکار کے باوجود ریسیور رکھ دیا اور پلٹی تو وہ سب دروازے میں کھڑی اسے رنگے ہاتھوں پکڑ چکی تھیں۔ اُس نے شرما کر گردن جھکا دی۔

Marfat.com

+++

وہ سب وادی جانے کی تیاریاں کر رہی تھیں اور اشتارا کو بڑی پھرتی سے پیکنگ کرتے دیکھ کر سحر گل ہنسنے لگی۔

''لگتا ہے ذولین خان بہت یاد آ رہا ہے۔''

''کک......کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ محترمہ کو وادی جانے کی اس قدر جلدی ہے۔ ظاہر ہے ایک دہی رہ جاتے ہیں۔ ہائے بے چارے ذولین بھائی دریچہ میں منہ پھنسائے دید کی آس لئے بیٹھے ہوں گے۔''

''فضول ہی بکنا۔'' اشتارا کو اس کے ''منہ پھنسائے'' کہنے پر ہنسی آ گئی۔

''کیوں ماہی آپی! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' اس نے اندر آتی ماہ گل سے پوچھا جو اس کا جملہ سن چکی تھی اور زیر لب مسکرا رہی تھی۔

''بس ماہی آپی! سحر گل کو بھی اب جلدی سے نکال ڈالیں۔'' اس نے سحر سے بدلہ لینا چاہا۔

''ارے، بات بدلنے کی کوشش مت کرو۔'' سحر نے آنکھیں دکھائیں۔ ''سنو، فون آیا تھا ذولین بھائی کا۔'' وہ بولی۔

''ہائے ـــــ کیا؟'' اشتارا نے بے تابانہ پلٹ کر پوچھا اور جواباً سحر گل کا قہقہہ بکھر گیا اور وہ بری طرح خجل ہو گئی۔

''ہائے رے بے تابی۔''

''میں تمہیں مار ڈالوں گی سحر!'' وہ سحر کی طرف جھپٹی۔ لیکن اسی اثناء میں وہ چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتر کر کمرے سے بھاگ چکی تھی۔

شاہ خانم، ہشمینہ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔ ''اشتارا کے نکاح میں اس کی شرکت ضروری ہے۔''

امی کا اصرار تھا کہ وہ ٹھیک نکاح کے روز ہی ان سب کے ہمراہ پہنچے گی۔ مگر گل بی بی بھی اپنی ضد کی ایک تھیں۔ انہوں نے خود ابرار بھائی سے بات کی تھی اور پھر ہشمینہ کو لے جانے پر انہیں راضی کر کے دم لیا تھا۔

اشتارا بہت خوش تھی۔

''یہ دانتوں کی اتنی نمائش کیوں ہو رہی ہے؟'' ہشمینہ نے اُسے چھیڑا۔

Marfat.com

"تمہارے آنے کی خوشی میں۔" وہ اس سے لپٹ گئی۔

"جی نہیں —— ذولین سے ملنے کی خوشی میں۔" سحر گل نے اسے چڑایا تو اس کے چہرے پر گلال بکھر گئے۔ یہ بھی سچ تھا کہ ان ہنستے مسکراتے دنوں میں ذولین خان کی یاد ہر پل، ہر لمحہ آئی تھی۔ ان دونوں کے مابین اتنا خوبصورت رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ گل بی بی نے اسے ذولین کے نام کی انگوٹھی پہنا کر اس کے سارے خوابوں کو خوش رنگ تعبیریں بخش دی تھیں۔ وہ سارا دن اس بے یقینی میں گزار دیا تھا۔

یہ معجزہ ہی تو تھا اس کے لئے۔

شاہ خانم کا بدلنا —— حویلی میں انقلاب آنا ——

وہ جو مایوسیوں کے گہرے سمندر میں غرق ہو گئی تھی، جانے کیسے اور کون سی لہر نے اُسے ساحل پر لا ڈالا تھا۔

وہ زندہ تھی۔ اپنی پوری توانائیوں کے ہمراہ۔

اور اس کی آنکھوں کے سامنے ہر شے دُھلی دُھلی اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ اور پھر اُسے اپنی خوش بختی پر یقین آ گیا۔

شاہ خانم اور بابا خان ذولین کو حویلی کے اندر لے آئے تھے اور رات کو شاندار ڈنر ارینج کیا تھا۔

نیلے کرتے شلوار پر سیاہ واسکٹ پہنے ذولین خان کس قدر مکمل اور مسرور نظر آ رہا تھا۔ اس کی سبز آنکھوں میں فتح پا لینے کا نشہ اس کی آنکھوں کو اور بھی دلکش بنا رہا تھا۔

وہ اس کے سامنے جانے کی خود میں تاب نہ پا رہی تھی۔ چوری چوری کمرے کے دریچے سے اُسے دیکھتی رہی اور ذولین کس قدر بے چین تھا اُس کی ایک جھلک دیکھنے کو۔ مگر پھر مایوس لوٹ گیا۔

اور دوسرے دن وہ شہر آ گئی۔ یقیناً وہ خفا ہوا ہو گا۔ اتنے دن اُس نے اُسے بے تحاشا یاد کرنے میں گزار دیئے ہوں گے۔ اُسے اس بات کا پکا یقین تھا کہ وہ ذولین کے جذبوں کی شدت سے اچھی طرح واقف تھی۔

سحر اور ہشمینہ کے چھیڑنے پر اس کے چہرے پر گلابی بکھر جاتی۔ اس کی آنکھوں میں بے تابی سمٹ آتی اور ان دونوں کے جملے اس کی بے تابی کو اور بھی سوا کر جاتے۔

فروان اور سحر گل بھی ان کے ہمراہ وادی آ رہے تھے جبکہ باقی سب کا فنکشن سے ایک دن پہلے وادی پہنچنے کا ارادہ تھا۔

Marfat.com

اشمل نے احسن اور دوسرے چند دوستوں کو خصوصی دعوت نامے دیئے تھے۔ وہ سب اسی شام وادی روانہ ہو رہے تھے۔

فروان کی گاڑی میں شاہ خانم، گل بی بی اور ماہ گل بیٹھی تھیں۔ اشمل جو گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اس میں سحر گل اور اشتارا نے اپنے ہمراہ ہشمینہ کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔ وہ بری طرح شرما رہی تھی۔ اُس نے اپنی سرمئی چادر کھینچ کر چہرے پر ڈال رکھی تھی اور اشمل مرر میں اسے دیکھ رہا تھا۔

''حواسوں میں رہ کر چلایئے گا اشمل بھائی! ہم ناتواں لوگ بھی بیٹھے ہیں۔'' سحر گل اُس کی چوری پکڑ کر شرارت سے بولی تو اشمل جھینپ گیا۔

''بے فکر رہو ـــــ میرے حواس بہت مضبوط ہیں۔ آزمائے جا چکے ہیں۔'' اس نے ہشمینہ کو نظر بھر کر دیکھا۔ کچھ اسے جتا بھی دیا اور وہ زیرِ لب مسکرا دی۔

''چلیں تو پھر دوسروں کے حواس کو خطا نہ کریں۔'' سحر گل کہاں کم تھی۔ اور اشمل کا بے ساختہ قہقہہ گاڑی میں گونج اٹھا۔

سحر گل اور اشمل کی نوک جھونک سے اشتارا اور ہشمینہ محظوظ ہو رہی تھیں اور انہی خوشگوار باتوں میں راستہ کٹ گیا۔

دونوں گاڑیاں حویلی کے بڑے سے پورچ میں رک گئیں۔ ان کے استقبال کے لئے مہروز خان، ذولین اور شاندانہ کھڑے تھے۔

شاندانہ تو شاہ خانم کو سلام کر کے بھاگ کر ان کی طرف آئی اور اشتارا سے گلے لگ گئی۔

''ہائے اشتارے! ـــــ کتنی بے مروت ہو۔ اتنی بڑی خوشی اکیلے اکیلے ہی ہضم کر گئی۔ یہ نہ ہوا کہ میرے آنے کا انتظار ہی کر لیتی۔'' اس نے چھوٹتے ہی شکایت کا دفتر کھول دیا۔

''ارے، ارے دھیرج ـــــ بی بی! دھیرج۔'' سحر گل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ ہنس دی۔ اور پھر سحر سے ہاتھ ملا کر ہشمینہ سے لپٹ گئی۔

''ایمان سے مجھے تو ذولین لالہ نے کچھ بھی نہیں بتایا۔ یہ تو مہروز ماموں کی ہی کرم نوازی ہے۔ اور پھر زیبل نے ساری تفصیل عرض کی۔ سچی، مجھے تو لگ رہا ہے کہ خوشی سے مر ہی نہ جاؤں۔''

''ایک خوشخبری اور بھی ہے۔'' اشتارا نے اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے کہا تو وہ چونک اٹھی۔

Marfat.com

ہشمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب اشارا کیا کہنے والی ہے۔ سو تیزی سے گل بی بی کی طرف بڑھ گئی۔

''اشمل لالہ کو ہشمینہ کی نکیل بھی ڈالی جا چکی ہے۔'' سحر گل بلند آواز میں بولی تو اشمل نے جو ذولین کے ساتھ کھڑا تھا اُس کی بات پر اُسے گھورا۔

''میری ناک میں نکیل؟''

''میں نے ناک تو نہیں کہا۔ کہیں بھی لگا لیں۔'' وہ جواباً بولی تو سب ہنسنے لگے۔

''ہائے اشمل لالہ! یہ کیسی بے مروتی...... میری شادی کیا ہو گئی، مجھ سے تو سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔'' وہ اشمل کی طرف بڑھی۔ ''اب میں آپ دونوں سے لمبی ٹریٹ لوں گی۔'' وہ ذولین اور اشمل دونوں کو بیک وقت مخاطب کر کے بولی۔

''بھئی ٹریٹ تو تم اپنی کزن سے لو۔'' اشمل نے کہا۔

''کس سے ــــ اشارا سے؟''

''اونہوں ــــ ہشمینہ سے ــــ'' ذولین نے برجستہ کہا تو شاندانہ منہ بنا کر رہ گئی۔

''بڑے چالاک ہیں آپ دونوں ــــ خیر ان دونوں کو بھی بخشوں گی نہیں۔'' وہ اپنے خطرناک ارادوں سے دونوں کو باخبر کرتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

حویلی کی رونق اپنے عروج پر تھی۔ سارے ہی قریبی اور دور کے عزیز مہروز خان اور شاہ خانم کی خوشی میں شریک تھے۔ حویلی کو خوبصورت برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ اندر باہر روشنیاں جگر جگر کرتیں ماحول کو فسوں خیز بنا رہی تھیں۔

اشمل کے کئی دوست بھی اس کی خوشی میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ احسن کی شوخیاں تو اپنے عروج پر تھیں۔ ایک طرف فروان کے چٹکلوں اور دوسری طرف احسن کی گل افشانیوں نے ماحول میں بجلیاں بھر دی تھیں۔

فروان نے بہت خوبصورت دھمال ڈالی تھی۔

''ذولین بھائی! آپ بھی میرا ساتھ دیں۔ ایمان سے، جب تک دولہا دھمال نہ ڈالے، دولہا نہیں لگتا۔'' اس کے فلسفے پر ذولین ہنس دیا اور معذرت کر لی۔

''آپ آجائیے اشمل بھائی! خیر سے آپ بھی قریب قریب دولہا ہیں۔''

''نہیں بھائی! مجھے تو معاف ہی رکھو۔ ہاں اپنی شادی پر کر لوں گا بقول تمہارے تاکہ دولہا لگوں۔'' اس کے جملے نے سب کو محظوظ کیا۔

Marfat.com

+++

اے ہے ـــــ خدا کی پناہ ـــــ ذرا دیکھو تو، کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ اندر باہر ایسا شور مچا ہے کہ الاماں۔'' گل بی بی کانوں پر ہاتھ دھرے اندر آئیں۔ ساری لڑکیوں نے اشتارا کے کمرے میں دھاوا بول رکھا تھا۔ اشتارا تخت پر بیٹھی تھی اور ہشمینہ اس کے ہاتھوں پر مہندی لگا رہی تھی۔ اور باقی لڑکیاں اس کے اردگرد بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اشتارا کو چھیڑ بھی رہی تھیں اور اپنے ہاتھوں پر مہندی بھی لگاتی جا رہی تھیں۔

گل بی بی، اشتارا کے پاس آئیں۔ ان کی آنکھوں میں بہتیرے جگنو چمک اٹھے۔ گوٹے لگے زرد دوپٹے میں اشتارا کا معصوم چہرہ بے پناہ دمک رہا تھا۔ اُن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

'خدایا! تُو اسے سدا شاد و آباد رکھنا۔' اُنہوں نے چپکے سے دعا مانگ لی۔

''کیا بات ہے ممانی جان ـــــ شور سے نالاں ہیں آپ؟'' ہشمینہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''اے ہائے، میں کیوں نالاں ہونے لگی۔ یہ شور تو خوشیوں کا احساس دلا رہا ہے۔ ارے میں تو بھول ہی گئی کہ یہاں کیوں آئی تھی۔'' گل بی بی کو اچانک اپنی آمد کا مقصد یاد آیا تو وہ شاندانہ کی طرف متوجہ ہوئیں جو بڑے مزے سے اپنے ہاتھوں کو مہندی سے سجا رہی تھی۔

''دیکھو تو اُسے، نہ کام کی نہ کاج کی اور مہندی لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ارے تیری کون سی بارات آنی باقی ہے۔ اُٹھو اور مجھے چاندنیاں نکال کر دو۔ مردان خانے میں کم پڑ گئی ہیں۔'' گل بی بی نے شاندانہ کو باقاعدہ ڈپٹنے کے انداز میں کہا تو اس کا منہ بن گیا۔

''میں ہی نظر آتی ہوں آپ کو ـــــ مہندی خراب ہو جائے گی۔''

''ارے توبہ شاندانے! اشتارا کی شادی میں مہمان بن کر صرف ٹھونسنے آئی ہو یا کچھ ہاتھ پیر بھی چلاؤ گی ـــــ ارے میں تو بوکھلا کر رہ گئی ہوں۔''

''میں نکال دیتی ہوں۔'' ہشمینہ جلدی سے اٹھ گئی۔

''ارے نہیں بیٹی! تم پہلے ہی اشتارا کو مہندی لگا کر تھک گئی ہو۔ یہ کس کام کی ہے۔''

''ارے رہنے دیں ممانی جان! بیچاری نے دس گھنٹے میں تو اتنی سی مہندی لگائی ہے۔ وہ بھی خراب ہو جائے گی۔'' ہشمینہ نے مسکرا کر اس پر لطیف سا طنز کیا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

Marfat.com

''اچھا ـــــ تم بس یہ کرو کہ زیبل سے کہو کہ چاندنیاں نکال دے۔ کچھ مردانے میں بھجوا دے اور کچھ زنانے میں بچھا دے۔'' گل بی بی بڑی جلدی میں تھیں۔ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''اس لڑکی نے سب کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ اب یوں دھماکہ خیز انداز میں نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب رخصت ابھی نہیں ہونا تو پھر یہ بیڑیاں کس خوشی میں ہیں۔'' شاندانہ، اشتارا کو گھورنے لگی تو وہ جھینپ گئی۔

''مم...... میں نے یہ تو نہیں کہا تھا۔ یہ تو بابا خان اور شاہ خانم کر رہی ہیں۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی تو ہشمینہ کا بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔

''شاندانے ـــــ'' ذولین کی آواز پر وہ سب چونکیں۔

''جی ذولین لالہ! اندر آ جایئے۔ یہاں کوئی بھی غیر نہیں ہے سوائے اشتارا کے۔'' شاندانہ کو شرارت سوجھی تھی اور اشتارا کے دل کی دھڑکنیں تو ذولین کی آواز پر بھی منتشر ہو رہی تھیں، اب شاندانہ اُسے بلا رہی تھی۔ وہ گھبرا گئی۔

''کک...... کیا کر رہی ہو شان؟'' وہ چلائی اور جھٹ سے پیلا دوپٹہ کھینچ کر سر پر ڈالا اور کھڑی ہو گئی۔

''بھئی مردانے میں کچھ چاندنیاں چاہئیں۔'' وہ اندر آ گیا تھا مگر اسی اثناء میں اشتارا بھاگ کر کمرے کے دوسرے حصہ میں جا چکی تھی جہاں بڑا سا پردہ درمیان میں تھا۔ اُس کا پیلا جھلملاتا دوپٹہ لہرایا، پھر پردہ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

''اوہ سوری ـــــ مجھے خبر نہ تھی کہ اشتارا یہاں ہے۔'' وہ کچھ خفیف سا ہو گیا۔ دوسری لڑکیاں بھی شاندانہ کی شرارت سے محظوظ ہو رہی تھیں۔

''ہاں ـــــ امی کہہ گئی ہیں۔ مگر ذولین لالہ! آپ دولہا ہو کر یہاں وہاں مصروف ہیں۔ اب ٹک کر بیٹھ جایئے۔'' شاندانہ شرارت سے گویا ہوئی۔

''دولہا ہوں ـــــ دلہن نہیں کہ اوجھل ہو جاؤں۔'' اس نے ایک اچٹتی نظر پردہ پر ڈالی مگر پردہ اتنا دبیز تھا کہ اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ ذولین، اشتارا مہروز کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار ہو گیا تھا۔ وہ تو اس خوبصورت بندھن کے بعد سات پردوں میں جا چھپی تھی اور اس کی بے تابی کو اور ہوا دے رہی تھی۔

وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ کچھ شاندانہ کی شرارت کی وجہ سے اور کچھ دوسری لڑکیوں کی موجودگی کی وجہ سے۔

Marfat.com

دوسرے دن صبح ہی سے مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ فیصل ماموں کی فیملی اور ہشمینہ کے گھر والے بھی آ چکے تھے۔ قریبی علاقوں کے مہمان شام کو آنا شروع ہو گئے تھے۔ دو دن سے چھائی گہما گہمی میں یک بیک اضافہ ہو گیا تھا۔ لڑکیاں اپنی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ اتنے دنوں پہلے سے تیاریاں کرنے کے باوجود اس وقت بھی انہیں کوئی نہ کوئی چیز کم محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں وہاں ایک ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔

اشتارا اپنے تخت پر بیٹھی ان طوفانی تیاریوں کو دلچسپی سے تک رہی تھی۔

''ارے سحر بیٹی ــــ ارے کوئی سنو تو ــــ'' شاہ خانم اندر کمرے میں آئیں۔

''جی ــــ جی فرمائیے۔'' شاندانہ باتھ روم سے نکل کر ان کی طرف آئی۔

''تمہاری امی کہاں ہیں؟ ــــ نظر نہیں آ رہیں۔''

''امی تو اشمل لالہ کے ہمراہ شہر گئی ہیں۔''

''ہیں ــــ شہر ــــ اس وقت کیوں؟''

''دوپہر سے گئی ہیں۔ وہ دراصل ذولین لالہ کو اشتارا کے لئے شرارہ پسند تھا۔ امی نے نکاح کے لئے پشواز بنوایا تھا۔ اب وہ شرارہ لینے شہر گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں جلد ہی لوٹ آئیں گی۔'' شاندانہ کی پلکیں خود بخود جھک گئیں۔

''ارے اس لڑکے کو بھی کیا سوجھی۔ پشواز میں بھلا کیا برائی ہے۔ یہی تو پہنایا جاتا ہے دلہن کو۔'' شاہ خانم حیران ہوئیں اور پھر کمرے سے نکل گئیں۔

''ذولین لالہ کہہ رہے تھے، پشواز میں تو اشتارا کو کئی بار دیکھ چکا ہوں ــــ اسی لئے شرارہ منگوایا ہے۔''

''رخصتی کے لئے شرارہ رکھ لیتے۔ ابھی کون سا دیکھ سکیں گے وہ۔'' سحر گل بھی اس دلچسپ موضوع میں شریک ہو گئی۔

''ارے واہ ــــ کیوں نہیں دیکھ سکیں گے۔'' شاندانہ معنی خیز انداز میں ہنسی۔ اشتارا کا چہرہ گلگوں ہو گیا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

گل بی بی شام تک واپس آ گئی تھیں۔ وہ بڑا خوبصورت شرارہ خرید کر لائی تھیں جو نکاح کے وقت اشتارا کو پہنا دیا گیا تھا۔

''چشم بد دور، دل ماشاد۔ آج تو ذولین بھائی کی خیر نہیں۔'' ہشمینہ نے اس کے ہوشربا سراپا پر نگاہیں ڈال کر شرارت سے کہا۔

''بکو مت۔ تم اپنی خیر مناؤ۔ بڑی قاتل لگ رہی ہو۔'' اشتارا نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔

Marfat.com

شاہ خانم نے اسے بے حد خوبصورت کامدار جوڑا دیا تھا جو اس کے تراشیدہ سراپے پر بے حد بچ رہا تھا۔ اس پر میچنگ جیولری اور ہلکے میک اپ نے اس کے چہرے کو خیرہ کن بنا دیا تھا۔ وہ اشتارا کی نگاہوں پر جھینپ گئی۔

''سنو، تم بال کھلے رکھنا۔'' سحر گل اس کے کھلے ریشمی بالوں کو دیکھ کر بولی۔

''نہیں ــــ میں تو مہک سے بال بنواؤں گی۔''

''وہ نہیں بنائے گی۔ بڑی بدتمیز ہے وہ۔'' سحر گل لپ اسٹک کا آخری بچ دے کر بولی۔

''نہیں ــــ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔'' وہ ڈریسنگ سے برش اٹھا کر مہک کو ڈھونڈنے نکل گئی۔ تبھی مہک اس کو کوریڈور سے گزرتی نظر آئی۔ اس نے اسے جا پکڑا۔

''ہائے ہشمینہ! ام...... میں تھک گئی ہوں۔'' مہک پکڑے جانے پر جھینپ گئی۔

''کون سے سو کام کر ڈالے ہیں تم نے۔ وعدہ کیا تھا تم نے مجھ سے۔'' وہ مہک کو بہانے بناتے دیکھ کر منہ بنا کر بولی۔ ''جاؤ، مجھ سے بات مت کرنا اب۔'' وہ خفا ہو کر جانے لگی کہ مہک نے اسے پکڑ لیا۔

''مذاق کر رہی ہوں یار! ــــ ویسے بھی اشمل لالہ نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ خبردار، میری فیانسی کو ناراض مت کرنا۔ اسے سب سے حسین بنا دینا'' وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑنے لگا۔ ہشمینہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسی لمحے اشمل اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ وہ اپنے نام پر ٹھٹک گیا تھا۔ مہک تو اشمل کو دیکھ کر تیزی سے کسی قریبی کمرے میں جا گھسی اور ادھر ہشمینہ، اشمل کے یوں سامنے آ جانے پر شپٹا گئی۔

''ہاں بھئی ــــ میرا کیا ذکر خیر ہو رہا تھا؟'' وہ اس کے سجے سنورے سراپے کو پُر شوق نظروں سے تکنے لگا۔

وائٹ کا بلیو جھلملاتا سوٹ اور کھلے بالوں کے ہمراہ وہ اس کے دل کے تاروں کو چھو گئی۔ گولڈن آئی شیڈ نے اس کی سیاہ آنکھوں کو قیامت خیز بنا دیا تھا۔

''وہ مم ...... مہک تو ایسے ہی فضول بکواس کر رہی تھی۔'' اس نے سر جھکا لیا۔ سنہری نگاہیں اس کے دل کے آر پار ہو رہی تھیں۔

''فضول تو نہ کہو ــــ اتنی اچھی بات کہی تھی اس نے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ وہ جملہ سن چکا تھا۔

''ہشمینہ!'' اشمل کی آواز گمبھیر ہو گئی اور ہشمینہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اُسے اشمل خان کی والہانہ نگاہوں سے بے طرح شرم آنے لگی۔ اسی لمحے فروان کی آواز نے اشمل کی

Marfat.com

توجہ اپنی جانب کر لی۔ وہ اُسے دور سے پکار رہا تھا تو وہ جلدی سے پلٹا۔

''بقیہ ملاقات بعد میں ہو گی۔ سمجھیں؟'' اس نے پلٹتے ہوئے ہشمینہ کی طرف دیکھا۔

''جی نہیں ـــــ'' وہ جلدی سے بولی اور جھپاک سے بھاگ گئی۔

حویلی کے بڑے بڑے لان رنگین شامیانوں سے سجے ہوئے تھے۔ مردوں اور عورتوں کے بیٹھنے کا الگ الگ انتظام تھا۔ نکاح کی رسم بے حد خاموشی اور مقدس ماحول میں ہو رہی تھی۔

جونہی نکاح کی رسم ختم ہوئی، شاہ خانم بے تابانہ اشتارا کی طرف بڑھیں اور اشتارا کو بانہوں میں بھر لیا اور اشتارا جو جب سے آنسوؤں کا سیلاب چھپائے بیٹھی تھی اسے ضبط پر یارا نہ رہا اور وہ سیلاب اُمڈ آیا۔

''میری بچی ـــــ خدا تجھے سدا سکھی رکھے۔ میں نے جو تیری خوشیاں چھینی تھیں وہ تیرے دامن میں سمٹ آئیں۔ مجھے معاف کر دینا میری بچی! ـــــ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں مجھ سے۔'' انہوں نے اس کی بھیگی بھیگی پلکوں کو چوم لیا۔ اشتارا انہیں کس قدر عزیز تھی، انہیں آج احساس ہو رہا تھا۔

ذولین خان کی خوشی تو قابل دید تھی۔ اس کی آنکھوں میں سب کچھ پا لینے کا نشہ اُمڈا آ رہا تھا۔ وہ مردانے سے اٹھ کر گل بی بی کی طرف آ رہا تھا۔ تب شاہ خانم اس کی طرف بڑھیں اور وہ احتراماً جھکا تو انہوں نے اُسے بانہوں میں بھر لیا۔ آج انہیں بری طرح رونا آ رہا تھا۔ شاید خوشی کے آنسو تھے یا ندامتوں کے آنسو تھے۔ وہ سارے آنسو بہا کر پُرسکون ہو جانا چاہتی تھیں۔

ذولین کو خوب بھینچ کر انہوں نے پیار کیا۔

''مجھ گناہگار کو تو معاف کر دینا بیٹے! ـــــ بہت بوجھ ہے اب بھی میرے دل پر۔ شاید اُتر جائے۔''

''نہیں چچی خانم! کیوں بار بار آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں ـــــ میں تو وہ سب کچھ فراموش کر چکا ہوں۔ جب حال کی خوشیاں ہمارے اطراف میں بکھری ہوئی ہیں، مستقبل میں کوئی گرد نظر نہیں آ رہی تو پھر ہمیں کربناک ماضی کو یاد رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔''

شاہ خانم نے اُسے دیکھا۔ اس لمحے وہ انہیں بہت عظیم انسان لگا جس نے کتنی آسانی سے برسوں کی زیادتیوں کو بھلا دیا تھا۔ ان کے ڈھیر سارے جرم پل بھر میں معاف کر دیے تھے۔ انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

Marfat.com

اشتارا کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ خوشی کا بے پناہ احساس ہو رہا تھا تو کہیں بے نام سا دکھ ہلکورے لینے لگتا۔

کبھی آنکھوں میں آنسو آئے جا رہے تھے تو کبھی لبوں پر مسکراہٹیں۔

اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر قد آدم آئینے میں اپنا سجا سنورا سراپا دیکھا۔ کندن آنکھوں کو بہت غور سے دیکھا۔ آج ان کی شفاف سطح پر کسی نا آسودگی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کسی اندیشے اور خوف کی پرچھائیں نہ تھی۔

آج اس نے ساری محبتیں پالی تھیں۔

محبت جو ساری وحشتوں کو چوس لیتی ہے۔

بے لوث محبت جو بے نمو مٹی کو شاداب کر دیتی ہے۔

یہی محبت جو دشت کو فردوس کا روپ دیتی ہے۔

آج اُس نے ہجر سالوں کا ثمر پا لیا تھا۔

شاہ خانم کی محبت میں ڈوب کر اپنی پیاسی ہستی کو سیراب کیا تھا۔ ذولین خان —— آہ، جس کے سچے جذبوں نے اسے بالآخر جیت لیا تھا۔ فتح ہمیشہ بے غرض اور بے لوث انسانوں کی راہ دیکھتی ہے۔

اُسے اپنے خدا پر بے اختیار پیار آ گیا۔

تقدیر کس طرح مہربان ہوئی تھی۔

تپتے منظروں پر دھنک رنگ لہرا گئے تھے۔

مسرت، خوشی کسی خوشگوار منظر کی طرح اس کے وجود کے سامنے کے راستوں پر پھیلی ہوئی تھی، حال اور مستقبل کو گل رنگ کرنے کے لئے۔

اُس نے ایک گہری اور آسودہ سانس سینے کی تہہ سے کھینچی۔

''گھنیری چھاؤں مل جائے تو موسم کی تمازت ہار جاتی ہے۔ آج مجھے یقین آنے لگا ہے کہ تپتی دھوپ پر کس طرح مہربان ابر چھا جاتے ہیں —— صحرا کی تپتی ریت کس طرح ٹھنڈی مٹی میں بدل جاتی ہے۔'' ذولین کی بھاری آواز نے اُسے چونکا دیا۔ ''موسم بھی بدلتے ہیں، لمحے بھی سرکتے ہیں، جمود کس طرح ٹوٹتا ہے، آج ہر بات کا یقین آنے لگا ہے اشتارا مہروز ——!'' اُس نے قد آدم آئینے میں دیکھا۔ وہ اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ کریم کلر کے شلوار سوٹ پر میرون واسکٹ میں اونچا لمبا وجود سحر انگیز لگ رہا تھا۔ سبز شفاف آنکھیں الوہی خوشیوں سے دمک رہی تھیں۔ سنہری بال بے حد نفاست سے سر پر

Marfat.com

بجے تھے۔

''آ......آپ یہاں؟'' وہ بغیر پلٹے دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔

''ہاں ـــــ اب تو مجھے شرعی حق حاصل ہو گیا ہے۔'' وہ مسکرایا اور اس کے بے حد قریب آ گیا۔ اشتارا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ کسی کے آ جانے کا دھڑکا اس پر لاحق ہو گیا۔ مگر ذولین خان ان سب باتوں سے بے پرواہ تھا۔ اس کا انگ انگ خوشی سے سرشار تھا۔ اشتارا کا سراپا اس کے سامنے تھا اور یہ یقین کہ وہ اس کی امانت ہے۔ زندگی کے سفر میں اس کی شریکِ سفر ہے۔ کاتبِ تقدیر نے اس کی خوشیوں کی ضمانت دے دی تھی۔ اس کے لئے تو ہر لمحہ خوشیوں سے پُرنور ہو گیا تھا۔

کتنے کٹھن سفر طے کرنے کے بعد اس نے اشتارا مہروز کو پایا تھا۔ ایک صبر آزما جنگ کے بعد فتح کا چراغاں ہوا تھا اس کے دل نگر میں۔

''سچی چاہت کا اپنا ہی ایک نشہ ہوتا ہے، یہ تمہیں پا لینے کے بعد محسوس ہوا ہے اشتارا! ـــــ آج میں بے حد خوش ہوں۔ بہت زیادہ۔ جیسے آج پہلی بار خوشی کے مفہوم سے آشنا ہوا ہوں۔'' اس کی والہانہ نگاہیں اشتارا کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''ہاں ذولین خان! خوشیاں بے حد انمول ہوتی ہیں ـــــ ان کی مسرت الوہی۔ اگر یہ آسانی سے مل جاتیں تو ان کے رنگ ماند پڑ جاتے، انہیں پا لینے کا نشہ پھیکا پڑ جاتا۔ دُکھوں کے شجر پر ہی تو خوشی کے ثمر کھلتے ہیں۔'' اس نے اپنے لپکتے جھپکتے دل کو اس کے سبز نگینوں سے سنبھالتے ہوئے دھیرے سے کہا تو ذولین خان اسے دیکھتا رہ گیا۔

کس قدر مکمل تھی یہ لڑکی۔ اپنے ہر انداز میں دل کو موہ لینے والی۔ اُس نے واسکٹ کی جیب سے خوبصورت بکس نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ میری طرف سے پہلا تحفہ۔''

اشتارا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے عنابی لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''آخری نہیں کہوں گا۔''

''یہ ظاہری تحفے آپ کی محبت کے سامنے کچھ نہیں ذولین خان! مجھے تو وہ سب کچھ مل گیا جو مجھے چاہئے تھا۔''

''تھینک یو ـــــ مگر یہ سب تمہارا اعجاز ہے کہ ایک پتھر کو انسان بنا ڈالا۔ وہ بھی اپنے قابل۔'' وہ ہنسا تو اشتارا جھینپ گئی۔

''اشتارا! یہ دن اور 22 تاریخ مجھے ہمیشہ یاد رہے گی ـــــ اس لئے کہ بالکل یہی دن

Marfat.com

تھا اور یہی تاریخ جب میں ان آنکھوں سے ڈسٹرب ہوا تھا اور اپنا قیمتی دل ہارا تھا۔"

"جی ـــــ؟" وہ حیران ہوئی۔

"جی ـــــ اپنی شکست اور فتح کا دن کون بھول سکتا ہے بھلا۔ وہ دن میری شکست کا تھا اور آج فتح کا۔" اس نے اس کی سنہری سنہری آنکھوں میں جھانکا تو اشتارا نے گھبرا کر پلکیں جھکا دیں۔

"اگر اجازت ہو تو میں پہنا دوں اسے؟" اس نے بکس کھولنا چاہا تو اشتارا سٹپٹا گئی۔ اسے اس لمحے ذولین سے بے پناہ شرم آنے لگی۔ اس نے جلدی سے وہ بکس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ذولین اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیا۔

اس نے بکس آہستگی سے کھولا تو دو سنہری کنگن دمک رہے تھے اور اس پر رکھے تراشیدہ گلابی کاغذ پر سیاہ حرفوں میں خوبصورت شعر لکھا تھا۔

شہر دل میں اِک ایسا رستہ ہے
جس پہ برسوں سے ایک چہرہ ہے

اشتارا کو لگا جیسے زندگی کے اتنے ڈھیر سارے لمحوں میں اُسے اپنا ایک لمحہ مل گیا جس میں محبتوں اور ٹھنڈی چھاؤں کا بھرپور احساس تھا اور یہ احساس کا لمحہ یقیناً صدیوں پر محیط ہوگا۔

اس نے خوشبو میں بسے اس کاغذ پر چہرہ جھکا لیا اور لمحہ بھر کو آنکھیں موند کر محبتوں کی پیشگی دعائیں مانگ ڈالیں۔ اور جب آنکھیں کھولیں تو ذولین خان اپنی مہک اس کے اطراف بکھیر کر جا چکا تھا۔ اور وہ پورا شریر ٹولا آنکھوں میں شوخیاں بھرے کمرے میں موجود تھا۔

وہ بے ساختہ ہنس دی۔ شفاف اور تر و تازہ ہنسی ـــــ جس میں حسرتوں اور دکھ کا شائبہ تک نہ تھا۔

(تمت بالخیر)

Marfat.com

Marfat.com

آسیہ مرزا کے جذبوں میں گُندھے، جادو اثر، محبت ریز، دل آویز قلم سے

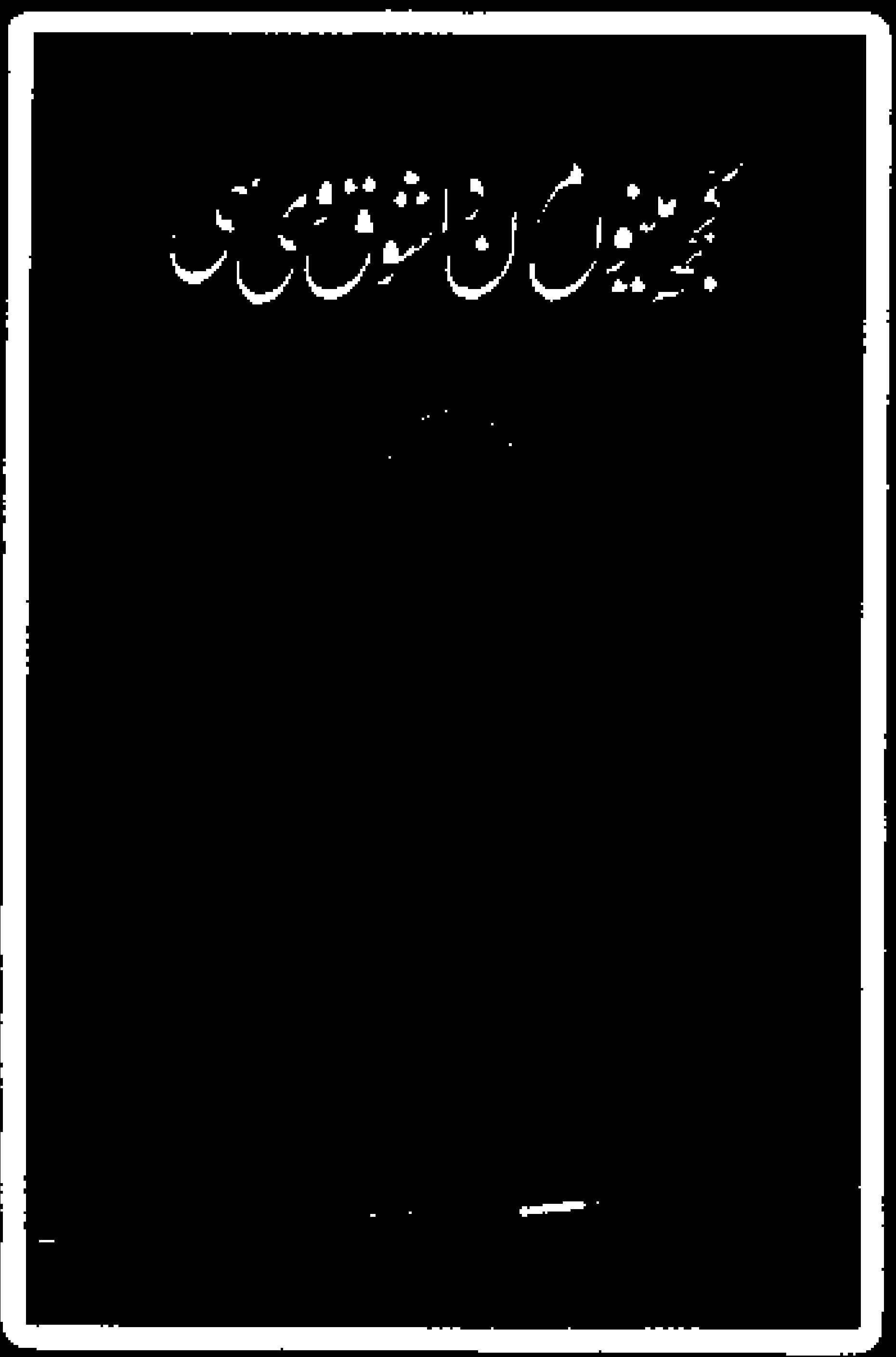

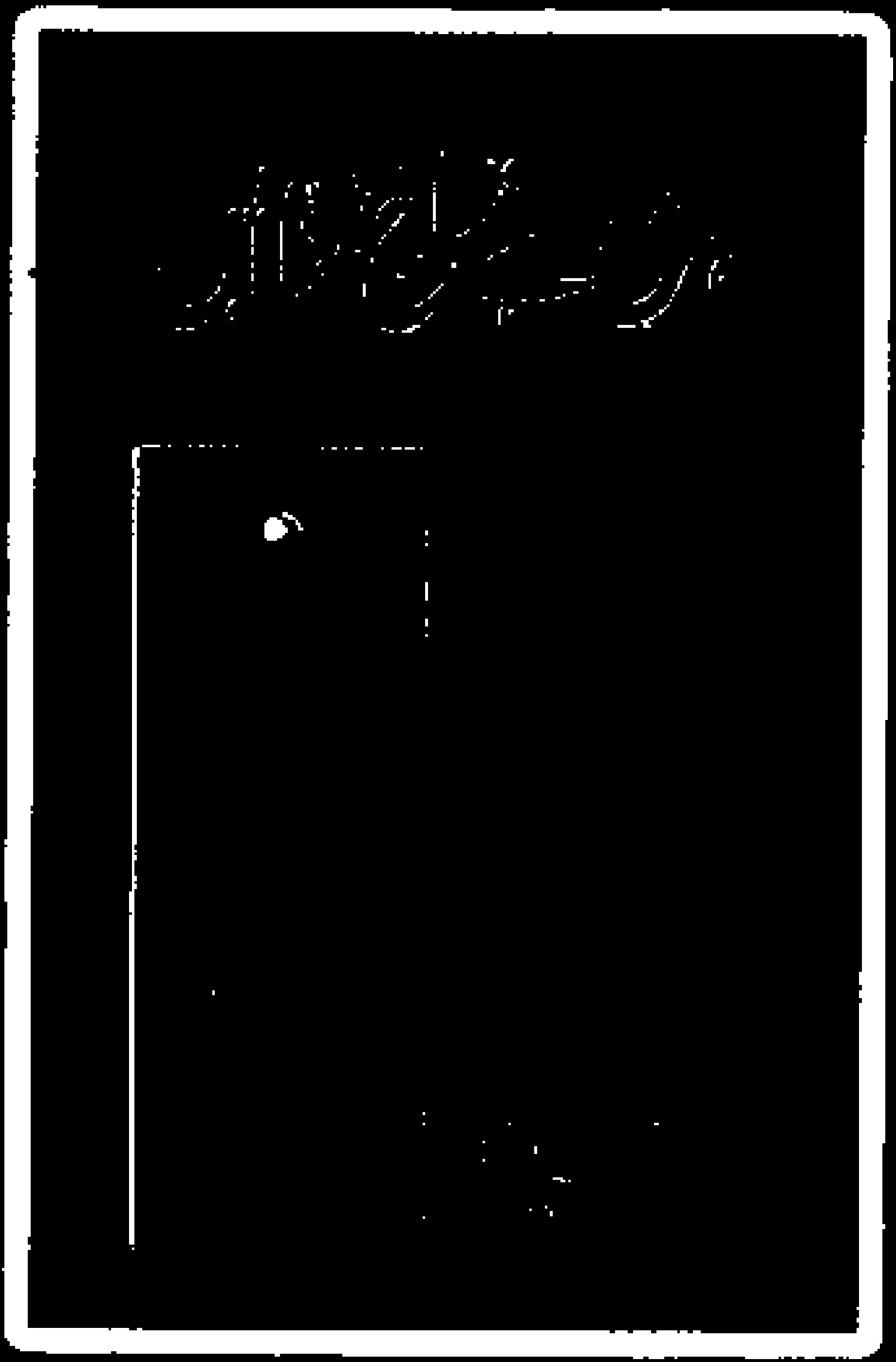

القریش پبلی کیشنز
سرکلر روڈ چوک اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-7668958
042-7652546
www.alquraish.com
email: info@alquraish.com

Marfat.com